سلسلۂ دار المصنفین ۴۷

تاریخ صقلیہ

جلد دوم

جسمیں

سسلی عہد کے اسلامی کا تمدنی جغرافیہ، نظامِ حکومت، زراعت، صنعت، حرفت، تعمیرات، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں ۔

از

سید ریاست علی ندوی

رفیق دار المصنفین، و سب اڈیٹر معارف

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ میں چھپی

سنہ ۱۹۳۶ء

۱۳۵۴ھ

سیرۃ النبی

ایک مسلمان کے لئے قرآن پاک کے بعد سب سے بڑا سرمایۂ فخر اس کے رسول کے احوال پاک اور کلمات طیبات ہیں، جنکے مجموعہ کا نام سیرۃ نبوی ہی، اردو میں اس وقت بالاتفاق سب سے کامل تر اور صحیح تر سیرۃ نبوی میں وہ کتاب ہی، جس کو دار المصنفین نے شائع کیا ہے، والحمد للہ،

اب تک اس کتاب کے پانچ حصے شائع ہو چکے ہین، اور دو حصے اور باقی ہین،

سیرۃ النبی حصہ اول، از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات مع مقدمہ مشتمل بر نقد و فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل بعثت، طبع دوم، ضخامت ۵۶۱ صفحے، قیمت: للعہ، تقطیع خورد،

سیرۃ النبی حصہ دوم، از ۹ھ تا ۱۱ھ جس میں اقامت امن، تاسیس خلافت، اشاعت اسلام، انتظامات، مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات و شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل، اور ازواج و اولاد کا مختصر تبصرہ ہی، طبع اول تقطیع کلان، ضخامت ۴۵۱ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ عہ، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت ۴۸۰ صفحے قیمت باختلاف کاغذ صہ، ہیے،

سیرۃ النبی حصہ سوم۔ جس کے مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہ ہاے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہی، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی نزول ملائکہ، عالم رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہی، پھر وہ آیات و معجزات ہین جنکا ذکر قرآن مجید میں ہے، بعد ازیں وہ ہیں جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں، اور جنکے حوالے قرآن مجید و حدیث میں مذکور ہین، اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے، طبع اول تقطیع کلان، ضخامت ۵۹۶ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ ۶ ر و للعہ، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت ۴۹۰، قیمت باختلاف کاغذ معہ ۔ صہ،

سیرۃ النبی حصہ چہارم، منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ بحث، تقطیع کلان، ضخامت ۷۰۰ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ ہے، سے، تقطیع خورد ضخامت ۹۰۰ صفحے، قیمت: باختلاف کاغذ معہ، صہ،

سیرۃ النبی حصہ پنجم، اس جلد کا موضوع تعلیمات نبوی میں سے عبادات کی تشریح و تفصیل ہے، اسمیں پہلے عبادات کی حقیقت اور اسلام میں عبادت کے انواع و اقسام کا بیان ہے، پھر اسلام کے فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ سیر حاصل بحثین ہیں، پھر توکل، صبر، اخلاص، تقویٰ اور شکر کے معانی و مطالب قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہیں، تقطیع کلان ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ صہ قسم دوم للعہ

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی جلد کے دیباچہ مین کہا گیا تھا، :-

"سسلی کی تاریخ.... ایک ایسی تمدن آفرین قوم کی سرگذشت ہے جس کی تمدنی ترقیان یورپ کی جدید ترقیون کی بنیادون میں سے ایک بنیاد ہین"

اس دوسری جلد مین اُسی تمدن آفرین قوم کے تمدنی خط وخال دکھائے گئے ہین، کتاب چند ابواب مین تقسیم کیگئی ہے پہلے باب "صقلیہ کے عہد اسلامی کا تاریخی وتمدنی جغرافیہ" مین صقلیہ کے مسلمانون اسلامی آبادیون اور یہان کے رہنے والون کی زبان، ادیان، مذاہب، فرق اور اخلاق وعادات کا بیان ہے سرزمین اور اسکے باشندونکے تعارف کے بعد انکی متمدن حکومت کا بیان آتا ہے پھر "معیشت" کے باب مین انکے معاش اور طریق زندگی کی تفصیل ہے اس ضمن مین زراعت، صنعت وحرفت، تعمیر اور تجارت کے مفصل حالات آگئے ہین پھر "علوم وفنون" کا باب مسلمانان صقلیہ کے ذہنی وعلمی ترقیون کا آئینہ دار ہے اسی مین رجال صقلیہ کے مفصل سوانح بھی ملین گے علماء وادبائے صقلیہ کی علمی وادبی خدمات مختلف فنون کی تقسیم کیساتھ جداگانہ دکھائے گئے ہین اسلئے ان لوگون کا تذکرہ انکی مختلف علمی خدمات کی مناسبت سے علم کے مختلف شعبون مین ایک سے زائد مرتبہ آیا ہے اسلئے ان میں سے جس شخص کا ذکر پہلی مرتبہ علم کے جس شعبہ مین آیا ہے وہین پر اسکے مفصل سوانح بھی درج کردیئے گئے ہین لیکن اگر کسی کی شہرت کسی خاص فن مین زیادہ نظر آئی اور ترتیب کتاب کے لحاظ سے کسی دوسرے فن میں اس کا ذکر اسکے خاص فن کے تذکرہ سے پہلے آیا ہے تو وہان اسکے سوانح آیندہ کیلئے اٹھا رکھے گئے ہین مثلاً قاضی اسد بن فرات کو علم فقہ مین اور شریف ادریسی کو علم جغرافیہ مین شہرت حاصل ہے اور اول الذکر کو علم حدیث (جسکا ذکر علم فقہ سے پہلے ہے) سے اور آخر الذکر کو علم ادب (جسکا تذکرہ علم جغرافیہ سے پہلے ہے) سے بھی تعلق تھا، تو ان دونون جگہ ان کے علم حدیث وادب سے مناسبت کا تذکرہ کرکے انکے سوانح فقہ اور جغرافیہ کے بیان مین

مین درج کیگئی ہین، مگر ایسی مثالین پوری کتاب مین چند سے زیادہ نہیں، عموماً ہر صاحبِ علم کے سوانح اسی جگہ ملین گے، جہان پہلی مرتبہ اس کا ذکر آیا ہی،

آخری باب "اسلامی تہذیب و تمدن پر ایک اجمالی نظر" مین صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات یورپ پر" کے عنوان سے جو کچھ کہا گیا ہی وہ تمام تر یورپ و امریکہ کے ممتاز اہلِ علم و مورخین کے بیانون پر مبنی ہی اسلئے انکی تمام تر ذمہ داری بھی انہی پر ہی کہ وہ اپنے بیان کی ترقیون کے جو اسباب بیان کرین انہین انکا حق حاصل ہی، اس عنوان کے ماتحت جو کچھ کہا گیا ہی اس مین مولف کا کام صرف یہ رہا ہی کہ انکے نتائجِ فکر کو بالاستیعاب پڑھکر انمین جو حصہ صقلیہ کے متعلق نظر آئے اوسے چُن کر مرتب کر لیا جائے یہی وجہ ہی کہ اس فصل مین اقتباسات زیادہ اور کسی قدر طویل ہین، اور چونکہ یورپ کے مفکرین اور مستشرقین اس سلسلہ مین تقریبًا یکسان خیالات و نظریات بیان کرتے رہے ہین اسلئے ان سب کے بیانون کا استقصار کرنا بیسود نظر آیا اسکے بجائے محض واقعہ کے اظہار کیلئے ان مین سے صرف چند مورخین کی کتابین سامنے رکھ لی گئیں کہ انہی بیانون پر دوسرے مستند مورخین کے بیانات کا قیاس کیا جاسکتا ہی

اس سلسلہ مین اس شبہہ کا ازالہ بھی کر دینا ہی کہ "اسلامی تہذیب و تمدن" اور "اسلامی علوم و فنون" سے مراد وہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون ہین جو سسلی کی اسلامی حکومت کے عہد یا اوس کے زوال کے بعد مسلمانون مین رائج رہی، عام ازین کہ نفس دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی ہون یا نہ ہون، اسلئے دوسرے لفظون مین انہین "مسلمانون کی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہی،

جلد اول کے دیباچہ مین فہرست اعلام و مآخذ کے آخر مین منسلک کیے جانے کا تذکرہ کیا گیا تھا، لیکن متنِ کتاب کی فہرستِ مضامین ہی اس طرز پر تیار کر لی گئی ہی کہ فہرستِ اعلام کی چندان ضرورت باقی نہین رہی، البتہ ماخذون کی فہرست بہ ترتیب حروف تہجی مرتب کر کے آخر مین منسلک کر دی گئی ہی،

۱۲ر شوال ۱۳۵۴ھ
۸ر جنوری ۱۹۳۶ء

سید ریاست علی ندوی
شبلی منزل اعظم گڈھ

فہرستِ مضامین تاریخِ صقلیہ جلدِ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صقلیہ کے عہد اسلامی کا تاریخی و تمدنی جغرافیہ

مسلمانان صقلیہ

صقلیہ کے ابتدائی حملون (۳۳ھ لغایہ ۲۱۲ھ) مین جو مسلمان یہان آتے رہے وہ عرب کے مختلف قبائل قریش، بنو کندہ، بنو فہر، بنو حنظلہ اور قبائل انصار اوس و خزرج کے لوگ اور افریقیہ کے قدیم باشندے بربر تھے پھر صقلیہ کے دار الاسلام قرار پانے کے بعد ۲۱۲ھ سے مجاہدین کے جو قافلے یہان اقامت کی نیت کیساتھ آئے وہ قبائلی و جماعتی حیثیت سے تین قسم کے تھے، :۔ عرب، بربر، اور موالی، پھر آئندہ چل کر یہان کے قدیم باشندون کی ایک بڑی جماعت مسلمانون کی صف مین داخل ہو گئی، یہ چوتھی قسم تھی،

عرب :۔ عرب قبیلون اور خانوادون مین سے بنو تمیم اور بنو کلب صقلیہ کے فرمانروا خاندان کی حیثیت سے یہان سب مین ممتاز تھے، کیونکہ چند متفرق والیون کے علاوہ انہی دونون خاندانون کے لوگ یہان عموماً حکمران رہے یہ دونون عرب کی دو جداگانہ نسل عدنان و قحطان مین سے تھے اور چونکہ عربون کے شاخ در شاخ قبائل مین سے ہر قبیلہ آخر مین جا کر انہی دونون نسلون مین سے کسی ایک سے ملتا ہے اسلئے ان دونون خانوادون کی حکمرانی سے تمام قبائل اشراف کی قائم مقامی ہو گئی

بنو تمیم نے عدنانیون کی نیابت کی، اور بنو کلب نے قحطانیون کی قائم مقامی کی،

بنو تمیم صقلیہ کے مشہور فرمانروایانِ اغالبہ نسلاً تمیمی تھے، بنو اغلب اغلب والیٔ افریقیہ کی طرف منسوب ہین، اغلب کا سلسلۂ نسب تمیم تک اسطرح پہنچتا ہے،

اغلب بن سالم بن عقال بن خفاجہ بن عبداللہ بن عباد بن محرث بن سعد بن حرام بن سعد بن مالک بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم بن مرہ بن اد بن طانجہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن **عدنان**[1]،

اغلب بن سالم ۱۴۴ھ مین افریقیہ آیا، ایک سال آٹھ مہینے افریقیہ کی ولایت پر رہ کر انتقال کر گیا، اس کے اہل و عیال یہیں سکونت پذیر ہو گئے، چند سال کے بعد خاندانِ اغلب کی قسمت کا پانسہ پلٹا اور اس کا لڑکا ابراہیم بن اغلب ۱۸۴ھ مین خلیفہ ہارون رشید کے حکم سے عہدۂ ولایت پر مقرر ہوا، اور افریقیہ کی ولایت اسی خاندان کیلئے مخصوص ہو گئی،

صقلیہ مین قیام حکومت کے بعد یہان کی ولایت پر بالعموم خاندان اغالبہ ہی کے ممتاز افراد مقرر ہو کر آتے رہے جنھون نے یہان مستقل سکونت اختیار کر لی، اسی توسل سے بنو اغلب کے بہت سے خاندان یہان آکر آباد ہو گئے، کچھ تو ان شاہی خدمات کی انجام دہی کیلئے آئے، اور کچھ ان اسامیون کی بدولت مقیم ہو گئے، جو خانوادۂ اغلبیہ مین ہونے کے باعث ان کو یہان حاصل ہوئین، دولتِ اغالبہ کے زوال کے بعد صقلیہ کے اغلبی "تمیمی" کے انتساب سے مشہور ہوئے چنانچہ ابن القطاع الصقلی اغلبی "تمیمی" کہلاتا ہے،

اس کے علاوہ تمیم کی دوسری شاخون کے خاندان بھی یہان آباد تھے جنہین امام **مازری** اور ابو بکر

---

[1] یہ سلسلۂ نسب نہایت مشہور ہے، ابن خلکان (جلد ۲ صفحہ ۲ ترجمہ ابن القطاع) اور کتاب الحلۃ السیراء ابن الابار القضاعی وغیرہ مین مذکور ہے، دونون مین کہین کہین اختلاف بھی ہے، مثلاً ابن آبار نے محرث کے بجائے محرب، یا سعد کی جگہ سعید لکھا ہے جسکو نسخہ کا اختلاف کہنا چاہیے، البتہ ایک اختلاف نمایان ہے، وہ ابن آبار کا "ابن حزام" کے بجائے ابن عقال لکھنا ہے،

محمد بن عبداللہ بن یونس التیمی وغیرہ ممتاز اہل علم گذرے ہین،

بنو کلب قبیلہ کلب یمن کا شاخ در شاخ ایک معزز قحطانی قبیلہ ہے، اس کا ایک خانوادہ فریقہ مین آباد تھا، جسمین سے حسن بن علی الکلبی کا ۳۳۶ھ مین ولایت صقلیہ کیلئے انتخاب ہوا، اور پھر کلبی فرمانرواؤن نے خلافت فاطمیہ کی سیادت مین صقلیہ مین بادشاہی کی، اس زمانہ مین اس خاندان کے بہت سے ممتاز امرا، ورؤسا یہان کے معزز عہدون پر فائز تھے، اور اہل علم کی ایک جماعت بھی ان مین موجود تھی، عبداللہ بن حمدون الکلبی وغیرہ ممتاز علما اس خاندان مین گذرے ہین،

ان دونون قبیلون کے علاوہ یہان جن دوسرے قبیلون کے خانوادے آباد ہوئے ان مین سے چند حسب ذیل ہین جنھین ہم ان کے انتساب کے ساتھ درج کرتے ہین،

فہری عرب کے قدیم قبیلہ فہر بن مالک بن کنانہ کی طرف منسوب ہے، قبیلہ قریش، محارب اور حرب وغیرہ اسی قبیلہ کی مختلف شاخین ہین، مغرب مین عبدالملک بن قطن الفہری والی اندلس کو شہرت حاصل ہی عجب کیا کہ صقلیہ کے بنو فہر بھی اسی والی اندلس کے خانوادہ سے ہون، اور اصبغ بن وکیل اندلسی کے ساتھ اوائل مین یہان آئے ہون، نیز افریقہ مین عقبہ بن نافع الفہری اور عبدالرحمن بن حبیب الفہری ولاۃ افریقہ کے خاندان بھی پھلے پھولے،

حبیب بن ابی عبیدہ بن عقبہ بن نافع الفہری کا نام صقلیہ کے حملہ آورون مین آتا ہے، صقلیہ کے متعدد اہل علم اس قبیلہ کی طرف منسوب ہین،

ربعی عرب کا شاخ در شاخ مشہور قبیلہ ہے، ربیعہ بن نزار کی طرف منسوب ہے، ایک ربعی خاندان جرجنت مین آباد تھا، ان مین ابوبکر محمد بن حسن بن علی الربعی کو شہرت حاصل ہی،

بکری مختلف خانوادے اس نسبت سے مشہور ہین، زیادہ شہرت قبیلہ بکر بن وائل کو ہی صقلیہ کے مختلف اہل علم ابو القاسم عبدالرحمن بن محمد بن عبدالبر البکری وغیرہ اس نسبت سے مشہور ہین،

وَدَّانی حرمین کے درمیان ایک کنوان ہے جو "بیرودان" کہا جاتا ہے، حضرت مصعب بن جثامہ بن قیس ودانی اسی کی طرف منسوب ہین، جو صحابہ مین سے تھے اور ہجرت کرکے آنحضرت صلعم کی خدمت مین تشریف لے آئے تھے، ودانی کی نسبت انہی کی طرف ہے، صقلیہ مین یہ خاندان بھی آباد تھا جسمین سے ابو الحسن علی بن ابی اسحاق ابراہیم بن الودانی ابو القاسم احمد بن ابراہیم الودانی، ابو الحسن علی بن عبد الجبار الودانی وغیرہ مشہور ہین،

سہمی قریش کی ایک شاخ ہے، جو سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر القرشی سے نکلی ہے، بنو سہم کی ایک دو شاخین اور بھی ہین لیکن صقلیہ مین جو خاندان آباد تھا، وہ سہمی قرشی تھا، ابو محمد عبد الحق بن محمد بن ہارون السہمی القرشی وغیرہ اسی خاندان کی طرف منسوب ہین،

معافری، یہ انتساب قحطان کے مشہور قبیلہ معافر کی طرف ہے، اس قبیلہ مین ممتاز اہل علم پیدا ہوئے، صقلیہ مین بھی ایک خاندان آباد تھا جن مین ابو محمد عبد العزیز بن عاکم عمر المعافری شہرت رکھتے ہین،

کنانی کنانہ کے انتساب سے مختلف قبائل مشہور ہین جن مین ایک قرشی قبیلہ بھی ہے، غالباً اسی کی ایک شاخ صقلیہ آئی تھی، ان مین قاضی ابو الفضل حسن بن ابراہیم الشاکی الکنانی، ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن الشاکی الکنانی اور ابو الفتح احمد بن علی الشاکی وغیرہ مشہور ہین،

لخمی، لخم یمن کا مشہور قبیلہ ہے، ان مین قاضی ابو عبد اللہ محمد بن قاسم بن زید اللخمی الصقلی الکاتب مشہور ہین،

قرشی یون تو قریش کی مختلف شاخون نے مختلف انتساب اختیار کرلئے لیکن بعض خاندانون نے "قرشی" کا انتساب قائم رکھا، کہا جاتا ہے، کہ اندلس کے اموی اپنے قدیم اموی انتساب کو چھوڑ کر اپنے کو قرشی کہنے لگے تھے ممکن ہے کہ صقلیہ مین بھی یہی جماعت آباد ہو، ان مین شیخ ابو العرب

مصعب بن محمد بن ابی الفرات القرشی مشہور ہے

قیسی عرب کا مشہور قبیلہ ہے، جو قیس بن ثعلبہ کی طرف منسوب ہے، اس کا ایک خاندان صقلیہ میں آباد تھا جنمین ابو المصعب عبد اللہ بن ابی مالک القیسی الصقلی وغیرہ کو شہرت حاصل ہے، انکے علاوہ صقلیہ مین طبری، حضری، طرزی، اور عامری وغیرہ کی مختلف نسبتون سے مختلف افراد اور خاندانون کا پتہ چلتا ہے، جو یہان مستقل طور پر آباد تھے[1]

مستعرب | صقلیہ کے ان عرب قبائل کی نسبت یورپ کے مورخین کا خیال ہے، کہ :-

یہان جو مسلمان حکمران تھے، ان مین اکثر مصنوعی عرب تھے، کیونکہ درحقیقت وہ افریقی تھے جنھون نے عرب کے عقیدہ زبان اور معاشرت کو اختیار کر لیا تھا[2]

ہمین بھی اسکی صداقت سے انکار نہین بشرطیکہ اسکو صرف مسلمانان صقلیہ سے متعلق کہنے کے بجائے ان تمام ممالک کے متعلق کہا جائے، جو عربون کے زیر حکومت رہے، اور عالم اسلامی کہلائے، عرب جس سرزمین مین پہنچے، وہان کے باشندون سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر لئے، خصوصاً باندیون کا جو دستور تھا، اوس سے انکی نسل کو بہت فروغ ہوا، اور انہی حالات کی بنا پر عربون کے ہر مفتوح ملک مین ایسے بہت کم خانوادے نکلین گے جنھون نے اسلام قبول کر لیا ہو، اور اون مین عربی خون کی آمیزش نہ ہو گئی ہو،

اسلئے عربون کے ہر مفتوح ملک مین اگر ایک جماعت خالص عربی النسل ہوتی، تو ایک بڑی جماعت ایسی بھی ہوتی، جو اپنے جدی سلسلہ سے عرب کہی جاتی، اور اپنے نادری تعلق کے لحاظ سے وہ لوگ خالص اسی ملک کے باشندے ہوتے چنانچہ یہان بھی دونون طرح کے عرب آباد تھے، اور دوسری جماعت مین کچھ ایسے تھے جنکی ننہال افریقیہ تھی، اور کچھ ایسے تھے جنکی ننہال خاص صقلیہ مین تھی،

---

[1] قبائل کے حالات کتاب الانساب سمعانی سے ماخوذ ہین، [2] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا (تذکرہ سسلی)

وحدتِ نسل کے ثبوت کیلئے دو چیزیں ضروری سمجھی جاتی ہیں، اوّلاً جسمانی ساخت و شباہت، دوسرے زبان معاشرت اور عقیدے کی یکسانی، اُن کی رگوں میں عربوں کا گرم خون تیزی سے رواں تھا، اور ان میں نہ صرف جسمانی شباہت موجود تھی، بلکہ وہ عربیت کے تمام شریفانہ خصائل و عادات کے حامل تھے اور زبان، معاشرت اور عقیدہ کی وحدت کیلئے یہ کافی تھا، کہ وہ بھی بادۂ توحید کے متوالوں میں تھے جس نے ادنھیں ایک ہی رنگ میں رنگ دیا تھا،

اسلئے عربوں کا یہ دوسرا گروہ بھی حقیقی معنوں میں عرب تھا، اور عرب پدری سلسلۂ نسب رکھنے کے باعث وہ لوگ جس قبیلۂ خانوادہ سے اپنا انتساب رکھتے تھے، وہ دراصل اسی کے حقیقی فرزند تھے،

صقلیہ کے یہ عرب و مستعرب یہاں کے معزز عہدوں، صوبہ داری، سپہ سالاری، اور مرکزی حکومت کے مختلف شعبوں کی افسری پر متمکن تھے، پھر ان خاندانوں کے کچھ لوگ اپنی فوجی کارگذاریوں سے زمینداریاں حاصل کرکے روسا و امرا، بن گئے تھے، اور نظامِ حکومت سے الگ ہوکر عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے تھے، اور جب ضرورت ہوتی، فوجی خدمات بھی انجام دیتے رہتے تھے، صقلیہ کے ممتاز اہلِ علم و اہلِ فضل بالعموم انہی خانوادوں سے وابستہ تھے، نیز یہی لوگ یہاں کی صنعت، حرفت، تجارت، زراعت اور تمدن کے تمام شعبوں میں سرگرمی سے مصروفِ عمل، اور یہاں کے اسلامی تمدن کے حقیقی روحِ رواں تھے،

قبائل بربر بربر افریقیہ کے قدیم ترین باشندے ہیں، جو شاخ در شاخ مختلف قبائل میں منقسم تھے، سب سے پہلے انکی دو شاخیں ہوتی ہیں، ایک مادغیس جسکو تبر بھی کہتے ہیں، اور دوسرے برنس، پھر ان میں سے ہر ایک کی مختلف شاخیں ہیں، چنانچہ برنس کے جو قبائل سمجھے جاتے ہیں، ان میں ازدجہ مصمودہ، اوربہ، عجیسہ، صنہاجہ، اور کتامہ مشہور ہیں، یہ قبائل بربر اسلامی فوج میں حسان بن نعمان کے عہدِ ولایت میں داخل ہوئے، اور عربوں کے دوش بدوش لڑائیوں میں شریک ہوئے، چنانچہ صقلیہ کے

مفتوح ہونے سے پیشتر اس پر جسقدر ابتدائی حملے ہوئے، ان مین یہ بھی موجود تھے، پھر ۲۱۲ھ کے حملہ مین یہ بربر بھی بڑی تعداد مین شریک ہوئے، اور جس طرح عرب قبائل نے وہان بود و باش اختیار کرلی، اسی طرح یہ بھی مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگئے،

صقلیہ کے قبائل بربر مین سے **بنوکتامہ** کو سب پر فوقیت حاصل ہی،

بنوکتامہ کتام بن یونس کی طرف منسوب ہین لیکن عرب مورخین ابن کلبی اور طبری وغیرہ نے اون کو عرب علماے انساب کی روایت کے روسے نسل حمیر کی ایک شاخ بتایا ہے جو افریقیس بن صیفی کے ہمرکاب جو ملوک تبابعہ مین تھا، افریقہ مین داخل ہوئے، اور یہین توطن پذیر ہوگئے، ابن خلدون نے قبیلہ صنہاجہ کی طرح ان کو بھی عرب ثابت کرتے ہوئے اسی نظریہ کی پرزور تائید کی ہے نہین کہا جاسکتا، اصل حقیقت کیا ہی، یہ قبیلہ بربریون مین اپنی شجاعت تہور، طاقت و قوت اور اپنے مستقل عزم وارادے کے اوصاف مین مشہور رہے، یہ افریقہ کے حکمران قبائل مین تھا اور عہد اسلامی مین بھی اس کو نمایان تفوق حاصل رہا کسی زمانہ مین تو افریقہ کی سیاسیات کی کنجی اسی کے ہاتھ مین تھی،[1]

صقلیہ مین کتامیون کی کافی آبادی تھی، وہ یہان کے نظام حکومت مین دخیل تھے ملکی عہدون پر سرفراز ہوتے، فوجی خدمات انجام دیتے، اور اون کو اکثر فوجون کی سپہ سالاری کا منصب ملتا، جزیرہ کی بڑی بڑی زمینداریون کے بھی مالک تھے، تجارت، صنعت، حرفت، اور زراعت مین نمایان تھے، اور صقلیہ مین انکا اعزاز و اکرام عربون ہی کے ہمرتبہ تھا، کیونکہ اسکی فتح مین انھون نے عربون کے دوش بدوش یکسان قربانیان کی تھین،

یہان بربریون کا ایک متمول خاندان **بنوطبری** کے نام سے تھا، جس کو یہان

---

[1] ابن خلدون جلد ۶ ص ۱۰۸، ۱۰۹ تا ۱۱۰

کی سیاسی حکمت عملیوں میں رسوخ و دخل تھا، عوام ان کے زیر اثر تھے لیکن یہ لوگ اپنے اثر سے کوئی مفید خدمت انجام دینے کے بجائے اپنی خود غرضیوں اور ذاتی نام و نمود کیلئے بسا اوقات ملک کی عام بدامنی کی بھی پروانہ کرتے،

صقلیہ کے بربرون کو اسلامی حکومت کے زوال سے کچھ پہلے انکی سیاسی طاقت کے خاتمہ کے لئے یہان سے مع اہل و عیال افریقیہ جلاوطن کر دیا گیا۔

موالی | موالی کا لفظ اگرچہ عرب مین قدیم زمانہ سے پایا جاتا ہی لیکن اسلامی فتوحات کے بعد اس کے مفہوم مین تغیر ہوتا گیا، اور رفتہ رفتہ اس کا اطلاق ایک ایسی غیر عرب جماعت پر ہونے لگا، جو لڑائیون کے قیدیون پر مشتمل ہوتی، اور قبولِ اسلام کے بعد عربی طرزِ معاشرت اختیار کر لیتی،

یہ لوگ ابتداً پابہ زنجیر اپنے آقاؤن کی خدمت مین پیش ہوئے جنھون نے شفقت و ترحم سے انکی زنجیرین کاٹ دین، وطن سے بے وطن ہو چکے تھے، عزیز و اقارب سے چھوٹ چکے تھے، اسلئے قبولِ اسلام کے بعد وہ جس عرب خانوادہ مین داخل ہوئے وہی ان کا خاندان تھا، وہی ان کے اعزہ اور وہی ان کے اقارب تھے،

رفتہ رفتہ صقلیہ مین عربون اور بربرون کے موالیون کی ایک مستقل جماعت پیدا ہو گئی، جو حکومت کے ذیلی خدمات انجام دیتی تھی،

عہدِ اسلامی مین موالی کو نہایت عظمت و شوکت حاصل رہی ہی، اور صقلیہ مین بھی یہ جماعت کچھ کم باثر و بارسوخ نہین تھی، ان کو یہان سیاسی قوت حاصل تھی، اس جماعت کی بڑی تعداد جو موالی بنو کتامہ پر مشتمل تھی، جہاز کے کارخانون مین کام کرتی تھی ۳۵۹ھ مین چند معاملات مین ان موالی اور ان کے عرب و بربر آقاؤن مین کچھ شکر رنجی ہوئی اور نوبت کشت و خون تک جا پہنچی، صقلیہ کے تمام موالی و دیگر قبائل کی متحدہ قوت سے ٹکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، اور جزیرہ مین عام بغاوت پھیل

گئی، والیٔ صقلیہ کو حکومت سے دستبردار ہونا پڑا، اور جدید والی نے موالی کے حسب منشاء معاملات طے کر کے بغاوت فرو کی، لیکن ان مین سے شاہی خاندان کلبیہ کے جو موالی تھے، انھون نے سیاسیات مین ایسا دخل دیا، کہ ایک کلبی فرمانروا کے حکم سے ایک بغاوت کی سزا مین سب کے سب تہ تیغ کر دئے گئے، اسطرح صقلیہ سے اسلامی حکومت کے خاتمہ سے پہلے قبائل بربر و موالی دونون کا استیصال ہو چکا تھا،

قدیم باشندے مسلمانون کی صف مین، مسلمانان صقلیہ جزیرہ مین ایک فاتح قوم کی حیثیت سے آباد تھے جنھین فوجی استیلا کے ساتھ تمدنی و معاشرتی اور ذہنی تفوق بھی حاصل تھا، ایک خاص تہذیب و تمدن کے مالک تھے جسکو قدیم باشندگان صقلیہ مین بھی قبولیت حاصل ہوئی،

قدیم باشندگان صقلیہ مین اسلامی تہذیب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی، اور جس نے اوس کو جس استعداد سے قبول کیا، اسی کے مطابق مسلمانون کی معاشرت اور زبان کو بھی اختیار کیا اور پھر جو تہذیب کی سب سے آخری منزل یعنی عقیدہ تک جا پہنچا، وہ "قدیم باشندگان صقلیہ" کی صف سے نکل کر "مسلمانان صقلیہ" کی صف مین داخل ہو گیا، اسلئے مسلمانان صقلیہ مین عرب بربر اور موالی کے علاوہ یہ چوتھی جماعت نو مسلم صقلیین کی تھی،

مسلمانون کی مجموعی تعداد، اسی وجہ سے صقلیہ مین مسلمانون کی تعداد مین روز افزون ترقی ہوتی رہی، اور اس تعداد مین اسلامی حکومت کے خاتمہ تک اضافہ ہوتا رہا، تا آنکہ نارمن فرمانروا نے کسی غیر مسلم کیلئے اسلام قبول کرنا قانوناً ممنوع قرار دیدیا، لیکن صقلیہ مین مسلمانون کی مجموعی تعداد کا بتانا دشوار ہے، مختلف واقعات سے ایک اجمالی قیاس لگایا جاسکتا ہو، مثلاً جب ۳۵۱ھ ۹۶۲ء مین ایک مرتبہ سارے جزیرہ کے غیر مختون مسلمان بچون کے ختنہ کی تقریب ایک شاہی جشن مسرت کے طور پر انجام پانے لگی، تو پندرہ ہزار مسلمان بچے غیر مختون نکلے، اسی طرح ایک روایت کے رو سے ۳۳۳ھ ۹۴۴ء مین صرف

ایک شہر مازر کی مجموعی آبادی تقریباً چالیس لاکھ تھی جنمین سے نصف یعنی تقریباً بیس لاکھ مسلمان تھے،

صقلیہ کی اسلامی آبادیان

عہد اسلامی مین آبادیون کی جو صحیح تعداد تھی، اس کا تذکرہ جلد اول مین گذر چکا ہی مسلمانون نے یہان حکومت قائم کر کے اولاً قدیم فنیقی عہد کے پایۂ تخت پنرمس کو اپنا دار الحکومت قرار دیا اور اس کو بلرم سے موسوم کیا، اور اوس کو شہری و تمدنی حیثیت سے معراج کمال پر پہنچا دیا پھر اسی طرح جن جن شہرون مین مسلمان آباد ہوتے گئے، ان کو ترقی دیتے گئے، ذیل مین اولاً بلرم کا تمدنی جغرافیہ پھر اون دوسرے شہرون کے تمدنی حالات بہ ترتیب پیش کئے جاتے ہین، جہان اسلامی تہذیب و تمدن قائم تھا،

بلرم

بلرم[1] (پلرمو) عہد اسلامی مین دار الحکومت تھا، اوسکو وہی شہرت حاصل ہوئی، جو اندلس مین قرطبہ و غرناطہ کو تھی، عربون نے اسکی آبادی کے ترقی دینے اور اوسکو پر رونق بنانے مین گہری دلچسپی لی، اور یہ صقلیہ مین اسلامی تہذیب و تمدن کا صحیح مرقع تھا،

بلرم بطور صدر مقام کے،

اس شہر کی یہ اہم خصوصیت ہی کہ مشرقی اور مغربی اور سامی اور آریائی فاتحین مین سے مشرقی اور سامی قومون ہی نے اسکو سب سے پہلی مرتبہ عروس البلاد بنایا،

یہ وہ زمانہ تھا، جب کہ فنیقی یونانیون کے حملون سے مجبور ہو کر مشرقی صقلیہ کو چھوڑ کر شمال مغرب مین ہٹ آئے، اور بلرم کی مضبوط شہر پناہ مین امان حاصل کی، اسی زمانہ سے بلرم جس کو پنرمس کہا جاتا تھا، صقلیہ کا سب سے پہلی مرتبہ دار الحکومت قرار پایا،

---

[1] عربون کے یہان اسکے مختلف نام، بنرم، بلرموا، بلرموہ، بلرمہ، اور بلیرم وغیرہ رہا ہی، اور بعض لوگون کی تحقیق مین اس شہر کا جو قدیم نام تھا اس کے لغوی معنی شہر کے تھے، اس مناسبت سے اور نیز دار الحکومت ہونیکی وجہ سے لوگ اسکو المدینہ (شہر) بھی کہتے تھے

پھر جب قرطاجنہ نے فنیقیون کے مغربی مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع کیا، تو بلرم بھی اُن کے قبضہ مین آیا، اور قرطاجنہ کے صقلی مقبوضات کا صدر مقام قرار پایا،

لیکن جب یونانی، رومی اور بیزنطی حکومتون کا دور آیا تو باوجودیکہ صقلیہ مین بسا اوقات ایک ہی وقت مین مختلف حکومتین قائم رہین، لیکن بلرم اس زمانہ مین بجز مقام کارزار کے کبھی صدر مقام بنکر تہذیب و تمدن کا گہوارہ نہ بن سکا۱؎،

یہانتک کہ جب رجب ۲۱۶ھ مین یہان اسلامی پرچم لہرایا، تو ایک مرتبہ پھر اس کی قسمت جاگی، اور صدر مقام قرار پایا، اور اس وقت سے آجتک یہ یہان کا پایہ تخت ہے،

مشرقی قومون کے عہد حکومت مین اس کا دار الحکومت بننا دراصل اسکی جغرافیانہ خصوصیت کی بنا پر تھا خصوصًا اسمین اسکے مشرقی بندرگاہ اور اوسکے سرزمین افریقیہ سے قریب ہونے کو خصوصیت سے دخل ہے، اور یہی اسباب تھے، جن کی بنا پر عربون کی نگاہ انتخاب بھی اسی پر پڑی، اور اسی کو انھون نے صدر مقام قرار دیا،

بلرم کے مفتوح ہونیکے بعد صقلیہ کی مزید فوجی مہین روک دی گئین اور اس کے بعد والی صقلیہ یہان قیام پذیر ہوکر اولًا ملکی نظم و نسق مین مصروف رہا، پھر دار الحکومت کے بنا و تعمیر پر توجہ کی جس سے بلرم کی شہرت مین دفعۃً انقلاب پیدا ہوگیا اور چند ہی دنون مین اوسکی شہرت، مرکزیت، آبادی اور شہری ترقیون مین ایسا اضافہ ہوا، کہ رفتہ رفتہ اوس کا شمار یورپ کے ممتاز ترین شہرون مین ہونے لگا،

قدیم شہر کی آبادی مین وسعت اگرچہ یہان کی آبادی اسلامی محاصرہ سے پیشتر تقریبًا ستر ہزار بتائی جاتی ہے لیکن شہر مین مسلمانون کے داخلہ کے وقت یہان کی آبادی تین ہزار سے زیادہ نہ تھی، اسکے بعد اسلامی دور

۱؎ انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ ص ۵۹۵ طبع یازدہم،

حکومت مین اسکو ایسی مرکزیت حاصل ہوئی، کہ یہان کی آبادی بڑھتے بڑھتے کئی لاکھ نفوس تک پہنچگئی، اور اسلامی حکومت نے اسی مناسبت سے شہر کی وسعت مین اسقدر اضافہ کیا کہ گویا اسلامی عہدِ حکومت کا ایک نوآباد شہر بن گیا،

قدیم شہر ایک محدود رقبہ مین شہر پناہ کے اندر آباد تھا، پھر اسلامی عہد مین اسکی آبادی مین روز بروز ترقی ہوئی اس لئے شہر پناہ کی دیوار کی وجہ سے شہر گنجان ہو گیا، اور شہرون کے قدیم طرز بنا کے اصول پر اوسکو مسمار بھی نہین کیا جا سکتا تھا، بلکہ اسلامی حکومت نے شہر کی اہمیت کے لحاظ سے اس پر قبضہ کرتے ہی شہر پناہ کے استحکام کو مزید تقویت پہنچائی تھی،

اب اگر وہ شہر کی آبادی کے تناسب سے اسکے مضافات مین مزید محلے قائم کرکے اس کو وسعت دیتی، تو شہر پناہ کو لازمی طور پر نقصان پہنچتا، اور اگر اوسکو سرے سے مسمار کر دیتی، اور بغیر شہر پناہ کے آبادیان قائم کرتی، تو وہ محفوظ نہ رہتین،

اسلئے اسلامی حکومت نے اس مشکل مرحلہ کو خوش اسلوبی سے یون طے کیا، کہ اوسی کے پہلو مین اسی قدر وسعت کا ایک نیا شہر آباد کیا، اور اس کے استحکام، حفاظت اور باشندون کی راحت رسانی کے وہ جملہ سامان مہیا کئے جو ایک شہر کیلئے ضروری ہو سکتے تھے چنانچہ اس جدید آبادی مین مضبوط شہر پناہ اور اسمین حسب موقع جابجا مستحکم دروازے عالیشان عمارتین صاف ستھرے بازار خصوصًا بازارون کیلئے یکسان مکانون کی تعمیر عمدہ پختہ سڑکین، سرسبز باغ، آب رسانی و آب پاشی کے لئے نہرین، کوئیں، اور اسی قسم کی دوسری ضروری چیزین موجود تھین،

چنانچہ جب ابن حوقل ۳۶۲ھ مین یہان پہنچا، تو قدیم و جدید آبادیون کو ملا کر ایسے پانچ مقامات تھے، جنمین سے ہر ایک مقام ایک جداگانہ شہر کی حیثیت رکھتا تھا اسلئے بعض جغرافیہ نویسون نے ان مین سے ہر ایک کو مستقل شہر قرار دے کر ان کا جدا جدا تذکرہ کیا ہے، یہانتک کہ یعقوب حموی نے بھی

اس کے بعض حصون کو مستقلاً شہر شمار کر کے اپنی کتاب مین مختلف حروفِ تہجی کے ذیل مین درج کیا ہے، حالانکہ وہ سب صرف ایک شہر بلرم کے مختلف حصے مختلف نامون سے موسوم تھے یعنی شہر چند حلقون (وارڈس) مین اس طرح تقسیم تھا کہ ہر ایک حلقہ جو "حارۃ" کہلاتا تھا، ایک مستقل شہر نظر آتا تھا چنانچہ ابن حوقل لکھتا ہے،:-

وَھِیَ خمس حارات محدودۃ غیر	یہ شہر پانچ حلقون مین منقسم ہے جو ایک دوسرے
متباینۃ ببعید مسافۃ وان کانت	سے زیادہ دور نہین، اگرچہ ان کے حدود
حدودھا ظاھرۃ[1]	الگ الگ نمایان ہین،

بلرم کے حلقے، | بلرم کے یہ پانچون حلقے حسب ذیل ہین،

بلرم، خالصہ، صقالیہ (المعروف بابن صقلاب)، حارۃ الجدیدہ، اور حارۃ المسجد، ان کے علاوہ چند چھوٹے محلے بھی تھے، جن مین سے حارۃ الیہود اور حارۃ ابی حماز کے نام تاریخون مین آتے ہین،

حارۃ بلرم | بلرم کی یہی قدیم آبادی تھی، جو اسی نام سے موسوم تھی، پھر بعد مین اوس کو بطور امتیاز "القصر القدیم" بھی کہنے لگے، یہ اسلامی دورِ حکومت مین دوراغالبہ تک صقلیہ کا پایۂ تخت رہا، والیِ صقلیہ اور تمام عمالِ حکومت اسی مین سکونت پذیر تھے، اسلئے اسکی آبادی گنجان اور پر رونق تھی، ممتاز رؤسائ امراء اور تجار اپنے عالیشان محل تعمیر کر کے اسی مین آباد ہو گئے تھے، اور اس کثرتِ آبادی کے لحاظ سے یہان بکثرت مسجدین، ہوٹل، حمام، اور بازار تھے،

بلرم کا سب سے بڑا بازار اسی حصہ مین مشرق سے مغرب کی ایک کشادہ سڑک پر تھا، اور یہ سڑک یہان کی شاہراہ تھی، جس پر قیمتی پتھر بچھے ہوئے تھے، دکانون کی عمارتین دورویہ بنائی گئی تھین، ابن حوقل کا بیان ہے، کہ یہ پورا بازار نہایت آباد تھا،

---

[1] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۲،

یونانیون کا وہ مشہور و معروف کلیسا بھی یہین تھا، جسمین ارسطو کا مجسمہ نصب تھا، اسکو اسلامی حکومت نے مسجد بنالیا تھا، اور بعد مین نارمنون نے پھر کلیسا مین منتقل کر دیا[۱]

حارۂ بلرم کے دروازے مسلمانون کے داخلہ کے وقت اسکی فصیل مین صرف چند دروازے تھے، جنکی تعداد غالباً چار سے زیادہ نہ تھی، جنمین سے باب شنتغاث اور باب الانبار کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہے، کہ وہ پہلے سے قائم تھے، ان کے علاوہ ممکن ہے، ایک دو اور نکلین، لیکن ان کے سوا اس کے اکثر دروازے اسلامی عہد حکومت مین تعمیر ہوئے، کیونکہ شہر پناہ سے شہر کے محصور ہونے کی وجہ سے شہری مختلف فوائد سے محروم تھے، سب سے زیادہ شہر مین پانی کی کمی تھی، کیونکہ آبادی کے اندر چند کوؤن کے سوا اس کا اور کوئی سامان نہ تھا، حالانکہ فصیل کے بالکل نیچے سے بعض نہایت شیرین چشمے اور نہرین جاری تھین، لیکن دروازون کے بے موقع ہونے کی وجہ سے شہری اون سے فائدہ اٹھانے سے معذور تھے، اس لئے شہریون کی استدعا سے اسلامی حکومت نے جابجا دروازے تعمیر کئے،

اس کے علاوہ جب بلرم کی آبادی مین اضافہ ہوا، اور اس کے سوا آبادی کے دوسرے حلقے قائم ہوگئے، تو آمد و رفت کے لئے دروازون کی ضرورت پڑی اور انھی کے ذریعہ ان آبادیون کو اس سے متصل کیا گیا، رفتہ رفتہ اتنے دروازے قائم ہوگئے کہ جب ابن حوقل صقلیہ پہنچا تو اس نے فصیل کے پورے استحکام کے ساتھ اس مین جابجا نو دروازے دیکھے جسکا شہر کی صرف ایک فصیل مین ہونا اس کے لئے تعجب انگیز تھا،

ذیل مین ابن حوقل سے لیکر تمام قدیم و جدید دروازون اور ان کی تعمیر کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا، کہ اسلامی حکومت نے فوجی نقطۂ نظر سے بلرم کو محفوظ رکھکر باشندگان شہر کی راحت رسانی کا کیا سامان بہم پہنچایا،

باب البحر،	اس دروازہ سے بلرم کا بحر روم سے تعلق تھا،

[۱] کتاب المسالک و الممالک ابن حوقل ۸۵، ۸۶ : نزہتہ المشتاق (تذکرۂ بلرم)

باب الشعار،	یہ دروازہ ابو الحسن احمد بن حسن بن ابی حسین نے یہان کے باشندون کی استدعا پر باب البحر کے قریب چشمہ شعار پر بنوایا تھا،
باب شنتغاث،	یہ اسلامی حکومت کے پہلے سے قائم تھا،
باب روطہ،	روطہ ایک دریا تھا جو شہر پناہ کے قریب سے گذرتا تھا، یہ دروازہ اسی سے فائدہ اٹھانے کے لئے قائم کیا گیا تھا
باب ابن قرہب، باب الریاض،	اس کو ابن قرہب نے تعمیر کرایا تھا، لیکن موقع کے لحاظ سے مناسب مقام پر نہ تھا، اسلئے ابو الحسن نے مسمار کرادیا، اور باب ابن قرہب کے بجائے باب الریاض تعمیر کرایا،
باب الابناء،	یہ شہر کا قدیم ترین دروازہ ہے،
باب السودان	یہ باب الابناء کے بعد ہے،
باب الحدادین،	یہ باب السودان کے سامنے ہے،
باب الحدید،	اس دروازہ سے یہودیون کے محلہ کو راستہ جاتا تھا،
باب ابی الحسن	باب الحدید ہی کے قریب ابو الحسن نے بنوایا تھا، ابن حوقل کے زمانہ تک اسکا کوئی نام نہین رکھا گیا تھا، اس(۱) سے محلہ ابی حماز کو راستہ جاتا تھا،

خالصہ، دوسرا حصہ خالصہ ہے جسکی بنیاد خاص اسلامی عہد حکومت مین مصالح حکومت کی بنا پر ۳۲۵؁ھ مین ڈالی گئی، اسکی تعمیر سے قبل تک ولاۃ صقلیہ کے شاہی محل حکومت کے صدر دفاتر اور فوجی چھاؤنیان ایک دوسرے سے بالکل علٰحدہ دور دور پر قائم تھین، انہی وجوہ سے والی صقلیہ خلیل بن اسحاق نے یہ نیا شہر بسایا تا کہ حکومت کے تمام شعبون کی عمارتین اور شاہی محلات یکجا ہو جائین،

(۱) کتاب المسالک والممالک ابن حوقل، ص ۸۵،

چنانچہ اس نے بالکل اوسی طرح جیسے قیروان کے قریب منصوریہ فسطاط کے قریب قاہرہ اور قرطبہ کے پاس مدینۃ الزہرا آباد ہوا تھا، بلرم کے متصل خالصہ آباد کیا، اور اوسکی تعمیر کے بعد حکومت کے تمام دفاتر یہاں منتقل کردئے گئے[۵]

حقیقت یہ ہے، کہ ولاۃ وعمال حکومت کے محل اور سرکاری دفاتر کے مخلوط آبادی کے عین وسط مین ہونے کی وجہ سے معاشرتی طور پر ایسا اثر پڑتا تھا جو حکومت کے رعب و داب کے خلاف تھا اور کبھی کبھی بعض عمال حکومت کو ایسی مجبوریان پیش آئین، کہ وہ ضرورت کے وقت فوجی مظاہرہ کرنے سے معذور ہو گئے، اور کبھی تو ایسا ہوا کہ شہر کے باشندون نے محض معمولی اختلاف پر والی صقلیہ پر حملہ کردیا، اور اس کو کسی پڑوسی کے مکان مین پناہ گزین ہونے کی نوبت آگئی،
یہ اور ان کے ماسوا بعض وقتی حالات کی بنا پر خلیل نے خالصہ کی بنا رکھی، اور اسی سلسلہ مین اسکو

---

[۵] اس موقع پر بیجا نہ ہوگا، اگر ہم ادریسی کی لغزش قلم پر بھی نظر ڈالتے چلین، صقلیہ کے جغرافی حالات مین ادریسی سے زیادہ مستند اور کون ہوسکتا ہے لیکن اس موقع پر اس سے ایسا تسامح ہوا جس سے دوسرے جغرافیہ نویس غلط فہمی مین مبتلا ہو گئے، ادریسی نے خالصہ کا تذکرہ اس انداز مین کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اوس کی آبادی اسلامی دور حکومت کے پہلے سے قائم تھی، چنانچہ لکھتا ہے،

وبہ المدینۃ القدیمۃ المسماۃ بالخالصۃ	یہین پر قدیم شہر خالصہ کے نام سے موسوم ہے جو سلاطین
التی بھا کان سکنی السلطان والخاصۃ	کی جائے قیام رہا ہے، اور خصوصًا مسلمانون کے
فی ایام المسلمین (نزہۃ المشتاق ص ۲۳)	عہد حکومت مین یہ دار السلطنت تھا،

ادریسی کے الفاظ "القدیمۃ" اور "التی بھا فی ایام المسلمین" کا مقصود یہ ہے، کہ نارمنون سے پہلے مسلمانون کے عہد حکومت مین خصوصیت سے یہ دار الحکومت تھا، لیکن اس کے اس بیان سے بعض دوسرے جغرافیہ نویس اس غلط فہمی مین مبتلا ہو گئے، کہ یہ عہد اسلامی سے پیشتر کا شہر ہے، اور مسلمانون نے اوسکو پایہ تخت کیلئے منتخب کیا تھا، حالانکہ یہ خالص اسلامی آبادی تھی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی طالب دمشقی اور ابن اثیر وغیرہ نے اس کی بنا و تعمیر کو تصریح سے لکھا ہے، شمس الدین

بلرم کے غیر مسلح کرنے کی بھی ضرورت پیش آئی، اس لئے اوس نے یہان کی تعمیرات کا خام مسالہ بلرم کی فصیل کے بعض حصّون اور غالبًا عمالِ حکومت کی پرانی قیام گاہون کو مسمار کرکے حاصل کیا، اور ایک نہایت مستحکم ومضبوط فصیل بنوائی، جو چارون طرف محیط تھی، اور پھر ایک دوسری فصیل کھڑی کی جسمین ہر چہار طرف ایک ایک دروازہ لگایا، اور پھر اوس کے اندر عمارتین تعمیر کین، جو حکومت کے ایوان، مختلف محکمون کے دفاتر، والی کے محل، فوجی بارکین، قیدخانہ، جہاز اور دیگر سامانِ حرب کی تیاری کے کارخانے وغیرہ پر مشتمل تھین، اور ایک مختصر مسجد اور رجا بجا حمام بھی بنوائے،

ان عمارتون کی تعمیر مین یہ خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا، کہ اوس کی آبادی رفتہ رفتہ مخلوط نہ ہونے پائے، اسلئے بازار، دوکانین اور ہوٹل وغیرہ نہین کھولے گئے، چنانچہ ابنِ حوقل ان سب کو بہ تصریح یون لکھتا ہے،

یسکنها السلطان واتباعه ولیس	یہان فرمانروائے صقلیہ اور اوس کے تحت
فیها اسواق وفنادق وبها حمامات	عمال رہتے ہین، اس مین بازار اور ہوٹل وغیرہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶) دمشقی لکھتا ہے،

الخالصة وهی محدثة بنیت فی ایام	خالصہ نیا شہر ہے، جو کہ ابوالقاسم القائم بن
القائم الی القاسم بن المهدی سنة خمس عشرین	المہدی کے زمانہ مین ۳۲۵ھ ہجری مین
وثلاثمائة (نخبة الدهر عجائب البر والبحر دمشقی صفحہ ۱۴۲)	تعمیر ہوا،

اسی طرح ابن اثیر نے شہر کی بنا ڈالنے کے اسباب و وجوہ بیان کرکے لکھا ہے،

فشرع خلیل فی بناء مدینة علی مرسی	پھر خلیل (والی صقلیہ) نے شہر (بلرم) کے بندرگاہ کیطرف
المدینة وحصنها ونقض کثیرا من المدینة	ایک نئے شہر کی تعمیر شروع کی اور اس کو مستحکم کیا، اس
واخذ ابوابها وسماها الخالصة (جلد ۸ صفحہ ۲۵۳)	سے قدیم شہر کو بھی نقصان پہنچا، اس کے دروازے

[illegible]

فیھا مسجد جامع صغیر معتضد	نہین ہین، البتہ حمام بنادئے گئے ہین، اسمین ایک
وفیھا حبس السلطان ودار صناعۃ	جامع مسجد بھی ہی جو یہین کے باشندون کیلئے مخصوص ہو
البحر والدیوان ۵۱	نیز قیدخانہ، جہازسازی کے کارخانے اور دیوان حکومت

لیکن امتداد زمانہ سے بعد مین یہ التزام قائم نہین رہا، خود اسلامی حکومت کی ضرورتین رفتہ رفتہ وسیع ہوتی گئین، اور اوس کو اپنے حدود سے تجاوز کرنا پڑا چنانچہ جس وقت خالصہ کی بناپڑی تھی فوجی چھاؤنیان بھی وہین بنین، جیساکہ مورخین نے عام طور پر تذکرہ کیا ہے، لیکن کچھ ہی دنون کے بعد یعنی ۳۶۲ھ مین فوج کی چھاونی اس سے علٰحدہ کردی گئی، اور اوس کے قریب ایک دوسرے مقام پر قائم کی گئی، اور وہ مقام ہی معسکر کے نام سے مشہور ہے،

پھر نارمن دورِ حکومت مین خالصہ کی یہ خصوصی حیثیت بھی زائل ہوگئی، اور یہ منجملہ دوسری آبادیون کے ایک شہری آبادی بنگیا، اور بعد کے جغرافیہ نویسون نے تو اسکی یہ حیثیت کہ وہ صرف دفترِ حکومت سے متعلق تھا، بالکل فراموش کردی ہے، البتہ یاقوت نے اسکے ان تغیرات کی طرف اشارہ کردیا ہی چنانچہ لکھتا ہے،

وحدثنی ابوالحسن علی بن بادیس	مجھ سے ابوالحسن علی بن بادیس کہتے تھے کہ!
انھا الیوم محلۃ فی وسط بلرم	آجکل بلرم کے بیچون بیچ مین ایک محلہ ہے،
بلرم محیط بھا ۵۲	بلرم ہرطرف سے اسکو گھیرے ہوئے ہی،

حارۃ الصقالبہ — حارۃ الصقالبہ کو صقلب بھی کہتے ہین، یہ شہر کی شمالی آبادی ہے، جنوب کی طرف بلرم قدیم ہی باب الشفا اور باب شنتنخاث اسی کے سامنے کھلتے ہین، مشرقی حصہ مین دور تک ساحلِ سمندر ہے، اسلئے

۵۱ المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳، ومعجم البلدان جلد ۲ ص ۳۹۰،

۵۲ معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۳۹،

بلرم کا قدرتی بندرگاہ اسی حصہ مین تھا، جو مختلف حیثیات سے اہمیت رکھتا تھا، وسط آبادی مین متعدد چشمے مین جنمین سے بعض جنوبی حصہ مین بہتے ہین، اور اسکو بلرم کی قدیم آبادی سے جدا کرتے ہین[۱]

حارۃ المسجد | حارۃ المسجد حارۂ ابنِ صقلاب بھی کہلاتا ہے، جو حقیقت مین حارۂ مسجد ابن صقلاب ہی، یہ جنوب کی آبادی ہے، اسکے شمال مغرب مین بلرم قدیم ہے، باب السودان اس کے سامنے واقع ہے، اور شمال مغرب مین حارۃ الیہود آباد ہے، سمندر کی لہرین اس کے ساحل سے آکر ٹکراتی ہین، اور اسی جگہ اس کے اوپر حارہ ابن حماز ہے، پھر جنوب مغرب مین اسکی سرحد پر الخالصہ کا کچھ حصہ آتا ہے، اور پھر جنوب مین مغرب سے مشرق تک حارۃ الجدیدہ پڑتا ہے،

اس مین اگرچہ فصیل نہین تھی، لیکن پھر بھی مختلف محلون سے اسکی آبادی بالکل جداگانہ تھی، البتہ جنوب مین حارۃ المسجد اور حارۃ الجدیدہ کی آبادی یکجا ہو گئی تھی، اور حارۃ المسجد کا صدر بازار یہین پر واقع تھا، حارۃ المسجد گویا بلرم کی تجارتی منڈی تھی، اور اوس کو اسی حیثیت سے شہرت حاصل تھی، یہان کی آبادی زیادہ تر تاجرون پر مشتمل تھی،

آبادی کے اندر چشمے اور نہرین وغیرہ نہین تھین، اسلامی حکومت نے جا بجا کوئین کھدوائے تھے، البتہ اس کے قریب سے نہر عباس گذرتی تھی، جو مشرق سے مغرب مین جاری تھی، اور اسلامی حکومت نے رفاہ عام کیلئے اسمین پنچکیان لگائی تھین، لیکن پھر بھی اس سے یہان کے باغون کی آبپاشی نہین ہوتی تھی،

حارۃ الجدیدہ | حارۃ الجدیدہ کی جائے وقوع کے مذکورۂ بالا بیان سے واضح ہو گیا ہوگا، کہ یہ شہر کا بالکل جنوبی حصہ ہے، مشرق مین خالصہ اور شمال مین حارۃ المسجد واقع ہے، اور اگرچہ حارۃ المسجد اور حارۃ الجدیدہ دو جداگانہ محلے تھے، لیکن آبادی دونون کی تقریبًا مخلوط ہو گئی تھی،

حارۃ الیہود | حارۃ الیہود بلرم قدیم کے باب الحدید کے سامنے شمال مین واقع تھا، اور اوس کے شمال مین

---

[۱] المسالک والممالک ابن حوقل، ص ۱۲۰، ومعجم البلدان جلد ۵ ص ۳۲،

حارۃ المسجد اور مشرق مین حارۃ ابی حماز پڑتا تھا، غالباً یہ خالص یہودیون کی آبادی تھی،

حارۃ ابی حماز | حارۃ ابی حماز بلرم قدیم کے مشرقی گوشہ پر ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا، اور مشرق مین بحر روم کی موجین آآکر اس سے ٹکراتی تھین،

خالصہ، حارۃ الصقالبہ، مسجد، جدیدہ، یہود، اور حارۃ ابی حماز اسلامی عہدِ حکومت کی آبادیان تھین، اور یہ تقسیم انہی کے عہدِ حکومت تک قائم رہی، مسٹر گیتانونار یوکلومبا، پروفیسر بلرمو یونیورسٹی نے مجموعۂ مضامین بیادگار اماری" مین ایک طویل مقالہ "بلرم اسلامی عہد حکومت" کے عنوان سے لکھا ہے، اور اسی سلسلہ مین اسلامی عہدِ حکومت کا ایک نقشہ بھی مرتب کیا ہے، جو ان اوراق کے ساتھ منسلک ہے،

عہد اسلامی مین بلرم کے شہری خصوصیات | بلرم اپنے خصوصیات مین نہ صرف صقلیہ کا شیراز تھا، بلکہ اس عہد مین دنیا کے ممتاز شہرون مین تھا، شہر کی محلہ وار تقسیم، ہر ہر حصہ کا جداگانہ انتظام، سرکاری عمارتین، ہر صیغہ کے جداگانہ دفاتر، امرا کے عالیشان محل، محلون کے خانہ باغ، مکانون کے اردگرد چمن بندیان، نزہت بخش فوارے، مرمرین اور سنگِ رخام کی کشادہ سڑکین، پررونق بازار، بازارون کی یکسان دلکش دوکانین، عالیشان مہمان سرائین، پرتکلف ہوٹل، آرام دہ حمام، اور دلفریب تفرح گاہین، اور حمامون کا اہتمام، وغیرہ اس شہر کی نمایان خصوصیات تھین اور جو اپنے دور مین ایسے ہی جاذب نظر تھین، جس طرح مسٹر اسکاٹ کے بقول آج عروس البلاد (پیرس) مین تہذیب جدید کا آب و رنگ ایک نووارد کی نگاہین خیرہ کردیتا ہے، مسٹر اسکاٹ اسکے عام شہری خصوصیات کے متعلق لکھتے ہین، :-

"ابن حوقل جیسے سیاح اور ادریسی جیسے جغرافیہ دان، صقلیہ کے نارمنون کے زمانہ کے اسلامی شہرون کے دلچسپ حالات چھوڑ گئے ہین[۱] ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ تمام شہرون مین بلرمو کو تفوق حاصل

---

[۱] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۲، و معجم البلدان ج ۵ ص ۲۰۲، ابن حوقل نارمنون سے پہلے ۳۶۲ھ مین صقلیہ گیا تھا، "س"

تھا، نہ صرف اسلئے کہ وہ دارالحکومت تھا، بلکہ اسلئے بھی کہ وہ سب سے زیادہ دولتمند شہر تھا، وہان کے باشندے نہایت مہذب اور ذہین ہوتے تھے،...... صرف مسجد ہی وہ عمارتین نہ تھین جہان باشندگان پلرمو کے اسراف و تکلفات کے نمونے اور شان و شوکت کے نظارے دکھائی دیتے تھے، بلکہ دولتمندون اور معززین کے مکانات بھی ایسے ہی ہوتے تھے، کہ جنکی نظیر سوائے قرطبہ کے اور کسی اسلامی شہر مین نہین ملتی تھی جو صنعت و نزاکت ان عمارتون مین تھی، وہ واقعی اس مسالے اور قیمتی پتھرون کے قابل تھی جن سے وہ بنائی گئی تھی، انکی دیوارین رنگارنگ کے پتھرون کی ہوتین، تمام فرش مین قیمتی پتھرون کی پچی کاری ہوتی چھتون مین ماربیچ وضع کے ساتھ ہندسی اصول کے مطابق نقش و نگار بنے ہوتے، جگہ جگہ اونھین مختلف رنگون سے مزین کیا جاتا یا سونے کا کام ہوتا، صحنون مین خوشبودار پھولون کے درخت لگے ہوتے جن سے تمام مکان طبلۂ عطار بنا رہتا،...... نہرین تھین، کہ ہر ایک بڑی عمارت کے خانہ باغ مین بہ رہی تھین، زمانہ قدیم کے طرز کے فوارے ہر سیرگاہ اور سر سبز مقامات مین اوچھل رہے تھے،...... شہر مین مشرق سے مغرب تک منڈیان بنی ہوئی تھین، تمام بازار کشادہ تھے، اور پتھرون کا صاف شفاف فرش تھا، بازارون مین بیش قیمت اور بیش بہا مال بھرا رہتا،..... مکانات ریختہ پتھرون کے ہوتے جن کے جوڑ نہایت احتیاط اور خوبصورتی سے ملائے جاتے، تمام کوچہ و بازار مین روشنی ہوتی، محلات عالیشان اور خوبصورت تو تھے ہی، غربا کے مکان بھی اچھی گنجایش اور آرام کے ہوتے، اور وہ جیسے کچھ بھی تھے، بہرحال لندن اور پیرس کے اس زمانہ کے غربا کے مکانون سے بدرجہا بہتر تھے [۱]"

بازار ابن حوقل یہان کے بازارون کا حال تعجب سے بیان کرتا ہی، کہ یہ بازار خالصہ کے علاوہ تمام محلون مین جدا جدا قائم تھے، بلرم کا صدر بازار سماط کہلاتا تھا، جو مشرق سے مغرب مین پھیلا ہوا تھا، اسکی خصوصیت یہ تھی، کہ تمام دوکانون کے مکانات ایک ہی وضع قطع کے قطار در قطار بنے ہوئے تھے، بازار کی وسعت

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۶۷، ۶۹

کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ صرف قصابون کی دوکان کی تعداد ۱۵۰ تھی، وہ لکھتا ہے،

"مثلاً تمام زیتون کے تیل بیچنے والون صرافون، عطارون، جوتہ سازون صیقل گرون، تانبے کے برتن بنانے والون، اور گیہون اور غلہ کے بازار اوسکی فصیل سے باہر ہین، اور اسیطرح اور مختلف پیشہ ورون کا حال ہے، شہر کے اندر ۱۵۰ دوکانین قصابون کی ہین، جو گوشت بیچتے ہین؂"

ہوٹل وحمام | بلرم مین جا بجا عالیشان ہوٹل قائم تھے جنمین طعام وقیام کا بہترین انتظام تھا، دوسرے ملکون کے مسافر اور سیاح انہی ہوٹلون مین ٹھہرا کرتے تھے جن مسافرون کو زیادہ دنون تک قیام کی حاجت ہوتی، یہ ہوٹل اون کیلئے بھی ضروری سامان بہم پہنچاتے، مشہور اندلسی سیاح ابن جبیر ایک صاحب منزلت سیاح کی حیثیت سے داخل ہوا، اور اپنے اعزاز ومرتبہ کے لحاظ سے متعدد مرتبہ شاہ صقلیہ کا مہمان بنا، مگر اس کا مستقل قیام ہوٹل ہی مین تھا جس کے نظم ونسق کی اوس نے تعریف کی ہے، اسی طرح ہر محلہ مین کثرت سے حمام قائم تھے،

کثرت مساجد | بلرم کی دوسری خصوصیات کے ساتھ یہان مساجد کی کثرت بھی ہے، تین سو سے زیادہ مسجدین تھین، جن کی عمارتین نہایت شاندار تھین، بلرم کی اس کثرت مساجد سے ابن حوقل محو حیرت ہو گیا، وہ کہتا ہے، مین نے ایک دن بغور دیکھا، تو صرف اس قدر مسافت مین جہان تک ایک تیر پہنچ سکتا ہے، دس مسجدین موجود تھین، اسی طرح بلرم کے قرب وجوار مین بھی کثرت سے مسجدین تھین،

ادریسی نے معسکر سے بیضا تک تین میل کی آبادی مین دو سو مسجدین بتائی ہین، اسی طرح یاقوت خالصہ کی شہر پناہ کے اردگرد دو سو مسجدین بتاتا ہے،

اسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی، کہ بلرم کے معززین اور رؤسار کے خانوادون مین قبائلی وخاندانی مسجدون کا رواج تھا، لوگ اپنے اپنے کنبہ کیلئے جدا جدا مسجدین بناتے تھے جن مین اون کے اہل و

؂ کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳،

عیال، حوالی موالی، اور خدم وحشم نماز پڑھتے تھے، نیز دوسری وجہ یہ بھی ہے، کہ اوسوقت تک مدرسون کیلئے جداگانہ عمارتون کا رواج نہ تھا، بلکہ شہر کی مسجدون ہی مین مدرسے قائم تھے، چنانچہ ابن جبیر کے بیان کے مطابق بلرم کی اکثر مسجدون مین تعلیم قرآن کے مدرسے قائم تھے،

جامع مسجد | یہان کی جامع مسجد بلرم قدیم مین واقع تھی، جو کلیسا سے منتقل کر کے مسجد بنائی گئی تھی، اور کلیسا بننے سے پیشتر عہد قدیم مین یونانیون کا مقدس مندر تھا، وہ مشہور ہیکل اسی مین تھا جسمین یونانیون نے ارسطو کا مجسمہ رکھا تھا، ہیکل کی چھت مین ایک لکڑی لٹکی ہوئی تھی مجسمہ اوسی پر رکھا تھا، عیسائیون نے مجسمہ کو بدستور باقی رکھا تھا، اور خوش عقیدہ یونانیون سے متاثر ہو کر وہ بھی اسکی عزت وتکریم کرتے، اور حاجت روائی چاہتے تھے، اسلئے وہ ابتک باقی تھا، چونکہ یہ شہر کا سب سے بڑا معبد تھا، اور عیسائیون کو بھی اس پر قبضہ رکھنے کا کوئی حق نہ تھا، اسلئے عربون نے اوسکو جامع مسجد بنالیا، ارسطو کا مجسمہ ہٹادیا گیا، مگر وہ لکڑی جس پر مجسمہ آویزان تھا، مدتون لٹکتی رہی ابن حوقل نے بھی اوسکو دیکھا تھا،

خانقاہین | بلرم مین ارباب تصوف کی خانقاہین بھی بکثرت تھین لیکن اون مین اہل ذوق صوفیائے کرام کے بجائے متصوفین کی ایسی جماعت بھر گئی تھی، جو زہد وورع کی زندگی بسر کرنے کے بجائے فسق وفجور کی ہر منزل سے گذرتی، اسکے متعلق ابن حوقل کا چشمدید بیان ہے، جو کسی دوسری جگہ آئے گا،

قریے | بلرم کے آس پاس کے مشہور قریون مین ایک **معسکر** ہے، جو شہر سے بالکل قریب وادی عباس پر واقع تھا، جب یہان فوج کی چھاؤنی قائم نہین رہی، تو یہی آبادی قائم ہوگئی، ایک دوسرا قریہ **بیضا** تھا، جو شہر سے کسی قدر بلندی پر آباد تھا، نہر عباس اوسکے ایک حصہ سے ہو کر گذرتی تھی، نیز عین بیضا اوسے سیراب کرتا تھا، تیسرا قصبہ **بلہرا** کے نام سے آباد تھا، جو سرسبزی وشادابی مین شہرت رکھتا تھا، اسمین انگور کے باغ کثرت سے تھے، یہان بھی نہر عباس گذرتی تھی، اور دوسری سمت مین عین عادوس کے نام سے ایک چشمہ تھا جو اسکی سرزمین کو سیراب کرتا تھا، اوسی طرح ایک اور قریہ **برج البطال** کے نام سے تھا، جو عین ابی مالک

پر آباد تھا، اسمین بھی کثرت سے باغ تھے،

یہ مقامات اگرچہ شہر پناہ کے باہر ہونے کی بنا پر قریہ کہلائے لیکن دراصل یہ بلرم ہی کے مختلف حصے تھے، جو شہر کی آبادی کے گنجان ہو جانے اور بعض زرعی ضرورتون کی وجہ سے شہر پناہ کے باہر قائم کئے گئے تھے، قریون کی آبادیان بھی بہت گنجان تھین یہانتک کہ صرف قریہ بیضا مین جیسا کہ معلوم ہوا ہی دو سو مسجدین تھین،

ان قریون مین زیادہ تر زمیندار و کاشتکار تھے، نہایت عمدہ کاشت ہوتی تھی، اور نہایت بلند اور باغ لگے ہوتے تھے،

بلرم کے چشمے | بلرم کے اردگرد جو دریا، وادیان، اور چشمے بہتے تھے، ان ہی سے ان کی آبپاشی ہوتی تھی، بلرم کے اردگرد کے دریاؤن، وادیون اور پہاڑیون، کا تذکرہ کسی دوسری جگہ آئے گا لیکن بلرم کے چشمون کا ذکر یہین ضروری ہے، وہ عین غربال، عین ابی سعید، عین حدید، عین عادوس، عین بیضا، اور عین ابی مالک وغیرہ ہین،

معدن حدید | قصبہ بلرم مین لوہے کی ایک کان بھی تھی، جہان کان کنی کا سلسلہ اعلیٰ پیمانہ پر جاری تھا، اوس کا لوہا شاہی جہازون کی ساخت کے کام مین لایا جاتا تھا، یہ کان خاندان اغلبیہ کی ذاتی ملکیت مین تھی،[1]

بلرم ایک سیاح کی نگاہ مین | ابن جبیر کنانی اندلسی نے بلرم کا نقشہ ایک دلچسپ پیرایہ مین کھینچا ہے، وہ ۵۸۰ھ مین صقلیہ گیا تھا، جو نارمنون کا زمانہ تھا، لیکن نارمنون نے اس وقت تک بجز ایک کلیسا کے کوئی اضافہ نہین کیا تھا، اور وہ کلیسا بھی مسلمان کاریگرون کے ہاتھون تعمیر ہوا تھا، اس لئے یہ نقشہ عہد اسلامی کے بلرم کا صحیح مرقع اور اسلامی تہذیب و تمدن کا ایک دلکش منظر ہے اس لئے اور زیادہ قابل لحاظ ہے، کہ یہ ایک اندلسی سیاح کے ہاتھون سے کھینچا ہوا ہے، جسکی نگاہون کے سامنے قرطبہ، قصر الحمرا، مدینۃ الزہرا

[1] معجم البلدان یاقوت و نزہتہ المشتاق ادریسی و رحلۃ ابن جبیر ذکر بلرم و کتاب المسالک و الممالک ابن ... ۸۸،

کے مناظر موجود تھے، وہ لکھتا ہے:۔

"یہان تک کہ ہم قصرِ سعد پہنچے، **قصر سعد** شہر بلرم سے ایک فرسخ پر ساحل سمندر پر نہایت نفیس، مستحکم اور پرانے زمانہ کی عمارت ہے، جب کہ اس جزیرہ مین مسلمانون کی حکومت تھی اس وقت سے اب تک یہان مسلمان رہتے ہین، اب یہ عابدون اور زاہدون کی قیامگاہ ہے، اس کے گرد ایسے زاہدون اور متقیون کے مزارات ہین جن کے فضائل وبرکات آجتک مشہور ہین، اور لوگ دور دور سے زیارت کو آتے ہین، اسکے سامنے ایک چشمہ عین مجنونہ کے نام سے بہتا ہے، قصر مین ایک مضبوط آہنی پھاٹک لگا ہوا ہے، اس کے اندر قیامگاہین، بالاخانے اور مرتب ومنظم مکانات ہین، رہنے والون کیلئے پوری آسایش کا سامان ہے..... اسکے بلند حصہ پر ایک نہایت نفیس محرابدار حسین ترین اور دنیا کی مساجد مین سے نادر زمانہ مسجد ہے، اسمین نہایت عمدہ چٹائیان بچھی ہوئی ہین، ایسی اچھی صنعت کی چٹائیان آجتک دیکھنے مین نہین آئین، مسجد مین پیتل، اور شیشے کی تقریبًا چالیس قندیلین آویزان ہین، قصر کے سامنے ایک وسیع شارع ہے، جو قصر کے بالائی حصہ کی طرف جاکر چارون طرف گھوم گیا ہے، اور قصر کے نشیبی حصہ مین میٹھے پانی کا ایک کنوان ہے، رات کو اسی مسجد مین ہم ٹھہرے نہایت اچھی رات گذری، یہان ایک مدت کے بعد ہمارے کانون مین اذان کی آواز آئی، مسجد کیلئے ایک امام مقرر ہے، اوس نے نماز اور تراویح پڑھائی، یہان کے لوگ ہمارے ساتھ بڑی تعظیم وتکریم سے پیش آئے،

قصر جعفر ایک دوسرا محل ہے، جو اسی قصر سعد کے قریب شہر کی طرف بڑھتے ہوئے ایک میل پر واقع ہے، اس مین ایک حوض ہے جسمین زمین کے سوتون سے میٹھا پانی اوپر نکلتا رہتا ہے،

داخلۂ بلرم صبح کی نماز سے فارغ ہوکر ہم نے شہر (بلرم) کا رخ کیا، جیسے ہی ہم شہر مین داخل ہونا چاہتے تھے، کہ روک دئے گئے، اور ایک دروازہ پر لیجائے گئے، جو قصر شاہی سے متصل تھا یہان

ہم ایک سرکاری عہدہ دار کے سامنے پیش کئے گئے، جو نو واردون سے شہر مین ان کے داخل ہونے سے پیشتر ان کے سفر کے مقصد وغیرہ کی تحقیقات کرتا ہے چنانچہ یہی سوالات ہم سے بھی کئے گئے،

شہر مین داخل ہو کر ہم نے بلند دروازے، سر بفلک محلات، خوش قطع وسیع میدان و باغ، اور خوبصورت سرکاری عمارتین، اس کثرت سے دیکھین کہ نگاہین خیرہ اور عقل حیران ہوگئی،.....

شاہی محلات — یہ نظارہ کرتی ہوئی ہماری نگاہین ایک وسیع میدان مین جا پہنچین، جو باغون سے چارون طرف سے گھرا ہوا تھا، اور اس مین گرداگرد سلیقہ سے خوبصورت محلات تعمیر کئے گئے تھے، گویا کہ یہی عمارتین سارے میدان مین چھائی ہوئی تھین، خوبصورت عمارتون کی یہ کثرت اور مناظر کی دلفریبی سخت حیرت انگیز تھی،

ہمین بتایا گیا کہ یہین بادشاہ اپنے مصاحبون کے ساتھ دن کا کھانا کھاتے اور یہ عمارتیں اون مختلف معزز حکام و عہدہ دار و اہل خدمت کے دفاتر ہین، جو بادشاہ کے حضور مین حاضر ہو کر فرائض حکومت و خدمات شاہی انجام دیتے ہین،

اس جگہ ایک شاہی افسر اعلی اپنے دفتر سے نکلا جو ایک سن رسیدہ رعب دار و باوقار شخص تھا، اسکی مونچھین لمبی اور سفید تھین، اسکے احترام مین دو آدمی دونون طرف سے اسکے دامن اٹھائے تھے اور چارون طرف خدام کا مجمع تھا، وہ ہم لوگون کی طرف خطاب کرکے نہایت نرمی سے عربی زبان مین ہمارا مقصد سفر اور وطن دریافت کرنے لگا، ہم نے اوسے یہ باتین بتادین جس پر وہ بڑی مہربانی سے پیش آیا، اور ہمین واپسی کی اجازت دیکر بڑے اخلاق سے وداعی سلام و پیام کیا، اسکے اس حسن خلق پر ہمین تعجب آیا،

اثنائے گفتگو مین اوس نے سب سے پہلا سوال ہم سے قسطنطنیہ عظمی کے متعلق کیا، لیکن ہمارے پاس اوسکے متعلق معلومات نہ تھے، البتہ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا تھا جس پر ہمین بیحد تعجب ہوا، وہ یہ کہ ایک عیسائی دربان جو قصر شاہی کے پھاٹک پر مامور تھا ہمین مخاطب کرکے کہنے لگا، امی صاحبون

ذرا اپنے مال یہان کے عُمّال و محصلین سے محفوظ رکھنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر چیرہ دستی کریں"، اوس کا خیال تھا کہ ہم لوگون کے پاس کچھ ایسا مال تجارت نہ ہو جس پر محصول عائد ہوتا ہے، لیکن اوسکی بات کو ایک دوسرے عیسائی نے فوراً کاٹ کر یون کہا تمھارا بھی عجب حال ہی، جو لوگ حرم شاہی مین داخل ہو چکے ہون، وہ کسی چیز سے خوف کھائین، تم نے ان لوگون کو اپنا نقد کچھ سپرد نہین کیا ہے جس کا اس درجہ ہراس ہے، پھر ہماری طرف مخاطب ہو کر کہا آپ لوگ صحیح و سلامت چلے جائین کسی قسم کا کوئی خطرہ نہین ہے، اس گفتگو سے ہمین حیرت ہوئی[۱] اس کے بعد ایک ہوٹل مین ہم لوگ پہنچے، اور وہین قیام کیا، یہ واقعہ یوم شنبہ ۱۶ رمضان مبارک مطابق ۲۲ دسمبر کا ہے،

اس قصر سے نکل کر ہمین ایک طویل سڑک ملی جس پر پتھر بچھے ہوئے تھے، اور اوپر چھت قائم تھی، یہ راستہ قصر شاہی سے یہان کے ایک مشہور کنیسہ تک جاتا ہے، اور یہ شاہی سڑک ہی اس سڑک پر ایک لمبی مسافت طے کر کے ہم ایک ہوٹل مین پہنچے، اور اس مین قیام پذیر ہوئے، بلرم مین داخلہ یوم شنبہ ۱۶ رمضان المبارک مطابق ۲۲ دسمبر کو ہوا،

شہر بلرم یہ شہر تمدن کا گہوارہ ہی جس مین ہر قسم کا حُسن نمایان ہی، قدیم ہے خوشنما ہے، نظر فروز ہے، عیش و تنعم کی جملہ انسانی خواہشات کے پورا ہونے کے سامان موجود ہین، اور شہر کے حسن پر حسن شباب کی تازگی و رونق کی جھلک ٹپکتی ہے، اور گویا کہ یہ شہر روئے زمین کا خوش قطعہ خوبصورت چمن زار ہے، کوچہ و بازار اور گلیان اور سڑکین کشادہ اور وسیع ہین جن کے حسن منظر سے آنکھون کو ٹھنڈک پہنچتی ہے، شہر کا عمومی منظر دلچسپ ہے، اسے قرطبہ سے یک گونہ مشابہت حاصل ہی اوسکی عمارتین سنگ رخام کی ہین، اوسکے وسط مین ایک نہر روان ہے، اور آبادی کے چارون طرف چشمے بہتے ہین، یہان کے فرنگی بادشاہ نے اسی اسلامی عہد کے دنیاوی ساز و سامان دیکھکر اوس کو اپنا

[۱] انداز بیان سے ظاہر ہے، کہ یہ بلرم کے مدینہ خالصہ کا ذکر ہے جسمین شاہی محلات تھے،

دارالسلطنت بنایا ہے، یہان شاہی محلات و قصور بہ کثرت تعمیر کئے گئے ہین، اوران بفلک محلون کی چوٹیون پر قبون کا مسلسل سلسلہ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کسی نوجوان کے گلے مین موتیون کا ہار ہو، بہت سے باغ اور میدان سیر و تفریح کیلئے ہین..... شہر مین ایک ممتاز مسجد جامع ہے، اس شہر کے سط مین ایک قدیم قطعہ ہے جسے قصر قدیم کہتے ہین، وہ قطعہ آبادی کے بیچ مین ہے، جس کے چارون طرف نئی آبادیان ہین، اس سئے اس شہر کی قطع قرطبہ سے ملتی جلتی ہو، قرطبہ کی آبادی کی بھی بعینہ یہی صورت ہو، اس قصر قدیم مین ایسی خوبصورت عمارتین، اور بالاخانے ہین کہ گویا وہ نہایت شاندار محلات ہین جنکے مناظر سے آنکھون کو ٹھنڈک اور عقل کو حیرت ہوتی ہے ہم نے یہان کفر کے آثار مین سب سے عجیب تر ایک گرجا عید میلاد کے دن دیکھا، وہ کنیسہ انطا کی ہے، اوس کے اوصاف بیان مین نہین آسکتے، اوسکی اندرونی دیوارین تمام تر سونے کی ہین، بیچ مین رنگین سنگ مرمر کی تیریان ہین، جن پر سنہرے نگینے جڑے ہوئے ہین، اور پھر بیچ مین سبز نگون کی شاخین نکال کر نہایت خوش قطع بیل بوٹے بنائے ہین ویسے حصہ مین شیشہ کی سنہری جھنجھریان لگی ہوئی ہین جنکی شعاعون سے آنکھون مین چکا چوند لگ جاتی ہے، ہمکو معلوم ہوا ہے کہ اوس کے بانی نے اس مین ڈھیر کا ڈھیر سونا صرف کیا ہے، اس گرجے مین ایک بلند مینار ہے، اور مینار کی بلندی پر ایک قبہ ہے، جس کو صومعہ سواری کہتے ہین، کیونکہ وہ رنگین پتھرون کے ستونون پر قائم ہے، مینار کی بلندی پر ایک اور قبہ ہے وہ بھی ستونون پر ڈھالا گیا ہے، یہ مینار دیکھنے مین نہایت خوشنما ہے، اللہ تعالیٰ جلد اس مینار کو اذان کے شرف سے مشرف فرمائے [1]"،

چند دیگر اہم شہر | عہد اسلامی کے صقلیہ کے چند اہم شہر حسب ذیل ہین،

ثرمہ (THERMA) بلرم سے ۲۵ میل پر جنوب کی طرف مشرقی ساحل پر آباد تھا عہد اسلامی مین مسلمان و عیسائی دونون آباد تھے، مسلمانون کی آبادی زیادہ تھی؛ جو نارمنون کے عہد مین سمٹ کر ایک محدود حلقہ مین آگئی تھی، ابن جبیر لکھتا ہے "اس جگہ کی آبادی خوبصورت اور بارونق ہے"

[1] رحلہ ابن جبیر ذکر بلرم،

یہان مسلمانون کی ایک بڑی آبادی علحدہ قائم ہے جسمین ان کی مسجدین ہین، شہر کے نشیب مین گرم پانی کا ایک چشمہ ہے جسکی وجہ سے اہل شہر کو حمام کی ضرورت نہین، سرسبزی اور پیداوار کی کثرت ہے، یہ سارا جزیرہ اسی طرح سرسبز ہے، شہر کی حفاظت کیلئے ایک بلند قلعہ ہے،

عہد اسلامی مین مسلمانون کی مسجدین عالیشان تھین، اور یہ مقام زرعی و تجارتی حیثیت سے مشہور تھا، زراعت و تجارت مسلمانون و نصاریٰ دونون کے ہاتھون مین تھی، ابن قلاقس اسکندری نے ثرمہ پر ایک نظم لکھی ہے، جس کے چند شعر یاقوت نے نقل کئے ہین،

شفلودی، (CEFALW) اس شہر کا نام عربون مین شفلودی، اخلودی، اور جفلوذی اور جفلوذ کے تلفظ کیساتھ لیا جاتا ہے، یہ بھی بالکل ساحل سمندر پر صقلیہ کے سب سے بڑے سلسلۂ کوہ کے دامن مین ثرمہ سے ۲۵ میل پر آباد تھا، یہ ایک قلعہ تھا، جو رفتہ رفتہ آبادی بنگیا اسلئے اسکو شہری حیثیت سے کوئی تفوق حاصل نہ تھا لیکن یہان کی سرزمین نہایت سرسبز و شاداب تھی، انگور کے باغ کثرت سے لگے ہوئے تھے، اسلئے بازار پر رونق رہتے تھے، یہان کی لکڑیان جہازون کے بنانے کے کام مین لائی جاتی تھین، مسلمانون اور عیسائیون کی مخلوط آبادی تھی، شہر کے اندر ایک شیرین چشمہ تھا مسلمانون نے اس مین مچھلیان قائم کر رکھی تھین، اسلامی عہد کے زوال کے بعد مسلمان یہان بھی موجود تھے، ابن جبیر لکھتا ہے،

"یہان مسلمان بھی آباد ہین، شہر کے گرد پہاڑ محیط ہے، اور اس کی چوٹی پر مسلمانون کے بحری حملون کو روکنے کے لئے ایک مستحکم قلعہ بنا دیا گیا ہے"

اس کے بعد مشرقی ساحل پر شمال کی طرف بڑھکر چند دیگر شہر اور ایسے تھے، جو کسی نہ کسی حیثیت سے خصوصیت کے لحاظ سے اسلامی آثار کے حامل تھے، اور وہ عہد اسلامی مین **القارونیہ، شنت مارکو،** (S. MARCO) **ناصو،** (NASO) **بفطش،** اور **میلاص** (MILAZZAS) کے نام سے موسوم تھے، **میلاص** شمالی ساحل کا سب سے آخری قابل ذکر شہر ہے، جو صقلیہ کے بڑے شہرون

مین شمار کیا جاتا تھا، اسمین عالیشان عمارتین، پر رونق بازار، اور جملہ لوازم مدنیت پائے جاتے تھے[۱]

میلاص پر جانب جنوب مشرقی ساحل ختم ہوجاتا ہے، پھر اوسی طرح بڑھکر مغربی ساحل پر پہلا شہر مسینا پڑتا ہے،

مسینا کی جاے وقوع پہلے گذر چکی ہے، عرب مؤرخین کے بیان کے مطابق اسلامی عہد مین آبادی اور شہر کی رونق اور شہرت کے لحاظ سے بلرم کے بعد صقلیہ کا یہ دوسرا مرکزی شہر تھا، افریقیہ اور یورپ کے تاجر یہین تجارتی اشیا کا مبادلہ کرتے تھے، اس کا بندر صقلیہ کی تمام بندرگاہون سے بڑا تھا، جہاز ساحل سے آکر لگ جاتے تھے مسلمانون کی آبادی یہان قائم ہوگئی تھی، باشندون کا بڑا طبقہ کاروباری تھا، اس کے اردگرد کی پیداوار اچھی تھی خصوصاً باغ بہ کثرت تھے، مسلمانون نے اس کے علاقہ مین بہنے والے دریاؤن مین پنچکیان قائم کی تھین، اور یہان مسلمان ہر قسم کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت مین مصروف تھے، مگر اسلامی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی محض مزدور پیشہ بن کر رہ گئے تھے، ابن جبیر لکھتا ہے:-

"یہ مقام تمام اطراف کے بحری مسافرون اور تاجرون کا مرکز ہے، سارا شہر صلیب پرستون سے آباد ہوگیا ہے، آبادی کی یہ کثرت ہے کہ ہاتھ بھر خالی زمین مشکل سے نکلے گی لیکن مسلمانون کیلئے ایک گھڑی ٹھہرنا بھی یہان دشوار ہے، اسلئے کسی اجنبی مسلمان مسافرون کی دلبستگی کا بھی سامان نہین،

بازار نہایت خوبصورت و آراستہ ہین چیزین ارزان ملتی ہین، اس کی آبادی کے تین طرف پہاڑ اور ایک جانب سمندر ہے، پہاڑی سمتون مین کھڈون اور پختہ خندقون سے شہر کی حفاظت ہوتی ہے، سمندر کی جانب عمدہ بندرگاہ ہے، جو دنیا کی بندرگاہون مین عجیب تر ہے، یہان بڑے بڑے جہاز خشکی سے آکر اس طرح ٹکراتے ہین کہ ہاتھ بڑھا کر خشکی کی چیزین لیجا سکتی ہین چنانچہ جہاز اور

---

[۱] نزہۃ المشتاق ص۲۵ وغیرہ معجم البلدان جلد ۳ ص۱۱۰ و ۱۱۱ و رحلۃ ابن جبیر ص۳۲۲،

اور خشکی پر محض ایک تختہ رکھکر چیزین اتاری جاتی ہین، چھوٹی کشتیون کی ضرورت نہین پڑتی،...... شہر مسینا مین مسلمان بہت کم ہین، صرف کچھ مزدور نظر آتے ہین، اسی لئے اجنبی مسلمان کو یہان وحشت ہوتی ہے"

طبرمین، ساحل سمندر پر کوہ آتش فشان کے دامن مین اس کے مشرقی جانب آباد تھا، مسلمانون کی آبادی قائم تھی، کسی زمانہ مین تو خالص اسلامی آبادی المعزیہ کے نام سے ہوگئی تھی، یہ بھی یورپ سے درآمد برآمد کا ایک بندر تھا، یہان سونے کی ایک کان بھی بتائی جاتی تھی،

قطانیہ (CATANIA) عہد اسلامی مین کوہ آتش فشان کے دامن مین آباد تھا، مسلمانون کے زمانہ مین مدنی حیثیت سے شہر کو ترقی حاصل ہوئی، جابجا مسجدین، جامع مسجد، ہوٹل، حمام اور شفاخانے موجود تھے، ایک مضبوط شہر پناہ قائم تھی، بازار پر رونق تھے، صقلیہ مین سب سے بہتر کاشت اسی کے میدان مین ہوتی تھی، مگر دریاؤن کا یہ حال تھا، کہ کبھی پنچکیان چلتین، کبھی بالکل پایاب ہوجاتے، زراعت کی وجہ سے اسلامی عہد مین یہ شہر تجارت کی بڑی منڈی تھا، مسلمان اوسکو ایک قدیم مندر کے انتساب سے مدینۃ الفیل بھی کہتے تھے، یہ ہاتھی سیاہ پتھر کا بنا ہوا ایک بلند عمارت پر قائم تھا، اسلامی عہد مین عیسائیون نے اوسکو وسط شہر کے کلیسائے رہبان مین لاکر نصب کر دیا تھا، کلیسائے رہبان ایک خوبصورت کلیسا تھا، اس کے فرش پر سنگ رخام بچھے ہوئے تھے،

قطانیہ عہد اسلامی تک پوری شان و شوکت سے قائم رہا، نارمن عہد مین کوہ آتش فشان کی نذر ہوگیا، نارمنون نے اس کے بجائے ایک دوسرا شہر غطارہ آباد کیا،[ف]

ف تقویم البلدان ابو الفدا، نزہۃ المشتاق ص ۲۶، رحلۃ ابن جبیر ۲۴۸ معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۵۹ کتاب مسالک الابصار فی ممالک الامصار در امار ی ص ۶ ۱۵، نزہۃ المشتاق ص ۲۸، کتاب نشق الازہار فی عجائب الاقطار، درامار ی صفحہ ۱۶۱ معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۱۳ نخبۃ الدہر و عجائب بر و البحر، درامار ی صفحہ ۱۴۴،

لیاج (ACI) قطانیہ کے بعد ساحل سمندر پر کوہ آتش فشان کے مشرق میں آباد ہے، اگرچہ اوسکو عہد قدیم میں نمایاں درجہ حاصل تھا، مگر اسلامی عہد میں معمولی درجہ کے شہروں میں شمار کیا جاتا تھا، زراعت اچھی ہوتی تھی جس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ پورے جزیرہ میں سب سے پہلے یہیں کی زراعت تیار ہوتی، اور سب سے پہلے کاٹی جاتی، اوسکو تجارتی حیثیت بھی کچھ نہ کچھ حاصل تھی نفت اور بعض عمدہ قسم کی لکڑیاں یہاں سے دوسرے ملکوں کو جاتی تھیں[۱]

لنتینی (LENTENI) سمندر سے چھ میل پر دریائے لنتینی پر آباد تھا مسلمانوں کی آبادی تھی، تجارتی کاروبار جاری تھا، جہاز دریا کے راستہ سے شہر تک آجاتے تھے، متوسط درجہ کے شہروں میں شمار کیا جاتا تھا[۲]

سرقوسہ (SYRACUSE) عہد اسلامی سے پیشتر گویا ایک جنگی قلعہ تھا مسلمانوں نے اسکی فتح کے بعد اسکو غیر مسلح کرکے پرامن شہر بنا دیا تھا، اور مسلمانوں کے شریف گھرانے آباد ہو گئے تھے، اسکی جائے وقوع عہد اسلامی میں بھی قریب قریب وہی رہی، جو پہلے بیان کیجا چکی ہے، یہ گویا ایک جزیرہ نما تھا، جو شمالی جانب خشکی سے ملا ہوا تھا، اوسی طرف ایک دروازہ شہر میں داخلہ کا تھا، اسلامی عہد میں بھی وہ پل موجود تھا، جو اوسکو صقلیہ سے ملاتا تھا، اگرچہ اسلامی عہد میں اوسکی قدیم شاہانہ شان وشوکت باقی نہیں رہی تھی تاہم یہ اپنی بربادی کے بعد پھر ایسا آباد ہو گیا تھا، کہ بڑے شہروں میں شمار کیا گیا، باشندوں میں دولتمند مسلمان زمیندار اور تاجر تھے، اسکی بندرگاہ پر تجارت کی گودیاں قائم تھیں، اور پررونق بازار، عالیشان مکانات، آرام دہ مہمان خانے اور حمام وغیرہ شہر میں جابجا موجود تھے، یہاں کے مسلمان خانوادوں میں ممتاز علماء و اہل علم ابوالقاسم عبدالرحمن بن ابی بکر سرقوسی، ابو عمر و عثمان بن علی سرقوسی، علی بن عمر سرقوسی اور مشہور

نزہۃ المشتاق ص۲۸ و ۲۹، ص۲۹،

شاعر ابن حمدیس سرقوسی وغیرہ گذرے ہین، اسلامی حکومت کے زوال کے بعد بھی اسلامی آبادی رہی، یہ لوگ زمیندار سے کاشتکار بنکر رہ گئے تھے، اس عہد مین بھی سرقوسہ کے مضافات کی زمین انہی سے آباد تھی جو عیسائی زمینداروں کو سالانہ مالگذاری دیتے تھے،[۱]

شکلہ (SCICLI) ساحل سمندر سے ۲ میل پر آباد تھا، اگرچہ یہ صقلیہ کے ممتاز شہرون مین شمار نہین کیا جا سکتا، تاہم اسکی زرعی پیداوار قابل ذکر ہے، اٹلی، افریقیہ اور جزائر بحر روم مالٹا وغیرہ سے اس کے تجارتی تعلقات قائم تھے، اسلامی عہد مین یہان کے باغ مشہور تھے، مسلمانون نے یہان کے دریا مین جابجا پنچکیان قائم کی تھین، اسی دریا مین ایک "عین الاوقات" کے نام سے پنچکی تھی جس سے نماز کے اوقات مین گھنٹے بجتے تھے، ممتاز اہل علم بھی گذرے ہین، جو اس شہر کی طرف منسوب ہین،

رعوض (ROGUSE) شکلہ سے ۱۳ میل پر واقع تھا، اسکو اسلامی عہد کے آخری دور مین تھوڑی سی اہمیت حاصل ہو گئی تھی، ورنہ ابتدائے اسلامی عہد مین اسکو کوئی اہمیت حاصل نہین رہی، مسلمانون سے پہلے یہان ایک اہم قلعہ تھا مسلمانون نے اس کے جنگی استحکامات ڈھا دئے تھے، اور ایک پر امن غیر مسلح آبادی ہو گیا تھا، اسلامی آبادی زراعت و تجارت مین مصروف تھی،[۲]

اس کے بعد جانب شمال کے شہر شروع ہوتے ہین جنمین پہلا شہر بثیرہ ہے،

بثیرہ (BUTERA) عہد اسلامی کا آباد شہر تھا، عہد اسلامی مین مضبوط قلعون مرتب بازارون مہمان سرائون، اور حمامون سے شہر کی رونق مین اضافہ ہوا، اوس کے دیہات بھی سرسبز تھے، ایک دریا بہتا تھا مسلمانون نے اس کے گرد اگرد باغ لگائے تھے، ممتاز اہل علم

---

[۱] نخبۃ الدہر و عجائب البر والبحر دراماری ص ۱۴۴، معجم البلدان جلد ۵ ص ۴۰۷، و نزہتہ المشتاق ص ۲۹، رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۴ وغیرہ [۲] نزہتہ المشتاق ص ۳۰،

بھی یہاں گذرے ہیں[1]

لنباذہ (LECATA) میں اسلامی آبادی موجود تھی، شہر محض معمولی تھا، تاہم معمولی شہری ضروریات کی چیزیں مہیا تھیں، اوس کی شہر پناہ ہر طرف سے بند تھی، شہر میں داخلہ کا صرف ایک دروازہ تھا،

شاقہ (SCIACCA) جرجنت سے ۲۵ میل پر ساحل پر آباد تھا، یہاں مسلمانوں کے ممتاز خاندان آباد تھے، عمارتیں شاندار تھیں، بازار پر رونق رہتے تھے، یہاں کی بندرگاہ پر افریقیہ اور طرابلس وغیرہ کے جہاز آتے تھے، اور سامان تجارت لاتے اور لیجاتے تھے، اہل علم بھی گذرے ہیں، امام سلفی کے استاذ ابو عمر عثمان بن حجاج الشاقی ساکن اسکندریہ اسی کی طرف منسوب ہیں[2]

مازر (MAZZARO) صقلیہ کا سب سے پہلا اسلامی شہر ہے، ادریسی کہتا ہے: یہ اپنی خوبصورتی میں تمام شہروں پر فائق تھا، امرار کے عالیشان محل اسلامی طرز تعمیر کا نمونہ تھے، شہر کی آبادی خوبصورتی سے بسائی گئی تھی، جابجا باغ لگے ہوئے تھے، پھولوں کی تختہ بندیاں تھیں، سڑکیں صاف اور کشادہ تھیں، آبادی میں مہمان سرائے، حمام، اور ہوٹل قائم تھے، یہاں کی تجارت کو بھی فروغ حاصل تھا، یہ تجارتی حیثیت سے افریقیہ اور صقلیہ کا نقطۂ اتصال تھا، کشتیاں ایک دریا سے گذر کر اسکی شہر پناہ کی بنیادوں سے ٹکراتی تھیں، اہل علم کی ایک بڑی جماعت اس خاک سے اٹھی، اور اسی میں پیوند ہوئی، یہاں کے اہل علم میں **امام مازری** کو لازوال شہرت حاصل ہے جن کا شمار علم حدیث کے اساطین میں ہے[3]

طرابنس، طرابنش (TRAPANI) ایک جزیرہ نما کی شکل میں ہے، جسکو زمین

---

[1] نزہۃ المشتاق صفحہ ۳۱، [2] نزہۃ المشتاق صفحہ ۳۳ ومعجم البلدان ج ۵ ص ۲۱۰، [3] نزہۃ المشتاق ص ۱۳۲، خریدۃ العجائب ابن الوردی صفحہ ۱۵۰،

کی ایک پتلی چپٹ صقلیہ سے ملائے ہوئے تھی، لیکن یہ پتلی چپٹ بھی عام رہ گذر کے قابل نہ تھی اسلئے یہ گویا ایک مستقل جزیرہ تھا، چنانچہ آمد و رفت کیلئے مشرق کی طرف ۰۰ ۲ فٹ طویل اور ۲۰ فٹ عریض ایک پل بنایا گیا تھا، اسلامی عہد مین یہان کی تجارتی اشیا مین مونگا، اور مچھلیان وغیرہ تھین مونگا اس کے ساحل سے نکالا جاتا تھا، جو اس کثرت سے نکلتا تھا، کہ ابن وردی کہتا ہے کہ یہان کے سمندر کی تہ مین درخت کی طرح مرجان اُگتے ہین، مچھلیون کا شکار بڑی تعداد مین ہوتا تھا، چنانچہ ماہی گیری یہان کے باشندون کا خاص پیشہ سمجھا جاتا تھا اس کا ساحل جہازون کیلئے ہموار تھا، کیونکہ سطح آب نہایت پرسکون، اور مد و جزر سے محفوظ تھی، بحر روم کے مختلف جزائر ملیطہ (۹ میل) یابسہ (۱۰ میل) اور جزیرہ راہب (۱۵ میل) وغیرہ اس سے قریب تھے، بنزٹ یونس کا راستہ یہان سے صرف ایک دن کا تھا، اسلئے ان جزائر اور افریقہ سے اس کے وسیع تعلقات تھے، مسلمانون کے معزز خاندان آباد تھے، سلیمان بن محمد طرابنشی وغیرہ اسی کی طرف منسوب ہین، ایک زمانہ مین یہ شہر اسلامی حکومت کا عارضی پایۂ تخت بھی رہا تھا[۱]، اسلامی حکومت کے زوال کے بعد صقلیہ مین مسلمانون کا بلرم کے بعد دوسرا مرکزی مقام تھا، جسمین اونھین اپنی اجتماعی طاقت سے اپنی حیثیت کو برقرار اور نمایان رکھنے کا موقع حاصل رہا، کیونکہ اس زمانہ مین بھی یہان مسلمانون کی آبادی عیسائیون سے زیادہ تھی،

قلعۂ اوبی (CALATOBO) ساحل کے اوسط درجہ کے شہرون مین تھا، آبادی خاصی تھی، شہر مین لوازم تمدن موجود تھے، زراعت اچھی تھی، عہد اسلامی مین اوسکو خاص طور پر اسلئے شہرت حاصل تھی کہ یہان ایک لوہے کی کان سے لوہا نکال کر پتریان ڈھالی جاتی تھین[۲]

---

[۱] نزہتہ المشتاق۔ رحلۃ ابن جبیر ص ۳۳۲، معجم البلدان جلد ۶ ص ۳۶ و جلد ۱ ص ۲۰۵، یاقوت نے طرابنش اور اطرابنش دو ناموں سے دو جداگانہ شہر قرار دیا ہے، حالانکہ دونون ایک ہی شہر کے نام ہین، بعض لوگ طرابنش اور بعض اطرابنش لکھتے ہین،

[۲] نزہتہ المشتاق ص ۲۴،

برطنیق (PARTINICO) قلعہ اوبی اور بلرم کے درمیان، قلعہ اوبی سے ۱۲ میل پر سمندر پر آباد ہے، یہان کی زمین روئی کی کاشت کیلئے موزون تھی اور بکثرت پیدا ہوتی تھی، دریا مین پنچکیان قائم تھین، مسلمانون کی آبادی خاصی تھی،[1]

ساحل کے چند دیگر شہر، اگرچہ مذکورۂ بالا شہرون کے بیان مین بلرم سے چل کر ساحل پر گھومتے ہوئے پھر اس کے حدود مین داخل ہوگئے لیکن ساحل کے تمام شہرون کو استقصار سے بیان نہین کیا گیا، مذکورۂ بالا شہرون کے علاوہ جابجا ایسی آبادیان بھی تھین، جو پہلے قلعہ تھین، لیکن بڑھتے بڑھتے شہر مین شمار ہونے لگین چنانچہ یاقوت نے ان مین سے اکثر کو شہر کی حیثیت سے معجم البلدان مین درج کیا ہے، ان مین سے اشقوبل جنش، ونش، طرنہ، قرلیون، قراطہ، مرسی علی، اور قرنیش خصوصیت سے قابل ذکر ہین، ادریسی نے بھی ان مین سے اکثر کا ذکر کیا ہے، یہان زراعت تجارت اور صنعت و حرفت کے پیشے جاری تھے اور اسلامی آبادیان قائم تھین،

اندرون ملک کے شہر، عہد اسلامی مین صقلیہ کے جو شہر ملک کے اندرونی حصہ مین آباد تھے، ان مین زیادہ نمایان جرجنت، نوطس اور قصریانہ ہین،

جرجنت (GIRGENTI) ساحل سے ۳ میل پر لنبیاذہ سے شمال مین آباد ہے، عہد اسلامی کے مشہور و متمدن شہرون مین شمار کیا جاتا تھا، اوسکو جزیرہ مین عہد قدیم سے عظمت حاصل رہی، اوس کا قلعہ مضبوط ترین قلعون مین تھا، شہر کی آبادی و رونق اپنے کمال پر تھی، ادریسی نے شہر کی خوبصورتی کی تعریف کی ہے، کہ یہ ایک خوبصورت شہر ہے، عہد قدیم سے شہرۂ آفاق ہے، تجارتی کشتیان اس کے ساحل پر لنگر انداز ہوتی ہین، اس کے بلند و عالیشان مکانات اور خصوصًا امراء کے محل نظر کو خیرہ کرتے ہین، مختلف قسم کی صنعت و حرفت کا

---

[1] نزہۃ المشتاق صہ ۱۳۵،

بازار گرم رہتا ہے، خرید و فروخت کا سلسلہ قائم ہے، سرزمین سرسبز و شاداب و زرخیز ہے، خوبصورت مرغزار اور گلہائے رنگارنگ کے تختے بچھے ہوئے ہین، بہ کثرت جہازات آتے ہین، اور یہان کا سامان تجارت لیکر باہر جاتے ہین، اسلامی عہد مین سیاسی حیثیت سے بھی اوسکو تفوق حاصل رہا، ذی اثر مسلمان امرا اسکے خاندان آباد تھے، جو سیاسی تحریکون مین سرگرمی سے حصہ لیتے تھے، نیز یہان ممتاز اہل علم گذرے ہین۔[۱]

نوطس (NOTO) سمندر سے ۴ میل پر آباد تھا، یہ پہلے سیراکیوز کا محض ایک حفاظتی قلعہ تھا، رفتہ رفتہ شہر کی حیثیت مین آگیا، اور قلعہ بندی کی حیثیت بھی قائم رہی، شہر کے جملہ لوازم پر رونق بازار اور عالیشان عمارتین وغیرہ موجود تھین، زراعت و صنعت و حرفت اچھی تھی، زمین زرخیز اور آباد تھی، مسلمانون کی آبادی زیادہ تھی، جب جزیرہ مین مسلمانون پر ادبار آیا تھا، تو یہی مقام اوس جزیرہ مین اون کا سب سے آخری ملجا و ماویٰ بنا۔[۲]

قصریانہ (CASTROGOVANNA) کو قدیم تاریخی عظمت حاصل تھی، اوسکی سربفلک عمارتین رومۃ الکبریٰ کے قدیم جاہ و جلال کی یاد تازہ کرتی تھین، اوسکی پہاڑی کی چوٹی پر اہل صقلیہ کی مقدس دیوی سیرس کا مندر تھا، یہ صقلیہ کے عجیب ترین شہرون مین شمار کیا گیا ہے، شہر مضبوط شہر پناہ اور قدرتی پہاڑیون سے گھرا ہوا تھا، صرف ایک دروازہ آمد و رفت کا تھا، مسلمانون کو اوسکی فتح مین بڑی دشواریان پیش آئی تھین، حکومت بیزنطی نے سرقوسہ پر زد پڑنے کے بعد اسی کو اپنا پایہ تخت بنا لیا تھا، مسلمان ۲۴۴ھ مین اس مین داخل ہوئے، اور اوس کے استحکام کو مزید تقویت پہنچائی، اور شہر مین روز بروز ترقی ہوتی گئی، رفتہ رفتہ اسلامی عہد کا ممتاز شہر ہو گیا، اوسکی آب و ہوا لطیف و خوشگوار تھی، پہاڑیون کے چشمے اوسکی رونق کو دوبالا کرتے تھے، مسلمانون

---

[۱] نزہۃ المشتاق ص ۱ [۲] معجم البلدان جلد ۸ ص ۳۰۰، یاقوت نے جرجنت کو کرکنت لکھا ہے ۲۵ صفحہ ۲۹۔

نے اہتمام سے اوسکو پر رونق بنایا، پہاڑیون پر جابجا باغ لگائے اور شنین بنائین، ساری آبادی پہاڑی پر آباد تھی، لوگ صنعت، حرفت اور تجارت مین سرگرم عمل تھے، اس کے قدرتی استحکام سے نارمن بھی اوسکو مسلمانوں سے جنگ سے نہ لے سکے، صلح و امن سے حاصل کیا، اب عہد قدیم کی کوئی یادگار باقی نہین لیکن اسلامی دور حکومت کا ایک قلعہ اور چند عمارتین باقی رہگئی ہین[1]،

علقمہ بلرم اور اطرابنش کے راستہ پر واقع تھا، جب ابن جبیر یہان پہنچا تو یہان خالص اسلامی آبادی تھی، وہ لکھتا ہے "شب کو شہر علقمہ مین قیام رہا، یہ مقام نہایت وسیع ہے، بازار اور مسجدین ہین، یہان کے باشندے مسلمان ہین، اس راہ کی سب بستیان مسلمانون ہی سے آباد ہین" ابن سعید نے علقمہ کا اطلاق بلرم کے اوس حصہ پر کیا ہے، جو نارمنون کے عہد مین مسلمانون کی آبادی کے لئے مخصوص کردیا گیا تھا[2] لیکن اگر اس سے مقصود عیسائیون اور مسلمانون کی فرقہ وارانہ جنگ کے بعد بلرم سے مسلمانون کے ہجرت کرنے اور ایک نئی آبادی قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے، تو یہ صحیح نہین، ابن جبیر ولیم دوم کے عہد مین صقلیہ گیا تھا، اور یہ واقعات ولیم دوم کی وفات کے بعد پیش آئے، ولیم دوم کے عہد یعنی ابن جبیر کے صقلیہ پہنچنے کے وقت تک بلرم مین اسلامی آبادی موجود تھی، اور علقمہ وغیرہ دراصل بلرم کے مضافات و توابع مین داخل تھے،

چند دیگر آبادیان اندرون ملک کی ملک کے اندرونی حصہ مین اون مذکورۂ بالا شہرون کے علاوہ زیادہ تر ایسے قلعے تھے، جو مختلف شہرون کی حفاظت کیلئے چوکی کے طور پر تعمیر ہوئے تھے، اور ان مین رفتہ رفتہ لوگ آباد ہوگئے تھے، لیکن اون قلعون کے ماسوا چند ایسے شہر او بھی تھے، جو تجارتی کاروبار اور آبادی کے لحاظ سے اچھے خاصے شہر اور جنگی استحکام کی حیثیت سے مضبوط قلعے تھے، نیز اسلامی

---

[1] نزہتہ المشتاق ص ۴۲، و اخبار الاندلس ج ۲ ص ۱۹۲ و آثار البلاد و اخبار العباد وغیرہ [2] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۳۴ و یادگار مضامین جلد ۲ ص ۲۰۱،

حکومت نے ان مین سے اکثر قلعون کے جنگی استحکامات توڑ کر اونھین پر امن آبادیان بنادیا جو مختلف شہرون کی چوکی کے طور پر تعمیر کیے گئے تھے، اور اون مین صقلیہ کے رومی زمانہ جنگ مین قلعہ بند ہوتے تھے، ادریسی نے ایسی تمام آبادیون کی مکمل فہرست اون کے جغرافی وطبعی حالات کے ساتھ مرتب کی ہے، جن مین سے چند مقامات اسلامی تاریخ کے لحاظ سے زیادہ شہرت رکھتے ہین،

میناؤ دامن کوہ کی ایک آبادی تھی، جو لنتینی سے مغرب جنوب مین ۲۴ میل پر آباد تھی، اس مین ایک مستحکم قلعہ تھا، آس پاس کی زمین زرخیز تھی، غلہ کثرت سے پیدا ہوتا تھا، مسلمانون نے خشک و ترمیوون کے بہ کثرت باغ لگائے تھے،

قلعہ بلوط سمندر سے ۱۲ میل اور جرجنت سے ۳۰ میل پر آباد تھا، استحکام، رفعت شان اور جائے پناہ کے لحاظ سے صقلیہ کے مشہور قلعون مین تھا، اسلامی عہد مین آبادی گنجان تھی آس پاس کی زمین سرسبز و شاداب اور زرخیز تھی،

ابلاطنو (PALATANI) قصر نوبو کے نواح مین سمندر سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا، اس کا قلعہ بھی مضبوط و مستحکم تھا، اسلامی آبادی موجود تھی،

قلعہ قرلیون (CORLEONE) ایک مسلسل سلسلۂ عمارات پر مشتمل تھا، اسلامی آبادی موجود تھی، یہ شہر آج کل بھی موجود ہے، بلرمو سے ۱۲ میل پر آباد ہے، آبادی ۱۳ ہزار ہے،

قلعہ مرناؤ (MARINEO) سمندر سے ۸ میل پر واقع تھا،[1]

یاقوت نے بھی اندرون جزیرہ کے چند شہرون مثلاً بونفاط، البیاد، جالصہ، سمنطار، اور جطین وغیرہ کے نام درج کیے ہین، سمنطار کیطرف شیخ ابوبکر عتیق سمنطاری جیسے صاحبِ کمال بزرگ نسبت رکھتے ہین، اور جطین کی طرف جو میلاص کے علاقہ مین تھا، علی بن عبداللہ الجطینی منسوب ہین،[2]

---

[1] نزہۃ المشتاق ص ۲۶، ۳۲، ۳۹، ۳۷، ۴۱۔

عہد اسلامی مین صقلیہ کی زبان

مسلمانون کی یہ خصوصیت رہی ہے، کہ وہ جس ملک مین پہنچے، تہذیب و معاشرت کے لازمی جزو زبان پر بھی قبضہ کرلیا، اور کچھ عربی تہذیب مین ایسی دلآویزی تھی کہ عربی زبان کو مفتوح ملکون مین بہت جلد مقبولیت حاصل ہوجاتی، اور اسی وجہ سے چند ہی دن مین بادیۂ عرب کی یہ زبان دنیا کی ربع آبادی کی مادری زبان بنگئی، اور عرب کے ماسوا عراق عجم ایران، مصر، شمالی افریقہ اور اندلس مین عربی زبان کے ایسے ایسے ادیب پیدا ہوئے، جن پر عرب اہل زبان نے فخر کیا، یہی صورت صقلیہ مین بھی پیش آئی یہان کے قدیم باشندون مین اوسکو رسوخ حاصل ہوا، اور صقلیہ اور اوس کے ارد گرد مین عام سند قبول حاصل کی، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین،:-

"عرب جاہلیت کے قصائد اور نظمین نہ صرف پلرمو (بلرم) مین بلکہ ہمسایہ شہر روم مین اوسی قدیم شان اور لب و لہجہ مین پڑھی جاتی تھین، اور مسلمان اور غیر مسلمان دونون تحسین و آفرین کرتے اور داد دیتے تھے"[۱]

لیکن مسلمانون نے اپنی زبان کی اشاعت مین قومی عصبیت نہین برتی، اونھون نے نہایت فراخدلی سے صقلیہ کی قدیم زبانون کو بھی زندہ رکھا، چنانچہ صقلیہ کے پورے اسلامی دور مین وہان کی قدیم زبانون مین سے لاطینی اور یونانی رائج رہین، اور ہر شخص آزاد تھا کہ وہ جس زبان کو چاہے، استعمال کرے، چنانچہ یہ دونون زبانین بھی تحریری زبان کی حیثیت سے اسلامی عہد حکومت مین استعمال ہوتی رہین،[۲]

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۲۳[؟] [۲] انسائکلوپیڈیا بریطانیکا جلد ۲۳ ص ۳۲

مسلمانوں کی اس قومی رواداری کا صلہ اسی سرزمین میں انھیں ملا جس طرح انھوں نے قدیم زبانوں کی حفاظت کی تھی، اس سے زیادہ ان کے یورپی اخلاف نارمنوں نے عربی زبان کی ترقی میں حصہ لیا، عرب ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کی، حکومت کی دفتری زبان عربی رکھی، شاہان صقلیہ کی مراسلت، ملکی سکوں کے نقوش، فرمانرواکی مہر، حکومت کا نشان امتیاز (ٹاک) سب عربی زبان میں تھے یہانتک کہ گرجوں میں خوبصورت خط کوفی کے طغرے بنائے جاتے تھے گویا یہی انکی قومی نسلی زبان تھی۔

اس طرح عربی زبان صقلیہ کے اسلامی عہد حکومت سے نارمنوں کے زمانہ تک پانچ چھ سو سال تک ملک کی حقیقی ترقی یافتہ زبان رہی، اور اس کا خاتمہ اسی وقت ہوا جب مسلمان ان جزائر سے بالکل شہر بدر کر دیئے گیے، اور اس زبان کی جگہ مختلف یورپی زبانوں لاطینی، فرانسیسی اور ایطالوی نے لے لی، لیکن ان زبانوں میں بھی صقلیہ کی عربی زبان کے بہت کچھ اثرات باقی رہ گئے، اور جو آج بھی دیکھے جاتے ہیں مثلاً جزیرۂ مالٹا کی موجودہ زبان کو پیش کیا جاسکتا ہے، عربی زبان صرف اسی زمانہ میں ۲۲۰ سال تک جب یہ جزیرہ صقلیہ کی اسلامی حکومت کے ماتحت تھا، یہاں کی ملکی زبان رہی لیکن تقریباً ایک ہزار برس گذر جانے کے بعد بھی یہاں کی موجودہ ملکی زبان پر عربوں کے اس ۲۲۰ سالہ حکومت کے دور کے ایسے گہرے نقوش قائم ہیں، کہ کوئی ماہر لغت آج مالٹا کی زبان کی اصل بجز عربی کے کسی دوسری زبان کو قرار نہیں دیسکتا، بلکہ اگر اس مالطی زبان کا رسم خط لاطینی کے بجائے عربی ہوتا تو آج مصر اور مالٹا کی زبانوں میں سرمو فرق نہ ہوتا، کہ مصر کی موجودہ زبان کی طرح مالطی زبان میں بھی ۱۰ فیصدی سے زیادہ غیر عربی زبان کے الفاظ نہیں، ذیل کے چند اقتباسوں سے اس حقیقت کا اندازہ ہوگا،

الفاظ

عربی الفاظ	مالطی الفاظ بہ تلفظ اہل مالٹا	عربی الفاظ	مالطی الفاظ بہ تلفظ اہل مالٹا	عربی الفاظ	مالطی الفاظ بہ تلفظ اہل مالٹا
الخبز	خبز	الزیت	زیت	النبیذ	إمبیت

عربی الفاظ	مالٹی الفاظ بہ تلفظ اہل مالٹا	عربی الفاظ	مالٹی الفاظ بہ تلفظ اہل مالٹا	عربی الفاظ	مالٹی الفاظ بہ تلفظ اہل مالٹا
الحلیب	حلیب	الماء	إلماء	الملح	ملح
الطفل	طفل	السکینة	سکینه	الخل	حل
المراة	مرا	الدقیق	تفقیق	الخیاط	خیاط

تراکیب

عربی	مالٹی	عربی	مالٹی
الثلاثاء الجائی	الثلاثا الجاییں	غداً الخامس عشر	بھا الغد احمستاس
الاربعاء الماضی	الاربعا الّی عدد	شئ جمیل،	شی جمیل،

جملے

هم اثنان فقط	هم تنین بس	من یعرف؟	میں یعاف؟
کم مضی علیك هنا	کم الك هاون	لیس عندی سوی واحدة	ماعندیش حلاف واحدة

اسی طرح ذیل کی مسلسل عبارت ملاحظہ ہو،

مالٹی زبان کی عبارت لاطینی حرفوں میں	عربی حروف میں	مالٹی عبارت کی توضیح عربی زبان میں
AHBARIJETTAM MALTO	اخبار یات تاع مالطا	اخبار مالطه
IDDIRETTURTUPOSTAJG HARRAFILLIMILLIO- MILKUDDIEMILPOSTA DIRETTAGHALNAPOLI TGHALAKFILUFFICC- IOTALPOSTAILBELT FIT 8A.M. NHARIL TLIETAILHAMIS OIS SALT	الدیریتور (ایطالوی) تاع البوسطة یعرف الّی ملیو لقدام البوسطة دیریتا (ایطالوی) علی نابولی بالاریو بلان (الطیارة) تعلق فی الاوفیسیو (ایطالوی) تاع البوسطة البلد الساعہ ۸ نهار الثلاثاء الخمیس السبت،	مدیر البوسطة یعلن انّہ من الآن فصاعدا البوسطة المصدرة الی نابولی تعلق فی مکتب بوسطة البلد فی الساعة ۸ صباحا ایام الثلاثاء والخمیس والسبت[1]

اسی طرح لاطینی، ایطالوی اور فرانسیسی زبانوں میں عربی کے کم و بیش اثرات ہیں جن کا تذکرہ کتاب کے آخری باب میں آئیگا،

[1] معارف جلد ۳۳ نمبر ۳

عہد اسلامی مین صقلیہ کے ادیان و مذاہب و فرق

ادیان | صقلیہ مین مذہب اسلام کے داخلہ کے وقت جو ادیان و مذاہب تھے، اون کا تذکرہ جلد اوّل مین گذر چکا ہے یعنی زیادہ تر لوگ کیتھولک مذہب کے پیرو تھے، چند لامذہب اور کچھ یہودی تھے اور ایک مختصر گروہ بت پرستون کا تھا، مسلمان اپنے ساتھ مذہب اسلام لائے۔

مذہب اسلام نے صقلیہ مین جس سرعت سے ترقی کی، وہ حیرت انگیز ہے، اسلام کی صداقت کا یہ اثر تھا کہ چند صدیون مین صقلیہ کی بڑی آبادی مذہب اسلام کی حلقہ بگوش ہوگئی خصوصًا جو مقامات ساحل افریقیہ کی جانب تھے، وہان کے قدیم باشندون کو مسلمانون سے ملنے جلنے کا موقع زیادہ ملا، اور وہ اثر صحبت سے اسلام قبول کرتے گئے، قبول اسلام کا یہ سلسلہ نہ صرف عہد اسلامی مین قائم رہا، بلکہ اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے بعد بھی لوگ اسلام کے دائرے مین داخل ہوتے رہے، یہانتک کہ جب راجر اول نے اسلام مین داخلہ کا دروازہ قانونًا بند کردیا، تب بھی لوگ مسلمانون کے فیض صحبت سے اسلام لاتے، اور چھپ چھپا کر عبادت کرتے تھے، تاہم ایک بڑی جماعت یہان غیر مذاہب والون کی بھی باقی رہ گئی جس مین عیسائی، بت پرست اور یہودی تھے،

مسلمانون نے یہان کے اون قدیم مذاہب کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کیا، اور اون غیر مسلمون کو کامل مذہبی آزادی دی، جسکی شہادت، یورپ کے مصنفین دیتے ہین، صقلیہ کی اسلامی تاریخ مین کوئی ایسا واقعہ پیش نہین کیا جاسکتا کہ کوئی بت پرست یا یہودی یا عیسائی مذہب کیلئے قتل کیا گیا ہو، تبدیل مذہب کیلئے حکومت نے کوئی جبر و اکراہ نہین کیا، یونانیون کے مندر، یہودیون کی قربانگاہین، اور عیسائیون کے کلیسے بدستور قائم رہے، چنانچہ ہیکل بلرم اور کنیسۂ قطانیہ کی وہی عظمت

اسلامی دور مین بھی برقرار رہی جو اوس سے پہلے سے حاصل تھی، اگرچہ ایک دو مثالین ایسی بھی ہین کہ بعض ایسے کلیساؤن کو جو پہلے بت پرستون کے مندر تھے، مسجد بنا لیا گیا، لیکن عام طور پر صقلیہ کے قدیم معابد بدستور قائم رہے، اور ان معابد پر پہلے سے جو اوقاف چلے آتے تھے، اسلامی حکومت نے اون سب کو برقرار رکھا،[۱]

مذاہب فقہ | صقلیہ کے اسلامی مذاہب و فرق کی تاریخ افریقہ کے مذاہب و فرق کی تاریخ کیساتھ وابستہ ہے اور وہان کے اسلامی مذاہب کی تاریخ مین **فاتح صقلیہ** اسد بن فرات کی شخصیت نمایان ہے، قاضی اسد بن فرات مذاہب فقہ کے جامع تھے، اونھون نے امام مالک سے براہ راست اون کے فقہ کی تحصیل کی اور امام ابو حنیفہ کے تلامذہ سے فقہ حنفی پر عبور حاصل کیا، مالکی المذہب مصنفین نے انکو مذہب مالکی کا پیرو بتایا، اور حنفی مذہب کی طرف رجحان رکھنے والے مصنفین انھین حنفی المذہب سمجھے اور کہا گیا کہ انہی کے ذریعہ افریقہ اور پھر صقلیہ مین مذہب حنفی کی ترویج ہوئی، لیکن جیسا کہ آیندہ اسد کے سوانح حیات مین تفصیل سے معلوم ہوگا، کہ گو خود اسد عبادات مین مالکی المذہب تھے، مگر معاملات اور فصل مقدمات مین فقہ حنفی کا بھی اتباع کرتے تھے، البتہ اُن کے تلامذہ اور حلقہ بگوشون مین ایک بڑی تعداد حنفی المذہب تھی، سرزمین افریقہ مین فقہ حنفی کا ان سے بڑھکر کوئی دوسرا عالم موجود نہ تھا،

جب قاضی اسد صقلیہ آئے، تو اون کے تلامذہ بھی اون کے ہمرکاب تھے جن مین حنفی و مالکی دونون مذاہب کے پیرو موجود تھے لیکن ان مین احناف کی تعداد زیادہ تھی، اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ صقلیہ مین مذاہب فقہ مین سے ابتداءً مذہب حنفی کو فروغ

[۱] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا جلد ۲۵ (سسلی) طبع یازدہم اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۹۴، اسٹوری آف دی نیشنس جلد ۳۰ صفحہ ۲۵، نہایۃ الارب نویری مدامری ۴۴۴، رحلۃ ابن جبیر ۳۲۵،

حاصل ہوا، اور اسی لئے مقدسی (۳۷۵ھ) کا یہ بیان اپنی جگہ صحیح ہے، کہ

واکثر اهل صقلیة حنفیون[1] اور اکثر اہل صقلیہ حنفی ہین،

اس کے بعد اغلبی خاندان کے جو شاہزادے یہان والی مقرر ہو کر آئے ان میں سے اکثر ولاۃ مالکی مشائخ امام سحنون وغیرہ سے عقیدت رکھتے تھے، اسی طرح عہدۂ قضاء پر بھی مالکی مذہب کے علما مامور ہوتے رہے، ان وجوہ سے یہان رفتہ رفتہ مالکی مذہب کو مقبولیت ہوتی گئی، اور پھر جب ۴۴۰ھ میں المعز بن بادیس نے افریقہ میں مذہبِ مالکی کو قانوناً فروغ دیا، تو افریقہ کے اثر سے صقلیہ میں بھی اسکی اشاعت زیادہ ہوئی، یہانتک کہ پانچویں چھٹی صدی کے علماء صقلیہ اور اہلِ علم بالعموم مذہب مالکی کے متبع نظر آتے ہیں، اور نیز صقلیہ کے جو اہلِ علم وہان سے ہجرت کر کے دوسرے ملکون مین جا بسے اور ان مہاجر صقلی خاندانون مین جو علماء و فضلا پیدا ہوئے، وہ بھی مذہب مالکی کے متبع تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ بالآخر یہان مذہبِ مالکی کو کامل تفوق حاصل ہو گیا تھا،

فرق قاضی اسد اور ان کے متبعین کلام و عقائد مین سلف صالحین کے پیرو تھے[2] اسلئے صقلیہ کے متقدم احناف بھی اسی مسلک پر قائم تھے، اور جو لوگ مالکی المذہب تھے ان کے مالکی المذہب معلوم ہو جانے کے بعد علم کلام مین بھی اون کا مسلک معلوم ہو جاتا ہے، کہ تاج سبکی و دیگر ائمۂ فن کی تصریح ہے کہ

"کوئی مالکی اشعری کے سوا کوئی اور ہو ہی نہین سکتا"[3]

اسلئے صقلیہ کے مالکیہ بھی یقیناً امام ابوالحسن اشعری کے متبع تھے، جیسا کہ آیندہ صقلیہ کے علم کلام کی تاریخ سے پتہ چلے گا کہ یہان کے اکثر اہلِ علم نے مذہبِ اشعری پر مختلف مفید کتابین تالیف کین،

---

[1] احسن التقاسیم مقدسی ۲۳۰ مطبع بریل ۱۹۰۶ء، مقدسی کا یہ بیان جس طویل روایت کے سلسلہ مین آیا ہے وہ محل نظر ہے جس پر اسد کے سوانح مین گفتگو کیگئی ہے، [2] معالم الایمان جلد ۲ ص ۱۴ [3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ تاج سبکی

مذاہب فقہ و فرق کلام کے ذیل مین یہ اہلسنت کے مذاہب کا تذکرہ تھا لیکن دولت اغالبہ کے زوال کے بعد جب فاطمیون کا دور آیا تو صقلیہ کا سرکاری مذہب شیعی قرار پایا،

مذہب شیعی | افریقہ مین فاطمی حکومت تمامتر مذہب کی بنیاد پر قائم تھی، اسلیئے اسکے آغاز عہد ہی سے مذہبی معاملات مین رواداری قائم نہین رہی، یون تو عام مورخین فاطمیون کے مذہبی تشدد کو خوفناک شکلون مین بیان کرتے ہین، تاہم فاطمیون کے مذہبی غلو سے انکار نہین کیا جاسکتا، مثلاً فقہا و اصحاب افتا کو بجز مذہب شیعی کے کسی دوسری فقہ کے روسے فتوی دینے سے روک دیا گیا، علما و اصحاب فضل ابو القاسم طرزی قاضی صقلیہ اور ابو العباس بن بطریقہ وغیرہ کو کوڑے لگوائے گئے، ابن ہذیل اور ابراہیم بن بردوم وغیرہ جیسے اہل فضل کو تہ تیغ کیا گیا، اذانون مین "حی علی خیر العمل" کا جبری اضافہ ہوا، لوگون نے جماعت کی نمازین چھوڑ دین، لوگون کے مال و اسباب ضبط ہوئے، یہانتک کہ جن قلعون اور مسجدون پر ان کے بانیون کے نام کندہ تھے ان کو مٹا کر خلفاے فاطمی کے نام لکھے گئے،[1]

افریقہ مین شیعیت کے دست و باز و جو کچھ تھے، وہ چند قبائل بربر تھے، جو دار السلطنت قیروان سے منزلون دور تھے، اور ان تک اسلامی تعلیمات صحیح طور پر پہنچی بھی نہ تھین، ورنہ عام اہل افریقہ نے بالعموم اس جور و تشدد کے باوجود مذہب شیعی قبول نہین کیا، یعنی قیام سلطنت کے بعد اوس کے اثر سے اس مذہب کو افریقہ مین فروغ حاصل نہین ہوا، صرف خال خال افراد نے اپنے عقائد کی تبدیلی کا اقرار کیا تھا،

جب شیعیت کو افریقہ میں عام قبول حاصل نہیں ہوا، تو صقلیہ تک اوس کے اثرات کیا پہنچے جہان اون کے مذہب کی نشر و اشاعت کی منظم کوششیں بھی نہین ہوئی تھین، بلکہ یہان کے مسلمانون کو اچانک انقلاب حکومت کی اطلاع ملی، اور افریقہ کے انقلاب سے یہان

[1] ریاض النفوس ورا ماری ۱۹۵،

کی حکومت بھی بدل گئی ۔

یہی وجہ ہے کہ جب صقلیہ مین فاطمی اسماعیلی حکومت کے قیام کے بعد حکومت کا سرکاری مذہب شیعی اسماعیلی قرار پایا، اور حکومت کے مختلف شعبون مین اسکے شیعی ہونے کے اثرات نمودار ہوئے، جن سے اس مذہب کی اشاعت کا امکان تھا، لیکن دولتِ اسماعیلی کی یہ حکمتِ عملی عملاً ناکام ثابت ہوئی اور اسکی وجہ سے صقلیہ کا امن وامان ایسے خطرہ مین پڑا، کہ ابنِ قرہب کی قیادت مین مسلمانانِ صقلیہ نے عام بغاوت کی، اور اپنا رشتہ دولتِ فاطمیہ سے کاٹ کر دولتِ عباسیہ بغداد سے جوڑ لیا،

اس کے بعد جب فاطمیون کو صقلیہ پر دوبارہ اقتدار ہوا، تو اونھون نے اسی پر اکتفا کیا، کہ ان کی سلطنت کو یہان قیام واستحکام حاصل رہے، اور تحفظِ سلطنت کی خاطر وہ یہان اپنے مذہبی عقیدہ کی اشاعت سے دست کش ہو گئے، اسی لئے ہمارے سامنے ایسا کوئی واقعہ نہین کہ حکومت فاطمیہ کے عہد مین سرزمین صقلیہ مین ابنِ قرہب کے ہنگامہ کے بعد پھر کبھی شیعہ سنی تنازع کا کوئی سوال پیش آیا ہو، حالانکہ انہی دنون سرزمین افریقہ ان دونون مذاہب کا دنگل تھی، لیکن صقلیہ مین اگرچہ خانوادہ کلبیہ کے لوگ عقیدۃً شیعی تھے، اور اس عہد مین مختلف معزز عہدون پر بھی شیعی مقرر ہوئے، لیکن وہ شیعہ ہونے کی حیثیت سے نہین، بلکہ خانوادہ کلبیہ یا اس کے جان نثار افراد کی حیثیت سے ممتاز تھے،

البتہ اس سلسلہ مین ہمین اوس صقلی وفد کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے، جو ۳۴۷ھ مین معززین ورؤسائے صقلیہ پر مشتمل ہو کر دربار افریقہ مین حصولِ بیعت کیلئے باریاب ہوا تھا لیکن جہانتک عام حالات سے سمجھا جاسکتا ہے، یہ وفد عقیدت واطاعت کے اظہار کیلئے افریقہ آیا تھا، اور اسکی غرض تمامتر سیاسی تھی گو اسمین زیادہ تر تعداد شیعی افراد کی تھی،

لیکن جہانتک دولتِ کلبیہ کا تعلق ہے، وہ خالصۃً شیعی تھی، اور افریقہ کے شیعے اسکو اپنا

پشت پناہ تصوّر کرتے تھے، چنانچہ جب المعز بن بادیس افریقیہ مین شیعون کیلئے شمشیر برہنہ بنا تو انھون نے صقلیہ کو اپنے لئے مامن تصوّر کیا، مگر دولت کلبیہ کا کوئی عمل بجز اسکے کہ وہ حکومت فاطمی مصر کی مطیع ومنقاد تھی ظاہرا ایسا نہ تھا کہ جس سے اوس کی شیعیت کا اظہار ہوتا، اور نہ کوئی ایسا واقعہ معلوم ہے کہ اوس نے صقلیہ میں شیعیت کو بزور رائج کیا ہو، اگر دولت کلبیہ کے تمام عہد میں اس قسم کی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے تو صرف اس وقت جب اوس کی آخری سانسین چل رہی تھیں، اور تائید الدولہ نے سیاسی مصالح کے لئے ملک میں نفاق انگیزی کے ذریعہ رعایا کے ایک طبقہ کو برانگیختہ کردیا تھا، اس وقت ان لوگون نے المعز سے اس وجہ سے دولت کلبیہ کے خلاف استمداد کی، کہ وہ افریقیہ سے شیعیت کا قلع قمع کر رہا ہے، اس لئے وہ صقلیہ کے خلاف لشکرکشی پر جلد آمادہ ہو جائے گا، لیکن جہاں تک واقعات کی رفتار سے سمجھا جاسکتا ہے یہ مسلمانان صقلیہ کی ایک سیاسی حکمت عملی تھی، اسے مذہبی عناد وتعصب سے کوئی لگاؤ نہ تھا چنانچہ جب ہوا کا رُخ بدلا، تو وہی سُنی المذہب مسلمانان صقلیہ جو افریقیہ سے فوج بلا لائے تھے، تائید الدولہ کی حمایت مین تلوارین سنبھال کر المعز کے جگر گوشون پر ٹوٹ پڑے،

اسلئے اگرچہ صقلیہ مین تقریباً سو برس تک شیعی حکومت قائم رہی لیکن فرقہ وارانہ حیثیت سے اس کا کوئی اثر مترتب نہین ہوا، نہ حکومت نے کبھی شیعیت کو فروغ دینے کی کوشش کی، نہ رعایا نے اس کی جانب مذہبی حیثیت سے تنفر یا میلان کا اظہار کیا، وہ جسطرح اہل السنت تھے، اپنے عقائد پر قائم رہے، اور نیز اوس عہد مین بھی جب صقلیہ سے حکومت اسلامی کا خاتمہ ہوگیا، جو مسلمان یہان آباد رہے، جو اہل علم ان مین پیدا ہوئے، جو باکمال شعرا نارمن درباروں مین ممتاز ہوئے، جو معززز وسار حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز اور جو شہری و بدوی نارمنون کے فوجی نظام مین داخل ہوئے، سب کے سب اہل سنت والجماعۃ تھے، المدونہ کا درس تھا، مسجدون مین پانچون وقت باجماعت نماز ہوتی، مالکی فقہار

کے فتاوی نافذ ہوتے، اور پھر صقلیہ کے جو اسلامی خانوادے، اور اہل علم وہان سے ہجرت کرکے دوسرے اسلامی ممالک، اندلس، افریقیہ، مصر وشام اور حجاز مین جاکر سکونت پذیر ہوے، اور جنکے حالات ہم تک پہنچ سکے، سب کے سب اپنے قدیم مذہب و مسلک اہل سنت والجماعۃ پر قائم رہکر راسخ العقیدہ سنی المذہب مالکی واشعری تھے،

اخلاق و عادات

قومون کے امتیاز کا معیار ان کے نظام اخلاق اور عقلی نشوونما کو پیش نظر رکھ کر قائم کیا جاتا ہے، ان اخلاقی وعقلی اوصاف کی تشکیل خاندانی روایات بچپن کی تربیت اور ملک کے جغرافی حدود و آب و ہوا اور گرد وپیش سے ہوتی ہے،

صقلیہ مین عہد اسلامی تک کوئی واحد سسلین قوم موجود نہ تھی، اسکی سرزمین مختلف قومون کا آماجگاہ رہی، اور ہر حملہ آور قوم نے توطن اختیار کرکے اسکو اپنا مرزبوم قرار دیا، اور یہان کی اگلی قومون کو اپنا جزو تصور کیا، انہی مین ایک مسلمان بھی تھے، اور چونکہ صقلیہ کی ان مختلف قومون کے اخلاق وعادات کے قوائے تشکیل ایک دوسرے سے مختلف تھے، اسلئے ان قوائے تشکیل کے مظاہر یعنی اخلاق وعادات اور رسم ورواج مین بھی اختلاف کا ہونا ضروری تھا، البتہ مرزبوم کے اتحاد سے ان کے جغرافی حدود، آب وہوا، اور گرد وپیش کے اثرات یکسان تھے، اسلئے ضرور ہے کہ ان کے نظام اخلاق مین بھی اتحاد پایا جائے،

لیکن اس موقع پر صقلیہ مین ان مختلف قومون کی توطن پذیری کے زمانہ مین جو تقدم وتاخر ہے، اس کے اثرات کو فراموش نہ کرنا چاہیئے، یہی وجہ ہے کہ ان مختلف اعتبارات سے ہمین صقلیہ کے عہد اسلامی مین یہان کے باشندون کے مختلف گروہون مین مختلف نظام اخلاق کی جھلک نظر

آتی ہے، یہ مختلف گروہ بہ ترتیب یہ ہیں،

۱۔ صقلیہ کے وہ قدیم باشندے جو عہدِ قدیم سے مسلمانون کے داخلہ کے بہت پہلے یہان آباد ہو چکے تھے،

۲۔ حملہ آور اور نوآباد مسلمانانِ صقلیہ،

۳۔ وہ قدیم باشندے جو نئے گرد و پیش سے متاثر ہوئے اور عقیدۂ توحید قبول کرلیا،

ان تین قسم کے باشندون کے نظامِ اخلاق کی ذیل کی تین مختلف حالتین تھین،

۱۔ یہان کے قیام کی طویل مدت مین باہمی اختلاط و آمیزش سے قدیم باشندون کے نسلی و خاندانی اور روایتی اخلاق و عوائد رفتہ رفتہ ان کے جدید مرزبوم یعنی صقلیہ کے اثرات سے مسخ ہو کر انہی مین مدغم ہوئے، اور وہ سب مختلف قومین یکسان نظامِ اخلاق سے متحد ہو گئین،

۲۔ حملہ آور اور نوآباد مسلمانانِ صقلیہ عرب و بربر کے مختلف شریف قبیلون سے تھے، اور عقیدۂ توحید قبول کر کے ایک ہی قسم کے اخلاق سے متصف ہو گئے تھے، اور وہ ان کے اسلامی اخلاق تھے، جو اعتقادی تعلیم کے باعث مرزبوم کے اثرات سے متاثر نہین ہوئے، اور یہان انکے قیام پر اتنی مدت گذری تھی، جو مرزبوم کے اثرات قبول کرنے کیلئے کافی نہ تھی،

۳۔ صقلیہ کے قدیم نومسلم باشندے ابتداءً اپنے موروثی اخلاق و عوائد سے متصف رہے، پھر عقیدۂ توحید اور اسلام کے اخلاقی تعلیمات پر پختہ یقین سے رفتہ رفتہ ان کے اخلاق بھی بدل گئے، اگرچہ مزاجِ عقلی کے موثرات سے قومون کا اساسی اخلاق نہین بدلتا، لیکن عقیدہ، زبان اور سیاست کی وحدتِ کلی، اساسی اخلاق کے بدلنے مین بہ نسبت دیگر موثرات کے جلد اثرانداز ہوتی ہے،

یہی وجہ ہے کہ صقلیہ کے عہد اسلامی مین ایک غیر ملکی سیاح ابن حوقل کو صقلیہ مین متضاد قسم کے ایسے اخلاق و عوائد نظر آئے جنھین دیکھکر اوسے حیرت ہوئی، اور اوس نے اپنے مشاہدات و

وتجربات کو ایک مستقل رسالہ مین قلمبند کیا چنانچہ وہ وہان کی آب وہوا کے جو بُرے اثرات وہان کے باشندون کے عقلی نشو ونما اور نظام اخلاق پر پڑے تھے، اون کا عمومی طور پر یون تذکرہ کرتا ہے :-

"اکثر محلون اور شہر مین کوئین کا پانی پیا جاتا ہے، جو نہایت ثقیل اور غیر خوشگوار ہوتا ہے، اونھون نے شیرین اور بہتے ہوئے پانی کو چھوڑ کر اسکو اسلئے پسند کیا کہ اون مین شرافت کی کمی ہے، وہ لوگ اپنے گھروں میں صبح وشام بہ کثرت کچی پیاز استعمال کرتے ہیں، جس نے اونکو بہت نقصان پہنچایا ہے، اُن کے تخیل کو خراب کیا ہے، اون کے دماغون کو نقصان پہنچایا ہے اور ان کے حواس کو حیران کر دیا ہے، اون کی عقلون کو بدل دیا ہے، اون کی سمجھ کو نقصان پہنچایا ہے، اور ان کے چہروں کو بگاڑ دیا ہے، اور ان کے مزاج کو بدل دیا ہے، یہانتک کہ اونکو اکثر چیزین اپنی اصلی حالت کے برعکس نظر آتی ہین"[1]

"اہل صقلیہ نہایت کم عقل اور بے وقوف ہین، فضائل کی طرف بہت کم متوجہ ہوتے ہین، اور رذائل کے بڑے حریص ہین"[2]

ہمارے نقطۂ نظر سے ابن حوقل کی مذکورۂ بالا تصریح اون قدیم باشندون کے حق میں ہے جو مسلمانون کے داخلہ سے پہلے موجود تھے، اور جنمین ایک بڑی تعداد نے اسلام بھی قبول کر لیا تھا تبدیل مذہب سے نسلی وقومی خو بو فوراً نہین بدل جاتی، ابن حوقل ۳۶۲ھ مین صقلیہ مین پہنچا تھا، اسوقت مسلمانون کے داخل ہونے پر صرف ڈیڑھ سو برس گذرے تھے، وہ قدیم باشندے اسلام کے دائرہ میں بہرحال اس کے بعد داخل ہوئے تھے، اسلئے یہ سو، سوا سو سال کی مختصر مدت قومون کے مزاج عقلی کے بدلنے کیلئے کافی نہین ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ انھون نے جب مذہب اسلام کو قبول کیا تو اپنے قومی ونسلی اخلاق وعوائد کی بدولت اس کے حدود وارکان وشرائط کی بھی پابندی نہ کر سکے، چنانچہ ابن حوقل

[1] کتاب المسالک والممالک ص ۱۲۳۔ [2] معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۶۵،

اپنے اوسی رسالہ کے دیباچہ مین جسکو یاقوت نے معجم البلدان مین نقل کیا ہے، لکھتا ہے،

پھر مین نے ان کی بد اخلاقی، بُرے اور بدبودار کھانے اور گندے اسباب اور بہت جھگڑالو ہونے کا ذکر کیا ہے، اس کے ساتھ نہ وہ پاک رہتے ہین، نہ نماز پڑھتے ہین نہ حج کرتے نہ زکواۃ دیتے ہین، اور بسا اوقات وہ روزہ رکھتے ہین، اور جنابت کا غسل نہیں کرتے،

اس کے ساتھ گیہوں ان کے یہان سال بھر نہین ٹھہرتا، بلکہ صقلیہ کی آب و ہوا کی خرابی سے کھلیان ہی مین سڑ جاتا ہے، ان کی گندگیون کے مثل یہودیون کی گندگی اور اون کے گھرون کی تاریکی کے مثل سیاہ اژدہون کی سیاہی بھی نہین، وہان کے بڑے بڑے لوگون کے گھرون مین مرغیان بھری رہتی ہین اونکے بسترون پر بیٹ کرتی ہین، اور ان پر کوئی اثر نہین پڑتا۔[۱]

توہم پرستی: یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنی اخلاقی اور ذہنی پستی سے سخت توہم پرستی مین بھی مبتلا تھے جو انکی زندگی کے ہر شعبہ مین نمایان تھی، اس کا اندازہ اون روایات سے ہوتا ہے، جو وہ کوہ آتش فشان کے متعلق سنجیدگی سے بیان کرتے تھے، اور اوس سے یہان کے تعلیم یافتہ طبقہ کے افراد بھی نہ بچ سکے تھے مثلاً:-

علی بن ابی بکر ہراوی صقلیہ کے ایک اہل علم سے روایت کرتے ہین، کہ مجھ سے صقلیہ کے ایک عالم نے بیان کیا کہ جبل برکان سے ایک جانور نکلتا ہے، جو سمان کی شکل اور خاکستری رنگ کا ہوتا ہے وہ اوس مین سے نکل کر فضا مین پرواز کرتا نظر آتا ہے، اور پھر اوڑتے اوڑتے اوسی مین واپس چلا جاتا ہے۔[۲]

جس طرح صقلیہ مین کوہ اٹنا کی آتش فشانی ہوتی تھی اسیطرح جنوبی اٹلی کے بعض پہاڑ بھی ان دنوں آتش فشانیان کرتے تھے بسسلی کے بھولے بھالے باشندے ان دونون کی آتش فشانیوں

۱؎ معجم البلدان جلد ۵ ص ۶۔ ۲؎ کتاب الاشارات فی معرفۃ الزیارات ہراوی ص ۵۵،

سے اس نتیجہ تک پہنچے تھے، کہ اون دونون پہاڑون مین سخت دشمنی اور عداوت ہے، اور سمندر کا میدان اون کا میدان کارزار ہے، اور اون کی شعلہ فشانیان دراصل ان کی معرکہ آرائیون کے ظاہری آثار ہین[۵]،

محاسن اخلاق

دوسری طرف ابن حوقل کو یہان کے مسلمانون مین بلند اخلاق و اوصاف بھی نظر آئے، اون کے عام فضائل اخلاق کو قلمبند کر کے اونھین سراہا، یاقوت ابن حوقل کے اوسی رسالہ کو سامنے رکھکر لکھتا ہے،

"اور ابن حوقل نے کہا کہ مین وہان ۳۶۲ھ مین تھا، اور پھر اوس نے اون کے حسن اخلاق کے کچھ اوصاف بیان کئے اور پھر کہتا ہے، اور مین نے اون لوگون کے اوصاف اور ان کے قصے اور صقلیہ کے حالات" اور یہان کے باشندے اس قسم کے جن فضائل سے متصف ہین، سب کو ایک کتاب مین پورے طور پر بیان کیا ہے، اور اس کا نام مین نے محاسن اہل صقلیہ رکھا ہے، اس کے بعد مین نے اون کی بداخلاقیون کو بیان کیا ہے......[۵]"

افسوس ہے کہ یاقوت نے اہل صقلیہ کے اون معائب کا تو اوس کے بعد خلاصہ دیدیا ہے، مگر محاسن کا صرف اسی قدر ذکر کیا، ورنہ مسلمانان صقلیہ کے عام محاسن و فضائل کا بھی پورا اندازہ ہو جاتا، اور اہل صقلیہ کے اخلاق و عوائد کے انھی متضاد حالات کی بنا پر ہم نے صقلیہ کے باشندون مین وہ تقسیم قرار دیکر ان کی تطبیق دی، کہ یہ اخلاقی محاسن و فضائل دراصل اون مسلمانون مین تھے، جو یہان نووارد تھے اور جو اپنے موروثی و نسلی اخلاق و عوائد کے ساتھ اسلامی اخلاق کی تعلیمات پر عامل تھے،

اسکے بعد رفتہ رفتہ صقلیہ کے اون نو مسلمون کے اخلاق و عوائد جو اس جزیرہ کے قدیم باشندے تھے، اسوقت بدلے جب اون کے دائرۂ اسلام مین داخل ہونے پر چند صدیان گذر گئین، چنانچہ ۵۴۸ھ

---

[۵] نخبۃ الدہر و عجائب البر والبحر دمشقی ص ۱۴۲[۵] معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۶۷،

مین جب ابن جبیر صقلیہ پہنچا، تو صقلیہ کے تمام مسلمان یکسان زیور اخلاق سے آراستہ تھے، کہ اسلامی برکات نے اونکے تمام سابقہ حالات بدل دیئے، اور وہ کچھ سے کچھ ہو گئے، ابن جبیر خاص طور پر مسلمانون کے اخلاقی و مذہبی حالات پر ان الفاظ مین عمومی تبصرہ کرتا ہے:

"ان مین کوئی نہین جو حصول ثواب کیلئے مہینون کے نفل روزے نہ رکھتا ہو، اور تقرب الٰہی کیلئے صدقہ نہ دیتا ہو، ...... وہ قیدیون کو چھڑاتے ہین، اور اپنے چھوٹے بچون کو محبت سے پالتے ہین، انکے نکاح کرتے ہین، اور ان پر احسان کرتے ہین، اور جہانتک ہو سکتا ہے نیکی کے کام کرتے ہین، ...... یہ سب اس جزیرہ کے مسلمانون پر خدا کا احسان ہے نیکی کے کامون کے متعلق وہ بہت سی روایتین کہتے ہین اور قیدیون کے چھڑانے کے متعلق خدا نے ان کے احسانات کو قبول کر لیا ہے، اور ان کے تمام فقرون کی بھی یہی حالت ہے"[1]

اس کے علاوہ ابن جبیر نے اور جا بجا اون کے حسن سیرت، حسن اخلاق، حسن عمل، صدق نیت، صداقت، رحمدلی، دیانت، امانت، اور وفاشعاری کو سراہا ہے جس سے اُن کے نظام اخلاق کی برتری آشکارا ہوتی ہے۔

---

[1] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۶۔

نظام حکومت

صقلیہ پر اسلامی حملے

صقلیہ کے اسلامی حملون پر ایک اجمالی نگاہ،

عربی فتوحات کے متعلق موسیو لیبان کا یہ خیال صحیح ہے، کہ "اُن کی ملک گیری دو قسم کی ہوا کرتی ہے، یا تو یہ کسی ملک کی قیام کرنے کے ارادہ سے فتح کیا کرتے تھے، یا محض فوج کے ساتھ ملک سے گذر جاتے تھے پہلی صورت مین وہ ہمیشہ باشندون کی دلجوئی کیا کرتے، اور پہلے کے تمام ملک گیرون کے طریقہ کے برخلاف مفتوحہ اقوام کو مذہب و رسوم و رواج و قانون کی پوری آزادی دیتے، اور اس کے عوض مین اُن سے ایک خفیف سا جزیہ لیتے...... لیکن دوسری صورت مین جب کہ وہ ملک مین قیام کرنا نہ چاہتے، ان کا طرز بالکل جداگانہ ہوتا تھا، یعنی مثل اور ملک گیرون کے یہ بھی مفتوحہ ممالک کو محض ایک مال غنیمت سمجھتے، اور جسقدر مال و متاع ان کے ہاتھ لگتا لے لیتے، اور جو نہ لیتے اوسکو غارت کر دیتے"

پہلی جلد مین عربون کی سرگذشت سے معلوم ہو چکا ہے، کہ صقلیہ پر بھی عربون کے دو قسم کے حملے ہوئے، ایک ان کے ابتدائی حملے تھے، جن کا سلسلہ عہد عثمانی سے شروع ہو کر افریقیہ مین دولت اغالبہ کے قیام تک جاری رہا، اور اوس کے بعد دوسری قسم کا حملہ ۲۱۲ھ مین ہوا اور اس حملہ کے شروع کرنے کے پہلے صقلیہ کو دار الاسلام قرار دیدیا گیا تھا، چنانچہ موسیو لیبان بھی صقلیہ

پران دونون قسم کے حملون کو یون بیان کرتے ہین:-

"......صقلیہ مین اونھون نے ان دونون طریقون کو یکے بعد دیگرے برتا، اوائل مین جب اون کی تعداد بہت کم تھی، او رصقلیہ اور ایک حصہ ایطالیہ کا شہنشاہان قسطنطنیہ کی تحت مین تھا، اونھون نے محض فوری حملون پر اکتفا کی، اور ملک کو لوٹا، اور جس کسی صوبہ مین داخل ہوئے، جو کچھ پایا لے لیا جن باشندون نے مقابلہ کیا، انھین قتل کیا، اور پھر جلدی سے اپنی سرحد مین واپس آگئے چند ایسی کامیابیون کے بعد اور جب اونھین ملک کا لے لینا یقینی معلوم ہوا تو اونھون نے باشندون کے ساتھ مدارات شروع کر دی، اور جس دن سے اون کا تسلط ہو گیا، تو پھر لوٹ مار کو بالکل ترک کر دیا، اور مفتوحہ ملک کو ہر قسم کی آسایش دی، وہان اپنا تمدن پھیلایا، اور مثل اندلس کے اوسے بھی سرسبز کر دیا"

لیکن جیسا کہ پہلی جلد مین "صقلیہ پر عربون کے ابتدائی حملے" کا باب پڑھنے سے اندازہ ہوا ہوگا کہ صقلیہ پر عربون کے اس پہلی قسم کے حملے بھی جارحانہ اقدام کی حیثیت سے نہین ہوئے، کہ درحقیقت ساتوین صدی مین روم و عرب کی آویزش کی یہ بھی ایک کڑی تھی، اور عربون کو صقلیہ پر اوسی وقت حملہ کا خیال پیدا ہوا جب یہ جزیرہ بحر روم مین رومیون کا ایک اہم بحری مرکز قرار پایا، اسلئے صقلیہ پر جسقدر یہ ابتدائی حملے ہوئے، وہ محض فوری حملے کرکے ملک کو "لوٹنے" کے خیال پر مبنی نہین تھے، بلکہ جیسا کہ پہلی جلد مین بہ تصریح دکھایا گیا ہے سب کے سب ایک مرتب سلسلہ کی کڑیان تھین، اور اصل مطمح نظر صرف یہ تھا، کہ یہ جزیرہ رومیون کا بحری مرکز قرار پانے کے بجائے اسلامی حکومت کا اس حیثیت سے باجگذار رہے، کہ اسلامی حکومت کی سیادت کو قبول کر لے چنانچہ انھین اس مقصد مین پہلی کامیابی سنہ ۱۲۲ھ مین عبد الرحمن فاتح سرقوسہ کے ہاتھون حاصل ہوئی، اور صقلیہ اسلامی حکومت کا باجگذار بن گیا، لیکن جب ادائے جزیہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا، تو سنہ ۱۳۵ھ مین دوبارہ حملہ کرکے اس معاہدہ کی تجدید کی گئی،

اس کے بعد ہی افریقیہ مین دورِ اختلال آجانے سے صقلیہ نے اس قدر فوجی استحکام اور ایسی بحری طاقت حاصل کر لی، کہ مسلمانون کے تجارتی جہازون کیلئے مستقل خطرہ پیدا ہو گیا، اور بالآخر اون تمام اسباب کی بنا پر جو صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کیلئے پیدا ہو گئے تھے اور جنکی تصریح جلد اول مین گذرچکی ہے، عربون نے صقلیہ کو دارالاسلام قرار دیدیا،

عربون نے اوسی زمانہ مین جزیرہ صقلیہ پر قبضہ کرنے کے علاوہ جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے، ایطالیہ مین بھی پیشقدمیان کین، اور بالآخر پاپائے روما کو خراج کے ادا کرنے پر مجبور کیا، فلوریہ اور انکبردہ کے مختلف شہرون پر قبضہ کر کے یہان اسلامی حکومت قائم کی، اور بحرِ روم کے مختلف جزائر پر اپنا تسلّط جمایا، لیکن موسیو لیبان کا خیال ہے کہ اٹلی کے اون ممالک پر عربون کا حملہ اوس قسم مین داخل ہے، جو وہ ملک سے گذکر اسکو لوٹتے، مارتے جاتے تھے، اور اس لئے ان کے تمدنی اثرات یہان قائم نہین ہوئے[۵۱]،

اسمین شبہ نہین کہ ایطالیہ پر عربون کے حملہ کی نوعیت صقلیہ کے حملون سے مختلف تھی، اٹلی پر جسقدر حملے کئے گئے جیسا کہ جلد اول مین تفصیل سے اوسکو دکھایا جاچکا ہے، جارحانہ ہونے کے بجائے صقلیہ کی حفاظت مین مدافعانہ تھے،

اگر اٹلی پر مسلمانون کے حملے محض لوٹ مار اور گذرجانے کیلئے کئے جاتے تو نہ یہان مستقل اسلامی حکومت قائم ہوتی نہ ولاۃ نامزد ہوتے اور نہ یہ حکومت ۱۰۱۶ء تک قائم رہتی، جس کے مستقل تمدنی اثرات یہان بھی باقی رہے،

حکومتِ صقلیہ کا تعلق غیر ملکی مرکزی حکومت سے

صقلیہ پر عربون کا سب سے پہلا حملہ عہدِ عثمانی مین مرکزی حکومتِ اسلامی کے ماتحت ہوا، اسکے بعد

۵۱ تمدن عرب ص ۲۷۴-۲۷۵،

افریقیہ مین اسلامی حکومت مستحکم ہوگئی، اور مرکزی حکومت اسلامی نے جزیرہ صقلیہ کی بیرنطی سیاسیات کی نگرانی حکومت افریقیہ کے سپرد کردی، اس لئے اسکے بعد صقلیہ پر عربون کے جسقدر ابتدائی حملے ہوئے، وہ دولت اسلامی افریقیہ ہی کے ماتحت انجام پائے، اگرچہ اس زمانہ مین بھی ایک دو موقعے ایسے پیش آئے، کہ مرکزی حکومت اسلامی کی جانب سے صقلیہ پر حملے کئے گئے، لیکن وہ شام پر عیسائی حملون کے جوابات تھے،

پھر جب ۲۱۲ھ مین افریقیہ مین صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کا قطعی فیصلہ ہوا، اور مابعد مین سب سے پہلے اسلامی حکومت صقلیہ کی داغ بیل ڈالی گئی، تو اوسی وقت اسکی حثیت شمالی افریقیہ کی ایک ماتحت نوآبادی کی قسرار پائی، اور اسلئے مرکزی حکومت اسلامی بغداد کو صقلیہ سے کبھی براہ راست تعلق پیدا نہین ہوا، اور اسلئے بغداد کے داخلی وخارجی سیاسی انقلابات کا بھی کوئی اثر صقلیہ تک کبھی نہین پہنچا، بخلاف اسکے افریقیہ کے معمولی معمولی تغیر وتبدل اور سیاسی انقلابات کے گہرے اثرات صقلیہ پر ہمیشہ مترتب ہوتے رہے، اور بلکہ کسی وقت حکومت افریقیہ کے محض خفیف تغیر وتبدل کا صقلیہ پر نہایت حیرت انگیز طور پر شدید اثر پہنچا، اس لئے درحقیقت حکومت صقلیہ کیلئے اسکی مرکزی حکومت خلافت بغداد کے بجائے حکومت افریقیہ تھی،

اگر صقلیہ کو بغداد کی حکومت سے کوئی لگاؤ تھا، تو صرف اسکی روحانی حیثیت سے اوسکی خلافت سے تھا، اور اوس عہد کے اسلامی دستور کے بموجب صقلیہ کی جامع مسجدون مین خلیفہ بغداد کا نام لیاجاتا، لیکن افریقیہ کی حکومت کا فسرمانروا بھی فراموش نہین کیاجاتا تھا، اور خلفائے بغداد کے پہلو بہ پہلو فسرمانروایان افریقیہ کے نام بھی خطبون مین لئے جاتے تھے،

جسوقت صقلیہ مین اسلامی نوآبادی قائم ہوئی، اسوقت تک افریقیہ کے سیاسی حالات مین نمایان تغیر ہوچکا تھا، اور خانوادۂ اغالبہ کو مرکزی حکومت بغداد کی طرف سے افریقیہ کی موروثی

حکومت عطا ہو چکی تھی، اگرچہ اس عہد کے اسلامی سیاسی روایات کے بموجب فرمانروایان اغالبہ نے اپنے لئے شاہی لقب کبھی اختیار نہیں کیا، اور ہمیشہ خلفائے عباسیہ کے مطیع و منقاد رہکر ان کے ولاۃ کی حیثیت سے حکومت کی، لیکن درحقیقت یہی اغالبہ افریقیہ کے سیاہ و سپید کے مالک تھے، اور اپنے داخلی اور خارجی سیاسیات مین کامل خودمختار تھے، خلفائے عباسیہ کو عملاً یہان کے معاملات سے کوئی لگاؤ نہین تھا، صرف خراج کی سالانہ موعودہ رقم سال بسال بغداد بھیج دیجاتی تھی اور افریقیہ مین ولاۃ کے عزل و نصب ہو جانے کے بعد اوسکی تصدیق وہان سے آجاتی تھی تاریخ اغالبہ مین خلفائے عباسیہ کے حکومت افریقیہ کے معاملات مین دخیل ہونے کے جو ایک دو واقعات ہین ان کی مستثنیٰ حیثیت ہے کہ خلفائے عباسیہ کی یہ دخل اندازی بھی باشندگان افریقیہ ہی کی استدعا اور مرضی پر مبنی تھی، اسلئے درحقیقت جب تک حکومت افریقیہ پر اغالبہ قابض رہے صقلیہ کی عنان حکومت بھی اسی خانوادہ کے ہاتھون مین رہی،

پھر جب افریقیہ کے تخت پر بنو فاطمہ متمکن ہوئے، تو صقلیہ کو بھی ایک انقلاب سے دوچار ہونا پڑا، اور بالآخر صقلیہ مین فاطمی حکومت قائم ہو گئی، اوسوقت خلافت عباسیہ سے صقلیہ کا وہ روحانی رشتہ بھی منقطع ہو گیا، جو ابتک خطبہ جمعہ کے ذریعہ قائم تھا، اسکے بعد صقلیہ مین ابن قرہب کی چند روزہ خودمختار حکومت قائم ہوئی، اور یہ پہلا موقع تھا، کہ حکومت صقلیہ حکومت افریقیہ سے بے تعلق ہوئی، اور ابن قرہب ہی کو وہ تمام اختیارات حاصل ہو گئے، جو مرکزی حکومت کو حاصل تھے، اور اسی زمانہ مین صقلیہ عارضی طور پر خلافت بغداد سے وابستہ ہو گیا، لیکن اگرچہ اس موقع پر صقلیہ خلافت بغداد کا ایک صوبہ قرار پایا، تاہم یہ بھی ایک رسمی رشتہ بندی تھی، درحقیقت ابن قرہب کامل خودمختار تھا، اور بغداد سے صرف وہی اسکی روحانی وابستگی قائم ہوئی تھی،

پھر ابن قرہب کی چند روزہ خودمختار حکومت کے خاتمہ کے بعد حسن بن علی کلبی صقلیہ آیا، اور

یہین سے صقلیہ کی حکومت مین پھر ایک نیا دور شروع ہوا، اور یہان دولت کلبیہ کے نام سے اسکے خاندان کی موروثی حکومت قائم ہوگئی، اس حکومت کا حکومت افریقیہ سے ایک برائے نام تعلق باقی رہا، یعنی دولت کلبیہ روحانی حیثیت سے دولت فاطمیہ سے وابستہ ہوئی، اور خطبات مین خلفائے فاطمی کا نام خلفائے عباسیہ کے بجائے لیا جانے لگا،

اس کے بعد جب المعز فاطمی نے شمالی افریقیہ کو چھوڑ کر قاہرہ مصر کو دارالحکومت قرار دیا اور افریقیہ مین صنہاجی حکومت قائم ہوئی، اسوقت صقلیہ کا تعلق افریقیہ کے بجائے خلفائے مصر سے براہ راست قائم رہا، اور پھر صقلیہ مین دولت کلبیہ کے زوال کے بعد جب طوائف الملوکی پھیلی تو اگرچہ صقلیہ کے پایہ تخت بلرم مین ایک مرکزی حکومت قائم کیگئی، مگر درحقیقت کسی نے اسکی مرکزیت تسلیم نہیں کی، اور ادھر فاطمی خلافت بھی صقلیہ پر اقتدار قائم رکھنے کے دعوی سے دستبردار نہیں ہوئی اور اوس کو اپنا زیر اثر صوبہ سمجھتی رہی، مگر اہل صقلیہ نے اسکی بھی کوئی اہمیت نہیں دی، یہانتک کہ انہی وجوہ سے خلافت مصر کی جانب سے جذبہ انتقام مین صقلیہ کے پایہ تخت بلرم پر نارمنوں کو حملہ آوری کی دعوت دی گئی،

حکومت صقلیہ

ولاۃ کا عزل ونصب حکومت صقلیہ کے جو تعلقات اسکی مرکزی حکومت سے ان مختلف دورون مین قائم رہے، مذکورۂ بالا بیان سے اون کا ایک خاکہ سامنے آیا ہوگا، انہی تعلقات کی روسے مرکزی حکومتین صقلیہ مین اپنے ولاۃ نامزد کرتی تھین، اور انھین حسب ضرورت معزول کرتی تھین، ان ولاۃ کی حیثیت دور حاضر کی اصطلاح مین "گورنر جنرل" یعنی والی عام کی تھی،

ولاۃ صقلیہ عہد اغالبہ مین حکومت اغالبہ کے عہد مین ولاۃ کے عزل ونصب کی تین صورتین پیش آئین،

اولاً زیادۃ اللہ نے اسد کو یہان کا سب سے پہلا والی مقرر کیا، اسد کی شخصیت مین امارتِ ملک، امارتِ لشکر، اور قضارت تینون جہتین مجتمع ہوئین، اوران کی اچانک وفات کے بعد صقلیہ کے اسلامی لشکر نے اپنا امیر خود منتخب کیا، اوراوسکی اطلاع دربار قیروان مین ارسال کی، ابتداءً دوایک تقرر اسی طرح عمل مین آئے، پھر استحکام حکومت کے بعد افریقہ سے ولاۃ آنے لگے، جو خاندان اغالبہ ہی کے ممتاز افراد ہوتے، ان ولاۃ کا عزل ونصب اگرچہ فرمانروایان افریقیہ کی جانب سے ہوتا تاہم اس عزل ونصب مین صقلیہ کے ان اغلبی خانوادون کو زیادہ رسوخ تھا، جو یہان سکونت پذیر ہوگئے تھے، اوراس طرح کبھی کبھی یہان کے ولاۃ یہان کے باشندون کی مرضی اور برسرِ حکومت والی کی نامزدگی سے بھی مقرر ہوئے لیکن اون کی تصدیق کیلئے مرکزی حکومت افریقیہ کی سند ضروری تھی، بعض مغربی مورخین کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ صقلیہ کے والی دربار قیروان کی منظوری اور اطلاع کے بغیر حکومت پر قبضہ کرلیا کرتے تھے، اگرچہ یہ سند ولایت بالعموم اسی انتخاب کی تصدیق مین آجاتی تھی لیکن کبھی ایسا بھی پیش آتا کہ فرمانروائے افریقیہ کی جانب سے اس انتخاب کو مسترد کردیا جاتا، اورحسب اقتضاء مصلحت کسی نئے والی کو بھیج دیا جاتا، اور باشندگان صقلیہ بے چون وچرا اسکی اطاعت کرلیتے، اوراون کے سابق منتخب کئے ہوئے والی کی حیثیت جدید والی کے تقرر سے پہلے تک ایک قائم مقام والی کی ہوتی، علاوہ ازین عارضی تقرریان کسی والی کی اچانک وفات کے وقت ہوتی تھین، اوس زمانہ مین رسل ورسائل کی موجودہ آسانیان حاصل نہین تھین، اس لئے تاوقتیکہ کوئی دوسرا والی دربار قیروان کی طرف سے نامزد نہ ہوتا کسی نہ کسی کو ولایت پر مامور رہنا تھا، اورصقلیہ مین والی کے بعد سب سے بڑا عہدہ دار امیر لشکر تھا، اسلئے بالعموم وہی قائم مقام بنایا جاتا، وہ قائم مقام والی اس منصب کے فرائض عارضی طور پر انجام دیتا، پھر اگر وہی دربار قیروان کی جانب سے والی بنادیا جاتا، تواس کے مستقل تقرر کا اعلان ہوتا، ورنہ جدید والی یہان آکر زمام حکومت لے لیتا، اسکی ایک سے بہت زیادہ مثالیں جلد اول مین گذر رہی ہین،

اس سلسلہ مین ایک اور امر لائق ذکر ہے، کہ صقلیہ کی ولایت اغالبہ کے عہد حکومت مین کچھ دنون کے بعد شاہی خانوادۂ اغالبہ کے درمیان بطور ایک پیشکش کے استعمال ہونے لگی تھی، کیونکہ جیسا کہ اوس سے پہلے کسی موقع پر بتایا جاچکا ہے، کہ افریقیہ مین اغالبہ کے اقتدار کے قیام کا اصل راز، اون کی باہمی یکجہتی تھی، اونھون نے حکومت کے مختلف شعبون اور ولایتون کو باہم تقسیم کرلیا تھا، اس خاندان کی مختلف شاخین ہوگئی تھین، ان شاخون کے مختلف اکابر مختلف ممتاز عہدون پر فائز تھے، اور اپنے فرائض کامل خودمختاری سے انجام دیتے تھے، اسی باہمی مفاہمت مین صقلیہ کی ولایت کا بھی ایک معزز عہدہ تھا، چنانچہ صقلیہ مین دور اغالبہ کے ابتدائی دور، اور درمیان کی چند مستثنیٰ مثالون کے بجز پورے دور مین صقلیہ کی ولایت خانوادۂ اغالبہ کے شاہزادون ہی کے سپرد رہی، جو کامل مطلق العنانی سے یہان فرمانروائی کرتے تھے، اور حکومت کے داخلی وخارجی معاملات، رومی ممالک پر حملے، اور رومیون سے صلح وجنگ کرنے مین وہ کامل خودمختار تھے،

صقلیہ کے دور اغالبہ مین خانوادۂ اغالبہ کی جو مختلف شاخین برسر حکومت رہین، ان مین سے نمایان طور پر بنو عبداللہ (فرمانروایان قیروان کے بنو عم) بنو یعقوب اور بنو سفیان (فرمانروایان قیروان کے بنواخ) کے نام نظر آتے ہین، بنو عبداللہ مین سے محمد بن عبداللہ اور ابوالاغلب ابراہیم وہ شخصیتین ہین جنھون نے صقلیہ مین حکومت کی حقیقی تشکیل کی، اور انھی بنو عبداللہ مین سے کچھ دنون کے بعد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن ابراہیم اور ابو مالک احمد بھی یہان کی ولایت پر سرفراز ہوئے، ان کے بعد صقلیہ کی ولایت بنو یعقوب کے سپرد ہوئی، عباس بن فضل اس خاندان کا پہلا والی تھا، اس کے بعد اگرچہ بنو یعقوب صقلیہ مین برسراقتدار نہین رہے اور اغالبہ کے بنواخ بنو سفیان مین سے خفاجہ اور محمد بن خفاجہ یکے بعد دیگرے والی ہوئے لیکن

اس کے بعد ہی بنو یعقوب کو دوبارہ اقتدار حاصل ہوگیا اور رُباح بن یعقوب اور حسین بن رُباح وغیرہ والی ہوئے، اور پھر ان کے بعد سابق والی صقلیہ محمد بن عبد اللہ کا ممتاز علم دوست و لائق فرزند عبد اللہ آیا، اور اس کے بعد انہی بنو عبد اللہ میں سے ابو مالک والی مقرر ہوا،

اگرچہ ان مختلف خانوادوں بنو عبد اللہ، بنو یعقوب اور بنو سفیان میں سے کسی ایک شاخ کی یہاں کوئی موروثی حکومت قائم نہ ہو سکی، تاہم ان کو وہی مطلق العنانی اور خود مختاری حاصل رہی جو ایک موروثی فرمانروا کیلئے ہو سکتی ہے، اور درحقیقت ان مختلف شاخوں کا مختلف اوقات میں ردوبدل ہو کر برسر اقتدار ہونا، صرف اون کی باہمی مسابقت کا نتیجہ تھا، اور جس فرمانروائے قیروان کے عہد میں ان شاخوں میں سے جس شاخ کو زیادہ رسوخ ہوتا، یا یوں کہا جائے کہ افریقہ میں جس شاخ کو زیادہ سیاسی اہمیت حاصل ہوتی صقلیہ کی ولایت بھی اوسی کے حصہ میں آجاتی تھی، صقلیہ کے اغلبی خانوادہ کی مختلف شاخوں میں صقلیہ کی ولایت کے لئے جو باہمی مقابلہ جاری تھا، اوسی کا نتیجہ تھا، کہ ایک مرتبہ ایک اغلبی شاہزادہ حکومت افریقہ سے بھی بغاوت کر کے صقلیہ پر مستولی ہو گیا، اس لئے اس کے بعد صقلیہ کی ولایت شاہی خانوادہ میں سے فرمانروا کے افراد کیلئے مخصوص کر لی گئی، اور ایسے لوگ یہاں کے والی مقرر ہونے لگے جن میں سے ہر ایک اپنے مختلف زمانوں میں ولایت صقلیہ پر آنے سے پہلے یا اوس کے بعد تخت قیروان پر بھی نظر آتا ہے چنانچہ اسی سلسلہ میں ابو العباس بن ابراہیم، ابراہیم سابق فرمانروائے افریقہ اور ابو مضر زیادۃ اللہ بن ابی العباس کے نام آتے ہیں،

لیکن پھر اسی زمانہ میں اس تاجدار خانوادہ کا ستارۂ اقبال گردش میں آیا، اور افریقہ میں لوائے فاطمی بلند ہوا، اور اغلبی حکومت کا دم واپسیں آپہنچا، انھی دنوں صقلیہ کے سلسلۂ ولاۃ میں دو ایسے نام نظر آتے ہیں جن کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں اغالبہ ہی کا سلسلۂ نسب حاصل تھا، یا

کسی اور خاندان سے وابستہ تھے، یہ دونوں محمد بن سرقوسی اور علی بن محمد بن ابی الفوارس ہیں، اور ان کے بعد احمد بن ابی الحسین بن رباح اغلبی عہدۂ ولایت پر آیا، اور اس پر عہدِ اغالبہ کا خاتمہ ہوگیا،

صقلیہ میں اغالبہ کا عہدِ حکومت ۲۱۲ھ سے ۲۹۶ھ تک ۸۴ سال قائم رہا، اور اس اثنا میں ولاۃ کا عزل و نصب ہوا، مغربی مورخین کا خیال ہے، کہ صقلیہ کی ولایت اس حیثیت سے بہت ہی ناکام رہی کہ یہاں ہر دن نئے والی کا تقرر ہوتا اور ولاۃ میں ہمیشہ تغیر و تبدل کیا جاتا، لیکن ہمارے خیال میں اغالبہ کے ۸۴ سالہ عہدِ حکومت کو دیکھتے ہوئے، ولاۃ کی فہرست میں صرف ۲۶، ۲۷ ناموں کے اندراج کو کسی طویل فہرست سے موسوم نہیں کر سکتے خصوصاً اسلئے کہ انھی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی طبعی موت سے الگ ہوئے، اور ان کے ماسوا بیشتر تعداد ایسے ولاۃ کی ہے، جن کا صقلیہ کی ولایت سے عزل و نصب فرمانروایانِ افریقیہ کی بعض حکمت عملیوں کے زیرِ اثر عمل میں آیا، جسمیں اہلِ صقلیہ کی بغاوت اور ولاۃ کی نااہلی کو بہت کم دخل تھا، جس کا الزام یہ مغربی مورخین دیتے ہیں، چنانچہ صقلیہ کے ولاۃ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا، کہ ایک ہی شخص دو دو تین تین مرتبہ والی مقرر ہوا، پہلے صقلیہ کی ولایت پر آتا، کوئی ضرورت پڑتی، تو افریقیہ طلب کر لیا جاتا، یہاں ضرورت پوری ہوتے پر پھر صقلیہ بھیج دیا جاتا، کیونکہ فرمانروایانِ افریقیہ اکثر موقعوں پر افریقیہ کی سیاسی ضرورتوں کو صقلیہ کی ضرورتوں پر مقدم رکھتے، اور افریقیہ میں اگر کبھی بغاوت رونما ہوتی، یا افریقیہ کے کسی صوبہ کو کسی لائق والی کی ضرورت پڑتی، یا مرکزی حکومت میں کسی صیغہ کیلئے کسی تجربہ کار شخص کی ضرورت پیش آتی، تو نگاہِ انتخاب فوراً والیانِ صقلیہ کی جانب اٹھ جاتی اور اس امر کا لحاظ کئے بغیر کہ اس وقت صقلیہ کے سیاسی حالات کیا ہیں، وہاں سے ولاۃ کو طلب کر لیا جاتا تھا یقیناً فرمانروایانِ افریقیہ کا یہ طرزِ عمل لائقِ استحسان نہیں تھا،

اس موقع پر ایک چیز اور بھی نظر انداز کرنے کے لائق نہیں یعنی ہمارے خیال میں مغربی مورخین کو اس مسئلہ میں بڑی حد تک اس لئے التباس ہوا، کہ افریقیہ سے جب کوئی فوج آئی، اور

اس کے سپہ سالار نے سرزمین صقلیہ پر قدم رکھا، تو ان لوگون نے اسکی آمد کو ایک جدید والی کے تقرر سے تعبیر کرلیا، حالانکہ تسخیر بلرم کے بعد سے صقلیہ مین جو نظام حکومت قائم ہوا، اسکے رو سے والی صقلیہ اور سپہ سالار صقلیہ کے دو جدا گانہ عہدے قائم ہوگئے تھے، جس کا اشارہ جلد اول مین کیا جاچکا ہے،

اگرچہ عام طور پر عرب مورخین نے بھی صقلیہ کے حالات سرسری طور پر لکھنے کی وجہ سے اس فرق کو ملحوظ نہین رکھا، اور اون سے بھی اس قسم کے تسامح ہوگئے، لیکن انہی مین سے بعض عرب مورخین نے اس فرق کو پیش نظر رکھا ہے، چنانچہ حسین بن محمد بن داوران صاحب تاریخ تونس نے ان دونون عہدون کیلئے دو جدا گانہ لفظ اختیار کئے ہین، وہ ولاۃ صقلیہ کو لفظ والی سے موسوم کرتا ہے، اور فوج کے سپہ سالارون کو لفظ امیر سے اس کے اس نقطۂ نظر کا فرق اسکی ذیل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے عباس بن فضل کے تذکرہ مین لکھتا ہے:-

وكان على عهده (ابی العباس	یعنی ابو العباس کے زمانہ مین عباس بن
عبد الله بن ابراهيم بن الاغلب)	فضل صقلیہ کا "امیر" (سپہ سالار) تھا،
أميراً على صقلية العباس بن الفضل	پھر اوس کو ۲۳۷ھ مین اوس نے وہان
بن يعقوب بن فزارة "فولاه" سنة	کا والی (گورنر) بنادیا،
سبع وثلاثين ومائتين.	

ہان اس سلسلہ مین یہ کسی قدر صحیح ہے، کہ صقلیہ مین اکثر بغاوتین ہوئین، لیکن عہد اغالبہ پر غائر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوگا کہ یہ بغاوتین جیسا کہ کہا جاتا ہے، مسلمانون کی قبائلی دشمنی سے نہین، بلکہ بیزنطی حکومت کی خفیہ ریشہ دوانیون سے یہان کی عیسائی آبادی برپا کرتی رہی، مسلمانون مین اگر قبائلی دشمنی کی کوئی مثال ہے، تو صرف آغاز عہد مین افریقی واندلسی نزاع کا پیش آنا ہے، ورنہ اس کے علاوہ اگر یہان کوئی نزاع پیش آئی، تو وہ قبائلی نہین، بلکہ صرف خانوادۂ اغالبہ کی مختلف شاخون کی باہمی مسابقت

کی ایک کشمکش تھی لیکن اسکی کوئی بھی مثال نہین کہ اوسکی بدولت کوئی عام فتنہ برپا ہوا ہو، اور کوئی عمومی بغاوت کھڑی ہو گئی ہو، البتہ بجز اس واقعہ کے کہ اغلبی شاہزادے اغلب بن محمد نے صقلیہ پر غلبہ حاصل کر لیا لیکن اوسکی حیثیت والی صقلیہ کے بجائے متغلب صقلیہ کی تھی، کہ اوس نے مرکزی حکومت افریقیہ سے اعلان جنگ کیا تھا، اور یہ واقعہ بھی دراصل صرف اسلئے پیش آیا، کہ حکومت افریقیہ سے یہ ایک شدید سیاسی غلطی ہوئی تھی کہ اُسنے افریقیہ مین فتنہ و فساد کے جسقدر عناصر تھے سب کو صقلیہ مین جلا وطن کر کے افریقیہ کو ان کے شر سے پاک کرنا چاہا تھا، اسلئے یہ فتنہ پرداز جماعت یہان پہنچ کر حکومت صقلیہ کی راہ مین مشکلات پیدا کرتی رہی، لیکن اوسکی کامیابی بجز اوس اغلبی شاہزادے کے عارضی تسلط و تغلب کے اور کبھی ظہور پذیر نہین ہوئی،

اغالبہ کے عہد مین طرز حکومت — الغرض اغالبہ کے عہد حکومت مین یہی طرز حکومت قائم رہا، کہ بالعموم شاہی خاندان اغالبہ کے شاہزادے یہان کی ولایت پر سرفراز کئے جاتے، اور وہ یہان اپنی مطلق العنان حکومت قائم رکھتے، انھین ملکی نظم و نسق کے علاوہ صقلیہ کے رومی علاقون پر حملہ کرنے اور متحارب حکومتون سے جنگ اور صلح کے معاہدے کرنے کے اختیارات حاصل تھے، پھر فوج کے سپہ سالار اگرچہ افریقیہ سے نامزد ہو کر آتے لیکن وہ ولاۃ صقلیہ کے ماتحت ہوتے، مالیات کی نگرانی بھی انھی کے سر ہوتی، البتہ عہدۂ قضا پر افریقیہ کے اہل علم و فقہا مامور ہو کر یہان آتے، جو ولاۃ کی دسترس سے باہر ہوتے، اگرچہ عمومی حیثیت سے یہ عہدہ بھی اس کے ماتحت تھا، اور اوسکو قضاۃ کے استعفا وغیرہ قبول کرنے کا حق حاصل تھا، اور اسی طرح پورا جزیرہ مختلف صوبون مین تقسیم ہو کر ایک ایک والی کے ماتحت تھا، اور صوبون کے ولاۃ والی عام کے ماتحت ہوتے،

اغالبہ کے آخری دور مین مرکزی حکومت افریقیہ مین حکومت کے نظم و نسق کی سہولت کیلئے ایک شخص صقلیہ کے معاملات کی نگرانی کیلئے بھی مقرر ہوتا تھا، اور اوسکو صاحب صقلیہ کہا جاتا تھا، یہ گویا فرمانروائے

افریقیہ کی اعانت کیلئے وزیر صقلیہ تھا چنانچہ ابراہیم کے عہدِ حکومت مین نصر بن صمصامہ اس عہدہ پر
پر سرفراز تھا، اور پھر اس کے قتل کے بعد حسن بن نافذ اس عہدہ پر آیا،
یہ حاجب ولایت صقلیہ کے معاملات کے نگران ہوتے، اور اس کے ولاۃ کے عزل و
نصب تک مین انھین اختیار ہوتا، چنانچہ جلد اول مین ۲۸۷ھ مین گذرچکا ہی کہ آخرالذکر حاجب نے احمد
بن عمر والی صقلیہ کو معزول کرکے ابوالحسین محمد بن افضل کو مقرر کیا،
لیکن ہمارے سامنے ایسی کوئی تصریح نہین جس سے معلوم ہو کہ حاجب صقلیہ کا عہدہ مرکزی حکومت
مین ہمیشہ قائم رہا، لیکن بہرحال جب بھی رہا تو اوس وقت یہی عہدیدار والی صقلیہ اور فرمانروائے افریقیہ
کے درمیان کی ایک کڑی رہا، اور حکومت کے تمام معاملات اوسی کے ذریعہ انجام پائے،
اس کے بعد جب فاطمیون کا دور آیا، تو آغازِ عہد مین ولاۃ صقلیہ کے بارے مین ان کی بھی بالکل
وہی روش قائم رہی، جو اغالبہ کے زمانہ مین تھی، اسی طرح افریقیہ سے ولاۃ کا پروانۂ عزل و نصب آتا، اور اسی
طرح جب ضرورت پڑتی انہین افریقیہ بلالیا جاتا،
البتہ فاطمیون کے آغازِ عہد مین ان کے اور اہلِ صقلیہ کے درمیان، اخلاص، اعتماد، اور اطاعت
گذاری کے وہ جذبات قائم نہین تھے، جو راعی و رعایا کے درمیان ہونے چاہئین، اور جو اغالبہ کو حاصل
تھے، اس لئے اس زمانہ مین اغالبہ کے عہد کے برخلاف ولاۃ صقلیہ پر شدید یورشین، اور منظم بغاوتین
ہوئین، اور اس سلسلہ مین اہلِ صقلیہ کو مطیع کرنے کے لئے کبھی کبھی ولاۃ کا عزل و نصب بھی عمل مین
آیا، اور اسی زمانہ مین باشندگانِ صقلیہ کی طرف سے ابن قرہب کی سرکردگی مین علمِ بغاوت بلند ہوا
اسی لئے اس دور مین ولاۃ صقلیہ کو بھی نہایت تشدد آمیز طرزِ عمل اختیار کرنا پڑا، اور خلیل بن
اسحٰق نے اپنی سخت گیری سے صقلیہ مین ۶ ہزار سے زیادہ انسانون کا خون بہایا،
اسی کے بعد ۳۳۶ھ مین حسن کلبی صقلیہ آیا، اور اپنی حکمت عملیون سے دولتِ کلبیہ کی صقلیہ مین

بنیاد ڈالی، اور اسی زمانہ سے صقلیہ مین ایک موروثی خود مختار اسلامی حکومت قائم ہوگئی، مرکزی حکومت سے اسکو ایک برائے نام تعلق باقی رہ گیا، صرف ایک متعینہ رقم خراج کی سال بہ سال چلی جاتی، اور اسلامی صقلیہ کے تخت پر خانوادۂ کلبیہ مین سے کوئی نہ کوئی سرفراز رہتا، اگرچہ فرمانروایان کلبی کو اپنی حکومت کے لئے خلیفہ فاطمی سے منظوری لینی ضروری تھی لیکن یہ صرف ایک رسم سی باقی رہ گئی تھی، ورنہ بالعموم فرمانروایان کلبی اپنا جانشین خود مقرر کرتے، اور اس مین باشندگان صقلیہ اور امرائے کلبین کی رضامندی شامل رہتی، اور اسی کے ساتھ کچھ دنون مین توان فرمانروایان صقلیہ کو خلافت فاطمی سے ایسے خطابات وخلعت عطا ہونے لگے، جو اس عہد مین سلاطین کو دربار خلافت سے دئے جاتے تھے، یہ کلبی فرمانروا خود مختارانہ حیثیت سے ایک متمدن نظام حکومت کے ذریعہ صقلیہ پر فرمانروائی کرتے رہے،

والاۃ صقلیہ کا طرز بود و ماند، اور شاہانہ شان وشوکت

والاۃ صقلیہ بلرمو کے عالیشان قصر مین اقامت پذیر رہے، طرز بود وماند مشرقی طرز کا شاہانہ تھا، شاہی محل مین خدم وحشم اور غلامون اور خواجہ سراؤن کا جھرمٹ رہتا، دربار مین مشرق کے شاہانہ آداب مجلس قائم تھے، شہر مین بادشاہ کی سواری شاہانہ تزک و احتشام سے نکلتی، جسمین چتر و جلوس کا اہتمام رہتا،

چتر وجلوس کے یہ شاہانہ مراسم فاطمیین کے ذریعہ یہان رائج ہوئے کلبیین کے سامنے انہی فاطمیین کی مثال تھی، یہ شاہی چتر ڈھال کی شکل کا ہوتا، جو سونے کے ایک خوشنما آبدار نیزے کی انی پر قائم رہتا، چتر مین قیمتی جواہر ٹنکے ہوتے، اس چتر کو ایک شخص جو صاحب المظلۃ کہا جاتا تھا، ہاتھ مین لیکر تخت یا سواری کے سامنے آفتاب کی کرنون سے سایہ کرتا صقلیہ کے کلبیین سے نارمنون مین اس کا رواج ہوا، قاضی ابوعبداللہ محمد بن علی بن حماد لکھتے ہین :۔

ولا یعلم احد من الملوک اتخذ ھذہٖ — اسلامی سلاطین مین بجز عبیدیین کے کسی اور کے

المظللة الا بنو عبید خاصة ثم ملک الروم با صقلیة[۵۱] — متعلق معلوم نہین کہ اس چتر کو اختیار کیا ہو عبیدین نے اوسکو اختیار کیا پھر رومی بادشاہ نے صقلیہ مین اسکو

مسٹر اسکاٹ کلبی فرمانرواؤں کے شاہانہ طور وطریق کے متعلق لکھتے ہین :۔

"اون کے بادشاہ عوام سے میل جول نہ رکھتے اور الگ تھلگ رہتے ہین، ایشیائی خود مختار فرمانرواؤن کے بدترین نمونہ تھے، انتہا یہ ہے کہ اون کی رعایا کا کثیر حصہ ایسا تھا کہ جو ان کا صورت آشنا بھی نہ تھا، اپنے بادشاہ کو دیکھ کر وہ پہچان بھی نہ سکتے تھے، یہ باقتضائے احتیاط، یا این خیال کہ حجاب مین رہنے سے رعب وداب قائم رہتا ہے، وہ دربار بھی کرتے اور مقدمات کا فیصلہ بھی کرتے تھے، مگر پردہ کے پیچھے بیٹھ کر، جو نہ صرف اون کو بلکہ اون کے تخت کو بھی آنکھون سے اوجھل رکھتا تھا، خاندان فاطمیین مصر کے چند نالائق بادشاہون کی طرح وہ بھی اگر کہین نکلتے تھے، تو پردہ دار پالکی کے اندر بیٹھ کر اس پالکی کو خواجہ سراؤن کی جھرمٹ مین لئے رہتے،...... ان مین سے جن بادشاہون نے میدان جنگ مین کوئی کار نمایان کرکے شہرت حاصل کی، وہ اپنی موت سے مرے، مگر زیادہ تعداد ان بادشاہون کی تھی، جو اپنی جگہ میدان جنگ مین کسی اور کو بھیج دیتے، اور یہ لوگ خفیہ طور پر مقتول ہوتے، یہ بھی ایک عجیب خصوصیت ہے، جو کہین اور نہین ملتی"[۵۲]

جلد اول مین ہر فرمانروا اون کے عہد کی پوری تفصیل مع حوالون کے گذر چکی ہے، اون پر امعان نظر ڈالئے، اور پھر دیکھئے کہ مسٹر اسکاٹ کی یہ قیاس آرائیان کس قدر بے بنیاد ہین، مسٹر اسکاٹ نے کسی ایک

---

[۵۱] کتاب بغیة الملتاجه فی اخبار ملوک صنهاجه درامارى ص۳۱، صاحب کتاب پھر قیاس سے لکھتا ہے کہ شاید اوسکو بنو عبید نے اون کے پاس ہدیۃً بھیجا ہو، پھر اشتباہ سے لکھتا ہے ،، شاید اوس کو مین نے کسی سے سنا ہے لیکن ہدایا وتحائف کا وسیلہ پکڑنے کی ضرورت نہین، صقلیہ مین عبیدین کے روایات ... کے حامل کلبین تھے، اور نارمن، انہی کلبیین کے جانشین ہین،

[۵۲] اخبار الاندلس جلد ۲ ص۲۳،

واقعہ پر پورے عہدِ اسلامی کا قیاس کر لیا تاریخون مین ثقۃ الدولہ کے متعلق مذکور ہی کہ جب تاج الدولہ جعفر کے خلاف بغاوت ہوئی، تو وہ بغاوت فرو کرنے کیلئے متعف پر سوار ہو کر آیا، اور جعفر روپوش رہا، کہان امر واقعہ یہ کہ ایک سابق فرمانروا محض اپنی علالت کے باعث پالکی پر سوار ہو کر مجمع مین آتا ہے، اور فرمانروائے وقت کے خلاف چونکہ بغاوت پھیلی ہوئی تھی اور مشتعل مجمع محل شاہی کے گرد مجتمع تھا اسلئے وہ روپوش ہو جاتا ہے محض اس واقعہ پر اپنے قیاس کی بنیاد قائم کر کے علی الاطلاق یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ یہان کے فرمانروا روپوش رہتے اور پالکیون مین سوار ہوتے کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے (ثقۃ الدولہ مجمع کے سامنے ہی فیصلہ کیلئے آیا تھا) تو پردہ کے اندر سے کرتے، اور باہر نکلتے، تو پردہ دار پالکی مین بیٹھتے،

اسی طرح ابو الاغلب کے متعلق تاریخون مین آتا ہے، کہ وہ اپنی فرمانروائی کے طویل عہد مین بلرم سے باہر نہین نکلا، سپہ سالارون کی نگرانی مین فوجین بھیجا کرتا تھا، بجز اس واقعہ کہ صقلیہ کے پورے عہدِ اسلامی مین شاید کوئی اور مثال نہین پیش کیجا سکتی، مگر اوس کو صقلیہ کے فرمانرواؤن کیلئے ایک کلیہ کے طور پر پیش کر دیا گیا، اور محل کے آرام پسند فرمانرواؤن کیلئے عمومی طور پر کہا گیا کہ وہ خفیہ مقتول ہوتے تھے حالانکہ ان کے قتل کے واقعات اگر پیش آئے ہین، تو صرف دولتِ اغالبہ کے دور مین اور وہ بھی محض تین والیون کا قتل ہے جنمین خفاجہ تو میدانِ جنگ سے واپسی کے بعد قتل کیا گیا، اور دوسرا قتل اس کے لڑکے محمد کا ہوا، اور تیسرا جعفر بن محمد کا اور موخرالذکر قتل کا ذمہ دار بھی رعایا کے طبقہ مین سے ہونے کے بجائے ایک ایسا اغلبی شاہزادہ تھا، جو افریقیہ سے یہان جلاوطن کیا گیا تھا، اور پھر محمد بن خفاجہ اور جعفر بن محمد کے عہدِ حکومت کو دیکھئے تو معلوم ہو کہ ان کے عہدِ حکومت کا کتنا وقت لڑائیون کے میدان مین گذرا، اسکے بعد دولتِ کلبیہ کے عہد مین تائید الدولہ قتل کیا گیا لیکن تائید الدولہ محلون مین روپوش رہنے کے بجائے جنوبی اٹلی کی مہمون مین جاتا، اور صقلیہ

کی مختلف جماعتون سے مل مل کر ساز باز کرتا تھا، اور اس کے نتیجہ مین قتل کیا گیا،

صوبہ کی تقسیم اور انکی حکومت،

صوبون کی تقسیم اور ان کی حکومت

صقلیہ اسلامی حکومت سے پیشتر دو حصون سیراکیوز (سرقوسہ) اور پلیرمو (بلرم) مین تقسیم تھا، لیکن اسلامی دور مین اسکی اس قدیم تقسیم کے بجائے، اسکی جغرافی تقسیم پر سیاسی تقسیم بھی قائم کی گئی، صقلیہ کے جغرافیہ طبعی مین گذرا ہے، کہ عربون نے صقلیہ کی شکل کو مثلث قرار دے کر دو متساوی ساقین اور تین زاویون مین تقسیم کیا تھا، چنانچہ اوسی پر پوری جزیرہ کو تین صوبون مین تقسیم کیا، موسیو لیبان صوبون کی تقسیم اور انکی حکومت کے متعلق کہتے ہین:-

"جب عرب صقلیہ کی فتح سے فارغ ہوئے، تو وہان اونھون نے انتظام شروع کیا، کارتھیجون کے وقت سے جزیرہ کے دو حصے تھے، ایک مین سیراکیوز کے صوبے تھے، اور دوسرے مین پلرمو کے، عربون نے اوسکو تین ولایتون مین تقسیم کر دیا، جو حدود جغرافی کے رو سے نہایت درست تقسیم تھی، ہر ایک ولایت مین کئی اضلاع تھے، جن پر ایک والی حکومت کرتا تھا، اور اسکے تحت مین کئی قائد تھے"[1]

لیکن سلسلۂ واقعات کے لحاظ سے صقلیہ مین سب سے پہلا عربی صوبہ مازر قرار پایا، اور رابوز کی کنائی یہان کا سب سے پہلا گورنر یا صوبہ دار تھا، جسکو فاتح صقلیہ اسد نے مقرر کیا تھا، پھر جیسے جیسے فتوحات مین اضافہ ہوتا گیا، صوبون مین رد و بدل ہوتا گیا، اسلئے ایک مدت دراز تک صقلیہ مین کل تین صوبے بلرم، قصریانہ، اور مسینا رہے، لیکن پورے جزیرہ کی فتح کے بعد اسکو پانچ بڑے صوبون مین تقسیم کیا گیا، اور شہر بلرم، جرجنت اور مسینا، مازر اور قصریانہ صقلیہ کے صوبون کے دار الحکومت رہے، اور ان پر الگ

[1] تمدن عرب لیبان ص ۲۸۱،

الگ ولاۃ مامور تھے، اور اس طرح پورا جزیرہ پانچ صوبوں مین تقسیم تھا، اسی لئے موسیو سدیو نے صوبوں کی تقسیم کو ان الفاظ مین بیان کیا ہے:-

"پھر انھوں نے ان ملکون کو دو صوبون مین تقسیم کیا، ایک کا نام سراغوسی[۵۱] (سرقوسہ) اور دوسرے کا نام پانرتیانی (بلرم) تھا، مزارہ (مازر) نوطو (نوطس) مونہ (قصریانہ) مین تین والی مقرر کئے، ہر والی کے ماتحت ایک ایک حاکم تھا، اس حاکم کے ماتحت اور سپہ سالار تھے، جو ان ولایتون کے اطراف کی نگرانی کا کام کرتے تھے، غرض عربون نے ان ملکون کی جو ترتیب دی، اور ان کو تقسیم کیا، وہ بہت ہی اچھی طرح پر کیا[۵۲]"

الغرض صوبہ کا گورنر دار الحکومت مین رہتا، اور اسکے ماتحت ہر شہر مین ایک ایک حاکم ہوتا، یہ صوبے اپنے اندرونی نظم ونسق مین کامل آزاد تھے، اون کی فوج بھی مرکزی حکومت سے آزاد تھی، اور مرکزی حکومت کی امداد کیلئے ہمیشہ تیار رہتی تھی،

صوبون کے گورنر اگرچہ ان صوبون کے گورنرون کے نام تاریخ مین نظر نہین آتے، لیکن صقلیہ کی پوری سیاسی تاریخ کو سامنے رکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہو کہ یہ گورنر، ولاۃ صقلیہ کی طرف سے مقرر کئے جاتے تھے جو ان کے معتمد ترین اشخاص ہوتے تھے، اور اسی لئے گورنری کے عہدہ پر بالعموم ولاۃ صقلیہ کے اعزۂ خاص سرفراز رہتے، اور اسلئے یہ گورنر مرکزی حکومت کے خلاف برپا ہونے والی بغاوتون کے موقعون پر ولاۃ صقلیہ کے دست راست ہوتے اور اسکی متعدد مثالین جلد اول مین گذری ہین، کہ ان گورنرون نے اپنی فوج کے ساتھ بلرم پہنچ کر ولاۃ صقلیہ کی امداد کی، دولت اغلبیہ کے بعد دولت فاطمیہ مین بھی اسی پر عملدرآمد رہا، چنانچہ ۲۹۷ھ مین جب حسن بن احمد بن ابی الخنزیر صقلیہ کا والی مقرر ہوا، تو اوس نے

[۵۱] یہان سرقوسہ کے بجائے مسینا ہونا چاہئے، فضل بن جعفر ہمدانی اس صوبہ کا پہلا گورنر تھا، [۵۲] تاریخ عرب موسیو سدیو ص ۲۴۴،

مازر پر قدم رکھتے ہی جرجنت کی ولایت اپنے بھائی کے سپرد کی[1]،

صوبہ ایطالیہ | یون تو ایطالیہ مین مسلمانون نے اوائل مین بعض شہرون پر قبضہ کرلیا تھا لیکن حکومت کی باضابطہ تشکیل ۲۳۲ھ کے بعد مفرج بن سالم کے ہاتھون ہوئی، اور وہی یہان کا سب سے پہلا خودمختار فرمانروا تھا، جسکو خلیفہ عباسی متوکل نے سند ولایت بھیجی، لیکن اس کے قتل کے بعد اٹلی کے اسلامی مقبوضات صقلیہ کے ایک صوبہ کی حیثیت سے صقلیہ کے ماتحت آگئے، جنکی حفاظت وصیانت کیلئے صقلیہ کو بارہا فوجکشی کرنی پڑی،

اس کے بعد فرمانروائے افریقہ ابوالغرانیق محمد بن احمد نے اٹلی کے اسلامی مقبوضات کے لیے ایک مستقل والی مقرر کیا اور ان کو صقلیہ سے آزاد کرکے حکومت اغلبیہ کے ایک مستقل صوبہ کی حیثیت دی، عبداللہ بن یعقوب اور اوسکی وفات پر ابوالعباس بن یعقوب بن عبداللہ یہان کے والی بنائے گئے،

لیکن پھر یہ نظام قائم نہین رہا، اور ایطالیہ کے اسلامی مقبوضات دوبارہ حکومت صقلیہ کے ماتحت آگئے، اور جنوبی ایطالیہ کیلئے ایک والی مقرر ہونے لگا،

جزائر | جزائر صقلیہ مین سے جو جزیرہ صقلیہ کے جس صوبے کے قریب تھا، وہ اس صوبہ کے ماتحت تھا، البتہ جزیرۂ مالٹا مین حکومت صقلیہ کی سیادت مین یہان کے باشندون کی جداگانہ حکومت قائم تھی، اور صرف صقلیہ کا ایک اسلامی دستہ شہر مالٹا مین موجود رہتا تھا جس کے مصارف اسی جزیرہ سے ادا ہوتے تھے،

اسی طرح جزیرہ سردانیہ کا انتظام براہ راست حکومت افریقہ کے ماتحت چلاگیا، اور صقلیہ کی حکومت سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا،

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ ص ۳۰،

حکومتِ صقلیہ کے ماتحت شعبے،

صقلیہ کی اسلامی حکومت مختلف شعبون پر مشتمل تھی جنمین سے دیوان الکتاب (دفتر وزارت) دیوان الخراج (صیغۂ مالیات) صیغۂ عدالت و قضار، محکمۂ شرطہ (پولیس) اور دیوان الجیوش، (صیغۂ عسکری) کے حالات ملتے ہین،

لیکن یہ امر کہ صقلیہ مین ان دواوین خصوصًا دیوان الکتاب کی ابتدا کب سے ہوئی، نہایت مشتبہ ہے، بہر حال ایک عینی شاہد کی حیثیت سے ابن حوقل کی روایت سب سے قدیم ہے، وہ ۳۶۲ھ مین صقلیہ گیا تھا، اس لئے بہ ظاہر ان کی ابتدا دولت کلبیہ سے سمجھنی چاہئے، اور اگر جدید پایۂ تخت خالصہ کی تعمیر پر قیاس کرین تو دولتِ فاطمیہ کے دوسرے دور کے آغاز سے اُن کی ابتدا ہوگی،

اغالبہ کے عہد مین دواوین اگرچہ اغالبہ کے عہدِ حکومت میں ان دواوین کی تشکیل کی کوئی شہادت دستیاب نہین ہوئی، تاہم ان دواوین مین سے صیغۂ عسکری اور صیغۂ قضا ابتدا ہی سے دو جداگانہ شعبے قائم تھے، اسلئے عہدِ اغالبہ مین والی سپہ سالار اور قاضی، تین جلیل القدر عہدہ دار تھے، نیز صیغۂ مال کے منتظم صاحب الخمس کے عہدہ کا بھی پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے، کہ عہدِ اغالبہ مین حکومت کے اہم خدمات پر صقلیہ کے ولاۃ اپنے ہی خانوادہ یعنی اغالبہ کے ممتاز افراد کو مقرر کرتے تھے،

عہدِ کلبیہ مین ایوان ہائے حکومت کی تعمیر بہر حال دولتِ فاطمیہ کے دوسرے دور کے آغاز مین جلیل والیِ صقلیہ نے بلرم کے پہلو مین خالصہ کی بنیاد ڈالی، اس کی تعمیر کی اصل غرض حکومت کے دفاتر کو یکجا کرنا تھا، اس جدید دار الحکومت مین حکومت کے دفاتر کیلئے جداگانہ عمارتین تعمیر ہوئین، ابن حوقل کا یہ بیان کسی جگہ گذر چکا ہے، کہ

"خالصہ مین سلطان صقلیہ اور اس کے ماتحت عمال رہتے ہین، اسی مین بازار اور ہوٹل وغیرہ بھی

آبادی کے لوازم ہین، انہین ہین، البتہ حمام بنائے گئے ہین، اس مین ایک جامع مسجد بھی ہے، جو یہین کے باشندون کیلئے مخصوص ہے، نیز قید خانہ، جہاز سازی کے کارخانے اور دیوان حکومت کی عمارتین بنی ہوئی ہین،

چنانچہ خالصہ کی تعمیر کے بعد سے حکومت کے دفاتر باضابطہ طور پر خالصہ مین کھل گئے،

دیوان الکتاب

دیوان الکتاب یا دفتر وزارت — حکومت کے شعبون مین سے ایک اہم شعبہ دیوان الکتاب تھا، جو گویا دور حاضر کا دفتر وزارت عظمیٰ تھا، وزراء کا تقرر فرمانروایان صقلیہ کی جانب سے ہوتا تھا، حکومت کے تمام محکمے انہی کی نگرانی مین ہوتے تھے، ان کا لقب "کاتب" ہوتا اور عہدہ کی مناسبت سے صاحب دیوان کہلاتے تھے،

وزراء — صقلیہ کے عہدۂ وزارت پر سرفراز ہونے والون مین سے جن اشخاص کے نام دستیاب ہوئے ہین اور جن کا ذکر خوش قسمتی سے ابن القطاع نے الدرۃ الخطیرہ مین شعراء کی حیثیت سے کیا ہے، وہ حسب ذیل ہین،

ابوعلی حسن بن محمد کاتب، ابواسحاق ابراہیم محمد بن حنیف الوزیر الکاتب، ابوالفضل بن احمد بن واقی ابوالقاسم عبدالرحمن بن حسن الکاتب، ابومحمد عبدالعزیز بن عبدالرحمن الانصاری الکاتب ابوالحسن علی بن عبدالرحمن الکاتب، اسی طرح یعقوب حموی نے ابوالحسن علی بن اسحاق الودانی کو صاحب الدیوان صقلیہ بتایا ہے، اور حسن بن محمد باغائی کا نام بھی تاریخون مین آیا ہے،

یہ افاضل روزگار تھے، علوم وآداب مین دستگاہ اور شعر وشاعری کا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور انہی علمی منزلت ہی کی بدولت اس ممتاز عہدہ پر سرفراز کئے گئے تھے[1]۔

---

[1] الدرۃ الخطیرہ در یادگاری مضامین ج ۱ ص ۲۹۵ و کتاب المشترک وضعًا والمفترق صقعًا یاقوت حموی در مجموعہ اماری ص ۱۳۲،

وزراء کے فرائض و اختیارات

یہ وزراء امور مملکت مین مختار کل ہوتے تھے، حکومت کے تمام صیغون کی نگرانی اور قوانین کا انضباط و اجرا اُن کے سپرد تھا، جسمین یہ لوگ عوام کی مرضی کا بھی لحاظ رکھتے تھے ۴۲۱ھ مین حسن بن محمد باغائی نے اس کے خلاف روش اختیار کی، اور تلخ نتائج پیش آئے، عوام نے اوسکی معزولی کا مطالبہ کیا، اور جب تاج الدولہ نے عوام کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا، اور اسے عہدۂ وزارت پر قائم رکھا تو خود تاج الدولہ کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا، اور بالآخر ثقۃ الدولہ یوسف محلسرا سے عوام کے سامنے آیا، اور اون کی رائے قبول کرنے کا وعدہ کیا، چنانچہ نویری لکھتا ہے:

وعدھم انہ لا یخرج عن رایھم [۱]	اور اون لوگون سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی مرضی سے باہر نہ جائے گا،

دیوان الخراج

صاحب الخمس

صقلیہ مین محاصل کی تحصیل وصول کیلئے ایک مستقل محکمہ دیوان الخراج قائم تھا، اس محکمہ کے افسر اعلیٰ کو صاحب الخمس کہتے تھے، یہ عہدہ حکومت کے معزز عہدون مین تھا چنانچہ جب ایک مرتبہ ۲۹۹ھ مین حسن بن احمد والیِ صقلیہ بعض مشکلات مین گھر گیا، اور باشندگانِ صقلیہ نے اوسکو گرفتار کر کے اوس سے عنانِ حکومت چھین لی، تو اس موقع پر خلیل صاحب الخمس نے عنانِ حکومت سنبھال لی اور صقلیہ کی رعایا نے اوسکی اطاعت قبول کر لی،

عہد اغالبہ مین

صاحب الخمس کا عہدہ اغالبہ کے عہد سے قائم تھا، لیکن افسوس ہے کہ عہدہ دارون کا تذکرہ تاریخون مین موجود نہین، صرف عمران صاحب الخمس کا ذکر اس عہد کے عہدہ دارون مین آتا ہے، جو صقلیہ مین مقتول ہوا، [۲]

---

[۱] نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۴، [۲] تاریخ صقلیہ من حین دخلہا المسلمون در اماری،

عہدِ فاطمیہ میں | اسی طرح خلیل صاحب الخمس کے ذکر سے عہدِ فاطمیہ میں اس عہدہ کا پتہ چلتا ہے، وہ ۲۹۹ھ میں اس عہدہ پر سرفراز تھا، صاحب الخمس سارے جزیرہ کے مداخل و مخارج کا نگران تھا جس کے ماتحت افسر ہر ہر شہر میں بطور محصل متعین تھے، موسیو لیبان لکھتے ہیں:

"ہر ایک شہر میں ایک محصول دار تھا، اور ایک بڑی مجلس تھی، جسے دیوان کہتے تھے، اور مداخل و مخارج کی نگرانی اس مجلس سے متعلق تھی[۱]"

چونکہ زکوٰۃ کی تحصیل وصول بھی اسی محکمہ کے سپرد تھی، اسلئے صاحب الخمس کا عہدہ ایک نیم مذہبی تھا، اور اسی لئے اس عہدہ کیلئے اسلام کی شرط ضروری تھی، ایک زمانہ میں جب محمد بن فضل والی صقلیہ کی نگاہ اس عہدہ کے لئے ایک عیسائی پر پڑی، اور اوسکو یہ خدمت تفویض کرنی چاہی تو اس نے اس عہدہ کی اوسی نیم مذہبی حیثیت کے باعث پہلے اوس کو قبولِ اسلام کی دعوت دی، جب پر وہ آمادہ نہیں ہوا، اور یہ تقرر عمل میں نہ آسکا[۲]۔

محاصل | صقلیہ کی اسلامی حکومت میں وہی محاصل بطور قانون عائد تھے، جو اس عہد میں اسلامی ممالک افریقیہ وغیرہ میں رائج تھے، اسلامی ممالک میں محاصل کی مختلف قسمیں زمینوں کی مختلف حیثیات اور شہروں کے مفتوح ہونے کی مختلف نوعیتوں کے لحاظ سے رائج تھیں، صقلیہ میں بھی زمین کی مختلف قسمیں تھیں، اور یہاں کے مختلف شہر مختلف نوعیتوں سے مفتوح ہوئے تھے، اسلئے محاصل کی مختلف قسمیں مختلف حصۂ ملک میں جاری تھیں، اسی کے ساتھ صقلیہ میں تجارت، صنعت و حرفت کی بھی گرم بازاری تھی، اور ساحل سمندر پر آباد ہونے کی وجہ سے وہ محاصل بھی عائد تھے، جو موتی و مونگا کی نکاسی اور عام تجارتی کشتیوں کی آمد و رفت پر عائد ہوتے تھے،

البتہ باغائی کے اجرائے قانون عشر کے خلاف ہنگامہ آرائی سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ یہاں عُشر کا قانون رائج نہ تھا، کیونکہ باغائی نے ممالک اسلامیہ کے اسی عام قانون کو یہاں بھی نافذ کرنا چاہا، اور

---

[۱] تمدنِ عرب ص ۲۸۱ [۲] تاریخ مغرب ابن عذاری۔

اوس کی پاداش میں مارا گیا، یہاں عشر کے بجائے رواجی قانون محاصل نافذ تھا، اور لگان پیداوار یا زمین کے اعتبار سے لینے کے بجائے ہل اور بیل کی تعداد کے لحاظ سے وصول کیجاتی تھی،

صقلیہ کی عیسائی رعایا پر محاصل | صقلیہ کے عیسائیون پر جزیہ کی رقم عائد تھی، جو انھین فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے ادا کرنی پڑتی تھی، اسلامی حکومت نے ان کے ساتھ یہ خاص رعایت کی تھی، کہ جزیہ کی رقم عیسائی عہدہ دارون ہی کے ذریعہ وصول کی جاتی تھی، موسیو لیبان ایک سلسلہ مین صقلیہ کے متعلق لکھتے ہین :

"یہ عیسائیون کے باہمی قضایا کو فیصل کرتے، اور جزیہ جو عربون نے مقرر کیا تھا، وصول کرتے تھے، یہ جزیہ امراء کے لئے سالانہ اڑتالیس ۴۸ دینار، خوش باشون کے لئے چوبیس ۲۴ دینار اور مزدورون کے لئے بارہ ۱۲ دینار تھا، اور یونانی رومی حکومتون کے محصولون کے مقابلہ مین بہت کم تھے، راہب عورتین اور بچے بالکل جزیہ سے مستثنیٰ تھے" [۱]

اسی طرح مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین :

"دربار قسطنطنیہ کے محاصل بہ نسبت مسلمانون کے جزیہ کے بہت سخت تھے، مسلمانون کا ایک محصل ایک وقت مقررہ پر آکر جزیہ وصول کرکے جاتا تھا، اور دربار قسطنطنیہ کا تقاضا بے بد قائم رہتا تھا" [۲]

صیغۂ عدالت و قضا

محکمۂ قضا کی بنیاد | یہ عجیب اتفاق ہے کہ صقلیہ مین محکمۂ قضا کی بنیاد اس کے مفتوح ہونے سے بیشتر ۲۱۲ھ ہی مین پڑی، صقلیہ کی اسلامی حکومت کے بانی قاضی اسد کے ولایت صقلیہ پر مقرر ہونے کے

---

[۱] تمدن عرب صفحہ ۲۷۲ [۲] اخبار الاندلس جلد ۲،

ذکر مین گذر چکا ہے، کہ جب انھین امارت کا عہدہ سپرد ہوا، تو ان پر اپنے قدیم منصب قضارت سے جدا ہونا شاق گذرا اور جب یہ خبر زیادۃ اللہ تک پہنچی، تو اوس نے کہا کہ مین نے تمھین عہدۂ قضار سے معزول نہین کیا بلکہ تمھین عہدۂ امارت پر سرفراز کیا ہے، جو قضارت سے زیادہ معزز ہے، اب مین تمھین قضارت کیلئے بھی نامزد کرتا ہون اور تم بیک وقت اب قاضی بھی ہو اور امیر بھی زیادۃ اللہ کے انھی الفاظ سے صقلیہ مین محکمۂ قضار کی بنیاد پڑی، اور پھر رفتہ رفتہ اس محکمہ نے ایک نہایت منظم و مکمل صورت اختیار کر لی،

دار القضار | چنانچہ جب صقلیہ مین نظام حکومت کی تشکیل ہوئی، تو محکمۂ قضار کا بھی افتتاح ہوا اور جب خالصہ مین دار الحکومت کی تعمیر ہوئی، تو محکمۂ قضار کیلئے بھی ایک شاندار عمارت تعمیر ہوئی، جسمین قضاۃ صقلیہ سکونت پذیر ہوتے تھے، اور اسی مین عدالت کے اجلاس ہوتے اور مقدمات کے فیصلے سنائے جاتے تھے، قاضی صقلیہ ابو عمرو محمد بن میمون متوفی ۳۱۶ھ ایک سادہ مزاج متقی بزرگ تھے، جب عہدۂ قضار پر صقلیہ آئے، اور سعید بن عثمان صقلی نے ان کا استقبال کر کے انھین دار القضار مین ٹھہرایا، تو وہ اس کی عظیم الشان عمارت کی زیب و زینت دیکھکر کہنے لگے "یہ تو اکابر اغلبی کی قیامگاہ ہے مین اس مین ٹھہر کر کیا کرون گا"، اور اسکے بعد ایک مختصر مکان مین اٹھ آئے،[۱]

صوبون مین محکمۂ قضار | فتوحات کے بعد جب ولایتیں قائم ہوئین، تو ہر جگہ محکمۂ قضار کی بھی جداگانہ بنیاد پڑی، اور بلرم کے قاضی کو قاضی القضاۃ کی حیثیت حاصل ہوئی، موسیو لیبان صقلیہ کے نظام حکومت مین سے محکمۂ قضار کے متعلق اجمالاً لکھتے ہین :-

"بلرمو مین ایک مفتی تھا، اور ہر ایک ولایت مین ایک ایک قاضی اور اوس کا ایک منشی (مقرر تھا)،[۲]

قانون | مقدمات کا فیصلہ فقہ اسلامی کے رو سے ہوتا تھا، افریقہ و دولت عباسیہ کے ماتحت اور صقلیہ

---

[۱] ریاض النفوس در ماری ص ۱۸۳، ۱۹۲، [۲] تمدن عرب ص ۲۸۱،

افریقیہ کے ماتحت تھا، اسلئے یہاں بھی فقہ حنفی کا قانون رائج تھا اسی لئے مقدسی نے لکھا،

واکثراھل صقلیۃ حنفیون[1] اکثر باشندگان صقلیہ حنفی المذہب تھے،

جو علما، وفقہا یہاں عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، ان میں سے بیشتر مالکی مذہب کے پیرو تھے،

لیکن جیسا کہ بتایا گیا، افریقیہ و صقلیہ میں مذہب حنفی و مالکی میں ایک امتزاج ہوگیا تھا اور خود قاضی

اسد بن فرات کی شخصیت ان دونوں مذاہب کا جامع تھی، اسد مدینہ وعراق دونوں سرچشموں

سے سیراب ہوئے تھے، اسلئے خصوصاً صقلیہ میں فقہ مالکی کو جو کچھ قبولیت تھی، وہ عبادات میں تھی لیکن

معاملات یعنی قوانین کا تمام دار و مدار فقہ حنفی ہی پر رہا، اور بیشتر مقدمات اسی کے رو سے فیصل ہوتے تھے،

جب فاطمیون کا دور آیا، تو حکومت کا مذہب شیعی قرار پایا، اور اگر ہم افریقیہ میں مذہب شیعی

کے بزور اشاعت دینے کے واقعات پر صقلیہ کے حالات کا قیاس کریں تو شاید اوائل میں یہاں بھی مذہب

شیعی کے مطابق فیصلے ہوتے ہوں، لیکن پھر اس پر عمل نہیں رہا، اور دولت کلبیہ کے عہد میں عہدۂ

قضا پر سُنی المذہب علما مقرر ہوئے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کے شیعی المذہب ہونیکے باوجود یہاں سُنی مذہب

کے قوانین نافذ تھے،

عیسوی عدالت اور قانون البتہ اسلامی حکومت نے صقلیہ کے عیسائی باشندوں کیلئے جداگانہ عدالتیں قائم

کی تھیں، اور ان کے خاص نوع کے مقدمات انہی عدالتوں میں پیش ہوتے، اور انہی کے قوانین کے رو سے

فیصل ہوتے تھے، موسیو لیبان لکھتے ہیں:

"ان امور میں جو عام فوائد ملکی سے متعلق نہ تھے، عیسائی خود اپنے قانون کے پابند اور اپنے احکام

کے ماتحت تھے، پرانے یونانی حکام فوجداری جنہیں اسٹراٹیج کہتے تھے، اب تک قائم تھے، اور

نہ فقط ان کے فرائض اور حقوق مثل سابق کے برقرار تھے، بلکہ ان کا نام تک نہیں بدلا گیا تھا، یہ

[1] احسن التقاسیم مقدسی ص۲۳۰

عیسائیون کے باہمی قضایا کو فیصل کرتے تھے[۱]:

اسی طرح مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین:۔

"عیسائیون کے ہم قوم وہم مذہب حکام ان کے معمولی مقدمات کا فیصلہ اسی قانون کے مطابق کرتے تھے، جنکے وہ سالہا سال سے خوگر تھے"[۲]

مسلمانون اور عیسائیون کے حقوق وراثت وغیرہ کی نگہداشت

اسی طرح معاشرت کے معاملات، وراثت کے حقوق اور جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی ملکیت مین مسلمانون کیلئے علم فرائض کے مطابق قوانین نافذ تھے، اور عیسائیون کیلئے انکے ملکی رسم ورواج کے مطابق قوانین ترتیب پائے تھے، اور ان امور مین لوگون کے حقوق کی نگہداشت کیجاتی تھی،

شیخ ابوعثمان سعید بن الحداد قیروان کے ایک ذی علم بزرگ تھے، ان کے ایک بھائی کا صقلیہ مین انتقال ہوا تو گو ان کے وارث شیخ ابوعثمان ہی تھے، جن کی تمام زندگی علم کی خدمت مین بسر ہوتی تھی اور جو تنگدستی و پریشانی سے گذارا کرتے تھے، مگر دنیا سے بے تعلقی اور طبیعت کے استغنا کیوجہ سے حق وراثت کے دعویدار نہین ہوئے، اس زمانہ مین ابراہیم بن احمد صقلیہ کا فرمانروا تھا، اوس نے اوس متوفی کے ورثا کی تحقیق کرکے اوس کا ترکہ چارسو دینار انھی شیخ ابوعثمان کے پاس بھجوادیا،[۳]

اسی طرح عیسائیون کے حق وراثت وغیرہ کے قوانین کے متعلق موسیو لیبان کا بیان ہے:

"جو امور عام معاشرت سے متعلق تھے، مثلاً معاملات جائداد اور وراثت وغیرہ وغیرہ ان کو عربون نے اس عمدگی سے رسم ورواج ملک کے مطابق ٹھہرادیا تھا، کہ نارمن بھی بالالتزام انھی قواعد کی پابندی کرتے رہے"[۴]

---

[۱] تمدن عرب ص ۱۸۱ ۲[۲] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۳۳۔ [۳] ریاض النفوس در اماری ص ۱۹۱، ومعالم الایمان جلد ۲ ص ۲۱۲، شیخ ابوعثمان کے حالات معالم جلد ۲ مین ص ۲۱۲ سے ۲۲۵ تک تفصیل مذکور ہین، [۴] تمدن عرب ص ۲۸۲۔

صقلیہ کے صیغۂ عدالت قضاء پر ایک غلط الزام

لیکن صقلیہ کے صیغۂ عدالت و قضاء کے ان حالات اور موسیو لیبان کی اس تصریحی شہادت کے باوجود اخبار الاندلس کے مصنف مسٹر اسکاٹ صقلیہ کے صیغۂ عدالت و قضاء کے نظام سے مطمئن نہین ہین، اور اس پر اس اسلوب بیان مین نکتہ چینی کرتے ہین :۔

چونکہ مسلمانون کی عملداری تھی، اس لئے ظاہر ہے، کہ مقدمات کا فیصلہ فقہ اسلامی کے موافق ہوتا تھا، یہ کچھ غیر معمولی بات نہ تھی، کہ اکثر لوگ قانونی دار وگیر سے بالکل بچ جاتے تھے، یا سزائے قانونی مین اتنی سختی نہین کیجاتی تھی، جتنی کہ بانی قانون کا منشاء تھا، چونکہ خونریزی کے نظارے ہر وقت وہان کے حکام کے سامنے رہتے تھے، نیز عوام الناس ان کے اقتدار کی اتنی عظمت نہین کرتے تھے جس کے فی الحقیقت وہ مستحق تھے، اسلئے ان کے مزاج مین وحشیانہ سختی آگئی تھی[۵۴]

مذکورۂ بالا بیان مین مسٹر اسکاٹ سے کسی حد تک غلط مبحث ہو گیا ہے، صقلیہ مین حکومت اسلامی تھی، اسلئے مقدمات کا فیصلہ یقیناً فقہ اسلامی کے رو سے ہوتا تھا، لیکن فقہ اسلامی کے قوانین صرف مسلمانون کے لئے نافذ تھے، عیسائیون کیلئے جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، عدالت کا جداگانہ نظام قائم تھا، جس کا تذکرہ مسٹر اسکاٹ بھی ایک دوسرے موقع پر کر چکے ہین،

مسٹر اسکاٹ مجرمین کے قانونی دار وگیر سے بچ جانے کا الزام یہان کی عدالتون پر ڈالتے ہین، لیکن اس مین بھی ایک مغالطہ پنہان ہے، اوس سے ان کا روئے سخن ان مجرمین کی جانب ہے جو حکومت وقت کے خلاف بغاوتین، اور سازشین کرتے اور ان کے فرو ہونے کے بعد عفو عام کے فرامین حاصل کر لیتے تھے، لیکن صقلیہ کی سیاسی تاریخ کے پڑھنے سے اندازہ ہوا ہوگا، کہ مسٹر اسکاٹ

---

[۵۴] اخبار الاندلس جلد ۲ صـ ۳۳

کا یہ بیان کلیتہً صحیح نہین ہے کیونکہ اگر ایکطرف یہان کے طریق حکومت مین عفوِ عام اور قتل کے مجرمین سے چشم پوشی کی مثالین نظر آتی ہین تو دوسری طرف ایسے بھی واقعات ہین کہ صرف ایک والی (خلیل) کے مختصر عہد مین ۶ ہزار سے زیادہ اشخاص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور باغیون اور مجرمون کو پاداش جرم مین ڈنڈون سے پیٹ پیٹ کر ہلاک کر دینے تک کی عبرت انگیز سزائین دی گئین اسلیئے اگر صقلیہ کا اول الذکر طرزِ عمل سیاسی حکمت عملی و دانائی پر مبنی ہونے کے بجائے اصول قانون و انصاف کے خلاف سمجھا جائے گا، تو موخر الذکر واقعات کو سفاکی و خونریزی کہنے کے بجائے مبنی بر عدل و انصاف قرار دینا پڑے گا،

لیکن یہان مسٹر اسکاٹ کو اصل مغالطہ یہ ہوا ہے، کہ انھون نے ان امور کی ذمہ داری صقلیہ کے صیغہ عدالت و قضا پر ڈالی ہے حالانکہ صقلیہ کے صیغہ عدالت و قضا کا نظام اگرچہ مکمل تھا تاہم یقیناً وہ دورِ حاضر کے مثل نہ تھا، کہ ان عدالتون کے سامنے حکومت بھی ایک فریق بنکر آتی، اور حکومت کے مجرمون کو انھی عدالتون سے سزائین دلائی جاتین، اگرچہ اس سے انکار نہین کہ اس عہد کی بعض اسلامی حکومتون مین یہ طریقہ بھی رائج تھا

صقلیہ کے سیاسی حالات ایسے نہین تھے کہ یہ طریقہ برتا جاتا، اور سیاسی مقدمات بھی انھی عدالتون مین لائے جاتے، حکومت کے تمام معاملات براہِ راست حکومت اور عمال حکومت سے متعلق تھے، اس لئے ایسے مقدمات جنمین گو ایک فریق رعایا، اور دوسرا فریق حکومت وقت ہوتی تھی، اور مجرمین پر فتنہ پردازی و بغاوت انگیزی وغیرہ کے الزامات ہوتے تھے تو وہ ان عدالتون کے حق سماعت سے بالاتر ہوتے تھے، اس قسم کے تمام مقدمات ولاۃ اور عمال حکومت کے سامنے پیش ہوتے اور ان سیاسی مجرمین کے مقدمات کے فیصلے مصالح حکومت کے مطابق کئے جاتے تھے، البتہ عمال حکومت کے خلاف شکایتون اور مقدمون

کی سماعت کیلئے ایک جداگانہ قسم کی عدالت دیوان المظالم قائم تھی،

مقدمات کی کثرت اور جھوٹی شہادتوں کی بھرمار،

چونکہ صقلیہ کے بعض سیاسی حالات اور مختلف قوموں کے اجتماع اور افریقیہ کے مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے یہاں جلاوطن ہوکر آنے سے صقلیہ کے باشندوں میں مختلف قسم کی خاندانی قبائلی، وطنی اور غیر وطنی عصبیتیں پیدا ہوگئی تھیں، اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں اور باہمی مخالفتیں رہتی تھیں اسلئے یہاں کی عدالتوں میں حق وناحق مقدمات بکثرت دائر ہوتے تھے، اور انہی وجوہ سے عدالتوں میں جھوٹی سچی گواہیوں کی بھرمار ہوتی تھی جس سے یہاں کے قضاۃ کو دشواریاں پیش آتی تھیں، چنانچہ عثمان بن خزار ایک متقی وصالح بزرگ تھے، وہ جب یہاں کے عہدۂ قضا پر مامور ہوئے اور انھیں یہاں کے مقدمات کی نوعیت کا اندازہ ہوا، تو تمام اہل صقلیہ سے اس درجہ برگشتہ ہوگئے، کہ صقلیہ کے ہر ایک باشندہ کی شہادت قبول کرنے سے انکار کردیا، اور مقدمات کا فیصلہ شہادتوں پر کرنے کے بجائے باہمی مصالحت سے کرنے لگے، اپنے تمام عہد میں اسی پر عمل پیرا رہے اور جب ان کی وفات کا وقت آیا، تو انھیں فوری طور پر قضائت کے عہدہ پر اپنا قائم مقام نامزد کرنے کیلئے اہل صقلیہ میں سے کوئی نظر نہ آیا، ابن حوقل لکھتا ہے:

وحدثنی غیر انسان منھم ان عثمان	مجھ سے متعدد آدمیوں نے بیان کیا کہ عثمان بن
بن الخزار ولی قضاء ھم وکان	خزار یہاں کے قاضی مقرر ہوئے، یہ ایک متورع
ورعا فلما جربھم لم یقبل شھادۃ	بزرگ تھے جب انھیں اہل صقلیہ کا تجربہ ہوا تو ان
واحد منھم لا فی قلیل ولا فی کثیر	میں کسی ایک کی بھی شہادت قبول نہ کرنے لگے
وکان یفصل بین الناس بالمصالحات	نہ کسی چھوٹے معاملہ میں نہ کسی بڑے معاملہ میں،
الی ان حضرتہ الوفاۃ فطلب منہ	اور لوگوں میں مصالحت کے ذریعہ فیصلہ کرتے تھے یہاں تک
الخلیفۃ بعدہٗ فقال لیس فی جمیع	کہ انکی وفات کا زمانہ آیا تو اُنسے انکے قائم مقام کے

البلد من یوصی الیہ[۱] متعلق دریافت کیا گیا تو کہا تمام ملک مین ایسا کوئی شخص بھی

نہین ہو جسے اسکے لئے وصیت کیجائے،

لیکن یہ صرف عثمان بن خزار کی واحد ذات تھی جنھون نے اپنے زہد و تقشف سے یہ رویہ اختیار کیا، اور فیصلۂ ناطق کے بجائے، مصالحت کرا دینے کی روش اختیار کی، ورنہ تمام قضاۃ ان مشکلات پر حاوی تھے، اور شہادتون کی جانچ پرتال کرکے فیصلے سُناتے تھے،

یہی وجہ تھی کہ صقلیہ کے عہدۂ قضا پر افریقیہ کے وہ ممتاز اور تجربہ کار اعیان فقہا نامزد کئے جاتے تھے، جو وہان کے محکمۂ قضا، یا دیوان المظالم مین خدمات انجام دے چکے ہوتے، اور انھین ہر قسم کا تجربہ حاصل ہوتا تھا' اسلئے قضاۃ کا تقرر ولاۃ صقلیہ کی طرح براہ راست حکومت افریقیہ کی جانب سے ہوتا تھا، تمام عہد اغالبہ مین اسی پر عملدرآمد رہا، اس کے بعد جب فاطمیون کا دور آیا، تو آغاز عہد میں والی صقلیہ ہی نے منصب قضا، پر ایک شخص کو نامزد کیا، پھر ابن قرہب نے اپنے چند روزہ عہد حکومت مین اپنا قاضی مقرر کیا جو اوسکی حکومت کے خاتمہ پر گرفتار کرکے افریقیہ بھیج دیا گیا، اب باشندگان صقلیہ نے اپنے قدیم دستور کے مطابق فاطمی تاجدار سے درخواست کی کہ اپنی جانب سے ایک والی اور ایک قاضی مقرر کرکے صقلیہ روانہ کرے[۲]،

اسی کے ساتھ یہ تصریح بھی ضروری ہے، کہ افریقیہ جب تک صقلیہ کا مرکز رہا، صقلیہ کے قضاۃ کا انتخاب افریقیہ کے فرمانرواؤن کے بجائے وہان کے قاضی القضاۃ کرتے تھے، فرمانروائے افریقیہ، افریقیہ کے قاضی القضاۃ کو منتخب کرتا، اور یہ قاضی القضاۃ افریقیہ کی تمام ولایتون کے لئے جداجدا قاضی مقرر کرتا تھا اور اسطرح ولایت صقلیہ کے لئے بھی قاضی مقرر ہوتا تھا، جو یہان آکر قاضی القضاۃ کی حیثیت رکھتا، اور صقلیہ کے مختلف صوبون پر بہ اختیار خود قضاۃ

---

۱ معجم البلدان جلد ۵ ص ۶۷ ۲ تاریخ مغرب ابن عذاری ص۲۲۲

مقرر کرتا[1]

پھر دولتِ کلبیہ مین خود فرمانروایانِ صقلیہ اس منصب پر لوگون کو نامزد کرنے لگے، جو افریقیہ ہی کے علما و فقہا ہوتے، اور کبھی کبھی صقلی فقہا بھی مامور کئے جاتے تھے،

قضاۃ | صقلیہ کے قضاۃ کا تذکرہ عام تاریخون مین صقلیہ کے حوادث سنین کے ذیل مین بجز ایک دو نامون کے بالعموم موجود نہین، البتہ تراجم و طبقات کی کتابون مین جابجا ایسے اکابر علما و فقہا کے حالات ملتے ہین جو صقلیہ کے عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، اگرچہ ذیل مین انکی کافی تعداد جمع ہوگئی ہے، اور ان کے زمانہ کے لحاظ سے ان کی ترتیب بھی قائم کر لی گئی ہو، مگر ان کے تقدم و تاخر کی تعین نہو سکی، اور نہ اسے صقلیہ کے قضاۃ کی مکمل فہرست کہہ سکتے ہین، بہرحال صقلیہ کے قضاۃ کے جسقدر نام دریافت ہوئے، وہ درج ذیل ہین، یہان ان کے محض وہ حالات پیش کئے گئے ہین، جو صقلیہ کی قضارت سے متعلق ہین،

اسد بن فرات | قضاۃ صقلیہ کیلئے یہ باعثِ فخر ہے، کہ انکی جماعت مین سب سے پہلا نام قاضی اسد ابنِ فرات فاتح صقلیہ کا آتا ہے، جنہین فوج کی سپہ سالاری کے ساتھ قضارت کا عہدہ بھی ملا، اور فرمانروائے صقلیہ کی جانب سے قاضی امیر کا لقب عطا ہوا، صقلیہ مین ان کا محض مختصر زمانہ گذرا ہے، اسوقت تک فتوحات کی ایسی تکمیل نہ ہو سکی تھی، کہ محکمۂ قضا کی باقاعدہ بنیاد ڈالی جاتی، ان کے سامنے صرف ایک مقدمہ ان کے شاگرد ابن قادم کا پیش ہوا تھا، جسکی نوعیت سیاسی تھی، اسلئے درحقیقت اُن کے ساتھ صقلیہ کے عہدہ قضا کا انتساب محض ایک رسمی حیثیت سے ہو سکتا ہے،[2]

ابن کحالہ | قاضی ابوالربیع سلیمان بن سالم الکندی القطان الفقیہ المعروف بہ ابن کحالہ، ابراہیم بن اغلب کے

---

[1] معالم الایمان جلد ۲ ص ۱۳۷ وغیرہ، یہ اصول معالم الایمان مین افریقیہ کے قاضی القضاۃ اور ولایات افریقیہ کے قضاۃ کے سوانح حیات سے اسی وضاحت کے ساتھ اخذ ہوتا ہے، [2] انکے مفصل سوانح حیات علم فقہ کی بیان مین آئیں گے،

عہدِ حکومت میں ۲۸۱ھ میں صقلیہ کے عہدۂ قضاء پر سرفراز ہوئے، یہ افریقہ کے مشہور مالکی فقیہ امام سحنون صاحب المدونہ کے تلامذہ میں تھے، ان کے علاوہ ان کے شیوخ حدیث میں عون بن یوسف، داؤد بن یحییٰ، محمد بن سحنون جعدی، اور ابن زرین وغیرہ علمائے افریقہ بھی داخل ہیں، پھر انھوں نے مشرق کا سفر کیا مدینۂ منورہ پہونچے، تو یہاں امام مالک کے صاحبزادے محمد بن مالک بن انس کے درس سے فیضیاب ہوئے، ابن کحالہ کے تلامذہ کی فہرست میں مشہور مورخ ابو العرب اور ابو جعفر احمد بن عبد الرحمٰن القصری ہیں، اپنے تلامذہ کے ساتھ ان کا برتاؤ نہایت شفقت آمیز تھا، ابو العرب کا بیان ہے

کان ثقة کثیر الکتب والشیوخ	معتبر تھے، بہت سی کتابیں لکھی تھیں، انکے شیوخ
حسن الاخلاق بارا بطلبة العلم	بہت سے تھے، خوش اخلاق، طلبہ کے ساتھ سلوک
ادیبا کریما وکان الاغلب	کرنے والے، باادب اور فیاض تھے، اور زیادہ تر روایت
علیه الروایة والتقیید	کرتے تھے اور ان کو لکھتے تھے،

تجیبی کی روایت ہے:-

کان من اهل الفقه البارع کثیر	وہ بڑے فقیہ اور بہت روایت کرنے والے تھے
الروایه حسن الاخلاق بار المن	جو طلبہ ان کے پاس حدیث سننے کیلئے آتے تھے
یاتی الیه للسماع علیه ذا ادب و	انکے ساتھ سلوک کرتے تھے، باادب، زاہد، عاقل
تقشف وعقل ونزاهة.	اور پاکیزہ خو تھے،

مذہبًا مالکی تھے، فقہ مالکی میں کتابیں بھی لکھی ہیں، ایک کتاب انکے نام کے انتساب سے کتاب السلیمانیہ سے موسوم ہے،

ورودِ صقلیہ سے پیشتر افریقہ کے قاضی القضاۃ ابن طالب نے انھیں اولًا ولایت باجہ کا قاضی مقرر کیا، پھر عیسیٰ بن مسکین قاضی القضاۃ افریقہ نے انھیں دار الحکومت قیروان بلا لیا اور دیوان المظالم

کا افسر اعلیٰ مقرر کیا، یہ دیوان المظالم مین سو دینار تک کے مقدمات کی سماعت کرتے تھے، اس کے بعد عیسیٰ بن مسکین نے انھین قیروان کے دیوان المظالم سے الگ کر کے صقلیہ کے عہدۂ قضا پر مامور کیا انھون نے یہان ۲۸۱ھ؁ مین آکر زمام قضاءت ہاتھ مین لیلی،

ابن کحالہ نے صقلیہ مین عہدۂ قضاءت کی خدمت کے علاوہ علوم کی نشر و اشاعت بھی کی، اور انہی کے توسط سے صقلیہ مین مذہب مالکی کو بھی فروغ حاصل ہوا، ابن فرحون لکھتا ہے:

ثُمَّ ولی قضاء صقلیۃ فخرج الیہا و	پھر صقلیہ کے قضا پر مامور ہوئے اور یہان
ونشر بہا علماً کثیراً وعنہ انتشر	علم کی کثیر اشاعت کی، اور انہی سے یہان مذہب
مذہب مالک بہا.	مالکی کو فروغ حاصل ہوا،

زندگی کے آخری لمحون تک اسی عہدہ پر سرفراز رہے ۲۸۹ھ؁ مین وفات پائی، اور صقلیہ مین مدفون ہوئے، ان کی تمام زندگی نہایت زہد و ورع مین گذری، باوجودیکہ ایک ممتاز عہدہ پر سرفراز تھے لیکن قناعت کا یہ عالم تھا، کہ جب وفات پائی، تو ایک حبہ بھی پاس سے نہین نکلا سب کچھ راہ خدا مین صرف کر چکے تھے[۱]

قاضی ابو عمر محمد بن میمون قاضی ابو عمر محمد بن میمون بن عمر و افریقیہ کے ممتاز علماء اور عبادتگذار بزرگون مین تھے امام سحنون اور ابو مصعب زہری سے علوم کی تحصیل کی، تلامذۂ سحنون مین سے افریقیہ مین سب سے آخری گل شب چراغ باقی رہ گئے تھے، انھون نے سو سال کی عمر یا اوس سے زیادہ مین وفات پائی، صقلیہ کے عہدۂ قضا پر آنے سے پہلے، افریقیہ کے عہدۂ قضا کے خدمات انجام دیچکے تھے،

قاضی محمد بن میمون ایک نہایت سادہ مزاج بزرگ تھے، اور اپنے عہد مین سلف کے عادات

۱؎ معالم الایمان جلد ۲ ص ۱۳۶، ۱۳۷، دیباج المذہب ابن فرحون ص ۱۱۹، ترتیب المدارک قاضی عیاض در یادگاری جلد ۱ ص ۲۴۴، صفہ ۲۴۹، ۲۷۰،

وخصائل کے حامل تھے، زہد و اتقا، خاکساری و فروتنی بدرجہ کمال موجود تھی، دنیاوی جاہ و حشم سے طبعاً نفور رہتے تھے، اور اس کے اثرات ان کے عہدۂ قضا مین نمایان تھے، جب وہ صقلیہ کے عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، اور بندرگاہ سوسہ سے روانہ ہونے لگے تو لوگون کو مخاطب کرکے کہا:-

"باشندگانِ سوسہ! دیکھو یہ میری چادر ہے، یہ میرا جبہ ہے، یہ میرا تھیلا ہے، جسمین میری کتابین بھری ہین، اور یہ میری حبشی کنیز ہے، جو میری خدمت کرتی ہے، اور اس کے پاس بھی صرف اسکا پیراہن اور اسکی چادر ہے،

مین بس انھی چیزون کے ساتھ جارہا ہون، جب واپس آؤن تو دیکھ لینا کن چیزون کے ساتھ لوٹتا ہون"

صقلیہ پہنچے تو حسب دستور انھین دار القضاء کی شاندار عمارت مین ٹھہرایا گیا، لیکن اپنی فروتنی و خاکساری سے یہ کہکر اٹھ آئے کہ "یہ امراء و عظماء کی قیام گاہ ہے، مین اسمین کیا کرونگا"، اور ایک مختصر مکان مین قیام پذیر ہوئے،

اسی کے ساتھ قضاءت کے معاوضہ مین حکومت سے کوئی تنخواہ نہیں لی، ان کی حبشی خادمہ اپنے چرخہ پر روزانہ سوت کاتتی، اور اسکو فروخت کرکے ان دونون کی بسر اوقات ہوتی تھی،

مقدمات کے فیصلہ مین عجب شان ہوتی، دروازہ برابر بند رہتا، فریقین آکر دروازہ کھٹکھٹاتے، دروازہ پر کوئی حاجب تھا نہ دربان، خادمہ باہر آتی، اور دروازہ کھول کر کہتی "ٹھہرو قاضی کو خبر کرتی ہون، ابھی آتے ہین" قاضی صاحب باہر تشریف لاتے، مقدمہ کی روداد سنتے تسلی بخش فیصلہ کرتے، اور دونون فریق واپس چلے جاتے،

چند سال اسی طرح گذر گئے اور اسی سادہ زندگی سے صقلیہ کے باشندون کے دلون مین گھر کرلیا، ایک دن دروازہ پر چند اشخاص آئے، دروازہ کھٹکھٹایا، وہ بند کا بند رہا، لوگ واپس چلے گئے

دوسرے دن بھی اتفاق پیش آیا، لوگون میں تشویش پیدا ہوئی، اور تیسرے دن دروازہ پر مجمع لگ گیا، خادمہ برآمد ہوئی، اور لوگون سے کہا "مکان کے اندر آؤ، اپنے قاضی کی عیادت کرو"۔

مجمع جوشِ عقیدت سے بے تابانہ اندر داخل ہوا، دیکھا کہ قاضی محمد بن میمون ایک چٹائی پر لیٹے ہیں، سر کے نیچے بھس بھرا ایک تکیہ رکھا ہے، مجمع کی عقیدت دیکھکر وہ بھی ضبط نہ کر سکے، آبدیدہ ہوکر کہنے لگے،:-

"جہان تک مجھ سے ممکن ہوا، میں نے مقدمات کے فیصلہ کی خدمت انجام دی، اب میں نے امیر صقلیہ سے درخواست کی ہے، کہ وہ مجھے معذور سمجھیں، اور اس خدمت سے سبکدوش کر دیں، میں اب بوڑھا ہو چکا، قیروان لوٹ جاؤں گا"

یہ گفتگو سُن کر مجمع زار و قطار رونے لگا،

بالآخر وہ اثنائے علالت ہی میں صقلیہ سے روانہ ہو گئے، سوسہ پہونچے، تو اہل سوسہ کو مخاطب کرکے کہا:-

"سوسہ والو! دیکھو! جیسا میں گیا تھا ویسا ہی لوٹ آیا، یہ میرا جبہ، چادر، تھیلا، اور کتابیں ہیں، اور اسی طرح یہ حبشی خادمہ، خدا کی قسم مین نے دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھا، اور اسی حال میں واپس آیا ہون"،

سالِ وفات مین سخت اختلاف ہے، ابوالعرب ۳۰۲ھ لکھتا ہے، یہ سب سے زیادہ قریب کی روایت ہے، کیونکہ ابوالعرب ان کے تلامذہ میں اور ۳۰۲ھ تک ان کے درس میں حاضر تھا، اسکے بعد مختلف روایتیں ہیں، ابن ناجی کہتا ہے، کہ ۳۰۳ھ میں وفات پائی، صاحب ریاض النفوس کا بیان ہے، کہ ۳۱۶ھ میں قیروان میں وفات پائی، اور باب سلم میں مدفون ہوئے، ابن فرحون نے سالِ وفات ۳۰۳ھ لکھا ہے، یہی وجہ ہے، کہ انکی عمر مین بھی اختلاف ہے، بعضون نے سو سال

سے زیادہ لکھا ہے،[۱]

دعامہ بن محمد | قاضی دعامہ بن محمد اغالبہ کے دورِ حکومت میں صقلیہ کے عہدۂ قضا پر سرفراز ہوئے، امام سحنون کے تلامذہ میں تھے، اور افریقیہ کے فقہا میں عزت و منزلت رکھتے تھے، ۲۹۷ھ میں افریقیہ میں وفات پائی، (تاریخ مغرب ابن عذاری ص ۲۲۲)

ابوالقاسم القیسی، | قاضی ابوالقاسم محمد بن محمد بن خالد القیسی المعروف بہ طرزی اغالبہ کے آخر عہد حکومت میں قضاتِ صقلیہ پر مامور تھے، بنو معبد کے موالی میں تھے، افریقیہ کے ممتاز اہل علم میں شمار کئے جاتے تھے، نہایت زہد و ورع کی زندگی گذارتے تھے افریقیہ کے صوفیہ میں بھی منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اپنے زہد و عبادت کے باعث "العابد" کے لقب سے مشہور تھے،

عیسیٰ بن مسکین نے انھیں پہلے مظالم قیروان پر مامور کیا، پھر حماس نے بھی انھیں دس سال تک اس عہدہ پر برقرار رکھا، بازار کے احتساب کی خدمت بھی انہی کے سپرد تھی، ایک مرتبہ جب وہ اپنے عہدہ پر سرفراز تھے قیروان کے بازار میں گذرے، جامع مسجد کے سامنے سڑک پر بڑی مقدار میں پانی بہتا نظر آیا جس سے راستہ کی آمد و رفت میں زحمت پیش آرہی تھی، یہ وہیں رک گئے، تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ امام جامع مسجد کا یہ فعل ہے، کوئیں میں چوہیا گر گئی تھی، پانی نکلوایا ہے، بلا کر دریافت کیا، اور راستہ کے رُکنے کے جرم میں اس عظیم المرتبت شخصیت کو قید خانہ بھیج دیا، جب ظہر کی نماز کا وقت آیا، لوگوں کو امام کی تلاش ہوئی تو لوگ ان کے پاس سفارشی بن کر آئے، کہ جرم سے چشم پوشی کیجائے، آخر انھیں قید خانہ سے نکالنے کا حکم دیا، جب سامنے آئے تو کہا اگر تم امام نہ ہوتے، اور لوگ تم سے مستغنی ہوتے، تو میں تمھیں قید خانہ سے باہر نہ نکالتا،

زیادۃ اللہ بن عبد اللہ نے انھیں عہد اغالبہ کے دورِ آخر میں صقلیہ کا قاضی مقرر کیا، دس سال تک اس خدمت پر مامور رہے

[۱] ریاض النفوس در لماری ص ۹۳، معالم الایمان جلد ۲ ص ۲۰۴، دیباج ص ۳۲۳، طبقات ابی العرب در یادگاری جلد ۲ ص ۹۹ کتاب العبر فی خبر من عبر (ذہبی) در لماری ص ۴۰۴، دیباج اور معالم میں نام میں بھی اختلاف ہے، ابن فرحون نے محمد بن میمون بن عمار لکھا ہے، ابن ناجی نے میمون بن عمر لکھا ہے، اور ابوالعرب ابو عمر و میمون معروف بابن مصلوف لکھتا ہے، لیکن یہ ایک مسمی کے مختلف نام ہیں۔

اغالبہ کے زوال کے بعد افریقہ میں قیام پذیر تھے، یہ وہی زمانہ تھا، جب افریقہ میں مذہب شیعی بجبر پھیلایا جا رہا تھا، اور فقہائے افریقہ کے نام فرمان جاری ہوا تھا، کہ ایسے لوگوں کے فتاوی اور دستاویزیں نہ لکھیں، جو مذہب شیعی نہ اختیار کریں، چنانچہ اس جبر و تشدد میں افریقہ کے علماء و فقہاء مورد عتاب بنے، اور ۲۹۹ھ میں قاضی ابوالقاسم القیسی بھی اس جرم میں ابوالعباس شیعی قائم مقام والی کے عتاب میں آئے، اور انھیں کوڑے لگائے گئے، ماہ رمضان ۳۰۱ھ میں وفات پائی، دنیا سے بے تعلق ایسے رہے، کہ کفن کی قیمت بھی گھر سے نہ نکلی، عبدالحمید بیرنی نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا،[1]

قضاۃ فاطمی صقلیہ میں فاطمیوں کے پہلے دور میں سب سے پہلا شیعی قاضی مقرر ہوا، وہ اسحاق بن منہال تھا،

اسحاق بن منہال اسحاق بن منہال کو حسن بن احمد بن ابی الخنزیر نے ۲۹۷ھ میں عہدۂ قضاء پر مامور کیا، اسکے متعلق ابن اثیر لکھتا ہے،

ھو اول قاض تولی بہا المھدی العلوی۔	یہ سب سے پہلا قاضی ہے، جو مہدی علوی کی طرف سے یہاں عہدۂ قضاء پر آیا،

ابن قرہب کے عہد میں عہدۂ قضاء لیکن جب کچھ دنوں کے بعد صقلیہ میں انقلاب ہوا، اور ابن قرہب کی خود مختار حکومت قائم ہوئی، تو قاضی اسحاق بن منہال بھی معزول ہو گئے، اور ابن قرہب نے اپنا قاضی مقرر کر لیا،

قاضی ابن خالی ابن قرہب کے عہد حکومت کے قاضی ابن خالی تھے، جب اس کو زوال آیا، اور اوس نے اندلس کا راستہ لینا چاہا، تو قاضی ابن خالی بھی اس کے ہمرکاب تھے، لیکن باشندگان صقلیہ کے ہاتھوں ابن قرہب کے ساتھ یہ بھی گرفتار کر لئے گئے، اور جیسا کہ سیاسی سرگذشت میں گذر چکا ہے، حسن بن ابی الخنزیر کی قبر پر باتھ

[1] ترتیب المدارک در یادگاری مضامین ج ۱ ص ۲۰۰ و ریاض النفوس در اماری ص ۱۹۵، ترتیب المدارک میں ابوالقاسم کو طرا طری کے بجائے طرزی لکھا گیا ہے، و معالم الایمان جلد ۲ ص ۱۶۶،

پاؤں کاٹ کر سولی پر چڑھا دیئے گئے،

قضاۃ بعہد کلبیہ دولتِ کلبیہ کے ذیل کے قضاۃ کے نام دستیاب ہوئے، ان میں سے اکثر مالکی المذہب ہیں، کیونکہ کلبیوں نے پچھلے تجربہ کی بنا پر حکومت سے مذہب کو علٰحدہ کر دیا تھا، اور رعایا کی کثیر آبادی کے لحاظ سے عہدۂ قضا پر سنی فقہا ہی سرفراز کئے جاتے تھے،

قاضی ابو اسحاق قاضی ابو اسحاق بن ملک المعافری دولتِ کلبیہ میں عہدۂ قضا پر مامور تھے، مذہباً مالکی تھے، شعر و شاعری کا ذوق تھا، عدل و انصاف میں شہرت رکھتے تھے، ابن القطاع لکھتا ہے:۔

احد قضاۃ الجزیرۃ المشھورین	جزیرہ کے قضاۃ میں سے ایک قاضی تھے
بالعدل والکرم[۱]	جو معدلت گستری میں شہرت رکھتے تھے،

قاضی ابو الفضل، قاضی ابو الفضل ابراہیم الشامی الکنانی بھی عہدۂ کلبیہ ہی کے قضاۃ میں ہیں، شاعری کا اچھا مذاق تھا، عماد الدین الکاتب اور یاقوت نے اپنی خریدہ اور معجم البلدان میں اون کا تذکرہ کیا ہے[۲]

قاضی عثمان بن خزاز قاضی عثمان بن خزاز صقلیہ کے متقی، دیندار، اور پرہیزگار قضاۃ مین تھے، جیسا کہ گذر چکا ہے، اہلِ صقلیہ پر انھیں اعتماد نہ تھا، مقدمات میں ہمیشہ مصالحت کرا دیتے تھے، دینداری کا یہ عالم تھا، کہ جب وفات پانے لگے، اور ان کے قائم مقام کی بابت استفسار کیا گیا، تو بولے جزیرہ میں انکی نگاہ میں اس عہدہ کے لائق کوئی نظر نہیں آیا،

قاضی ابو ابراہیم اسحاق بن الماحلی قاضی ابو ابراہیم اسحاق بن الماحلی صقلیہ ہی کے رہنے والے تھے، قاضی عثمان بن خزاز کے بعد اس عہدۂ قضا پر مامور ہوئے[۳]

اس کے بعد صقلیہ کی اسلامی حکومت کے آخری دور تک کون کون لوگ اس عہدہ پر آئے،

---

[۱] کتاب الحان المسیلہ فی حلی جزیرۃ صقلیہ در یادگاری مضامین جلد اص ۲۹۷ [۲] خریدۃ القصر در اماری ضمیمہ ۵۹ و معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۳، [۳] معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۷۶،

دیوان المظالم

دیوان المظالم صیغۂ عدالت و قضاء کی ایک شاخ ہے، اگرچہ یہ اُس صیغہ کے ماتحت نہیں تھا، اس عدالت میں امراء و عمالِ حکومت کے خلاف مقدمات دائر ہوتے تھے، فریقِ مقدمہ خواہ حکومت کا معمولی عہدہ دار ہوتا یا فرمانروا خانوادہ کا شاہزادہ سب کو حاضر عدالت ہونا پڑتا تھا،

صقلیہ میں اسکی زیادہ ضرورت خصوصًا اسلئے تھی، کہ یہاں کی عدالتوں مین سیاسی مقدمات پیش نہیں ہوتے تھے، اسلئے جب حکام اپنے زمانۂ حکومت میں جابرانہ روش اختیار کرتے، ناکردہ گناہوں کو مجرم بناتے، دوسروں کے مال پر جابرانہ قبضہ کرتے تھے تو ان سب کے خلاف یہاں مقدمات دائر ہوتے، اور تحقیقات کے بعد تدارک کیا جاتا، اور اس طرح عمّالِ حکومت کی ان بدعنوانیوں کا بھی سدِ باب ہوجاتا جن کی سیاسی مقدمات کے فیصلہ میں ان سے سرزد ہونے کا امکان ہوتا،

اسلامی عہد کے دیوان المظالم کا نظام مکمل تھا، نارمنوں نے بھی اسکو اوسی طرح قائم رکھا، اور عیسائی مورخین کے بقول یورپ میں اس سے ایک نئی قسم کی عدالت کا رواج ہوا،[۵]

محکمۂ شرطہ

محکمۂ شرطہ (پولیس) بھی گویا شعبۂ عدالت کی ایک کڑی تھی، یہ ایک حد تک عدالت کو تفتیش جرائم مین مدد دیتا، عدالت کے فیصلوں کو نافذ کرتا، شرعی معاصی مے نوشی اور زنا وغیرہ پر حدودِ شرعی قائم کرتا، جرائم کا انسداد کرتا، اور روپوش مجرموں کی جستجو کرتا تھا،

---

۵ نہایۃ الارب نویری در اماری، تاریخ التمدن الاسلامی جرجی زیدان،

صاحب الشرطہ | اس محکمہ کے افسر اعلیٰ کو "صاحب الشرطہ" کہتے تھے، ابو الفضل احمد بن علی الفہری صاحب الشرطہ کا نام تاریخوں میں آیا ہے[1]،

ایک مرتبہ مغرب کا مشہور شاعر ابن مودب صقلیہ پہنچا، اسوقت ثقۃ الدولہ صقلیہ کا فرمانروا تھا، اسکی شان میں ایک قصیدہ پیش کیا، لیکن اس کو اس کا دلخواہ صلہ نہ ملا جھنجھلا کر ایک ہجو لکھ ڈالی، شدہ شدہ ارباب حکومت تک خبر پہنچی، اسکی گرفتاری کا حکم جاری ہوا، یہ روپوش ہو گیا، مدتوں تلاش جاری رہی، آخر ایک دن شراب کے نشہ سے مست باہر نکل پڑا، پولیس نے فوراً گرفتار کر لیا، اور ثقۃ الدولہ کے سامنے لیجا کر پیش کیا[1]،

دار الحبس

دار الحبس (جیلخانہ) کے قائم کرنے کا رواج اسلامی حکومتوں میں ہو چکا تھا، چنانچہ صقلیہ میں بھی خالصہ (بلرم) میں جیلخانہ قائم تھا[2]،

دیوان الجیوش

دیوان | اسلامی حکومت میں "دیوان" کے لفظ کا اطلاق ابتداءً "فوجی دفتر" پر کیا جاتا تھا، گو بعد میں بھی بغیر کسی اضافت و انتساب کے اس لفظ کے معنی "فوجی دفتر" کے تھے تاہم بعض موقعوں پر دوسرے دفاتر سے تمیز کرنے کیلئے اسکو کبھی "دیوان الجیش" یا "دیوان الجیوش" بھی کہتے تھے، چنانچہ صقلیہ کی اسلامی حکومت میں بھی دیوان کا لفظ فوجی دفتر کیلئے مخصوص تھا، صقلیہ کا یہ دیوان بلرم کے نو آباد حصہ خالصہ میں قائم تھا[3]،

---

[1] خریدۃ القصر، جریدۃ العصر در اماری ص۵۹۵، [2] ابن خلکان جلد ۳ ص۱۸۱ [3] ابن حوقل در اماری ص۵ ۔۔

صقلیہ پر حملہ اور اسلامی لشکر | اسلامی فوج کا یہ نمایاں پہلو رہا ہے کہ اوس کی تقسیم ہمیشہ قبیلوں پر رہی، پھر عرب اور عجم کی تفریق قائم ہوئی، اسلئے صقلیہ کی اسلامی فوج میں بھی یہ تقسیمیں موجود تھیں،

عربی فوج | صقلیہ پر جو ابتدائی حملہ براہ راست مرکزی دارالخلافت کی نگرانی میں ہوا تھا، وہ اسکے افریقہ کے زیر اقتدار آنے سے پیشتر ہوا تھا، اور یہ مستند طور پر معلوم ہے، کہ اس عہد تک اسلام کی مرکزی حکومت کے لشکر میں صرف عرب عنصر تھا، اسلئے صقلیہ پر ابتدائی اسلامی حملہ خالص عربی لشکر کے ہاتھوں انجام پایا،

بربری فوج | اس کے بعد گو اسلام کی مرکزی حکومت کی فوج میں عجمیوں کا داخلہ اموی دور کے بعد عباسی عہد میں ہوا لیکن صقلیہ کی حملہ آور فوج میں عہد اموی میں بھی عرب قبائل کے دوش بدوش عجمی قبائل صف آرا تھے، ان عجمی قبائل سے ہماری مراد بربر ہے، جب افریقہ مفتوح ہوا، تو بربر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے وہ ہمیشہ سے ایک جنگجو قوم تھے، اسلئے ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی جنگی قوتوں میں اور نشو ونما ہوئی اور وہ رومی ممالک کے تاخت و تاراج میں عربوں کے شریک ہو گئے،

عربی لشکر میں قبائل بربر کی شرکت کا آغاز حسان بن نعمان والی افریقہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے بار بار کی بغاوت کے بعد آخر میں جب وہ مغلوب ہو گئے تو اس شرط پر انھیں امان دی گئی کہ قبائل بربر میں سے حسب حصہ رسد ۱۲ ہزار اشخاص اسلامی لشکر میں داخل ہوں جو عربوں کے ساتھ ملکر افریقہ کو رومیوں سے خالی کرائیں، چنانچہ یہ بارہ ہزار اشخاص افریقہ کی مشہور کاہنہ کے دو لڑکوں کی سرکردگی میں اسلامی لشکر میں داخل ہوئے اور سارے شمالی افریقہ پر انہی کی مدد سے قبضہ کر کے بزنطی حکومت کا یہاں سے خاتمہ کیا گیا[1]،

افریقہ کی فتح کے بعد جب جزائر پر حملے شروع ہوئے، جن میں صقلیہ پر ابتدائی حملے شامل تھے تو ان میں ان بربریوں نے بھی شرکت کی، پھر ۲۱۲ھ کے آخری فاتحانہ حملہ میں بھی عرب قبیلوں کے ساتھ

[1] ریاض النفوس در امامری ص۱۰۱

بربری قبیلوں کے افراد بہ کثرت شریک تھے،

اسلامی لشکر میں رومی فوج

اس کے بعد جب ۲۱۲ھ میں یہ اسلامی لشکر مازر پہنچا، تو خلاف توقع تیسرے دن صقلیہ کے مشہور رومی سیرونمی کی فوج کا وہ باقیماندہ حصہ بھی اسلامی فوج میں آکر شامل ہو گیا، جو مسلمانوں کی آمد کا منتظر تھا، لیکن جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، رومیوں کا یہ گروہ بغیر کسی ایک حملہ میں شرکت کئے اسلامی لشکر سے علیحدہ کر دیا گیا، اسلئے اسلامی لشکر میں رومیوں کی چند روزہ موجودگی کو ان کی شرکت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا،

صقلیہ کے اسلامی لشکر میں اندلسی عرب

اسکے بعد بعض اتفاقی واقعات کے ماتحت ۲۱۵ھ میں اندلسی بیڑے میں بعض آزاد سرداروں کی سرکردگی میں اندلسی عربوں کا ایک دستہ آیا، اور افریقی فوج کے پہلو بہ پہلو خدمات انجام دینے لگا، اس اندلسی دستہ کی وجہ سے صقلیہ میں مسلمانوں کو بعض اہم فوائد حاصل ہوئے، اور اس سے اندلسی عربوں کو بھی کچھ رسوخ حاصل ہو چلا تھا، لیکن بہت جلد ان کو مغلوب ہو کر افریقی فوج کی برتری قبول کرنی پڑی، اور ان کو کوئی قابلِ ذکر حیثیت صقلیہ میں حاصل نہیں ہوئی، اور پھر بعد میں صقلیہ کے اسلامی لشکر میں اندلسی عرب شامل ہوئے،

افریقی فوجوں کی کمک صقلیہ میں

جب تک اغالبہ صقلیہ پر برسر اقتدار رہے حسب ضرورت افریقہ سے فوجی کمک صقلیہ آتی رہی، صقلیہ کے نام پر افریقہ میں فوجیں فراہم کیجاتیں، اور اوسکے لئے بڑی بڑی تنخواہوں اور انعاموں کا اعلان کیا جاتا، علاوہ ازیں یہاں دمیون جہاد کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا، اسلئے لوگ مالِ غنیمت سے فائدہ اٹھانے کے خیال سے بڑی تعداد میں فوجوں میں شریک ہوتے اور جب کوئی نیا والی، افریقہ سے صقلیہ آتا، یا یہاں کوئی نیا واقعہ ظہور پذیر ہوتا، تو افریقہ سے فوجی کمک روانہ کیجاتی،

اسلئے درحقیقت صقلیہ کے فوجی نظم ونسق میں فوجوں کی فراہمی کا حقیقی تعلق براہ راست حکومت

افریقہ سے قائم تھا، اور حسب ضرورت وہیں کی فوج صقلیہ آکر خدمات انجام دیتی تھی،

لیکن اس کے ساتھ صقلیہ کے دیوان میں بھی فوج کا انتظام قائم رہتا، کیونکہ جو فوجیں مختلف زمانوں میں افریقہ سے صقلیہ آتیں، وہ یہاں کی وقتی ضرورتیں پوری کرتیں اور جس حصۂ ملک پر قابض ہوتیں، وہ مقام انھیں بطور نوآبادی کے دیدیا جاتا، اور وہاں بود و باش اختیار کرلیتیں، اس طرح مختلف زمانوں میں افریقہ کی فوج کا بیشتر حصہ صقلیہ میں آکر فوجی زندگی چھوڑکر شہری زندگی بسر کرنے لگتا، پھر یہ معزز شہری حسب ضرورت نہایت جنگجو سپاہی بھی بن جاتے،

اسلئے حقیقت میں تاریخ صقلیہ میں ہم جہاں کہیں کسی صقلی فوج کا تذکرہ دیکھتے ہیں، جو بغاوت کے موقعوں پر اکٹھا ہوتی تھی، اوس سے مراد یہی شہری ہوتے ہیں جنھوں نے فوجی خدمات سے سبکدوش ہوکر شہری زندگی اختیار کرلی تھی،

اس لئے ہمیں اس صقلی فوج سے کبھی فریب نہ کھانا چاہیے۔ جیسا کہ بعض مورخین کو خیال ہوا ہے، کہ اس سے مراد یہاں کے قدیم باشندے ہیں، یہاں کے قدیم باشندے ہمیشہ فوجی خدمات سے مستثنیٰ رہے، البتہ صقلیہ کے وہ قدیم باشندے جنھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، ان میں کا ایک حصہ اسلامی فوج میں معمولی ضروریات، کیلئے داخل کرلیا گیا تھا کیونکہ مسلمانانِ صقلیہ میں اس وقت تک جو جنگی روح موجود تھی، اس لحاظ سے گویا صقلیہ کا ہر کلمہ گو وہاں کی اسلامی فوج کا ایک سپاہی تھا، اور ضرورت کے وقت مسلح ہوکر میدانِ جنگ میں آجاتا تھا، اور یہی حالات دولتِ اغالبہ اور پھر بنو فاطمہ کے ابتدائی عہد تک قائم رہے،

پھر جب کلبیین کی آزاد و خود مختار حکومت کا دور آیا، تو صقلیہ کے فوجی نظام میں بھی فرق آیا، اسوقت تک رؤسا، امرا، تجار، صناع، اور کاشتکاروں اور مزدوروں وغیرہ کا طبقہ فوج سے کٹ کر الگ ہوچکا تھا، اور دوسری طرف حالات میں بھی ایسا تغیر ہوا کہ دولتِ کلبیہ حکومتِ افریقہ یا مصر سے

یک گونہ آزاد ہوگئی، اور صقلیہ کی فوج کا پورا بار خود حکومت صقلیہ کے دیوان الجیوش پر عائد ہوگیا،

چنانچہ اس زمانہ میں صقلیہ میں فوجی اور شہری ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں، فوج باضابطہ چھاونی میں رہتی، اسکو ملک کی زراعت و تجارت وغیرہ سے کوئی سروکار نہ ہوتا، وہ صرف ضرورت کے وقت مصالح کے ماتحت چھاؤنیوں سے باہر نکلتی، دولت اغالبہ میں بھی صقلیہ میں شہری تھے لیکن وہ ضرورت کیوقت مسلح ہو کر میدان جنگ میں اوتر آتے تھے، مگر دولت کلبیہ کے عہد میں یہ متمول اور فارغ البال طبقہ رئیسانہ طرز زندگی اختیار کر کے محلات میں مقیم ہو چکا تھا، اب یہ لوگ صرف اسکے نظم و نسق سے کسی قدر تعلق قائم رکھتے تھے،

اس دور میں افریقیہ سے فوج کی آمد بند ہو جانے کی وجہ سے یہاں کے نو مسلم کثیر تعداد میں فوج میں داخل کئے گئے، اور اسی دور میں صقلیہ کی فوج میں قبائلی نسلی اور وطنی تقسیم پیدا ہوئی، چنانچہ بربر جنمیں بنو کتامہ کو اکثریت تھی، عرب، موالی، ولاۃ صقلیہ اور اس کے قدیم باشندے اس عہد میں فوج کی نمایاں جماعتیں تھیں، اور عام شہری آبادی میں بھی انہی کو رسوخ حاصل تھا اور اپنے اس اثر و رسوخ سے حکومت کے معاملات میں بھی دخیل ہوتے تھے، اوران سب میں باہمی عصبیت کارفرما تھی۔ دولت کلبیہ کے بعض فرمانرواؤں نے فوج کی اس قبائلی و قومی عصبیت سے فائدہ اوٹھانا چاہا، اور اپنی حمایت سے اسکو مزید استحکام پہنچایا، لیکن بالآخر اسی عصبیت کی بدولت دولت کلبیہ کو زوال آیا، اور بالآخر اسلام کا آفتاب بھی صقلیہ سے غروب ہوگیا،

سپہ سالار اور فوجی افسر سپہ سالار کا مستقل عہدہ بلرم کی تسخیر کے بعد سے قائم ہوا جب والی صقلیہ ملکی نظم و نسق میں زیادہ مصروف ہوگیا، ورنہ اس سے پہلے وہی ولاۃ صقلیہ فوج کے سپہ سالار بھی ہوتے تھے اسکے بعد سپہ سالاری اور فوج کی افسری کے عہدہ پر دو قسم کے لوگ مقرر ہوتے تھے، ایک تو اس عہد کے والی صقلیہ کا لڑکا یا بھائی اس منصب پر فائز ہوتا، جو آیندہ چلکر ولایت کے فرائض انجام دیتا، اور دوسرے

وہ فوجی افسر ہوتے، جو افریقیہ کی امدادی فوج کے افسر بنکر آتے،

اسلئے صقلیہ کے سپہ سالاروں میں زیادہ تعداد ایسے ہی اشخاص کی نکلتی ہے، جو اپنے عہدۂ سپہ سالاری سے پہلے یا اسکے بعد صقلیہ کی ولایت پر بھی فائز ہوے، یا اگر صقلیہ کی ولایت پر نہیں تو اس کے کسی صوبہ کی ولایت پر مامور کئے گئے،

ولاۃ صقلیہ کے ان خدمات کے علاوہ جو وہ خود لڑائیوں میں شریک ہو کر انجام دیتے، ذیل کے سپہ سالاروں نے نمایاں خدمات انجام دیے،

سلیمان بن عافیہ، طرطوسی، (۲۱۵ھ) اصبغ بن وکیل اندلسی، (۲۱۵ھ) محمد بن سالم، (۲۲۰ھ) فضل بن یعقوب (۲۲۳ھ) عبدالسلام بن وہاب، (۲۲۳ھ) عباس بن فضل بن یعقوب، (۲۲۶ھ) فضل بن جعفر ہمدانی (۲۲۸ھ)، رباح، (۲۳۶ھ) محمود بن خفاجہ (۲۴۸ھ) محمد بن خفاجہ، حسین بن رباح، (۲۶۴ھ) حسین بن عباس (۲۶۷ھ) صارب صقلبی، مفرج بن سالم، حسین بن احمد، (۲۷۱ھ) سوادہ بن محمد بن خفاجہ، (۲۷۱ھ) اور محمد بن فضل، (۲۷۹ھ) وغیرہ،

اس کے بعد دولتِ کلبیہ کے عہد میں بالعموم صقلیہ کا ولی عہد سپہ سالار مقرر کیا جاتا، جو فرمانروائے صقلیہ کے بعد زمامِ حکومت سنبھال لیتا، اسلئے ان کے علاوہ اور دوسری اہم شخصیتیں بھی ایسی ہیں جنھوں نے اس عہدہ کے فرائض انجام دئے، جنہیں سے بنو فاطمہ کے عہدِ آغاز میں قوارب، مسعود، اور صاحب صقلیہ کی فوج کے سپہ سالار بنکر یہاں پہنچے، پھر دولتِ کلبیہ کے آغاز کے بعد فرح صقلی، عمار، اور ابن عمار وغیرہ ہیں

دولتِ کلبیہ کے زوال کے بعد جب طوائف الملوکی پھیلی، تو پھر ہر خود سر والی سپہ سالار تھا، اور ٹھیک اسی زمانہ میں معز بن بادیس کے لڑکے عبداللہ اور علی افریقہ کے امدادی لشکر کے سپہ سالار تھے،

فوجی چھاؤنی، صقلیہ میں اسلامی لشکر کی سب سے پہلی چھاؤنی مازر میں قائم ہوئی، اور اس کے بعد ایک

چھاؤنی کی بنیاد قصریانہ کے محاصرہ میں اسوقت پڑی جب مسلمانوں نے جہازوں کو نذر آتش کر کے اپنی اور صقلیہ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر ڈالا، اور قصریانہ کی فتح میں دیر ہوجانے کے باعث شہر سے باہر اسی میدان محاصرہ میں اسلامی فوج کے قیام کیلئے پختہ بارکیں تعمیر کرلیں،

مرکزی چھاؤنی، بلرم کی فتح کے بعد اس کا قدیم قلعہ، اسلامی فوج کی سکونت کیلئے مخصوص ہوا یہی مقام اسلامی حکومت کی مرکزی چھاؤنی قرار دیا گیا، پھر جب خالصہ کی تعمیر ہوئی، اور حکومت کے تمام دفاتر کیلئے علحدہ علحدہ عمارتیں بنیں، تو فوجی دفتر کے ساتھ فوجی چھاؤنی کی بنا بھی پڑی، جو ان دفتری عمارتوں سے بھی ہٹکر وادی عباس کے کنارے ایک جدا مقام میں قائم کیگئی، اور یہ مقام **معسکر** (جائے قیام لشکر) سے موسوم ہوا[1] اور آخر وقت تک صقلیہ کی مرکزی اسلامی چھاؤنی رہا،

ملک کی اندرونی چھاؤنیاں صقلیہ کے قدیم عہد میں کچھ ایسے حالات تھے، کہ وہاں کی ہر ایک آبادی بجائے خود ایک مستحکم اور مسلح قلعہ تھی لیکن جیسا معلوم ہوچکا ہے، اسلامی حکومت نے اپنے مقبوضات میں مختلف اہم شہروں کی حفاظت کیلئے جداگانہ قلعوں کا اہتمام بھی کیا تھا، اور اس طریقہ سے ملک میں جابجا انہی قلعوں کی شکل میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوگئی تھیں،

قلعے، صقلیہ کے اندرون ملک میں جس سیاسی نوعیت سے قلعوں کی کثرت تھی، اس کا تذکرہ گذر چکا ہے، قلعوں کی مجموعی تعداد ۳۲۰ بیان کیجاتی ہے جنہیں ابن القطاع کے بیان کے رو سے اندرون ملک میں کم سے کم ۱۳ عدد ایسے قلعے تھے، جنکی حیثیت جنگی قلعوں کی تھی، جنگ میں اون سے کام لیا جاتا تھا لیکن وہ کون کون تھے، اس کا فیصلہ دشوار ہے، ابن فضل اللہ الدمشقی نے اہم قلعوں کو یکجا درج کیا ہے جو ۲۹ ہیں، لیکن ان میں سے بعض میں شہری آبادیاں بھی تھیں بہرحال وہ حسب ذیل ہیں:-

قلعہ قواب، حصن ہیفو، حصن جاطو، حصن طرزی، حصن قرلیون، قلعہ الطریق، حصن برزو، حصن رایہ، حصن نم

---

[1] ابن حوقل در امارمی، ص ۵ و معجم البلدان، ج ۲ ص ۲۶

حصن ابلاطنو[11]، قلعہ خنزاریہ[12] یا قلعہ مجنون، قلعہ ابی شامہ[13]، قلعہ میناؤ[14]، قلعہ الغار[15] حصن ابلاطہ[16] حصن طابس[17] قلعہ ابی ثور،

حصن مقارہ[18]، حصن اسبرلنگہ[19]، حصن البنیقشیر[20]، حصن فیمی[21]، قلعہ الصراط[22]، حصن قرطیوش[23]، حصن المد[24]، حصن قسطلون[25]،

اور قلعہ منت الیان[26]۔

ادریسی نے ان مذکورۂ بالا قلعوں کے علاوہ جن دوسرے قلعوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے قابلِ ذکر حسب ذیل ہیں:۔

حصن لیری، قصر سعد، قصر جعفر، حصن خزان، حصن بترانہ، حصن جاطو، قصر نوبو، حصن بطلاری، قلعہ بلوط، حصن میرجا، حصن الحمہ، حصن المدارج، قصر ابن منکود، قلعہ مورو، حصن نشا، حصن سابوقہ، قلعہ النساء، حصن حجر منقوب، حصن طابس، حصن بطرنو[1]۔

فوج کی تنخواہیں فوج کی تنخواہیں بالعموم بصورتِ زر ادا کرنے کے بجائے بصورتِ جاگیر دیجاتی تھیں، فوج کے معزز عہدہ دار ایک ایک علاقہ پر قابض ہوتے، ان کا ایک منصب مقرر ہوتا، اور فرائض میں یہ ہوتا کہ حسب طلب ایک مقرر تعداد میں فوج لیکر دربارِ حکومت میں حاضر ہوں، چنانچہ وہی عہدہ دار زمیندار کی حیثیت رکھتے، اور وہاں کے باشندے عام کاشتکار ہوتے، علاوہ ازیں اسلام کی شرعی تقسیم کی رو سے مالِ غنیمت میں فوج کے جو حصے مقرر ہیں، ان پر صقلیہ میں بھی عملدرآمد جاری تھا، صقلیہ کے رومی علاقوں اور اٹلی پر بیشمار تاختیں ہوتی تھیں، اور بیشمار مالِ غنیمت ہاتھ آتا تھا، فوج کا ہر سپاہی حصہ رسدی کے مطابق ان کا حقدار تھا، اور سال میں وافر دولت ہر ایک سپاہی کے پاس جمع ہوجاتی تھی، نیز سپاہیوں کو مقرر رقموں کے دیے جانے کی مثال بھی ملتی ہے، چنانچہ جب ابراہیم افریقیہ سے فوج لیکر روانہ ہونے لگا، تو ہر سوار کو ۲۰،۲۰ اور پیادہ سپاہی کو ۱۰،۱۰ دینار دئے گئے، اسکے

---

[1] معجم البلدان، ذکر صقلیہ، نزہتہ المشتاق ذکر مذکورہ بالا مقامات، وکتاب مسالک الابصار فی ممالک الامصار درامادی، ص۱۵۷،

بعد جب فوج شہری آبادی سے جدا کر دیگئی، تو ان کی ماہانہ تنخواہیں مقرر ہوئیں، اور مالِ غنیمت۔

یہ حصہ رسد علیحدہ ملتا،

دیوان دار الصناعۃ صقلیہ پر عربوں کے ابتدائی حملے کے بیان میں ٹیونس کے اوس دار الصناعہ کا بیان گذر چکا ہے، جسکو حسان نے صقلیہ کے حملہ کے سلسلہ میں جہاز سازی اور آلاتِ حرب کی صنعت کیلئے قائم کیا تھا، اور پھر موسیٰ بن نصیر نے اس طرف دوبارہ توجہ کی، اور سمندر سے اسکے ۱۲ میل کے بُعد کو دُور کر دیا، افریقہ کا یہ دار الصناعہ برابر قائم رہا، اور جیسے جیسے صقلیہ کو فوجی امداد کی ضرورت پڑتی گئی، اسکو مزید ترقی ہوتی گئی، چنانچہ ایک اغلبی تاجدار نے اپنے عہدِ حکومت میں صقلیہ کے بحری استحکام کیلئے دار الصناعہ میں جہازوں کی تعمیر کا حکم صادر کیا، اور جب اس سلسلہ میں مزید اراضی کی ضرورت پڑی، تو حکومتِ وقت اسلامی قبرستان کو برابر کرنے سے بھی باز نہ آئی، اور اسکی تمام قبریں برابر کردیگئیں، صرف شیخ یحییٰ بن عمر بن یوسف اندلسی کی قبر اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دی گئی، اور اس استثنار کی وجہ یہ بیان کی گئی، "کہ یہ ایک عابد و زاہد کی قبر ہے ہمیں اکثر اس قبر پر شب کے وقت تیز تیز شعاعیں نکلتی نظر آتی ہیں، اسلئے ہم اس کے مسمار کرنے کی ہمت نہ کر سکے[1]"، افریقہ کا یہ دار الصناعہ اغالبہ کے ابتدائی عہد میں صقلیہ کی تمام بحری ضروریات کو پورا کرتا رہا، لیکن صقلیہ کے جزیرہ ہونے کی وجہ سے اسکے بحری استحکام کی زیادہ ضرورت تھی، اسلئے صرف اوس ایک دار الصناعۃ سے ضروریات پوری نہیں ہو سکتی تھیں، اسلئے خود جزیرہ میں بھی ایک دار الصناعۃ کا اعلیٰ پیمانہ پر اہتمام کیا گیا، چنانچہ صقلیہ کے نظامِ حکومت میں ایک مستقل شعبہ "دیوان دار الصناعۃ" کے نام سے قائم تھا، اس محکمہ کا ایک افسر اعلیٰ مقرر ہوا، جو صاحبِ دیوان الصناعہ کہلاتا، ابوالحسن علی بن المعلم صاحب دیوان الصناعۃ کا ذکر آتا ہے[2]،

صقلیہ کے دار الصناعہ صقلیہ میں سب سے پہلا دار الصناعۃ بلرم (خالصہ) میں قائم ہوا، ابن حوقل لکھتا ہے

---

[1] ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۰، ۱۸۱، [2] کتاب الحان المسیا در یادگاری مضامین جلد ا ص ۲۹۶،

وفیہا.... دار صناعۃ البحریعنی" اور یہیں بحری کارخانہ ہے"[1]

دار الصناعہ بلرم کے کاریگر اور مزدور دار الصناعہ بلرم میں بنو کتامہ کے موالی بڑی تعداد میں کام کرتے تھے، اور امتداد زمانہ سے وہ اس پر اس قدر حاوی ہوگئے، کہ جب والی صقلیہ یعیش نے اس مین دوسرے قبائل کے کاریگرون اور مزدورون کو بھرتی کردیا، تو سخت ہنگامہ برپا ہوگیا اور کشت و خون تک نوبت پہنچی، اگرچہ اس موقع پر موالی بنو کتامہ بڑی تعداد میں مارے گئے، مگر نتیجۃً یعیش کو شکست ہوئی، اور اوسے حکومت سے دست بردار ہونا پڑا، دار الصناعہ پر آخر وقت تک موالی بنو کتامہ کا قبضہ رہا،

جہاز سازی کا سامان اس دار الصناعہ کا خام مسالہ صقلیہ ہی سے حاصل کیا جاتا تھا، جہاز کی لکڑیاں یہاں کے جنگلوں سے لائی جاتیں، اور لوہا بلرم کے قریب کی ایک کان سے لایا جاتا تھا، جو قصبہ بطرا میں واقع تھی،

دار الصناعۃ مسینا دوسرا دار الصناعۃ مسینا میں قائم تھا، اسمیں مسینا ہی کی ایک کان کا لوہا صرف ہوتا تھا، ابن جبیر لکھتا ہے:-

"یہان ایک شاہی دار الصناعہ ہے جسمیں بے شمار جہاز کھڑے رہتے ہیں"

دار الصناعہ باری تیسرا دار الصناعہ سرزمین ایطالیہ کے شہر باری میں قائم تھا، اسمیں اٹلی کی اسلامی حکومت کیلئے جہاز اور اسلحہ تیار کئے جاتے تھے[3]

جنگی بیڑے صقلیہ کے اسلامی عہد میں جزیرہ کے سیاسی حالات جسقدر پر آشوب رہے، اسی قدر یہان کے جنگی بیڑے مستحکم نظر آتے ہیں صقلیہ کی اسلامی حکومت اپنے دور میں حکومت بزنطی قسطنطنیہ اور اٹلی کی مختلف حکومتون سے معرکہ آرا رہی، اسلئے جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے، یہان کے جنگی بیڑے اس قدر مستحکم تھے

---

[1] ابن حوقل در اماری صہ ۵۔ [2] مسالک الابصار ابن فضل اللہ الدمشقی در اماری ۱۵۲۔ [3] رحلۃ ابن جبیر صہ ۲۲۶ بزہۃ المشتاق ادریسی صہ ۵۵۔

کہ انھیں بحرِ روم پر فرمانروائی حاصل تھی، اور اسی بحری طاقت کی وجہ سے بحرِ روم کے بکثرت جزیرون اور جنوبی اٹلی پر اسلامی اقتدار رہا،

صقلیہ کے جنگی بیڑے صنعت کے اعتبار سے اس عہد کے ترقی یافتہ جہازون اور کشتیوں پر مشتمل تھے، ان کے جہاز لکڑیون کے تختوں کے ہوتے، جو لوہے کی میخون سے جڑے جاتے، اور ڈانڈ اور بادبان کے ذریعہ چلائے جاتے تھے، ایک جنگی بیڑے میں بالعموم تین قسم کے جہاز اور کشتیان ہوتی تھیں، :۔

شینی جسکی جمع شوانی اور شنیات آتی ہے صقلیہ کے جنگی بیڑون کا ایک لازمی جز تھی، اگو عرب مورخین صقلیہ کے بحری حملوں میں اجمالی لفظ اسطول یا اساطیل (یعنی جنگی بیڑا یا جنگی بیڑے) استعمال کرتے ہیں، لیکن جہان کسی موقع پر بیڑے کی تفصیل آئی ہے، اسمین شینی کا ذکر خصوصیت سے موجود ہے، موسیولیبان نے تاریخ جزیرہ صقلیہ کے اس قدیم نسخہ سے جو پوپ کے کتبخانہ میں محفوظ ہے، اپنے ایک حاشیہ میں حسب ذیل عبارت نقل کی ہے، :۔

واما الشینی وسمی الغراب فانه	اور شینی جسکو غراب بھی کہتے ہیں، اوس قسم کی
یجذف بمایة واربعین مجذافا	کشتی ہو، جو ایکسو چالیس ڈانڈ ونسے چلائی جاتی
وفیه المقاتلة والمجذافون	ہو اور اس پر سپاہی اور ملاح سوار ہوتے ہین[۱]

مراکب، یہ سامان رسد اور اسلحہ کیلئے بیڑے کے ساتھ ہوتی تھیں،

طریدہ، یہ چھوٹی کشتیان تھین جن پر گھوڑے وغیرہ لیجائے جاتے تھے[۲]

امیر البحر | جنگی بیڑے امیر البحر کے ماتحت ہوتے تھے، جسکو "امیر البحر" یا "امیر الاساطیل" کہا جاتا تھا، قائد علی

---

[۱] تاریخ تمدن عرب، ضمیمہ دوم ص ۹، [۲] ابن اثیر کے اون حوادث میں دیکھا جائے جنمیں صقلیہ کے بحری حملون کا ذکر ہے، حوادث ۵۵۰ھ میں ایک نارمن بیڑے کے ضمن میں ان کا مجموعی تذکرہ بھی ہے،

وغیرہ امیر البحر کا تذکرہ سیاسی تاریخ میں گذرا ہے،

آلاتِ حرب

سپاہیوں کے اوزاروں میں قدیم اسلحہ، تلوار، نیزے، تیر، کمان، ڈھال خود اور زرہ وغیرہ تھے،

محاصرہ شکن آلات میں منجنیق اور دبابہ قابلِ ذکر ہیں، منجنیق قلعوں اور شہروں پر پتھر برساتی، دبابہ ایک ایسا آلہ تھا جس سے قلعہ کی دیوار میں نقب لگاتے، اور نقب زن اوس آلہ میں بیٹھے رہتے، اور اسی کے ذریعہ سے اندر پہنچ جاتے، عہد اسلامی کا یہ دبابہ موجودہ زمانہ کے عسکری آلہ ٹینک سے ظاہری صورت اور حاجت روائی میں مشابہ ہے۔

صقلیہ میں ان آلات کے استعمال کا تصریحی ذکر قصریانہ اور سرقوسہ کے محاصروں میں آیا ہے،

آتشیں مادے:- صقلیہ کی لڑائیوں میں آتشیں مادوں میں سے دو چیزوں نفط اور نار یونانی کا ذکر ملتا ہے،

نفط ایک قسم کا آتشیں سیال مادہ ہے، جسکو خاص آلات سے دشمن کی فوج میں پھینکتے تھے، نفط جزیرہ ہی سے حاصل کیا جاتا تھا، یہاں اسکے تین بڑے بڑے کوئیں تھے، اسلامی حکومت نے اس کے نکالنے کا خاص اہتمام کیا تھا، یہ تینوں کنوئیں، کوہ اٹنا کے قریب واقع تھے، حسن اتفاق سے ان کنوون سے نفط نکالنے کی پوری تفصیل بھی تاریخ میں محفوظ ہے، قزوینی کا بیان ہے، کہ نفط کا مادہ ان گہرے کنووں میں موسم بہار کے شروع ہوتے ہی آجاتا تھا، اور بہار کے ختم ہوتے ہوتے کنوئیں خشک ہوجاتے تھے، مادّہ کو حاصل کرنے کے لئے ان میں سیڑھیاں بنائی گئی تھیں، ان میں اترنے والوں کیلئے خاص قسم کے حفاظت کرنے والے لباس تیار کئے گئے تھے، کیونکہ اون کے اندر اسقدر آتشین لہر ہوتی تھی، کہ ایک ہی سانس ان کی ہلاکت کا باعث بنجاتی، علاوہ ازیں اس مادّہ میں جھلسا دینے کی خاصیت بھی تھی،

اس لئے ان کے لبادے ایسے بنائے جاتے تھے جنہیں منفذ نہیں ہوتے تھے، پورا جسم ڈھکا رہتا تھا، سانس کے نتھنے بھی بند رہتے تھے، اس لبادہ کو پہن کر کنوؤں میں اترتے تھے، بڑے بڑے برتن کنوؤں میں پہلے سے اوتار دیئے جاتے، اترنے والے انہی برتنوں میں اس سیال مادہ کو جمع کر کے اوپر بھیجتے جاتے اس سیال مادہ پر روغن کی ایک جھاگ اٹھتی جسکو چھانٹ چھانٹ کر بوتلوں میں جمع کرتے جاتے یہی چیز نفت تھی۔[۱]

دشمنوں پر اچھالنے کا طریقہ یہ تھا، کہ اوسکو شیشہ کی ایک خاص قسم کی بوتلوں میں (جنھیں اصطلاحاً قواریر کہا جاتا تھا) اونڈیل کر بند کرتے، اور پھر ان میں ایک گرز پیوست کرتے، اور میدان جنگ میں گھوڑوں پر سوار ہو کر ان گرزوں کو زور زور سے گھما کر ان بوتلوں کو دشمن کی صفوں پر پھینکتے جو وہاں پہنچکر چکنا چور ہو جاتیں، اور نفت کا وہ آتشیں مادہ صفوں کی صفیں برباد کر ڈالتا۔[۲]

دوسرا آتشیں مادہ نار یونانیہ تھا، یہ بالعموم بحری لڑائیوں میں استعمال کیجاتی تھی، اسکی سب سے بڑی خاصیت یہ تھی کہ وہ پانی میں نہیں بجھتی، اور زیر آب بھی کام کرتی تھی، چنانچہ بزنطی حکومت کے اکثر بیڑے صقلیہ کے عربوں نے اسی کے ذریعہ برباد کئے، موسیو لیبان کی تحقیق میں نار یونانیہ گندھک، گوند اور چربی وغیرہ جیسی جلنے والی چیزوں سے مرکب ہوتی تھی۔[۳]

لیکن یورپ کے ایک دوسرے محقق پروفیسر جارج یعقوب کی تحقیق میں نار یونانیہ اور نفت دونوں ایک ہی چیز ہیں،[۴] مگر عربی تاریخوں میں ان دونوں کے استعمال کا تذکرہ دو جداگانہ ناموں سے کیا گیا ہے،

صقلیہ کا اسلامی جھنڈا | صقلیہ میں اسلامی جھنڈا سبز رنگ کا تھا جس پر سیاہ برج بنا ہوتا،[۵]

---

[۱] آثار البلاد واخبار العباد قزوینی ص ۱۴۴ طبع ۱۸۴۸ء، [۲] الفتح القسی ص ۲۲۰، [۳] تمدن عرب ص ۴۳۹ و اخبار اندلس جلد ۲ ص ۲۵، [۴] مشرق کا اثر مغرب پر ترجمہ دراورنٹیل کالج میگزین نومبر ۱۹۲۶ء، [۵] تمدن عرب ص ۲۸۲،

محکمۂ فوج میں خبر رسانی کا اہتمام | صقلیہ کی اسلامی فوج میں خبر رسانی کے وسائل موجود تھے خصوصًا دشمنوں کے ملکوں میں اسلامی حکومت کے جاسوس کامیاب خدمات انجام دیتے تھے، مثلاً ۲۵۱ھ میں والی صقلیہ خفاجہ کو ایک بزنطی بیڑے کی قسطنطنیہ سے روانگی کے پیشتر اوس کی آمد کی خبر جاسوسوں سے مل گئی،

ابراہیم کے عہد میں بھی قسطنطنیہ میں مسلمان جاسوسوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، مسینا، قصریانہ اور نتینی کی فتح میں بھی مسلمان جاسوسوں کی خدمات کا ذکر آیا ہے،

مسلمان نامہ بر کبوتروں سے بھی پیغام بھیجتے تھے، چنانچہ مسلمانانِ جزیرہ برنسک نے عہدیہ پر نارمنوں کے حملہ کی خبر نامہ بر کبوتروں کے ذریعہ پہنچائی تھی،

اسیرانِ جنگ | جس زمانہ میں صقلیہ میں روم و عرب کی آویزش ہوئی، اس عہد کے بین الاقوامی دستورِ جنگ کے مطابق جنگ کے ایسے سپاہی جو گرفتار ہوتے، اور متحارب حکومت کسی معاہدہ کے رو سے اونھیں آزاد نہیں کراتی، وہ فتحیاب فوج کے غلام بنائے جاتے تھے، چنانچہ صقلیہ میں بھی اسی دستور کے مطابق ایسے رومی قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں رہ گئے، جنھیں متحارب حکومت بزنطی یا کسی دوسری ذمہ دار حکومت نے آزاد نہیں کرایا، اور انھیں غلامی کا طوق پہننا پڑا،

یہ رومی غلام فوج میں بحصہ رسد تقسیم کئے جاتے، اس تقسیم سے ایک بڑی تعداد حکومت کے قبضہ میں بھی رہتی، اور قدیم دستورِ غلامی کے بموجب ان کے آقاؤں کو ان پر وہ تمام حقوق حاصل ہوتے، جو اس عہد میں غلاموں کیلئے روا سمجھے جاتے تھے، چنانچہ ان کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی، اور صقلیہ اور اٹلی کے عیسائی قیدی، افریقہ، مصر، اور بغداد تک لیجا کر فروخت کئے جاتے تھے، چنانچہ جلد اول میں اٹلی کی اسلامی سلطنت کے بیان میں راہب برنارڈ کے سفرنامہ کے اقتباسات گذرے ہیں، ان میں تذکرہ آیا ہے، کہ چھ جہازوں میں ۹ ہزار عیسائی قیدی اٹلی سے روانہ کئے گئے، ان میں دو جہاز پہلے افریقہ گئے، جنھیں ۳ ہزار قیدی تھے، پھر دو جہاز ایسے ہی ٹیونس گئے، اور اس کے بعد دو جہاز اسی تعداد میں قیدیوں کو لیکر اسکندریہ روانہ ہوئے،

سفرنامہ برنارڈ کے مصحح مسٹر ٹامس رائٹ اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:۔

"جن مسیحی اسیروں کا ذکر برنارڈ نے کیا ہے، اور جو افریقہ و مصر میں غلامی کے لئے بھیجے جاتے تھے، وہی تھے، جو علاقہ بنی ونٹم پر تاختیں کر کے مسلمانوں نے پکڑے تھے، اون کی جو تعداد برنارڈ نے بتائی ہے، اوس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اسی طرح ٹھونس ٹھونس کے جہازوں میں بھردئے جاتے تھے، جسطرح حبشی غلام بھرے جاتے تھے۔"[۵۱]

لیکن مسٹر ٹامس رائٹ کا سخت ظلم ہے، کہ وہ محض قیدیوں کی کثرت تعداد سے ان کے ساتھ اوس وحشیانہ سلوک کے کئے جانے کا الزام لگا رہے ہیں، جو رومن عہد میں حبشی غلاموں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا، جہازوں کی تفصیل میں گذر چکا ہے، کہ عربوں کے جو جہاز صقلیہ میں چلتے تھے، وہ ایک سو چالیس چالیس ڈانڈوں سے چلائے جاتے تھے، اسی طرح ابن جبیر نے جہازوں کی وسعت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس سے یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ جہازوں میں قیدیوں کی غیر معمولی تعداد بھر دی جاتی تھی، اگر یہ امر واقعہ ہوتا، تو خود برنارڈ کے خاموش رہنے کی کوئی وجہ تھی وہ خود بھی اسکی طرف اشارہ کرتا،

علاوہ ازیں مسلمانوں نے صقلیہ کے ان قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوگا، جب یہ دیکھا جائے، کہ یہی قیدی افریقہ، مصر اور شام میں جا کر کیا سے کیا بنگئے،

حقیقت یہ ہے کہ:

غلاموں کے ساتھ سلوک اس قدیم دستور جنگ کے باوجود جس کے رو سے قیدیوں کا غلام بنایا جانا جائز تھا، اسلام نے غلاموں کے ساتھ جس حسن سلوک، اور شریفانہ برتاؤ سے پیش آنے کی تعلیمات اپنے پیروؤں کو دی تھی، اس کے خوشگوار نتائج بسا اوقات ان غلاموں کے حق میں ایسے ظاہر ہوئے کہ ان کی غلامی ان کے لئے ذریعہ عزت بن گئی، چنانچہ یہی باشندگان صقلیہ جو کبھی رومیوں کے غلام بنکر معمولی

---

[۵۱] سفرنامہ برنارڈ، در "صقلیہ میں اسلام" صفحہ ۴۴۔

تھیٹر میں درندوں کے شکار بنائے جاتے تھے جب وہ اپنے جدید فاتح قوم مسلمانوں کے یہاں پہنچے تو وہ کچھ سے کچھ ہوگئے، یہانتک کہ بعضوں نے ترقی کرکے حکومت کے اعلی منصبوں اور ذمہ دار عہدوں کو حاصل کیا،

صقلیہ کے رومی غلام اسلامی ممالک میں معزز عہدوں پر

ذیل میں ایسے چند صقلی غلاموں کے نام اور حالات درج ہیں، جنھوں نے اسلامی ملکوں میں توطن اختیار کرلیا، اور وہ علمی وسیاسی وملکی مرتبے حاصل کئے، جو فاتح قوم کو حاصل تھے،

جوہر صقلی کی مختصر سرگذشت یہ ہے، کہ اوسکو صارب صقلبی اپنے اون حملوں میں سے کسی ایک میں صقلیہ سے لیگیا، جو عہدِ فاطمیہ کے آغاز میں اوس نے صقلیہ واٹلی پر کئے تھے، صارب خود غلامی سے ترقی کرکے بلند مرتبہ پر پہنچا تھا، اوس نے جوہر کو ایک دوسرے خادم بخیران کے سپرد کیا، اوس نے اس کو ایک دوسرے خادم خفیف کے یہاں پہنچایا، اور خفیف نے اسکو المنصور کے دربار میں لاکر پیش کردیا جسکو رفتہ رفتہ ایسی سربلندی حاصل ہوئی، کہ دنیا میں **القائد ابو الحسن جوہر الصقلی فاتحِ مصر** کے نام سے مشہور ہوا

عہدۂ وزارت وسپہ سالاری

جوہر صقلی کو المنصور ہی کے عہد میں حکومت کے معاملات میں درخور حاصل ہوگیا تھا، اسکے بعد جب المعز کا دور آیا، تو اس وقت جوہر کے سپرد عہدۂ کتابت تھا، اور جوہر الکاتب کہا جاتا، پھر ۳۴۷ھ میں قلمدانِ وزارت سپرد کیا گیا، اسکے کچھ دنوں بعد سپہ سالاری کی خدمت تفویض ہوئی، اور ممتاز قائدین اسکے ماتحت کئے گئے، اور یہ مملکت فاطمی کی توسیع کیلئے لشکر جرار لیکر افریقہ روانہ ہوگیا، اور چند ہی دنوں میں اس کا ایک وسیع رقبہ زیر نگیں کرکے فاطمی مملکت میں داخل کیا، جس کے حدود تاہرت، فاس، سجلماسہ اور بحر محیط پر ختم ہوتے تھے،

سلہ عربی کی بعض تاریخوں مثلاً تاریخ دمشق ابن قلانسی وغیرہ میں جوہر و دیگر صقلبین یانس زیدان اور طارق وغیرہ کو صقلی کے بجائے "صقلبی" لکھا گیا ہے، لیکن یہ کوئی تضاد نہیں ہے، اگرچہ سمعانی اور ابن کلبی وغیرہ نے "صقلبی" سے نسبی انتساب مراد لیا ہے، اور صقلب بن یبطی بن یافث الخ کی طرف منسوب کیا ہے، (کتاب الانساب ورق ۳۵۴) لیکن پھر ابن کلبی نے

مصر کی فتح کیلئے جوہر کی روانگی اور اس کا اعزاز واکرام

جب المعز کو مصر کے فرماں روا کافور اخشیدی کے وفات پانے اور حکومت میں اختلال پیدا ہو جانے کی خبر ملی، تو اس کو مصر کی فتح کا خیال پیدا ہوا، اس غرض سے جوہر کو فوج کی فراہمی کیلئے مقرر کیا جس نے قبیلہ کتامہ کی ٹڈی دل فوج جمع کر لی، اور بربری لشکر اسی کی سرکردگی میں یوم شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۳۵۸ھ کو مصر روانہ ہوا، فوج کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے،

لشکر کی روانگی کے وقت شعرانے جوہر کی شان میں مدحیہ قصائد پیش کئے، اور المعز نے اسکو غیر معمولی اعزاز کے ساتھ رخصت کیا خلعت شاہانہ سے سرفراز کر کے مشایعت کے لئے خود فوج کے ہمراہ نکلا اور ایک شبانہ روز فوجی چھاؤنی میں مقیم رہا، جوہر کی قدر و منزلت کی یہ انتہا تھی، کہ اوس کے جاہ وجلال اور اعزاز واکرام کیلئے خود اسکو سواری پر سوار کیا اور ولی عہد افریقیہ خاندان شاہی کے تمام شاہزادوں افریقیہ کے امراء و معززین اور حکومت کے ممتاز عہدہ داروں کو اسکے مرکب میں ساتھ ساتھ پیادہ پا چلنے کا حکم دیا، اور راستہ کے عمال حکومت کے نام فرامین صادر کئے، کہ جوہر جہاں جہاں سے گذرے، وہ خود گھوڑے پر سوار رہے، اور عمال حکومت اسکی پیشوائی و مشایعت میں پیادہ پا چلیں، اور اوس کی دست بوسی کریں،

(بقیہ حاشیہ ص گذشتہ) نسبی انتساب کے علاوہ قومی و وطنی انتساب کی صحت بھی تسلیم کی ہے، اور لکھا ہے "رومی و صقلبی وارمنی وافرنجی اخوۃ" یعنی رومی صقلبی، ارمنی اور افرنجی ہم معنی ہیں، ابن خلکان لکھتا ہے، الصقلبی هذه النسبة الی الصقالبة وهم جنس من الناس یجلب منهم الخدام صقلبی صقالبہ کی طرف منسوب ہے، یہ لوگوں کی ایک قسم ہے جو خدمت گذاری کا پیشہ کرتے ہیں، (ج اص ۱۵۶، ترجمہ ابوالفتوح برجوان) اور جن صقلبیوں کے قدیم وطن کی تصریح کیگئی ہے، وہ بالعموم یورپ ہی کے کسی حصہ میں واقع ہیں اسلئے صقلی و صقلبی میں تضاد نہیں ہے، اگرچہ ہر صقلبی کا صقلی ہونا ضروری نہیں، اسلئے ہم نے صرف اسی "صقلبی" کو "صقلی" تسلیم کیا ہو جنکو کسی مورخ نے بہ تصریح "صقلی" بھی لکھا ہے،

یہ تھی صقلیہ کے اُس قیدی کی عزت افزائی جو اسیر جنگ ہو کر غلام بنا، اور دست بدست فروخت ہو کر در بدر پھرا اور چند ہی دنوں میں اس مرتبہ پر جا پہنچا،

مصر میں جوہر کے ہاتھوں دولت فاطمی کا آغاز، جوہر نے مصر فتح کرکے ۱۵ شعبان ۳۵۸ھ کو مصر میں المعز کی حکومت کا اعلان کیا ماہ جمادی الاولی ۳۵۹ھ میں جامع طولون میں نماز ادا کی اور اسی دن اذان میں پہلی مرتبہ "حیّ علیٰ خیر العمل" کا اضافہ کیا، اور اس کے ساتھ اوس نے مصری حکومت کا سرکاری مذہب شیعہ قرار دیا،

بنائے قاہرہ یوں تو جوہر کے ہاتھوں جب مصر کی زمام حکومت آئی اس سلسلہ میں اسکے بکثرت اہم واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں، لیکن اسکے ایسے کارنامے جو صفحۂ عالم پر لازوال ہیں، ان میں سے مصر کے مشہور شہر قاہرہ کی بنا ہے، اس کی بنیاد اس نے ماہ جمادی الاخری ۳۵۹ھ میں ڈالی، اس کی بنا کے وقت اسکی وہی حیثیت تھی، جو صقلیہ میں بلرم کے پہلو میں خالصہ کی، قاہرہ کی بناو تاسیس کی تفصیلی سرگذشت مقریزی نے خطط مصر میں لکھی ہے،

جامع ازہر جوہر کا دوسرا لائق ذکر کارنامہ **جامع ازہر مصر** کی تعمیر ہے جس نے آگے چل کر ایک عظیم الشان دینی درس گاہ کی عظمت حاصل کی، اور آج بھی اسی طرح موجود ہے، اسکی تعمیر ۲۴ جمادی الاولی ۳۵۹ھ کو شروع ہوئی، اور ۹ رمضان ۳۶۱ھ کو تکمیل کو پہنچی، جوہر نے جامع ازہر کی مقدس رواق کے قبہ پر ایک عبارت بھی بطور یادگار کندہ کرائی، وہ عبارت بسم اللہ کے بعد حسب ذیل ہے:

"امر ببنائه عبد الله و وليه ابو تميم معد الامام المعز لدين الله امير المومنين صلوات الله عليه و على آبائه و ابنائه الاكرمين على يد عبده **جوهر الكاتب الصقلي** و ذالك فى سنة ستين و ثلثمائة"

شام و حجاز پر جوہر کا اقدام اور خلافت فاطمی کو مصر میں منتقل کرانا جوہر نے قاہرہ کی تعمیر کے بعد المعز کو قاہرہ کے دار الخلافت

قرار دینے کی ترغیب دی، لیکن اوس نے اسوقت یہ دعوت قبول نہ کی، جوہر المعز کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا، اور خطباء عمال و قضاۃ وغیرہ مقرر کر دئے، ہفتہ میں ایک دن وہ خود بھی داد رسی کیلئے بیٹھتا تھا، پھر فتوحات کا سلسلہ بڑھایا، ور ۳۶۱ھ تک اوس نے مصر کے علاوہ شام و حجاز پر بھی قبضہ کر لیا، اسکے بعد جوہر کو اپنی دعوت پیش کرنے کا مزید موقع ملا، اور بالآخر اوس کے اصرار سے المعز ترک وطن کر کے قاہرہ میں آکر آباد ہو گیا، اس طریقہ سے جوہر کی تحریک سے اس کا نو تعمیر شہر صدیوں کے لئے دار الخلافت بن گیا، اور جو آج بھی مصر کا پایۂ تخت ہی، جوہر نے المعز کے آنے کے بعد مصر و شام و حجاز کی عنانِ حکومت اسکے سپرد کر دی، اوس نے ۴ سال ۲۰ یوم حکومت کی،

وفات جوہر نے ۳۸۱ھ میں وفات پائی،

صقلیہ کے اس اسیرِ جنگ غلام کی شخصیت و ہردلعزیزی کا یہ عالم تھا، کہ اوس کی وفات کے بعد بقول ابنِ عذاری و ابنِ خلکان کوئی شاعر ایسا نہ تھا جس نے اس کا مرثیہ نہ کہا ہو، اور مشرق و مغرب میں اسکی فتوحات کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

جوہر کے لڑکے جوہر کے بعد اس کے لڑکوں کو بھی اعزاز و اکرام عطا ہوا اور وہ معزز عہدوں پر سرفراز ہوئے بڑا لڑکا حسن بن جوہر الحاکم کے عہد میں قائد القواد اور وزیر اعظم تھا، اور دوسرے لڑکے قائد ابو عبد اللہ حسین بن جوہر کو مختلف ممالک برقہ، و طرابلس الغرب وغیرہ کی عنانِ حکومت دیگئی،[1]

یانس صقلی خلیفہ فاطمی العزیز کے درباریوں میں تھا، الحاکم بامر اللہ نے سریر آرائی کے وقت اسکو خلعت سے سرفراز کیا، اور یہ اس کے مقربین میں بھی شامل ہو گیا، پھر صوبہ برقہ کا والی بنایا گیا۔ اس کے بعد جب ۳۹۰ھ میں طرابلس الغرب کے حاکم نے اپنی خدمت سے سبکدوشی چاہی

---

[1] خطط مصر جلد ۲ ص ۲۰۵،۱۰۹، جلد ۴ ص ۹۴، تاریخ مغرب ابن عذاری، (ترجمہ اردو) ص ۲۴۲، تاریخ قضاعی دراماری ص ۱۹۷، ابن خلدون جلد ۴ ص ۴۴،۴۴، ۵۸،۵ ، ۵۹، ابن خلکان جلد ا ص ۲۰۹ ترجمہ جوہر و جلد ۲ ص ۴۷۵ ترجمہ المعز

الحاکم بامر اللہ نے اوسکی جگہ یانس صقلی کو فرمان ولایت دیکر طرابلس بھیج دیا، طرابلس اگرچہ افریقیہ میں واقع تھا لیکن وہ حکومت صنہاجی سے آزاد رکھکر حکومت مرکزی مصر کے ماتحت رکھا گیا تھا مگر یہ فرمانروائے افریقیہ کو ناگوار تھا، وہ طرابلس پر بھی اپنا ایک گونہ اقتدار قائم رکھنا چاہتا تھا،

چنانچہ جب یانس طرابلس پہنچا، تو بادیس صنہاجی نے یانس سے فرمان ولایت طلب کر بھیجا، طرابلس اگرچہ ایک چھوٹا صوبہ تھا لیکن اپنے مرتبہ میں حکومت افریقیہ کے مساوی تھا اس لئے اصولاً بادیس کو یانس سے فرمان طلب کرنے کا کوئی استحقاق نہ تھا، چنانچہ یانس کو یہ ناگوار گذرا، اور اوس نے درشت لہجہ میں جواب میں دیا:-

"میں امیر المومنین کی جانب سے نائب بنا کر بھیجا گیا ہوں، میری شخصیت اس سے بلند ہے کہ تصدیق کیلئے فرمان دیا جائے الحاکم کی سلطنت میں میرا جو وقار ہے، اسکے یہ منافی ہو کہ مجھ ایسے شخص سے عہدہ ولایت کا تصدیق نامہ طلب کیا جائے"؛

بادیس نے اس کے جواب میں تین صورتیں پیش کیں، یا تو فرمان تقرر ارسال کیا جائے، یا خود حاضر ہو کر تشفی بخش جواب دے، ورنہ تلوار اس کا فیصلہ کر دے گی، یانس نے جواب دیا:-

"اور تم تک پہنچا، تو اسکی کوئی سبیل نہیں، اور فرمان ولایت تو میں اس سے زیادہ بلند ہوں، کیونکہ میں امیر المومنین کا نائب ایک ایسے صوبہ (برقہ) پر تھا، جو طرابلس سے بڑا ہے، اور تیسری صورت تو تمھیں نقل و حرکت کر کے مجھ تک پہنچنے کی ضرورت نہیں، میں خود پیشقدمی کر کے تم سے ملتا ہوں اور جنگ کرتا ہوں"

لیکن یانس کا یہ عاجلانہ فیصلہ تھا، خواہ وہ اصولاً برسر حق ہو تاہم اس وقت وہ ایک مختصر صوبہ کا والی تھا جسکو افریقیہ سے کوئی نسبت نہ تھی، چنانچہ اسکی پیش قدمی و کرکے افریقی لشکر نے اسے شکست دی، اور زندہ گرفتار کر کے سرتن سے جدا کر دیا[1]

[1] اخبار مصر ابن میسر ج ۲ ص ۵۳ طبع قاہرہ، رحلۃ التیجانی در ا ماری ص ۳۰۶، ۳۰۷

یہ ایک صقلیہ نژاد غلام کی خودداری احساسات کا ایک نمونہ ہے کہ اُسنے اپنی عزتِ نفس پر جان گنوا دینے سے بھی دریغ نہیں کیا،

بشری الصقلی، ابو القاسم القائم بامر اللہ کا خادم تھا، رفتہ رفتہ سپہ سالاری کے عہدہ تک پہنچا، جب القائم بامر اللہ کے خلاف ابو یزید زناتی نے فوج کشی کی، تو بشری الصقلی نے نمایاں خدمات انجام دئے، تیجانی نے اپنے سفرنامہ میں اسکے کارنامے تفصیل سے بیان کئے ہیں[1]،

زیدان صقلی، ۳۹۲ھ میں طرابلس کے عہدۂ ولایت پر مامور تھا لیکن اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکام رہا، پھر الحاکم کے مقربین خاص میں داخل ہوا، اور بالآخر ۳۹۳ھ میں اسی کے ہاتھوں قتل ہوا، مصر میں اس کا ایک باغ زیدانیہ یادگار تھا[2]،

قیصر صقلی، المعز لدین اللہ کے عہدِ حکومت میں صوبہ باغایہ کی ولایت پر مامور تھا[3]

مظفر صقلی، المعز کے عہد میں جوہر کے ماتحت فوج کا ایک معزز افسر تھا، پھر ترقی کرکے اسکے مقرب درباریوں میں داخل ہوگیا[4]،

فائد طارق صقلی، المستنصر کی طرف سے ۴۴۸ھ میں دمشق کا والی بنا کر بھیجا گیا، وہاں ناصر الدولہ حسن بن حسین بن حمدان مستولی تھا، اس نے حسن کو گرفتار کرلیا، اور زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، پھر المستنصر نے ۴۴۹ھ میں ایک دوسری خدمت اسکے سپرد کی[5]،

نصیر الصقلی، المعز کے عہد میں معزز عہدہ دار تھا، جب وہ ترک سکونت کرکے مصر روانہ ہونے لگا، تو المعز نے اسکو صوبہ باغایہ کی ولایت پر بھیجا،

ص ۳۵۷

[1] رحلۃ التیجانی در اماری ص ۴۱۵ و کتاب مراۃ الزمان سبط ابن جوزی در اماری ص ۳۲۶، [2] تاریخ مغرب ابن عذاری و ذیل تاریخ دمشق ابن قلانسی ص ۲۵۵ بحوالہ خطط مقریزی و تاریخ ذہبی ذیل تاریخ دمشق کے مصحح کی تحقیق میں اسکا صحیح نام ریدان ہے، [3] ابن خلدون جلد ۴ ص ۴۶ [4] کتاب المونس ص ۶۱ و ابن خلدون جلد ۴ ص ۶۱ [5] رحلہ تیجانی در اماری ص ۳۷۵،

باسیل الصقلی، بھی المعز کے عہد میں تھا، اس نے اسکو شہر سرت کی ولایت تفویض کی تھی[۱]

طرفۃ الصقلی، اندلس کے المظفر عامری کے ممتاز درباریوں میں تھا، رفتہ رفتہ وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز ہوا، لیکن پھر درباری سازشوں کا مقابلہ نہ کر سکا، اور ۳۹۵ھ میں تہ تیغ کیا گیا[۲]

صقلیہ کے عیسائی اسلامی حکومت کے ماتحت

صقلیہ کے عیسائی اسلامی حکومت کے ماتحت جس امن و امان اور معاشرتی، تمدنی اور مذہبی آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، اس کا تذکرہ یورپ کے مورخین نے مداحانہ کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ صقلیہ کی عیسائی رعایا، اسلامی حکومت کے عہد میں عیسائی حکومت بزنطی کے عہد سے زیادہ مرفہ الحال و فارغ البال تھی، موسیو لیبان نے عیسائیوں کی عدالت، اور عیسائیوں پر اسلامی حکومت کے محاصل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ اس سے پہلے گذر چکا ہے، اسی طرح عیسائیوں کی عام مذہبی آزادی کے متعلق وہ لکھتے ہیں :-

"عربوں کی حکومت میں عیسائیوں کو مذہب، رسم و رواج اور قانون کی پوری آزادی ملی، کرّاوین ایک عیسائی راہب جو پلرمو کے کلیسا سینٹ کیاتھرین کا قسیس تھا، لکھتا ہے، کہ پادریوں کو پوری آزادی تھی، کہ وہ اپنا مذہبی لباس پہنکر بیماروں کو تسلی دینے کیلئے جایا کریں، ایک دوسرا قسیس مورد کولی بیان کرتا ہے، کہ مسینا میں عام رسوم مذہبی کے وقت دو جھنڈے کھڑے ہوتے تھے، ایک جھنڈا مسلمانوں کا...... اور دوسرا عیسائیوں کا جس پر سرخ زمین پر سنہری صلیب بنی ہوئی تھی، فتح کے وقت جتنے کلیسے موجود تھے، قائم رکھے گئے تھے، البتہ اندلس کی طرح نئے کلیسے بنانے کی

---

[۱] کتاب المونس صہ ۶۱، [۲] البیان المغرب جلد ۲ صہ ۲۴، ۲۵، ۲۶، طبع پیرس ۱۹۳۰ء

یہاں اجازت نہ تھی۔"[1]

اسی طرح مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:-

"صقلیہ کے عیسائی باوجود تعصب و مذہبی و قومی مخالفت کے، اور باوجود اس کے کہ وہ اپنے دشمنون کے ہاتھوں شدید ترین نقصانات اٹھاتے تھے، وہ مسلمانون کی عادلانہ حکومت کو اچھی نظر سے دیکھنے لگے تھے خصوصاً قسطنطنیہ کی طماع و جابر حکومت کے مقابلہ میں، گو مسلمانون کی غیر مسلم رعایا کی حالت بہ نسبت مسلمان رعایا کے اچھی نہ تھی مگر جب "رعایائے بیزنطین" اپنی حالت کا مسلمانون کی عیسائی رعایا کے حالات سے موازنہ کرتے، تو اپنے کو ناخوشگوار حالات میں پاتے، اور مسلمانوں کی عیسائی "رعایاؤں" پر رشک کرتے، مسلمانون نے جو محاصل لگائے تھے، وہ قانون کے روسے مقرر تھے جنہیں کمی بیشی نہیں ہوسکتی تھی، وہ مداخلت کے خوف و خطرہ کے بغیر اپنے مذہبی مراسم ادا کرسکتے تھے، اور اپنی ہی تمدنی حالت پر قائم رہ سکتے تھے۔"[2]

---

[1] تمدن عرب ص ۲۰۲ [2] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۳۴

معیشت،

انسانی زندگی کا بڑا حصہ مادّی ضروریات کی فراہمی میں صرف ہوتا ہی اسلئے کسی ملک کے تمدنی حالات کا صحیح اندازہ وہاں کی معیشت کے مطالعہ سے ہوسکتا ہی،

انسان اپنی معاشی زندگی میں قدرت کے دین اور بخششوں کا سب سے زیادہ محتاج ہے، اس لئے جو قدرتی سامان ملک میں موجود ہوں، معیشت کے حاصل کرنے میں سب سے پہلا مدار اونہی پر ہوتا ہے انسان اپنی جودت و ذہانت سے ملک کے قدرتی سامان میں ترمیم کرکے اونھیں کارآمد بناتا ہے، اس سے دولت کی پیدایش کی مختلف صورتیں نکلتی ہیں، پھر دولت کی پیدایش کے وسائل آمد و رفت کے ذرائع، اور مبادلہ وغیرہ کی صورتوں میں اختیار کئے جاتے ہیں، اون کے بعد دولت کی تقسیم کی باری آتی ہے، پھر دولت کے صرف کرنے کے مواقع ہاتھ آتے ہیں، ہمیں اسی ترتیب و تقسیم کے ساتھ صقلیہ کے اسلامی عہد کے معاشی حالات بیان کرنے ہیں،

قدرتی ذخائر و اشیاء

ملک کے قدرتی ذخیروں میں آب و ہوا، کوہ و دشت، معادن، نباتات، اور حیوانات وغیرہ کو شمار کیا جاتا ہے،

آب وہوا — صقلیہ کی آب وہوا بحر روم کی آب وہوا کے مانند ہے، گرمی سردی کے درجوں میں کم فرق ہے، وسط جنوری میں یہاں کا درجۂ حرارت ۵۱ ½ درجہ ہوتا ہے، نشیبی مقامات میں پالا پڑتا ہے، لیکن اس کا سلسلہ چند گھنٹوں سے زیادہ قائم نہیں رہتا، سب سے زیادہ پالا کوہ اٹنا پر پڑتا ہے، یہاں اس کا سلسلہ جولائی تک قائم رہتا ہے، سالانہ بارش سوائے اونچے پہاڑی مقاموں کے کہیں ۳۰ انچ سے زیادہ نہیں ہوتی، بارش عموماً جاڑوں میں ہوتی ہے، جون، جولائی اور اگست کے مہینے تقریباً خشک رہتے ہیں، ان مہینوں میں ۱۲ انچ سے زیادہ بارش نہیں ہوتی، گرمیوں میں بہت سے دریا خشک ہوجاتے ہیں، شمالی ساحل پر باد سموم چلتی ہے، جو مضرت رسان گرم اور خشک کرنے والی ہوتی ہے، اس موسم میں مطلع غبار آلود ہوجاتا ہے، اپریل میں اوس کے جھونکے تیز ہوجاتے ہیں، مئی اور ستمبر میں بھی جھونکے آجاتے ہیں، اس کا ایک ایک طوفان تین تین دن تک قائم رہتا ہے[۱]، شاید ابن حوقل ایسے ہی موسم میں صقلیہ پہنچا ہو، وہ یہاں کی آب وہوا کا سخت شاکی ہے، اس کے خیال میں یہاں اس قدر خشکی پیدا ہوتی ہے، کہ یہاں کے باشندوں کی دماغی حالت پر اثر پڑتا ہے، اور اس سے ان کے اخلاق وعادات متاثر ہوتے ہیں[۲]، یہ باد سموم عہد اسلامی میں کبھی کبھی نہایت سخت مضر اثرات دکھاتی تھی[۳]،

کوہستانی سلسلے — جغرافیہ طبعی کے بیان میں گذر چکا ہے، کہ یہاں پہاڑی سلسلوں کا ایک وسیع جال پھیلا ہوا ہے، یہاں پہاڑوں کے دو سلسلے بڑے اور وسیع ہیں، ایک شمال مشرق میں کوہ اٹنا کا سلسلہ ہے جسکو عرب جبل النار کہتے ہیں، دوسرا سلسلہ اس سے کچھ دور پر شمال میں نظر آتا ہے، اور یوں تو پورے جزیرہ میں کوہستانی علاقے ہیں لیکن ان پہاڑیوں کی بلندی ایسی نہیں ہے، کہ انھیں پلیٹو سے زیادہ لقب دیا جاسکے[۴]،

کوہ اٹنا — کوہ اٹنا صقلیہ کا مشہور آتش فشاں پہاڑ ہے، اس کی آتش فشانی عہد اسلامی میں جاری تھی، دن

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا جلد ۵۲ ص ۲۰، [۲] معجم البلدان ج ۵ ص ۵، [۳] تاریخ صقلیہ من حین دخلہا المسلمون دراماری ص ۱۰۰، [۴] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۲۵ ص ۲۱ طبع یازدہم،

کو دھواں اور شب کو آگ نکلتی رہتی تھی، یہ جزیرہ کے مشرقی ساحل پر قطانیہ اور طبرمین کے درمیان واقع ہے، اسکی بلندی موجودہ مساحت کے رو سے ۱۰۸۷۰ فٹ ہے[1]، یہ اپنی بلندی کے لحاظ سے صقلیہ کا سب سے بڑا پہاڑ ہے اسکے ساتھ یہ یورپ میں سب سے بڑے کوہ آتش فشاں کی حیثیت رکھتا ہے، سمندر سے بہت قریب ہے، اسکی بلندی پر برف بھی رہتی ہے[2]،

کوہ اٹنا و برکان عرب جغرافیہ نویسوں کی نگاہ میں، عرب مورخین اور جغرافیہ نویسوں کو کوہ اٹنا سے بڑی دلچسپی رہی ہے، اس کے متعلق مختلف دلچسپ روایتیں لکھی ہیں، اگرچہ دور حاضر میں علم طبقات الارض کے مختلف نظریوں، تجربوں، اور تحقیقاتوں سے کوہ آتش فشاں کے دہانہ اور اوس سے نکلنے والے لاوے کے متعلق بہت کچھ معلوم ہوچکا ہے تاہم اُن پارینہ داستانوں سے اوس زمانہ کے مشاہدات وخیالات کا پتہ چلتا ہے،

عرب جغرافیہ نویسوں میں سے یاقوت اور قزوینی وغیرہ نے فقیہ ابوعلی حسن بن یحیٰی کی تاریخ صقلیہ دیکھی تھی، کوہ اٹنا کے متعلق ان کے بیانات اسی سے ماخوذ ہیں، لکھتے ہیں:۔

"کوہ آتش فشاں قطانیہ اور طبرمین کے قریب مصقلہ کے درمیان ساحل پر واقع ہے، اسکی مسافت تین دن کی ہوگی، اس کی آتش فشانی کے باوجود اس پر سرسبز درخت نکلتے ہیں، درختوں میں فستق بندق، صنوبر اور آرزق ہیں، اسکے آس پاس بہت سے ایسے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں جو متقدمین کی عظمت کی یاد تازہ کرتے ہیں، اور پتہ چلتا ہے کہ یہ مقام نہایت کثرت سے آباد تھا، کہا جاتا ہے، کہ صرف "امبراطورشاہ طبرمین" کے عہد میں یہاں کے ایک ہزار سپاہی ایک جنگ میں کام آئے تھے، اب اسکے دہانے سے دھواں نکلتا رہتا ہے، اور آگ بھی ہمیشہ برستی رہتی ہے، جسکی وجہ سے کوئی اسکے قریب جانے کی جرأت نہیں کرسکتا، لیکن یہ عجیب بات ہے، کہ اگر کوئی شخص اس شعلہ بار مادہ کو ہاتھ میں

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۲۵ ص ۲۱ طبع یازدہم، [2] اسٹوری آف دی نیشنس جلد ۳ ص ۱۵۱،

اٹھائے، تو وہ فوراً ٹھنڈا ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ پہاڑ سے نکل کر جسقدر دور پہنچکر گرتا ہے، سب کو خاک سیاہ کر دیتا ہے، اور زمین نہایت سخت لوہے کے مانند ہو جاتی ہے، اس میں نہ زراعت ہو سکتی ہے، اور نہ جانور چل پھر سکتے ہیں، شعلہ باری کے دن کو لوگ "یوم اجابت" کہتے ہیں[۱]

ابو حامد محمد بن عبد الرحیم بن الربیع القیسی الغرناطی صاحب کتاب تحفۃ الالباب و نخبۃ الاعجاب ابو القاسم ابن الحاکم الصقلی سے نقل کرتا ہے:-

"اس کے شعلوں کی روشنی، افریقہ تک پہنچتی ہے، اسلئے اسکی آتش نشانی کے وقت اس رقبہ کے اندر کسی کو روشنی لیکر چلنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اسکی شعاعیں مشعل کا کام دیتی ہیں، بلکہ ایسے موضعوں پر اردگرد کے دیہاتوں میں روشنی جلائی نہیں جاتی ہے، اس کی شعاعیں اسقدر تیز ہوتی ہیں، کہ باشندوں کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی ہیں"

ابو علی حسن بن یحییٰ کی روایت ہے:-

"اسکی آگ سے روئی کے گالوں کے مانند چنگاریاں اڑ اڑ کر خشکی اور سمندر میں گرتی رہتی ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو ٹکڑے پانی میں گرتے ہیں، وہ نہایت سیاہ ٹھوس پتھر بنجاتے ہیں، جو ان جھانوں کی طرح ہوتے ہیں جن سے جسم کا میل نکالا جاتا ہے، اور یہ پتھر بھی اس کام میں لائے جاتے ہیں، لیکن جب یہ شعلے بلند ہو کر کسی پتھر یا ریت پر گرتے ہیں، تو وہ بھی اسکی تپش سے اس قدر جل اٹھتے ہیں، اور ان میں ایسی تیزی آجاتی ہے، جیسے روئی کی گانٹھ میں آگ لگ گئی ہو، پھر جلتے جلتے بلند ہونا شروع ہوتے ہیں، اور یہاں تک کہ بہ سے زیادہ باریک ہو کر فضا میں چھا جاتے ہیں، اور یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے، کہ ان شعلوں کا اثر کپڑوں اور گھاس پھوس پر نہیں پڑتا، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے، کہ اسکی آگ جاندار مخلوق اور پتھر کے علاوہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی، گویا کہ یہ دوزخ کی وہ آگ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَقُودُهَا النَّاسُ

---

[۱] معجم البلدان ج ۵ ص ۴، ۳، ۵، ۴، ۳، کتاب عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات در اماری ص ۱۳۹،

وَالحِجَارۃ[۵۱] (اور اس کے ایندھن انسان اور پتھر ہیں")

صقلیہ میں حکومت اسلامی کا جو زمانہ گذرا ہے، اسمیں اس پہاڑ کی آتش فشانی جاری تھی، اور اس عہد کے مورخین کی روایت کے بموجب ہر دس برس میں ایک مرتبہ اسکی آتش فشانی ہوتی تھی جس کا سلسلہ چار مہینوں تک قائم رہتا تھا، مقدسی (۳۷۵ھ) لکھتا ہے:۔

"صقلیہ میں ایک پہاڑ ہے جس سے ہر دس برس میں ایک مرتبہ چار مہینوں تک آتش فشانی ہوتی ہے[۵۲]"

اسی سبب سے مذکورۂ بالا قسم کی افواہیں شہرت رکھتی ہیں، علی بن ابی بکر ہراوی اپنی کتاب الاشارات فی معرفۃ الزیارات میں ایک دوسری روایت لکھتا ہے:۔

"مجھ سے صقلیہ کے بعض اہل علم نے بیان کیا، کہ انھوں نے اس پہاڑ سے ایک سرمئی رنگ کے پرندے کو نکلتے دیکھا، جو اُس کے اوپر برابر پرواز کرتا رہا، اور پھر اس کے دہانہ میں واپس چلا گیا"

لیکن سنجیدہ عرب اہل علم نے ان روایات کو قبول نہیں کیا ہے، چنانچہ ہراوی نے جو صقلیہ جا چکا تھا، اور بچشم خود اسکو دیکھا، مذکورۂ بالا واقعہ لکھ کر اسکی یوں تغلیط کی:۔

"لیکن میں، تو میں نے سوائے ان سیاہ پتھروں کے کوئی چیز نہیں دیکھی، جو اس سے نکل نکل کر سمندر میں گرتے رہتے ہیں، یہ پتھر اُس پتھر کے مثل ہوتا ہے جس سے لوگ پاؤں صاف کرتے ہیں[۵۳]"

عرب مورخین اور جغرافیہ نویس لکھتے ہیں، کہ اس کی بلندی پر ابر و باد چھایا رہتا ہے، چٹانیں برف سے ڈھکی رہتی ہیں جو موسم گرما میں بھی نہیں پگھلتی، اور جاڑوں میں تو سراپا برف کا پہاڑ معلوم ہوتا ہے، باوجود یکہ اس کے شعلے گاؤں کے گاؤں جلا کر خاکستر کر ڈالتے، لیکن خود اس کے دامن میں سرسبز و شاداب درخت

---

[۵۱] کتاب تحفۃ الالباب و نخبۃ الاعجاب در اماری ص ۵۱، [۵۲] احسن التقاسیم ص ۲۴۱،

[۵۳] کتاب الاشارات فی معرفۃ الزیارات در اماری ص ۵۲

پرورش پاتے تھیں اور اسکا یہی اعجوبہ روزگار تماشا تھا، جسکی وجہ سے یہ زمانہ قدیم سے چار دانگ عالم میں مشہور تھا، حکمائے یونان اس کے عجائب کی سیر کیلئے دور دراز کا سفر کرتے، اور آتش سیال، اور برودت منجمد کا اجتماع ضدین دیکھتے،

زمانہ قدیم میں لوگ اس کو سونے کی کان بھی سمجھتے تھے، اسلئے رومی اس کو "جبل الذہب" سے بھی موسوم کرتے تھے[۵۱]،

کوہ برکان اگرچہ جزیرۂ صقلیہ سے الگ جنوب مشرق میں بہ روایت ادریسی ۱۵ میل پر جزیرۂ برکان میں ہے، لیکن عرب جغرافیہ نویس اس جزیرہ کو صقلیہ ہی کے حدود میں داخل سمجھتے ہیں،

کوہ برکان کی آتش فشانی کی صورت کوہ اتنا سے مختلف تھی، اُس کی آتش فشانی تو کبھی کبھی ہوتی تھی لیکن جب اس کا دہانہ کھلتا تھا، تو دہکتے ہوئے پتھر نکلتے تھے، اور ہولناک گرج، کڑک اور چمک سے فضا گونج اوٹھتی تھی[۵۲]، مشہور یونانی فلسفی فرفریوس مصنف کتاب ایساغوجی اسی میں نذر آتش ہوا اس پہاڑ کے متعلق بھی بہت سی روایتیں مشہور ہیں، قدیم عرب مورخ مسعودی لکھتا ہے،

"اس میں سے انسانی جسم کی طرح کے پیکر ناری نکلتے ہیں، اور ہوا میں پرواز کرکے سمندر کی لہروں میں گر کر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، اور سرد ہونے کے بعد سفید پتھر بنجاتے ہیں، جن سے کتابت کے وقت قلم سے حروف چھیلے جاتے ہیں[۵۳]"

جس زمانہ میں ابن جبیر یہاں پہنچا، (۵۸۰ھ) دن کے وقت اس سے دھواں اور شب میں شعلے

---

[۵۱] معجم البلدان جلد ۵ ص ۸۵۰، و کتاب عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات درامار ی ص ۱۳۹، [۵۲] رص ۲۳۵ و عجائب المخلوقات قزوینی درامار ی ص ۱۳۹، [۵۳] نزہۃ المشتاق ص ۱۰، [۵۴] مروج الذہب مسعودی،

نکلتے تھے، اوس نے کوہ برکان اور کوہ اٹنا دونوں کے حالات ساتھ لکھے ہیں، لکھا ہی،

"کوہ آتش فشاں اسی جزیرہ میں ہے، وہ اس قدر بلند ہے کہ بارہوں مہینے بادلوں سے کُہر اور برف سے عمامہ باندھے رہتے تھے"

اس کے بعد آگے چلکر لکھتا ہے، :-

"ہمارے دائیں طرف سمندر میں نو جزیرے ٹاپوؤں کی طرح نظر آئے، یہ ٹاپو اونچے اونچے پہاڑ ہیں جو جزیرہ کی خشکی کے قریب ہیں، ان میں سے دو پہاڑوں سے ہمیشہ آگ نکلتی رہتی ہے ہم نے دن کی روشنی میں دھوواں اٹھتا دیکھا، اور رات کو سُرخ آگ نکلتی دکھائی دیتی ہے جس کے شعلے فضا میں چڑھ جاتے ہیں، اور یہی برکان کے نام سے مشہور ہے، ہمیں بتایا گیا کہ آتش فشاں کے دہانے سے گرم بخارات بڑی قوت سے نکل کر آگ بنجاتے ہیں کبھی کبھی بڑے بڑے پتھر ان بخارات کے ساتھ فضا میں چڑھ جاتے ہیں، اور فضا میں ان کی قوت سے گھومتے رہتے ہیں، گھنٹوں نیچے نہیں گرتے، سنی ہوئی صحیح باتوں میں سے یہ ایک عجیب واقعہ ہے، اور جزیرہ کا وہ عظیم الشان کوہ آتش فشاں جو جبل النار، (کوہ اٹنا) کہا جاتا ہے، تو اسکی بھی حالت حیرت انگیز ہے، وہ یہ کہ اسمیں سے کسی سال آگ نکل کر سیلاب کی طرح بہتی ہے، جدھر سے گذرتی ہے، ہر چیز کو جلا دیتی ہے یہانتک کہ بہتی ہوئی سمندر میں گر جاتی ہے، سطح سمندر پر بھی یہ آگ تھوڑی دیر جلتی رہتی ہے، اسکے بعد تہ نشیں ہو جاتی ہی، خدا کی کیا شان ہے، جو اپنی مخلوقات میں طرح طرح تصرفات دکھاتا ہی"[۱]

دوسری پہاڑیاں، کوہ آتش فشاں کے بعد بلندی کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابلِ ذکر کوہ ایرکس (ERYX) ہے، جو کوہ سین گولینو (San Giuliano) بھی کہا جاتا ہی، یہ شمال مغرب کے گوشہ میں واقع ہے، اسکی بلندی ۲ ہزار فیٹ سے زیادہ نہیں،[۲]

---

[۱] رحلہ ابن جبیر ص۳۳۲، [۲] اسٹوری آف دی نیشنس جلد ۳۱ (سسلی) ص۱۰،

عرب جغرافیہ نویس اسکو جبل حامد کہتے ہیں، ادریسی اور ابن جبیر وغیرہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے، یہ پہاڑ اپنی جغرافی حیثیت سے اہمیت رکھتا تھا، جزیرہ میں دشمن فوجوں کے داخل ہونے کا ایک راستہ یہ بھی تھا، چنانچہ ابن جبیر نے اس کے تذکرے کے بعد اسی راستہ سے مسلمانوں کے دوبارہ داخل ہونے کی دعا کی ہے، رومیوں نے اس پر ایک مستحکم قلعہ تعمیر کیا تھا، قلعہ اور پہاڑی کے درمیان ایک پل بنا ہوا تھا، جنگ کے موقعوں پر پل کو توڑ ڈالتے تھے، اور حفاظت کے لئے ہر طرف خندق کھودی گئی تھی، پہاڑی کی بلندی کچھ بہت زیادہ نہیں تھی، ہر طرف سے چڑھ سکتے تھے، سطح بھی اسقدر ہموار اور مٹیالی تھی، کہ عمدہ زراعت ہوسکتی تھی، پہاڑ سے کثرت سے چشمے جاری تھے، ابن جبیر نے اس میں چار سو سے زیادہ چشمے بہتے دیکھے،[1]

دوسرا سلسلہ کوہ پیلوریٹن (Monti Peloritani) ہے جو شمال مشرق میں واقع تھا، اسکی بلندی ۴ ہزار فٹ سے زیادہ نہیں ہے، کوہ نبروڈین (Monti Nebrodi) شمالی ساحل کے وسط میں ہے، یہ چونے کے پتھر سے مرکب ہے، اسکی بلندی ۴ ہزار فیٹ سے زیادہ ہے، اسی طرح کوہ مڈونی (Madonie) کی بلندی ۶ ہزار پانچسو فیٹ ہوگی، اور اسی کے ساتھ ایک دوسرا سلسلہ کوہ جنوب مشرق کی طرف بڑھتا ہوا ابنائے ہیبیرو (Monti Erei) تک چلا جاتا تھا،

عرب جغرافیہ نویس ان پہاڑوں اور ان کے علاوہ اندرون جزیرہ اور ساحل کی دوسری پہاڑیوں کو ان شہروں کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جو ان کے دامن میں آباد ہیں، جیسے کوہ طرمین کوہ قصریانہ وغیرہ، ادریسی اور یاقوت نے ذیل کے مشہور پہاڑوں کے نام لکھے ہیں، اور اون کا محل وقوع اور دوسری خصوصیتیں بتائی ہیں،

کوہ طور، کوہ قصریانہ، کوہ بلعزین، کوہ جفلوذی، کوہ شنت مارکو، کوہ زرارہ، کوہ ابی شامہ، کوہ بزینی، کوہ سرقوسہ، کوہ قیسی، کوہ شنت ہیلو، کوہ حجر الصنم کوہ قرقودی، کوہ امیر، کوہ بلجا خلیل، کوہ قلال،

[1] نزہتہ المشتاق ص ۲۴ و رحلۃ ابن جبیر ص ۳۳۵ [2] انسائکلوپیڈیا، ج ۲۵ ص ۲۱ طبع یازدہم،

دشت و جنگل اسلامی عہد کے آغاز میں بہ کثرت جنگل یہاں کے پہاڑی سلسلوں، پلیٹو، اور ہموار زمین میں لگے ہوئے تھے جنہیں غیر بار آور درختوں کی کثرت تھی،

غیر بار آور درختوں میں شاہ بلوط، صنوبر، سرو اور دوسرے قسم کے کار آمد درخت تھے، اکثر پہاڑوں کی سرسبزی انہی سے قائم تھی خصوصًا کوہ اتنا پر انکی بڑی کثرت تھی[1]،

دریا پہاڑوں کی کثرت کی وجہ سے دریا اور نہریں بکثرت تھیں، یہ دریا بعض بحر روم سے جا ملے تھے، اور بعض ایک دوسرے میں ملگئے تھے، ادریسی کے استقصا سے موخر الذکر قسم کے دریاؤں کی تعداد ۲۵ نکلتی ہے، جو اپنے علاقہ کو سیراب کرتے تھے، اوس نے ہر ایک کے سرچشمہ، دہانہ اور مسافت کو لکھا ہے، وہ دریا مع اپنے یورپین ناموں کے حسب ذیل ہیں،

ا۔ صقلیہ کے وہ دریا جو کسی پہاڑی سے نکل کر کسی دوسرے دریا، تالاب یا پانی کے کسی دوسرے خزانہ میں گرتے ہیں،

(۱) وادی الیغو[2] (R Amendola)، (۲) وادی امیرا (R. mi... Emeri...)

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۵، ۲۲۵ عربوں نے ان کو مختلف اعتبار سے مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے، ان کی اصطلاح میں "وادی" وہ دریا ہے جو کسی پہاڑی یا ٹیلے سے قدرۃً نکلا ہو، اور روانی کا ایک راستہ پیدا کر لیا ہو، اور جو پانی ایک وسیع سرزمین تک جاری ہو، یا اوس کا دہانہ سمندر سے مل گیا ہو، اس کو "نہر" سے تعبیر کرتے ہیں، جس کو ہم "دریا" کہتے ہیں، لیکن عرب کبھی کبھی پانی کے ایک ہی قسم کے سیل کو اوس کی مختلف حیثیت کا لحاظ کر کے کبھی "وادی" کہتے ہیں، اور اسی کو کسی دوسری حیثیت سے "نہر" کہہ دیتے ہیں، چنانچہ صقلیہ کے بھی مختلف دریا کبھی وادی سے موسوم ہوتے ہیں اور کبھی نہر سے،

[2] اصل میں درحقیقت عربوں نے وادی اور نہر سے جس سیل روان کو تعبیر کیا ہے، وہ ہمارے مفہوم کے لحاظ سے دریا ہیں، وادی کو ہم اردو میں "ندی" اور "نہر" کو "دریا" کہہ سکتے ہیں، کیونکہ "ندی" اور "دریا" کے مفہوم میں جو فرق ہے تقریبًا وہی فرق "وادی" اور "نہر" میں نظر آتا ہے،

(۳) وادی بوکریطا (V. Margarito) (۴) وادی رنبلو (Gurnalonga)

(۵) وادی البطین (Dittaino) (۶) وادی جرامی (Cerami River)

(۷) وادی قبیسی (Capizzi River) (۸) وادی طرجینس (Yraina River)

(۹) وادی بلیہ (Elia) (۱۰) وادی انبلہ (Ambola)

(۱۱) وادی قلعۃ ادبی (Calalubo) (۱۲) وادی مارح (Castellamare)

(۱۳) وادی قوارب (Carabo) (۱۴) وادی البو (Allabo)

(۱۵) وادی زکوجی (Acragas R. Drago) (۱۶) وادی سواری (R. colonne)

(۱۷) وادی اغریقو (R. Greco) (۱۸) وادی رغوص (Arminio or Re-gusa)

(۱۹) وادی قسباری (Cacyparis) (۲۰) وادی زیدون (Brucoli)

(۲۱) وادی لنیتنی (Pantano) (۲۲) وادی لیاج (R. Aci)

(۲۳) وادی بارد (R. Alcantara) (۲۴) وادی عبود (R. saponara)

(۲۵) وادی ابی رقاد (R. Torto)

۲۔ بحر روم میں ملنے والے دریا۔

بحر روم میں ملنے والے دریا ۱۴ ہیں، اُن سے بحر روم کی بڑی کشتیاں اندرون ملک میں پہنچ سکتی تھیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ نہر موسیٰ (Simeto river) (۲) نہر ملیح (Salso river)

۳۔ نہر ابلاطنو (Palatano R.) ۴۔ نہر قارب (Belice)

۴۔ نہر سلمون (Salmone R.) ۵۔ نہر اردوا (Elora)

۶۔ نہر فنتارلہ (Pantalica) ۷۔ نہر ملی (Miele)

۹- وادی سلہ (R. Termini) ۱۰- وادی اکریلو (Oirillo)

۱۱- نہر عباس (Arena) ۱۲- نہر طوط (Oreto)

۱۳- دریائے کرمیسو (R. Krimeso)

۱۴- دریائے ہلیاکس (R. Halykus.)

معادن | صقلیہ کی کانیں زمانہ قدیم سے شہرت رکھتی ہیں، اکثر کانوں میں قیمتی دھاتیں مثلاً سونا، چاندی، تانبا، سیسہ، پارہ اور لوہا وغیرہ بہ کثرت موجود تھیں، خصوصاً سونے کی کان کے متعلق یاقوت لکھتا ہے:-

فیہا معدن الذہب موجود فی کل مکان[۲] — یہاں سونے کی کان ہر مقام پر پائی جاتی ہے،

لوہے کی کانیں قصبۂ بلہرا (بلرم) اور مسینا میں تھیں،

ان کے ماسوا کوہ آتش فشاں کی بدولت صقلیہ کو بہت سی چیزیں حاصل تھیں، پھٹکری، معدنی نمک، سرمہ اور نوشادر نہایت کثرت سے موجود تھا، نیز کوہ آتش فشاں ہی سے گندھک، روغن نفت اور روغن میعہ نکالا جاتا تھا،[۳]

یہاں کے قیمتی پتھر بھی زمانۂ قدیم سے مشہور ہیں، سکندر اعظم نے اسکندریہ کی تعمیر میں یہاں کے قیمتی پتھر منگوائے تھے، پتھروں میں سنگ یشب، اور سنگ مرمر قابل ذکر ہیں، جو کوہ اٹنا کے نواحی میں دستیاب ہوتے تھے، مسعودی کا بیان ہے کہ یہاں کے سنگ یشب کبھی سنگ سبد کی شکل اختیار

---

[۱] ان تمام دریاؤں کی تفصیل کیلئے دیکھو نزہۃ المشتاق ادریسی ص ۳۲ تا ۵۲، اسٹوری آف دی نیشنس ج ۱ ص ۱۸، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا، جلد ۲۵ ص ۲۱ کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵، موخرالذکر دونوں دریاؤں کے عربی نام سے ہم مطابقت نہ کرسکے۔ ان کا تذکرہ فرہان نے کیا ہے [۲] معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۸۴،۳۸۵ آثار البلاد قزوینی ص ۳۴۳ [۳] نخبۃ الدہر دراماری ص ۱۴۲،

کر لیتے تھے، جنکو مونگے کی اصل کہا جاتا ہے[1] مونگا یہاں کے ساحلی سمندر میں موجود تھا[2]،

حیوانات پالو جانوروں میں گائے، بکری، مرغ، مینڈھے، خچر، گدھے، اور گھوڑے تھے، وحشی جانور اگرچہ موجود تھے، مگر عرب مؤرخین استعجاب سے لکھتے ہیں کہ شیر، چیتا، بھیڑیا، سانپ بچھو اور یہاں تک کہ چیونٹے بھی موجود نہیں ہیں، یاقوت حموی لکھتا ہے،:۔

"جزیرہ صقلیہ کی فضیلتوں میں ایک یہ ہے کہ یہاں موذی درندے نہیں ہوتے، نہ چیتے ہیں، نہ بجو، نہ بچھو اور نہ سانپ وغیرہ"

قزوینی نے اس مفہوم کو کلیہ کے طور پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے،:۔

"اور اوس کی فضیلت میں یہ ہے، کہ دانت، پنجہ اور ڈنک والے جانور یہاں نہیں پیدا ہوتے"،

ابن حوقل چیونٹیوں کے متعلق لکھتا ہے،:۔

"صقلیہ میں بڑی چیونٹے جو "فرمان" کہلاتے ہیں نہیں ہوتے"،

مچھلیوں کیلئے یہ جزیرہ مشہور تھا، لنبا ذہ اور طرابنش کے ساحل پر غیر معمولی قد کی مچھلیاں ہوتیں ایک بڑے قد کی مچھلی "تن بشباک" کہلاتی تھی، مچھلیاں لذیذ اور خوش ذائقہ تھیں،

یہاں کی مچھلیوں کے سلسلہ میں قزوینی کا ایک بیان قابل ذکر ہے، کہ یہاں بعض مچھلیاں ایسی دستیاب ہوئیں، جن پر کلمۂ شہادت منقوش تھا، یہ واہمہ کی خلاقی ہو، یا کسی صناع کی صنعت گری، مگر اس قسم کی چند مچھلیاں بعض عجائب خانوں میں آج بھی موجود ہیں، جو شائد لنکا کے ساحل سے دستیاب ہوئیں انکی تصویریں میری نظر سے بھی گذر چکی ہیں،

نباتات نباتات میں ہر قسم کے غلوں اور میووں کے علاوہ بعض قیمتی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی تھیں[3]،

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۵۵، [2] جغرافیہ زہری درامار ی ص ۱۶۰، [3] معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۷۵، آثار البلاد قزوینی ۳۴۴، المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۰، خریدۃ العجائب ابن الوردی درامار ی ص ۱۵۱، اور نزہۃ المشتاق بیان مدینہ لنبا ذہ

صقلیہ کے ان تمام مذکورہ بالا قدرتی ذخائر سے مسلمانوں نے پورا فائدہ اوٹھایا، اور اپنی امکانی کوششوں سے دولت کی پیدائش کے مواقع بہم پہنچائے،

پیدائش دولت

ملک کے قدرتی ذخائر و اشیا سے مسلمانوں نے پیدائش دولت کے مواقع بہم پہنچائے، ان کی کوششیں قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھا کر ملک میں زراعت صنعت اور حرفت کو ترقی دینے میں ظاہر ہوئیں،

۱- **زراعت** یہاں کی زرعی کوششوں میں ان قدرتی ذخائر کے اثرات دو شکلوں میں ظاہر ہوتے، دریاؤں اور نہروں کی روانی، چراگاہوں کی وسعت اور ملک کی نباتی نشو و نما کی عمدہ استعداد سے زراعت کیلئے افادی پہلو نکلتے، اور جنگلوں کی کثرت، کوہ اٹنا کی آتش فشانی، اور باد سموم کے جھونکوں سے زراعت کو نقصانات پہنچتے تھے، مسلمانوں نے ان کے افادی پہلوؤں سے فائدہ اٹھایا، اور ضرر رساں پہلوؤں اور موانع کو دور کرنے کی کوشش کی، اور زراعت کی ترقی کے سامان بہم پہنچائے،

آباد اور غیر آباد زمین دور اسلامی سے پیشتر یہاں کے بڑے شہر اور چھوٹے گاؤں نہایت منتشر حالت میں تھے، اگرچہ جنگی ضرورتوں سے یہاں قدم قدم پر قلعے موجود تھے لیکن ان میں ایسی آبادیاں بہت کم تھیں جہاں کے باشندے زراعت کا پیشہ رکھتے ہوں اسلئے اسلامی عہد کے پہلے زمین کا بیشتر حصہ جو آبادیوں سے دور تھا، بنجر اور اوسر پڑا تھا، اسلامی حکومت نے اون شہروں اور قصبوں کو معمور کرنے کے علاوہ اون خالی قلعوں کو غیر مسلح کر کے اونھیں آباد کیا، اور رفتہ رفتہ سارے جزیرہ میں آبادی پھیل گئی، ان نو آبادیوں کے پاس جو زمینیں خالی پڑی تھیں، اون میں کاشت شروع ہوئی، اور سینکڑوں برس کی اوسر زمینیں زراعت کے قابل بن گئیں، اور جسقدر ہموار سطح مزروعہ زمین بنائی جا سکتی تھی، بنالی گئی،

پہاڑوں کی کثرت کے ضرر رساں پہلو کا سدباب

اس کے بعد باہمت مسلمانوں نے پہاڑی سلسلہ کی کثرت کے موانع کو اپنی زرعی کوششوں سے دور کیا، پہاڑ کی ٹیلائی سطح کو ہموار کر کے اوسے زراعت کے قابل بنایا چنانچہ جب ابن جبیر یہاں پہنچا، تو اوس نے یہاں کے پہاڑوں کو خوشنما بارآور باغ بنا ہوا دیکھا، وہ لکھتا ہے:۔

"یہاں کے تمام پہاڑ بارآور باغ ہیں، جن میں سیب، شاہ بلوط، فندق، آلو بخارا اور دوسرے میوے پھلتے ہیں"

مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:۔

"پہاڑوں کے نشیب و فراز سے وادیوں میں جتنی جگہ تھی، سب سرسبز و شاداب کر دی گئی.....

.....پہاڑوں کے اوپر انھوں نے آخروٹ، صنوبر، چلغوزے، اور سرو کے جنگل لگا دئے تھے"

مسلمانوں نے جزیرہ صقلیہ کے آس پاس کے غیر آباد مقاموں کو بھی کاشتکاری اور باغبانی کر کے آباد کیا، اصطخری لکھتا ہے:۔

"اور کوہ قلال تو وہ ویراں پہاڑ تھا، اسمیں چشمے اور زمیں موجود تھی، مسلمانوں کا ایک گروہ یہاں پہنچا، اس نے اس کو آباد کیا، فرنگیوں کے حملہ سے یہ محفوظ ہے، کیونکہ ان کی آبادی تک پہنچنے کا راستہ دشوار گذار ہے، اس پہاڑی کی وسعت دو شبانہ روز کے برابر ہوگی"[۳]

لیکن کوہ اتنا کی آتش فشانی کا تدارک قدرتِ انسانی میں نہ تھا، یہ قطانیہ اور طبرمین کے درمیان واقع ہے، اور صقلیہ میں زراعت کا سب سے وسیع میدان بھی وہیں پر قطانیہ کا میدان ہے، اتنا کی آتش فشانی سے سینکڑوں ایکڑ زمیں تباہ ہو جاتی، ابھی چند سال گذرے ماہ نومبر ۱۹۲۸ء میں اسکی آتش فشانی ہوئی تھی، اور سرکاری بیان میں بتایا گیا، کہ بارہ سو ایکڑ زمین کی کاشت برباد ہوگئی، یہی حوادث اُس زمانہ میں بھی پیش آتے تھے، چنانچہ ابو علی حسن بن یحیی صاحب تاریخ صقلیہ کا بیان ہے، کہ آج کل اسکی آتش فشانی جاری ہے، اس کی وجہ سے اوس کے مضافات میں کسی قسم کی زراعت نہیں ہو سکتی، اور نہ وہاں پر کوئی جا سکتی

---

[۱] رحلہ ابن جبیر صفحہ ۳۲۴ [۲] اخبار اندلس، جلد ۲ صفحہ ۵۹ [۳] کتاب المسالک والممالک اصطخری صفحہ ۷۱

ہمت کر سکتا ہے۔[۱]

سیلاب اور باد سموم کے نقصانات اسی طرح کبھی دریاؤں میں سیلاب آجاتا، اور اُن کے ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے علاقہ کا علاقہ تہ آب ہو جاتا، عہد فاطمیہ کے آغاز میں جس شدت کا سیلاب آیا، اور اس کے جو نتائج برآمد ہوئے، اس کا تذکرہ گذر چکا ہے، کبھی باد سموم کے جھونکوں سے پوری فصل برباد ہو جاتی، باغوں کے پھل گر جاتے،

ملک کی سیاست کا اثر زراعت پر، اس موقع پر ملک کی سیاسی فضا، کے وہ اثرات بھی فراموش نہیں کئے جا سکتے جو صقلیہ کے سیاسی ہنگاموں سے زراعت پر پڑتے تھے صقلیہ کے سیاسی ہنگاموں کی چند قسمیں رہی ہیں، ایک تو رومیوں کے خلاف فوجکشیاں ہوتی رہیں اور اس کا سلسلہ حکومت اغالبہ کے دور میں وسیع رہا، اس میں شبہ نہیں کہ جب کسی موقع پر کسی حصۂ ملک میں کوئی فاتحانہ اقدام ہوا، یا سرکشی کے موقع پر سرکوبی کیلئے فوج بھیجی گئی، تو اس مقام کی زراعت کو نقصان پہنچا، کچھ کھیتیاں تو لشکر وخیمہ وخرگاہ کی نذر ہوتیں، اور کچھ فاتح ومحاصر سپاہی محصورین کو زچ کرنے کیلئے برباد کر ڈالتے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ خود مفتوح ومغلوب آبادی پسپا ہوتے وقت اپنی سینچی ہوئی کھیتی میں آگ لگا کر چلی جاتی، کہ فاتحین کو فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ مل سکے صقلیہ کے سیاسی ہنگامہ کی دوسری قسم مسلمان باشندوں کی بغاوت اپنے نامزد والی کے خلاف تھی، اس صورت میں کھیتوں کو بہت کم برباد کیا جاتا، اس قسم کے موقعوں پر صرف ایک آدھ ہی مرتبہ زراعت کو نقصان پہنچا ہے، تیسری قسم انقلاب حکومت کی کوششیں تھیں، بعض ایسے موقعوں پر ایسا سخت قحط پڑا، کہ لوگ اپنے بچوں تک کو بھون کر کھا گئے ۳۲۲ھ میں فاطمیوں کے خلاف بغاوت میں اسی قسم کی نوبت پہنچی تھی،[۲]

مسلمانوں کی زرعی ترقیاں لیکن ان ارضی وسماوی اور اتفاقی حادثات کو الگ کر دینے کے بعد مجموعی حیثیت

---

[۱] معجم ابن ابن حوقل ج ۲ ص ۲۰۵، [۲] تاریخ جزیرہ صقلیہ من حین دخلہا المسلمون در امارہ ص ۱۷۰، ۱۷۳

سے مسلمانوں نے یہاں کی زراعت کو حیرت انگیز ترقی دی، اگرچہ صقلیہ کی سرزمین اٹلی کی زمین شور کیلئے ہمیشہ غلہ کی ایک منڈی بنی رہی لیکن اس زمانہ تک غلہ کی اس منڈی میں اسی قدر مال جمع ہوتا تھا جہاں تک اس کے قدرتی ذرائع بہم پہنچا سکتے تھے، مسلمانوں کی یہ خصوصیت ہے، کہ انھوں نے اس کے قدرتی ذرائع سے نفع اٹھانے کے علاوہ ایسے طریقے اختیار کئے جن سے پیداوار میں حیرت انگیز ترقی ہوئی، اور پورا جزیرہ سرسبز و شاداب ہو گیا، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:۔

"جب تک شرقیین (مسلمان) صقلیہ پر قابض رہے، غالباً اس وقت تک اس جزیرہ کی آبادی زیادہ تھی، اور کاشت بھی اچھے اسلوب پر ہوتی تھی،......... مسلمانوں کی نہ تھکنے والی قوم کی محنت و شفقت نے وہاں کے قدرتی ذرائع کو انتہائی کمال پر پہنچا دیا، اور تقریباً جتنے غلے اور میوے کاشتکاروں کو معلوم تھے، انھوں نے چپہ چپہ پر پیدا کر دئے"،

یہی وجہ ہو کہ یہاں کی سرسبزی و شادابی کا تذکرہ اکثر جغرافیہ نویسوں نے خصوصیت سے کیا ہے، جب کوئی نیا سیاح اس ملک میں قدم رکھتا یہاں کی زرعی ترقیوں کو دیکھ کر ششدر رہ جاتا، ابن حوقل لکھتا ہے:۔

"اس جزیرہ میں قلعے اور پہاڑ زیادہ ہیں لیکن پوری زمین آباد اور مزروعہ ہے"،

ابن جبیر صقلیہ کے ایک شہر ثرمہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

"اس جزیرہ کی سرسبزی و شادابی اپنی انتہا پر ہے، یہ بس عمارتوں اور سرسبزی و شادابی کی کثرت اور مختلف قسم کی روزیوں کی فراوانی میں اندلس کا فرزند رشید ہے، طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کے اناج اور غلے پیدا ہوتے ہیں،.... بلکہ ایک سرے سے یہ پورا جزیرہ اپنی سرسبزی شادابی اور وسعت رزق اور معاشی سربلندی میں دنیا کے حیرت انگیز ممالک میں ہے"

اصطخری لکھتا ہے:۔

صقلیہ میں سرسبزی و شادابی، رزق کی وسعت، زراعت اور مویشی وغیرہ اس قدر زیادہ ہیں کہ یہ ان تمام اسلامی

ملکوں میں جو ساحل پر واقع ہیں، برتر و افضل ہے۔[1]

ادریسی نے تو یہاں کے چپہ چپہ کا ذکر کیا ہے، اس کو استقصا سے دیکھئے، یہاں کی کوئی آبادی ایسی مشکل سے ملے گی، جہاں کی زراعت اچھی نہ بتائی ہو، کہیں کہتا ہے "مزارع نامیۃ وجنات کثیرۃ" یعنی "یہاں بڑھنے والی کھیتیاں اور بہ کثرت باغ ہیں" کہیں یہ ہے "ومیاہ جاریۃ علی مزارع" اور یہاں رواں پانی ہے، اور اس کے ساحل پر زراعت ہوتی ہے" کہیں صرف یہ ہے "ولھم جنات کثیرۃ" اور ان کے بہ کثرت باغ ہیں" اگر ایسے مقامات کی فہرست مرتب کیجائے جہاں کی زرعی پیداوار خلاف معمول زیادہ تھی، اور جن کا ادریسی نے تفصیل سے ذکر کیا ہے، تو ان مقامات کی تعداد سو سے زیادہ نکلے گی جنہیں قلعہ قوارب، طرمین، لیاج، جرجنت، اطرابنش، ترانہ، قلعہ اوبی، قارونیہ، مسینا، اسکلہ، قلعہ، بلوط، شنت مارکو، بثیرہ، شنس، قرنش اور میلاص وغیرہ ہیں،

آبپاشی کے قدرتی ذخائر زراعت کا سارا دار و مدار آبپاشی پر موقوف ہے، مسلمانوں نے آبپاشی کے قدرتی وسائل، دریا، نہر، اور چشموں سے آبپاشی کا انتظام کیا، اور ان سے کھیتوں اور باغوں کی سیرابی کا سامان بہم پہنچایا، ابن حوقل ایک جگہ لکھتا ہو:-

"اور اس میں چشمے اور دریا ہیں، جو اس سے نکلتے ہیں، اور وادی عباس میں ملجاتے ہیں، اور اس کو تقویت پہنچاتے ہیں، اور (انہی دریاؤں کی وجہ سے) اس جزیرہ میں کثرت سے باغ ہیں، اور مختلف شہروں سے مشہور دریا گذرتے ہیں، اور لوگ ان کے پانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں"[2]

آبپاشی کے مصنوعی وسائل پھر آبپاشی کے قدرتی وسائل سے کام لینے کیلئے مصنوعی وسائل اختیار کئے، دریاؤں سے نہریں کاٹ کر لاتے، اور مزروعہ زمین اور باغوں تک چھوٹی نالیوں سے پانی پہنچاتے، اس کیلئے صقلیہ کے اکثر دریاؤں اور نہروں میں پنچکیاں قائم تھیں، ابن حوقل، ادریسی اور ابن فضل اللہ العمری وغیرہ نے

---

[1] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۴، رحلۃ ابن جبیر و المسالک والممالک اصطخری ص ۷۰، [2] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵

ان کا تذکرہ کیا ہے، اس طریقہ سے جب پانی مزروعہ زمین اور باغ تک پہنچ جاتا، تو اُن کو چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ ادھر سے اودھر لیجاتے، ابن حوقل لکھتا ہے:۔

"باغوں میں پانی زیادہ تر نالیوں کے ذریعہ پہنچتا ہے، اور یہاں باغ کثرت سے ہیں"[1]

مسٹر اسکاٹ مسلمانوں کی آب پاشی کے طریقوں پر دلچسپ پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں:۔

"صحرائے افریقہ اور بادیۂ عرب کی سب سے بڑی نعمت پانی تھا، اور اس کا خبط عربوں کو ہر جگہ رہا، یہاں بھی چپہ چپہ پر پانی پھرتا نظر آتا تھا، پہاڑوں میں جدھر دیکھو بڑی بڑی محرابوں کے پل پانی کیلئے دکھائی دیتے تھے، نہریں تھیں کہ ہر ایک بڑی عمارت کے خانہ باغ اور چمن میں پھر رہی تھیں"

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"اس جزیرہ کی زرخیزی اور معتدل آب و ہوا سے اگر کسی نے فائدہ اٹھایا، تو یہی لوگ تھے، انھوں نے آبپاشی کے طریقوں کو مصر و ایران کے نمونوں پر ڈھال لیا تھا...... پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے اور بلندی پر چڑھانے وغیرہ کے طریقے، اور اس کے آلات ان کے ایسے ہی مکمل تھے، جیسے کہ ان ترقی یافتہ ممالک کے جہاں کی خشک آب و ہوا کی وجہ سے اراضی کو مصنوعی آبپاشی کی ضرورت ہوتی ہے"[1]

آبپاشی کیلئے کنوؤں کی ضرورت کم پڑتی تھی، بلکہ شیریں نہروں، دریا، وادیوں اور چشموں کا پانی پینے کے کام بھی آتا تھا چنانچہ عرب جغرافیہ نویسوں نے ایسے مقامات کا جہاں کسی چشمہ کا پانی نہیں پہنچا، ان کا تذکرہ بھی کر دیا ہے، یاقوت حموی ایک موقع پر لکھتا ہے:۔

"یہاں کے باشندے کنوؤں کا پانی پیتے ہیں، یہاں کوئی آب رواں موجود نہیں"[2]

---

[1] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۱۲۳ و مسالک الابصار در امارہ ص ۵۶، [1] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۱۶۰، ۱۶۱
[2] معجم البلدان جلد ۵ ص ۲۷۶

مویشی اور چراگاہیں | زراعت کی ترقی کا انحصار چراگاہوں پر بھی ہے، جن کے ذریعہ ملک میں تنومند مویشیوں کی افزایش ہوتی ہے، اور وہ باربرداری کے علاوہ زراعت کے کام میں آتے ہیں، صقلیہ میں گھوڑے، خچر، گدھے، اور گائے بیل بڑی کثرت سے پائے جاتے تھے، اور یہی کاشتکاری کی ضرورتوں کے کام میں آتے تھے، ان کی پرداخت کیلئے نہایت شاداب چراگاہیں تھیں، ادریسی اور یاقوت نے مختلف مقامات میں ان چراگاہوں کا ذکر کیا ہے[۱]،

موسم | جاڑے اور گرمی دونوں موسموں میں زراعت ہوتی تھی[۲]،

فصلیں | فصلی چیزوں میں غلے، میوے، ترکاریاں اور بعض دوسری قیمتی پیداواریں تھیں،

غلے، غلوں میں سب سے زیادہ بہتات گیہوں کی تھی، اور یہاں زمانہ قدیم سے اسکی کاشت ہوتی تھی، یہاں کی پچھلی قوموں کا خیال تھا کہ اس جزیرہ کی دیبیون کے عطیہ کے طور پر گیہوں سب سے پہلے اسی جزیرہ میں پیدا ہوا، اسلامی عہد میں بھی اسی بہتات کے ساتھ خصوصاً قطانیہ کے میدان میں اس کی زراعت ہوتی تھی،

گیہوں کے علاوہ چنا اور مٹر وغیرہ یہاں کی پیداوار تھے،

ترکاریاں، ترکاریوں میں کدو، بیگن، لکڑی اور پیاز وغیرہ ہیں، خصوصاً بیگن اور پیاز کی کاشت کے یہاں مخصوص طریقے رائج تھے، ان کو ابوبکر بن العوام اشبیلی نے تفصیل سے درج کیا ہے، اور تحسین کی ہے، اپنی کتاب الفلاحت میں بیگن کی کاشت کا طریقہ یوں بتایا ہے:

> پودے اہل صقلیہ کے طریق کاشت پر مینڈھ بنا کر منتقل کئے جائیں، یہ مینڈھ نالی کے دونوں کناروں پر بنائی جائیں اور ان کو پیر سے مسطح نہ کیا جائے، کناروں کو بلند رکھیں ان نالیوں میں پانی پہنچائیں، پھر دوسرے دن انہی نالیوں کے درمیان گاچھیاں لگا دیں، پھر پانی پہنچائیں،

---

[۱] معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۴۲ و نزہتہ المشتاق [۲] معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۴۲۔

بلکہ ہر دو دن کے بعد سینچتے رہیں، جب پودا جڑ پکڑلے، تو مینڈھ کے کناروں کی مٹی پودوں کے اندر اندر ڈالیں، یہانتک کہ وہ نالی مٹی کے بھرنے سے مینڈھ بنجائے، اور پہلی مینڈھ نالی ہوجائے اور تین مینڈھوں میں سے ایک مینڈھ کو خالی چھوڑ دیا کریں تاکہ اس سے کیاری کی حد معلوم ہوسکے اس طریقہ پر بیگن کی کاشت بہت عمدہ ہوگی"

پیاز صقلیہ کی خاص پیداوار ہے، اسکی کاشت زمانہ قدیم میں یہیں سے شروع ہوئی اور اسکے لگانے کے بہترین طریقے یہیں کے باشندوں کو معلوم تھے، اور انہی کے استعمال کئے ہوئے طریقے دیگر ممالک میں رائج ہوئے، چنانچہ ابن العوام اشبیلی نے **پیاز کی کاشت** کے بیان میں ایک مستقل فصل ذیل کے عنوان سے اپنی کتاب میں لکھی ہے:۔

"مینڈھ بنانے کا طریقہ جس میں پیاز کی گاچھی جمائی جائے یہ طریقہ باشندگان صقلیہ کی طرف منسوب ہے"

اسکے بعد اس طریقہ کی حسب ذیل تفصیل لکھتا ہے:۔

"**پیاز کی کاشت کا طریقہ**، اس کا طریقہ یہ ہے کہ تیار شدہ زمین میں مرتفع لکیریں مینڈھ کی شکل کی قائم کیجائیں، اور دو دو لکیروں کے درمیان نالیاں بنائی جائیں، اور ان نالیوں کا تعلق کسی بڑی نالی سے رکھا جائے، تاکہ ان نالیوں کے ذریعہ کیاری سینچی جاسکے، اور ان مینڈھوں کو دونوں جانب سے پیر سے دباکر مسطح کردیں تاکہ پانی کے زور سے وہ ٹوٹ نہ جائیں اس کا طریقہ یہ ہے دو آدمی مقابل سے نالی میں اس طرح کھڑے ہوں کہ یہ مرتفع لکیر یعنی مینڈھ ان کے درمیاں میں واقع ہو، پھر پیر سے دونوں طرف کناروں کو برابر کریں تاکہ مینڈھ کی شکل تیار ہوجائے،

پیاز کی گاچھی اسی طرح اکھاڑ کر منتقل کیجاتی ہے جسطرح دوسری گاچھیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اکھیڑ کر نصب کرتے ہیں، اوپر کی پتیاں لگاتے وقت چھانٹ دی جاتی ہیں، اس کے بعد کسی چیز سے مینڈھ کے دونوں کناروں میں گڑھے کھودے جائیں اور ہر دو گڑھوں کے درمیان نصف بالشت فاصلہ رکھا جائے، ان گڑھوں میں گاچھیاں لگادی جائیں، یہی طریقہ مینڈھ کی دوسری جانب

اختیار کریں، اس طرح مینڈھ کے دونوں جانب پیاز کی قطاریں لگ جائیں، اسی طرح تمام مینڈھوں میں گانٹھیاں جمادیں، اسکے بعد بڑی نالیوں سے چھوٹی نالیوں کو سینچیں تاکہ پانی پوری کیاری میں پھیل سکے، یہی طریقہ عمل اس پیاز میں رائج ہے، جو ذخیرہ کے طور پر رکھی جاتی ہے، اس طریقہ پر اوس کی پوٹی بڑی اور گول ہوتی ہے"،

مذکورۂ بالا طریقہ نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

"یہی طریقۂ عمل اہل صقلیہ میں رائج ہے، اور یہ عمدہ طریقہ ہے"[1]

ایک تاریخی لطیفہ، یہاں پیاز کی کاشت کی زیادتی کی وجہ سے لوگوں میں اس کا استعمال زیادہ تھا، لیکن یہ کثرت ایک دلچسپ اتفاق سے اُن کے حق میں مضر ثابت ہوئی، واقعہ یہ ہوا، کہ جب ابن حوقل ۳۶۲ھ میں صقلیہ آیا، اور یہاں پیاز کی کثرت دیکھی، اور اس کے ساتھ اس کے تجربہ میں باشندگان صقلیہ کی فراست و ذکاوت میں کمی نظر آئی، تو اوس کو علم طب کا کوئی نظریہ یاد آگیا، اور اوس نے مقدمات ترتیب دیکر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہاں کے باشندوں کی ذہنی استعداد میں کمی پیاز کھانے کی وجہ سے ہے[2]، اوس نے اپنی یہ رائے اپنے سفرنامہ میں لکھدی، بعد کے جغرافیہ نویسوں اور مورخوں نے اس کو نقل کرنا شروع کیا، اور اس کثرت سے اسکو دہرایا کہ یہاں کے باشندوں کی ذہانت و ذکاوت کی کمی کی عام شہرت ہوگئی اور جغرافیہ کی کتابوں میں صقلیہ کے حالات میں "لکثرۃ اکلہم البصل" کثرت سے پیاز کھانے کی وجہ سے کا فقرہ ایک لازمی جز بن گیا،

خشک و تر میوے، یہاں کے خشک و تر میووں میں انگور، نارنگی، لیموں، سیب، ناشپاتی، انجیر، چلغوزے، زیتون، بادام، اخروٹ، شفتالو، ناریل اور کھجور، وغیرہ ہیں، جو اپنی قسموں کے لحاظ سے ہر موسم میں موجود رہتے تھے، یاقوت لکھتا ہے:۔

---

[1] کتاب الفلاحت در اماری ص ۵۴۵، ۵۴۶، و ترجمہ دو کتاب الفلاحۃ، [2] المسالک والممالک ابن حوقل ص [illegible]

تمام میوے اپنی مختلف قسموں کے تنوع سے جاڑے اور گرمی ہر موسم میں موجود رہتے ہیں[۱]،

ادریسی نے ہر مقام کے خاص خاص میوؤں اور پھلوں کی پیداوار بتائی ہے،

خوشبودار درخت اور پھول خوشنما و خوشبودار درختوں میں گلاب، بنفشہ، مہندی، سرو، اور اسی طرح کے چند اور نام ہیں، جن سے ہم مانوس نہیں، ان کا اجمالی ذکر معجم البلدان میں اور مفصل تذکرہ اور پیداوار کے مقاموں کی تعیین ادریسی نے نزہتہ المشتاق میں کی ہے، اور یوں تو ہر جگہ امراء کے باغوں میں کثرت سے مختلف قسم کے خوشبودار پھول اور خوشنما درخت ہوتے تھے، ادریسی نے اکثر مقاموں کی تعریف "وکثیرۃ الریاحین" بہت پھولوں والا مقام" کے الفاظ میں کی ہے،

زعفران کی کاشت کیلئے ریتیلی زمین موافق ہوتی ہے، صقلیہ میں بھی زعفران کی کاشت کی جاتی تھی[۲]،

خبازی صقلی یہاں کی خبازی بھی جو خبازی صقلی کہلاتی ہے، لائق ذکر ہے، ابن العوام اشبیلی نے اسکی کاشت کا طریقہ لکھا ہے، دوسرے ملکوں میں بھی اسکی کاشت کی گئی،

خبازی صقلی کی کاشت، خطمی کی کاشت کے طریقہ پر کرتے تھے یعنی اس کا تخم کیاریوں میں چھڑک دیا جاتا تھا، اور تھوڑی تھوڑی زمین کھود کر نصب بھی کرتے تھے، دو سے پانچ دانے تک ایک ساتھ گاڑے جاتے، جب گاچیاں تیار ہوتیں، تو انہیں علحدہ دوسری جگہ لگا دیتے[۳]،

لکڑی، لکڑیوں کی قسم میں شاہ بلوط، صنوبر، ارزن اور بندق کی لکڑیوں کی پرداخت ہوتی تھی،

کتان، روئی اور شکر، بھی یہاں کثرت سے پیدا ہوتی تھی،

صقلیہ کی زرعی چیزوں میں مسلمانوں کا اضافہ مسلمان یہاں کی ملکی پیداوار کو ترقی دینے کے علاوہ یہاں دوسرے ملکوں سے زرعی چیزیں لائے، اور یہاں کی زمین میں صلاحیت پیدا کرکے انھیں بارآور کیا، مثلاً کپاس کا درخت شام سے لائے

---

[۱] معجم البلدان جلد ۵ ص ۴۰۴، [۲] ... [۳] کتاب الفلاحت در اماری ص ۵۴۶،

اور روئی کا پودا یورپ میں پہلی مرتبہ عربوں کے ہاتھوں صقلیہ اور اندلس ہی کے ذریعہ پہنچا، ابن سعید ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر زہری، ادریسی، ابن العوام اشبیلی، موسیو سدیو، اور اسکاٹ وغیرہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے، ابن سعید کی کتاب البدی میں ہے:۔

"یہ جزیرہ دریا، چشموں، میووں، اور وسعت رزق کی کثرت اور روئی کی نہایت کثیر پیداوار سے موصوف ہے"

ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر الزہری لکھتا ہے:۔

"اور روئی یہاں سے بڑی مقدار میں باہر جاتی ہے"

روئی کی کاشت سخت اور چکنی زمین میں ہوتی تھی، شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن خصال اندلسی کا بیان کتاب الفلاحۃ ابن العوام اشبیلی میں درج ہے، کہ "اہل صقلیہ روئی کیلئے سخت اور چکنی زمین منتخب کرتے ہیں" صقلیہ میں مقام برطنیق کی زمین اسکے لئے سب سے زیادہ موزوں تھی، ادریسی لکھتا ہے:۔

"یہاں عمدہ کھیت ہیں جن میں بہت زیادہ کپاس، مہندی، اور اس کے علاوہ کتان کی مختلف قسموں کی کاشت ہوتی ہے"

موسیو سدیو اور اسکاٹ وغیرہ لکھتے ہیں، کہ روئی اس جزیرہ میں اس کثرت سے پیدا ہوتی تھی کہ گویا یہ یہاں کی خاص پیداوار ہے، یورپ نے روئی کی کاشت انہی عربوں سے سیکھی،

نیشکر کی کاشت اور شکر بنانے کا طریقہ مسلمانوں نے اہل چین سے سیکھا، افریقہ میں پہلے طرابلس الغرب میں اسکی کاشت ہوئی، پھر وہاں سے صقلیہ لائے، اہل یورپ نے انہی سے یہ فن حاصل کیا، یہاں نیشکر کی زراعت بھی بہت اچھی ہوتی تھی،

اسی طرح غیر ممالک کی حسب ذیل زرعی چیزیں مسلمانوں کے ذریعہ صقلیہ میں داخل ہوئیں لیموں ترش، لیموں شیریں، خربوزہ، شفتالو، جڑی بوٹیاں، گرم مسالے اور خوشبودار چیزیں

وغیرہ یہ چیزیں عراق، شام، اور ہندوستان کی تھیں، جو عربی ملکوں میں منتقل ہوئیں پھر صقلیہ لے جائی گئیں،[1]

صنعت و حرفت صنعت و حرفت کی ترقی کا مدار اس زمانہ میں رسل و رسائل اور باربرداری کے وسیع نظام نہ ہونے کے باعث ملک کے قدرتی ذخائر و خام پیداوار ہی پر تھا، مسلمانوں نے یہاں کے معدنوں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندر سے پورا فائدہ اوٹھایا،

معدنیات سے استفادہ | معدنیات کے استفادہ سے کان کنی اور آہن گری کے پیشوں کا رواج تھا،

کان کنی کے متعلق موسیو سدیو لکھتے ہیں:۔

"(مسلمانوں نے) چاندی، لوہے، تانبے، گندھک اور نمک وغیرہ کی کانیں نکالیں، فرمانروایان صقلیہ کے محلوں میں سونے اور چاندی کا جو انبار تھا، وہ یہیں سے حاصل کردہ تھا، راجر نے نارمن عہد حکومت میں ادریسی کو چاندی کی جو کثیر مقدار دنیا کا نقشہ تیار کرنے کیلئے دی تھی، وہ یہیں کے کانوں سے نکلی تھی، اسی طرح بلرا اور مسینا کی کانوں سے لوہا نکالا جاتا تھا، اور وہ اس قدر زیادہ ہوتا تھا، کہ عام دستور کے خلاف خام شکل میں باہر بھی بھیجا جاتا،

ان کا تذکرہ ابن حوقل، یاقوت اور ادریسی وغیرہ نے بھی کیا ہے،

موسیو لیبان کہتے ہیں:۔

"حرفت نے بھی ان کے وقت میں بڑی ترقی کی، ملک کے معدنیات چاندی، لوہا، تانبا، گندک، سنگ مرمر، سنگ سوان وغیرہ نہایت اہتمام کے ساتھ اور باقاعدہ طور پر نکالے گئے"، (ص ۲۵۳)

آہن گری، لوہاری کا پیشہ دارالصناعۃ کی وجہ سے ترقی یافتہ پیشوں میں تھا، جہاز، منجنیق، تلوار، ڈھال، اصطرلاب، جر ثقیل کے آلات، چکیاں وغیرہ یہیں بنتی تھیں، جن کا تذکرہ دوسری جگہ آیا ہے،

---

[1] نزہۃ المشتاق ص ۲۵، کتاب الجغرافیہ زہری، و اماری ص ۱۹، کتاب الفلاحت در اماری ص ۵۴۵ و تاریخ الزراعۃ فی بلاد العالم العربی مدالمجمع العلمی، ج، ص ۱۲۱، اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۶، تاریخ عرب موسیو سدیو ص ۲۴۳،

پہاڑوں سے استفادہ | **پہاڑوں** خصوصًا کوہ اٹنا سے **گندھک** کا بڑا ذخیرہ نکلتا تھا، اس پہاڑ کی آتش فشانی سے جو لاوا بہ کر غاروں میں جمع ہوتا، اوس سے روغن **نفت** نکالا جاتا تھا، عرب مورخین میں سے مسعودی، قزوینی، ابن سعید اندلسی، ابوالفدا، ابن فضل اللہ الدمشقی اور ابو عبداللہ محمد بن بکر زہری وغیرہ نے صقلیہ کے بیان میں کوہ اٹنا سے گندھک اور نفت وغیرہ حاصل کرنے کا مفصل ذکر کیا ہے قیمتی پتھر سنگ سیب، رخام اور مرمر وغیرہ بھی زیادہ تر کوہ اٹنا سے نکالے جاتے جس سے سنگ تراشی کا پیشہ زندہ تھا،

جنگلوں سے استفادہ | جنگلوں سے نجاری کا پیشہ قائم تھا،

نجاری میں صقلیہ کی ترقی بھی قدرۃً تھی، جہاز کی لکڑیاں شنت مارکو کے جنگل کی اچھی ہوتی تھیں پنچکیوں کیلئے قلعہ ادبی کی لکڑی کام آتی تھی، اور پنچکی بنانے کا کارخانہ یہیں قائم تھا، ادریسی اسکاٹ اور سدیو نے نجاری کی ترقی اور مصنوعات کا تذکرہ کیا ہے[1]

نباتات سے استفادہ | **نباتات سے استفادہ** کرنیکی ذیل کی چند صورتیں معلوم ہوئیں،

نباتی و زرعی اشیاء و پیداوار سے مختلف پیشے اور مصنوعات کاغذ سازی، رسّوں کی بٹائی، چٹائیوں کی بنائی، پارچہ بافی، روغن سازی، شراب کشی اور حلوا پزی وغیرہ قابل ذکر ہیں،

بلرم کے قرب و جوار کے دیہاتوں میں بربر ایک قسم کی نہایت چمڑی اور مضبوط گھاس ہوتی تھی، مسلمانوں نے اس کے دو مصرف نکالے، اس سے کاغذ تیار کرتے، اور جہازوں کیلئے رسّے بٹتے، جہازوں کے رسّوں کی ضرورت اہم تھی، اسلئے اسکو مقدم رکھتے، اور گھاس کی زیادہ مقدار رسّوں میں صرف ہوتی، کاغذ بنانے کیلئے بہت کم بچ جاتی تھی، لیکن جو کچھ بھی رہ جاتی تھی، اس کا بہترین کاغذ تیار ہوتا تھا ابن حوقل کا بیان ہے، کہ "اس گھاس سے مصر میں بھی کاغذ بناتے ہیں" اب تک مصری کاغذ سے بہتر کوئی دوسرا کاغذ دیکھنے میں نہیں آیا تھا، یہاں بھی اوسی نمونہ کا کاغذ تیار ہوتا ہے، جو کچھ کاغذ بنتا ہے، سرکاری ضرورتوں میں کام آتا ہے

[1] نزہتہ المشتاق ص ۲۰، اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۰، و تاریخ عرب ص ۴۴۳،

گھاس کی کمی کی وجہ سے سرکاری ضرورتوں بھر بھی کاغذ تیار نہیں ہو سکتا"[۱]

چٹائی بننا. گھاس سے خوبصورت چٹائیاں تیار کیجاتی تھیں، ابن جبیر نے شہر ترمہ کی مسجد میں چٹائی بچھی دیکھی، اس کے متعلق کہتا ہے:-

اس سے زیادہ اچھی بنی ہوئی چٹائی نہیں دیکھی"[۲]

پارچہ بافی کا پیشہ صقلیہ میں درجۂ کمال پر تھا، سوتی اور ریشمی ہر طرح کے کپڑے تیار کئے جاتے تھے، روئی کی خام پیداوار سے سوتی کپڑے تیار کرتے، اور ریشمی کپڑوں کے لئے ریشم کے کیڑوں کی پرورش انجیر کے درختوں پر کرتے، یہ طریقہ مسلمانوں نے اندلس میں رائج کیا، وہاں سے صقلیہ لائے کیڑوں کی پرداخت کیلئے انجیر کے بیشمار درخت لگائے گئے تھے،

یہاں کے کپڑے نہایت نفیس عمدہ اور باریک ہوتے تھے، ان میں اعلی قسم کے نقش و نگار کاڑھے جاتے، رفتہ رفتہ بازار میں یہاں کا کپڑا سب سے اعلی درجہ کا سمجھا جانے لگا، ابن حوقل مسلمانان نیپلز کے کپڑوں کے متعلق حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے،

میں نے تمام اقطار عالم میں اس کپڑے کے مانند کوئی دوسرا کپڑا نہیں دیکھا، اور نہ ایسے کاریگر تمام روئے زمین میں کہیں دیکھنے میں آئے"

اسی طرح مقدسی نے اقلیم مغرب کے عجائب میں پارچہ بافی کی ایک مثال لکھی ہے، جس سے مراد صقلیہ کی پارچہ بافی ہے، وہ لکھتا ہے،:-

"اور اس اقلیم میں بکثرت عجائب ہیں، اور ان میں سے ایک ابوقلموں ہے یہ ایک قسم کا جانور ہے، جو سمندر کے ساحل پر پتھروں سے اپنے بدن کو کھجاتا ہے جس سے اوس کے روئیں گرتے ہیں، یہ روئیں ریشم کی طرح نہایت نرم اور ملائم ہوتے ہیں، اس کا رنگ سنہرا ہوتا ہے، وہ مطلق چھوڑا نہیں جاتا، نہایت نادر الوجود ہی چنانچہ

---

[۱] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۱۳۵ ، وتقویم البلدان ابوالفداء [۲] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۹ ،

اسکو جمع کرتے ہیں، اور اس سے کپڑے بنتے ہیں، یہ کپڑے دن میں کئی رنگ بدلتے ہیں؛[۱]

یورپین مورخین کو اعتراف ہے کہ کپڑے بننے اور رنگنے وغیرہ کا فن یورپ نے مسلمانانِ صقلیہ سے سیکھا، موسیو لیبان لکھتے ہیں:-

"ریشمی کپڑا جزیرہ میں بننے لگا، اور اس وقت بھی نورم برگ میں ایک ریشمی چادر شاہانِ صقلیہ کے اوڑھنے کی موجود ہے، جس پر کوفی حرفوں میں پانسوبیس ہجری (۱۱۳۳ء) کا ایک کتبہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے رنگنے کا فن صقلیہ ہی سے یورپ میں آیا"

موسیو سدیو کا بیان ہے کہ یورپ نے ریشمی کپڑوں کی بافت مسلمانانِ صقلیہ سے حاصل کی، وہ کہتے ہیں:-

"انہی نے وہاں جزیرۂ صقلیہ میں ریشمی کپڑوں کے بننے کا دستور ڈالا، جس سے کہتے ہیں کہ بارھویں صدی عیسوی میں اس کے بننے کا ہنر یورپ کے لوگوں نے سیکھا"

مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:-

"دنیا کی کوئی قوم مسلمانانِ صقلیہ کے برابر باریک اور خوبصورت کپڑا نہیں بنا سکی، نہ پرموکے ریشمی کپڑوں کا مقابلہ کر سکی، وہ قرآن مجید کی آیات اور پھول بوٹے، سنہرے کلابتوں سے اس خوبصورتی کے ساتھ بنتے تھے، کہ جس کو دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے، ان کپڑوں کی بڑی قدر تھی، اسلامی دنیا کے بادشاہوں اور امرا کے لئے یہاں کے کپڑے ڈھونڈ ڈھونڈ کر منگوائے جاتے تھے"[۲]

فنِ رنگ سازی پر ایک صقلی اہل علم نے ایک کتاب بھی لکھی ہے، جو ٹیونس کے کتب خانہ میں موجود ہے،

---

[۱] احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۴۰، و المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۷، [۲] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۶۰-۶۲، تمدن عرب ۲۸۲، تاریخ عرب ۴۴۲،

شراب کشی اگرچہ شراب کی کشید اور اوسکی خرید و فروخت تک اسلام میں ممنوع ہے لیکن صقلیہ میں عیسائیوں کی آبادی کی وجہ سے سینا میں جہاں اونکی آبادی زیادہ تھی، شراب کی کشید ہوتی تھی صقلیہ کے شاداب انگور مشہور تھے، ابو الفدا سینا کے متعلق لکھتا ہے،

"یہ شہر انگور اور شراب کی کثرت میں مشہور ہے[1]"

مسٹر اسکاٹ نے پایہ تخت بلرم میں بھی شراب کے کارخانہ کے موجود ہونے کا تذکرہ کیا ہے[2] لیکن عرب مورخین کے یہاں اسکی کوئی شہادت نہیں ملی،

صناب سازی، صناب ایک قسم کا فالودہ تھا، جو انگور کے شیرے کے قوام سے تیار کیا جاتا تھا، یہ صقلیہ کی خاص صنعت تھی، اس کے تیار کرنے کا نسخہ اور اجزاء ابن العوام نے بیان کئے ہیں، وہ طریقہ یہ ہے،

"پہلے شیریں انگور کے شیرے سے جو شہد کے مثل گاڑھا ہو ایک رطل صناب یعنی فالودہ کے قسم کا قوام تیار کیا جائے، پھر اس قوام کو اچھی طرح حل کر کے چھان لیا جائے، اس کے بعد اسمیں عمدہ شہد مناسب مقدار میں ملا کر اسکو مٹی کے ایک کورے برتن میں ڈال دیا جائے،

مصنف کی تیاری میں مٹی کے کورے برتن کو بہت بڑا دخل ہے، اور اس کے بنانے میں اسی برتن کے متعلق خاص ہدایتیں تھیں، مثلاً پہلے اوسکو میٹھے پانی سے دھویا جائے، پھر دو دن تک پانی ہی میں اسکو چھوڑ دیا جائے، تیسرے دن نکال کر ہوا میں رکھ دیا جاے، پھر اسی مرکب قوام سے اس پر ایک ہلکے قسم کا لک کیا جائے اور پھر اوسکو یک شبانہ روز چھوڑ دیا جائے، اسکے بعد اس قوام کو اسمیں آہستہ آہستہ ڈالا جائے، لیکن قوام وہیں تک رکھنا چاہئے جہاں تک برتن میں لک ہوا، اوس کے بعد آخر میں اوس نے لکھا ہے،؛ـ

صقلیہ میں اسی طرح تیار کیا جاتا تھا، اور اس کا یہی صحیح نسخہ ہے، ابراہیم بن محمد ابن بسال کہتا ہے،

---

[1] تقویم البلدان صفحہ ۱۹۳، [2] اخبار الاندلس جلد ۲،

اس قسم کے قواموں میں اس سے بہتر قوام میں نے نہیں[۵۱] دیکھا"

حلوائے اطریہ، عربوں کی اشیائے خوردنی میں ایک خاص قسم کا حلوا اطریہ تھا، یہ بلرم کے ایک خاص مقام ترییعہ میں تیار کیا جاتا تھا، اور یہاں سے یورپ اور افریقہ وغیرہ میں بھیجا جاتا تھا، ادریسی کہتا ہے:-

"اور یہاں وہ حلوا (اطریہ) بنتا ہے جو تمام اسلامی اور عیسائی شہروں میں بھیجا جاتا ہے"[۵۲]

روغن سازی، مختلف نباتات پھلوں اور پھولوں سے دہنیات و عطریات کی کشید ہوتی تھی، انہی میں ایک قسم کا روغن تھا، جو درختوں سے نکالا جاتا تھا، اور یہاں کثرت سے تیار ہوتا تھا[۵۳]

شہد، شہد کی پیداوار کیلئے شہد کی مکھیوں کی پرداخت کا اہتمام کیا گیا تھا، اور اس کے لئے بھی اسی طرح باغ لگائے گئے تھے، جیسے ریشم کے کیڑوں کیلئے تھے[۵۴]

دریا اور سمندر سے استفادہ | دریا اور سمندر سے فائدہ اٹھانے سے دو پیشے، ماہی گیری اور صدف ریزی قائم تھے

ماہی گیری، اہل صقلیہ کا خاص پیشہ تھا، ساحلی سمندر اور اندرون جزیرہ کے دریا چشموں اور نہروں سے مچھلیوں کا شکار ہوتا، بڑی قسم کی مچھلی تن بتناک طرابنش کے ساحل سے نکالی جاتی تھی، بنطش میں تن مچھلی کثرت سے ملتی تھی، مچھلیوں کے شکار کے لئے خاص شکار گاہ قائم تھے، جنھیں مصاید کہا جاتا تھا، ادریسی میلاص کے متعلق لکھتا ہے:-

"یہاں بڑی قسم والی تن مچھلی کے شکار کیلئے شکار گاہیں ہیں"

صدف ریزی، سمندر سے موتی اور مونگا نکالے جاتے، طرابنش کے ساحل پر مونگا نکالنے کا اہتمام تھا، ابن الوردی کہتا ہے:-

---

[۵۱] کتاب الفلاحۃ درامادی ص ۹۵، کتاب الفلاحۃ کے اردو ترجمہ میں اس کا مختلف اور ناقص بیان ہے، غالباً یہ مطبوعہ نسخہ اس جگہ ناقص ہے، [۵۲] نزہۃ المشتاق ص۲۴، [۵۳] کتاب الہدی ابن سعید درامادی ص ۱۲۰، و جغرافیہ ابی بکر زہری درامادی [۵۴] اخبار الاندلس جلد ۲ ص۱۹۲

"اس کے سمندر کے ساحل پر مونگا نکالا جاتا ہے، جو سمندر کے ساحلی کنارے کی زمین میں درخت کی طرح اوگتا ہے"[۱]

فنون جمیلہ | فنون جمیلہ کے اندر گو بڑی وسعت ہے، لیکن ہمیں یہاں پر صرف غنا و موسیقی، نقش و نگار، تصویر اور تعمیرات کا تذکرہ کرنا ہے،

موسیقی، لحن و موسیقی کو طبائع انسانی سے مناسبت ہوتی ہے، اسکے لئے بدویت و حضریت کسی کی تخصیص نہیں تاہم جب کوئی قوم تمدن کی تراش خراش کے بعد تعیشات و تکلفات کی منزل میں قدم رکھتی ہے، تو موسیقی بھی معاشرت و اجتماع کا ایک لازمی جزء قرار پاتی ہی صقلیہ میں عربون سے پیشتر جو قومیں آباد تھیں، ان میں موسیقی کا عام رواج تھا، مسلمانون کے تمدن کے آغاز کے بعد عباسی و اموی خلفاء کے درباروں میں شعراء کے مدحیہ قصائد مغنیوں سے سنے جانے لگے، اس طرح موسیقی کو درباروں مین جگہ ملی، جب صقلیہ کے اغلبی شہزادوں اور کلبی فرمانرواؤں کے شاہی ایوان میں درباری جلوس ہونے لگے، تو یہاں بھی شعراء کے قصائد مغنیوں نے ساز پر گا کر سنائے، اور پھر ولاۃ، امراء اور رؤساء کی داد و دہش سے یہاں موسیقی کے باکمال ماہرین پیدا ہوئے، اور یہاں کے مغنی دوسرے ملکوں مین اشتیاق سے بلائے جاتے چنانچہ اشبیلیہ کے فرمانروا المعتضد باللہ عباد بن محمد نے صقلیہ کے ایک مغنی کو وہاں سے اندلس طلب کیا، جب وہ وہاں پہنچا تو اوسے احترام سے دربار میں جگہ دی، اور اوس نے اوس کی پہلی فرمایش پر پانچ شعر گا کر سنائے، اندلس میں قیام کی غرض سے بلایا گیا تھا، لیکن چند دنون کے بعد اچانک کسی سبب سے اُسکا انتقال ہو گیا،

تصویریں صقلیہ کو فن تصویر سے قدیم لگاؤ رہا ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ سرزمین صقلیہ عہد قدیم میں مصوری کی ایک درسگاہ تھی تو بیجا نہ ہو گا، اس کے آثار و تماثیل جابجا اسلامی عہد تک قائم رہے، اٹلی کی بُت تراشی آج بھی مشہور ہے، شہر قطانیہ کے متعلق عرب مورخین کا بیان ہے، کہ اس کا دوسرا نام "مدینۃ الفیل" ہے

---

[۱] خریدۃ العجائب در امارسی ص۱۵۱، [۲] الحلیۃ السیراء امارسی ص ۳۲۹، و اخبار الاندلس،

یہاں عہد اسلامی تک ہاتھی کا ایک خوبصورت مجسمہ ایک بلند مقام پر نصب تھا جو اس زمانہ میں کنیسہ سے یہاں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ یونانی علم الاصنام میں جن رومیوں کے نام آتے ہیں، ان میں سے اکثر کے نام پر یہاں عبادتگاہیں قائم تھیں جنہیں اُن کے مجسمے رکھے تھے، ان میں سے بعض عبادتگاہوں میں ہرکلس کے یونانیوں کا ایک عظیم الشان سالانہ میلہ لگتا تھا، یونان و روم کے ممتاز فلاسفہ و مشاہیر کے ہیکل و مجسمے مختلف مقامات پر نصب تھے، اور بیزنطی دورِ حکومت میں بھی سونے کی مورتیاں یہاں ایسی موجود تھیں، کہ جب جب سسلی کے ابتدائی حملوں میں مالِ غنیمت کے طور پر وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگیں تو امیر معاویہ نے اُن کی صنعت سے فائدہ اُٹھا کر انہیں بیچنے کے لئے ہندوستان بھیجنا چاہا، لیکن بہت زیادہ مسلمانوں نے بتوں کی تجارت کی مخالفت کی، اور وہ اپنے ارادے سے باز آئے، مگر دوسری رائج روایتوں کے مطابق وہ سندھ میں بیچے گئے۔

جس زمانہ میں مسلمانوں کا تعلق صقلیہ سے پیدا ہوا، اس میں مصوری کا رواج ہو چکا تھا، اگرچہ مسلمانوں کی فقہ جماعت اور اس کے اثر سے عوام کا ایک بڑا طبقہ ہر زمانہ میں مصوری کو اسلامی تعلیمات کے خلاف سمجھتا رہا، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ہر دور میں مسلمانوں میں ایک مختصر جماعت ایسی موجود رہی، جو نفس تصویروں کو اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں سمجھتی تھی، کہ اسکے نقطۂ نظر سے اسلام میں تصویروں کی ممانعت کی اصل علت محض بت پرستی کا سد باب کرنا تھا، اور عوام میں سے جیلہ جو طبائع اور آسان پسند امرا بغیر کسی حقیقت کے ادراک کے اُس جماعت کے ہمنوا رہے، چنانچہ صقلیہ میں بھی ایسا طبقہ موجود تھا، جو تصویروں کے استعمال میں محتاط نہ تھا، اور محلوں میں تصویریں زیب و زینت کے طور پر استعمال کیجاتی تھیں خصوصاً بلرم کے محلوں کو مختلف قسم کی تصویروں سے آراستہ کیا گیا تھا،

صقلیہ کے اسلامی عہد کے فنِ مصوری کے بعض نمونے یورپ کے بعض کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، جن سے اس عہد میں تصویروں کے استعمال کا پتہ چلتا ہے، پروفیسر رینود

---

[1] نفح الازہار فی عجائب الاقطار دراماری ص۱۲ [2] فتوح البلدان بلاذری ص۴۳۵ [3] کتاب الهند البیرونی ص۱۰ [4] نزہتہ المشتاق ص۱۱ و ابن عذاری (ترجمہ اردو) ص ۲۱،

نے اپنی کتاب "حروب صلیبیہ کے بعد یورپ اور مشرق کا علمی اتصال" میں علم طب سے متعلق ایسی پانچ تصویریں شائع کی ہیں، جن میں عرب اطبا باشندگان یورپ کا معالجہ کرتے دکھائے گئے ہیں انہیں سے ایک تصویر صقلیہ سے بھی تعلق رکھتی ہے، اسمیں کسی نارمن فرمانروا پر عرب اطبا کی "عمل" کر رہے ہیں، یہ تصویر صقلیہ کے پرانے کاغذات میں دستیاب ہوئی تھی۔

ادریسی کے اس نقرئی کرۂ زمین کی صنعت میں جسکو نارمن فرمانروا کے زمانہ میں صقلیہ میں اُس نے تیار کیا تھا جغرافیہ کی ہمہ دانی کے ثبوت کے علاوہ فن مصوری کا کمال بھی مضمر تھا، اس کرہ میں کمال صناعی سے دنیا کے مختلف حصوں کو مختلف رنگ کے جواہر سے جدا جدا دکھانے کے ساتھ پہاڑ، دریا، اور جنگل وغیرہ دکھائے گئے تھے، اسی طرح کپڑوں پر سنہرے کلابتوں کے خوبصورت نقش و نگار اور عمارتوں کے دلآویز نقوش بھی صقلیہ کے مسلمانوں کے ذوق مصوری کے شاہد ہیں،[1]

فن تعمیر تعمیر کیلئے پتھر، مٹی، لکڑی، لوہے، اور رنگوں کی ضرورت پڑتی ہے، یہ چیزیں کم و بیش ہر جگہ پائی جاتی ہیں، اسلئے جسقدر قدیم متمدن قومیں گذریں، ان کا کوئی نہ کوئی مخصوص طرز تعمیر قائم ہوا، جنمیں سے ایرانی، مصری، یونانی، رومی، اور بیزنطی طرز تعمیر اسلام کے ظہور کے وقت دنیا میں رائج تھے، مسلمانوں کا تمدن جغرافی حدود کا پابند نہیں، اسلئے اسلامی طرز تعمیر کو ان تمام طرزوں سے واسطہ پڑا، اور پھر مسلمانوں نے ان مختلف طرزوں میں اپنی ذہنی استعداد سے ایسی آمیزش اور اضافے کئے کہ ایک مخصوص طرز تعمیر کی بنیاد پڑ گئی، یہی طرز اسلامی طرز کہلاتا ہے،

مسلمانوں کے صقلیہ میں آنے کے وقت تک اسلامی طرز تعمیر کی بنیاد پڑ چکی تھی، وہ صقلیہ میں مشرقی طرز لے ہوئے، اسلامی طرز تعمیر کو اپنے ساتھ لائے، اور یہاں انھیں اسلامی طرز میں یہاں کے قدیم یونانی رومی اور بیزنطی طرزوں کے ملانے کا موقع ملا، اور اپنی استعداد سے مشرقی و مغربی طرزوں میں ایسی آمیزش کی کہ ایک مستقل طرز کے بانی بنے جسکو یہاں صقلیہ

---

[1] نزہتہ المشتاق ادریسی،

کا شرقی عربی طرز کہتے ہیں [۱]

صقلیہ کا یہ شرقی عربی طرز نہ صرف یہ کہ اسلامی طرز تعمیر کی ایک شاخ ہے، بلکہ مسلمانوں کے فن تعمیر میں اسکو ایک مستقل منزل کی حیثیت حاصل ہے، جسمیں ان کی چند یادگاریں دائمی طور پر باقی رہ گئیں جنھیں صقلیہ کے اسلامی طرز کے چند خصوصیات کہا جاسکتا ہے،

صقلیہ کے اسلامی فن تعمیر کے خصوصیات، وہ ہیں جن کی داغ بیل مسلمانان صقلیہ کے ہاتھوں اسلامی فن تعمیر میں پڑی، مثلاً:۔

عمارتوں میں پتھروں کا پہلی مرتبہ استعمال

مسلمانوں نے عمارتوں میں سب سے پہلی مرتبہ اسی صقلیہ میں اینٹ کے بجائے پتھر استعمال کئے۔ انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا میں تاریخ فن تعمیر کے ذیل میں اسلامی طرز تعمیر پر لکھتے ہوئے کہا گیا ہے:۔

"اس قسم کے طرز تعمیر کی دوسری منزل تبریز و سلطانیہ کے مساجد ہیں، اور جب ہم دو صدی کے بعد اس طرز کو بلرم کے محل زیزہ میں دیکھتے ہیں، تو ہم کو اتنا فرق نظر آتا ہے، کہ اب اینٹ کی جگہ پتھر نے لی ہے [۲]"

موسیو لیبان تعمیر کے مصالحہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

"عربوں کی تعمیر کا مصالحہ بلحاظ اختلاف ملک اور اختلاف عمارات کے مختلف ہے، پہلے انھوں نے محض اینٹیں استعمال کیں، لیکن اُس کے بعد ہی انھوں نے اپنی بڑی عمارتوں مثل قصور ضیزہ اور قوبعہ کے جو جزیرۂ صقلیہ میں ہیں، اور مسجد حسن کے جو قاہرہ میں ہے، اور نیز دوسری عمارات میں پتھر کا استعمال کیا [۳]"

صقلیہ میں عمارات کے قابل پتھروں کی کمی نہ تھی، یہانتک کہ جب اسکندر نے شہر اسکندریہ

---

[۱] تمدن عرب صفحہ ۱۵۰، [۲] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۲ صفحہ ۴۲۳، [۳] تمدن عرب صفحہ ۱۵۱

تعمیر کرایا، تو عمارتوں کیلئے پتھر یہیں سے منگوائے، اسلئے مسلمانوں نے صقلیہ پہنچ کر یہاں کے پتھروں کی قدر کی، اور بقول مسٹر اسکاٹ مسلمان انجینیروں نے ایوانِ شاہی اور امرا، کے محلوں میں رنگ برنگ کے پتھروں کی چکا چوند پیدا کردی، اور جتنے قسم کے پتھر یہاں دستیاب ہوتے تھے، سب کو عمارتوں میں استعمال کیا، چنانچہ ادریسی اور ابن جبیر وغیرہ نے بھی یہاں کی عمارتوں کے پتھروں کی تعریف کی ہے[۱]،"

ستون کی نوکدار محرابوں کی ایجاد

دوسری خصوصیت فنِ تعمیر کے ستونی طرز (COLUMN) کو معراجِ کمال پر پہنچایا ہے، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا میں نارمنوں کے فنِ تعمیر کے ذیل میں ہے :۔

یونانیوں نے ستونی طرز (COLUMN) کی ابتدا کی، اور رومیوں نے اسکو ترقی دی، یونانیوں اور رومیوں نے ایسے ستون بنائے، جن پر چھت (CUPALA) قائم ہون، مسلمانوں نے ان ستونوں پر نوکدار محرابیں بنائیں، اور صقلیہ کے مسلمانوں نے انہی عناصر سے ایک بلند و حسین طرز ایجاد کیا، جو مختلف حیثیات میں پرشوکت و شان، سادہ اور حسین و جمیل تھا[۲]،

آرائشی طاقچے

اسلامی فنِ تعمیر میں آرائشی طاقچوں کے اضافہ کی ابتدا بھی صقلیہ ہی میں ہوئی، موسیو لیبان لکھتے ہیں :۔

"ان طاقوں کا استعمال جزیرۂ صقلیہ میں دسویں و گیارہویں صدی عیسوی میں پایا جاتا ہے[۳]،"

ان خصوصیتوں کے اضافہ کے علاوہ تعمیر کی اون صنعتوں کو جو اس وقت تک اسلامی فنِ تعمیر میں رواج پا چکی تھیں، نہایت خوبی سے استعمال کیا، اور اپنے حسنِ ذوق سے ان کو معراجِ کمال پر پہنچایا،

سنہری روپہلی قلعی

اسلامی عہد میں دیواروں پر سنہری روپہلی قلعی کی جاتی تھی، جسکو شمسیہ و قمریہ کہتے تھے،

[۱] نزہۃ المشتاق و رحلۃ ابن جبیر (بلرم) وغیرہ اخبار الاندلس جلد ۲ ص۲۲ و تاریخ عرب موسیو سدیو ص۲۴۲، [۲] انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۹ ص ۵۵، طبع یازدہم، [۳] تمدن عرب ص ۴۴۸،

صقلیہ کے مسلمان مہندسین نے یہاں کی عمارتوں میں یہ دونوں صنعتیں استعمال کیں ابن جبیر کنیسہ انطاکی کی چھت کو شمسیات لکھتا ہے، اور قریہ کے نمونے آج بھی یادگار باقی رہ گئے ہیں،

نقش ونگار، دیواروں پر مختلف نقش ونگار ہر قسم کے رنگ بھر کر بناتے، خوبصورت مصنوعی بیلیں چڑھاتے، بیلوں میں اُن کے خوشے نہایت شگفتہ دکھاتے، اور خط کوفی وطغریٰ میں قرآن مجید کی آیتیں نہایت صفائی اور خوبصورتی سے نقش کرتے،

نارمنوں کے عہد میں اسلامی طرز تعمیر، سسلی میں جب تک مسلمان موجود رہے، اسلامی طرز تعمیر اور مسلمان معماروں کو مقبولیت حاصل رہی، نارمن خود کسی تمدن کے حامل نہ تھے، وہ تقریبًا ایک ہی زمانہ میں انگلستان اور سسلی دونوں جگہ آئے، انگلستان میں تو انھیں اوس طرز کو رواج دینے کا موقع ملا، جسے اونھوں نے لمبارڈوں اور فرانسیسیوں سے حاصل کر لیا تھا، کیونکہ خود انگلستان میں اسوقت کوئی طرز تعمیر موجود نہ تھا، جسکو وہ اختیار کرتے، برخلاف اس کے صقلیہ میں یونانی اور اسلامی طرز تعمیر ترقی یافتہ شکلوں میں موجود تھے، وہ اوس طرز سے زیادہ بہتر تھے جسکو وہ انگلستان میں رائج کر رہے تھے، اسلئے باوجودیکہ انگلستان اور صقلیہ کے نارمنوں میں معاشرتی تعلقات قائم تھے، پھر بھی انھوں نے یہاں اوس نئے طرز پر عمارتیں نہیں بنائیں جس طرز پر وہ انگلستان میں بنا رہے تھے، کیونکہ انگلستان کا وہ نارمن طرز صقلیہ کے اسلامی طرز تعمیر کے مقابلہ میں ناقص بھدا اور بدصورت تھا، اسلئے صقلیہ میں نارمنوں کے زمانہ میں جو عمارتیں بنائی گئیں وہ تمامتر صقلیہ کے مسلمان مہندسین اور معماروں کے ہاتھوں تعمیر ہوئیں، اور خالص اسلامی طرز کی تھیں، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا میں نارمنوں کی سرگذشت میں ان کے طرز تعمیر کے ذیل میں ان امور پر وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے، اس کا اجمالی خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا، کہ صقلیہ کے نارمن عہد حکومت میں جسقدر تعمیری ترقیاں ہوئیں، وہ تمامتر اسلامی تعمیرات ہیں، جو مسلمان کاریگروں

کے ہاتھوں انجام پائیں، مقالہ نگار نے انگلستان اور صقلیہ کی نارمن عماروں کی تعمیر کا فرق ان الفاظ میں دکھایا ہے:۔

"ان دونوں ملک کا فرق نہایت نمایاں ہے صقلیہ میں ان نارمنوں کو نظر آیا کہ وہ وہاں کے موجودہ طرز میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتے، اسلئے انھوں نے اسی کو اختیار کرلیا، لیکن انگلستان میں انھوں نے دیکھا کہ وہ اسمیں ترقی کرسکتے ہیں، اسلئے ملک کے طرز تعمیر کی جگہ اپنا طرز رائج کیا،.... اس طرح ہمیں نظر آتا ہے کہ انھوں نے ان دونوں جگہ وہاں کے حالات کے مطابق عمل کیا"

(صقلیہ میں) ان اسلامی اور یونانی فنون کی موجودگی میں انھیں کسی جدت کی ضرورت نہیں تھی، اُن کو صرف اتنا کرنا پڑا کہ انھوں نے معماروں کو حکم دیا کہ وہ دوسرے کے بجائے ان کیلئے عمارتیں بنائیں، پلرمو، مونریل (MONREALE) سیفولو (CEFALOW) اور مسینا کے نارمنوں کے شاہی محل اور گرجے تمامتر خالص طور سے اسلامی ہیں، اور اغلب یہ ہے کہ وہ مسلمان معماروں ہی کے بنائے ہوئے ہوں، اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں، کہ وہ اسلامی نمونے پر بنائے گئے ہیں،

ان عمارتوں اور ایکوٹیٹن (AQUITAINE) کی عمارتوں میں نوکدار محرابیں اسلامی اثر کا صاف پتہ دیتی ہیں ان کو کبھی بھی شمال کے گاتھک طرز کی آمد نہیں سمجھنا چاہئے، اس طرز تعمیر کو صقلیہ کے نوکدار طرز سے کوئی واسطہ نہیں، صقلیہ کا ایک گرجا فرانسیسی یا انگریزی گرجے سے قطعًا مشابہ نہیں ہوسکتا، بعض جگہ وہ بالکل مشرقی (مجموعہ چین، ایشیاے وسطی اور ہند) ہے، (جو عربوں کے ذریعہ صقلیہ پہنچا،) اور بعض جگہ نوکدار محرابوں، (جو صقلیہ کے عربوں کی ایجاد ہے) سے بنا ہوا ہے"

اس کے بعد مقالہ نگار دیواروں کے نقش و نگار کے متعلق لکھتا ہے،

لیکن اگر عربوں نے تعمیر کا راستہ دکھایا، تو یونانیوں نے دیواروں کی مصوری و نقاشی کی راہ

دکھائی، ایسی حالت میں حکمراں قوم (نارمن) بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ حکمراں خاندان کو وہاں کے فن زمانہ کے رائج طرز میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں پڑی، انھوں نے جو کیا وہ یہ کہ مسلمانوں اور یونانیوں سے مشترک طور سے کام لینا شروع کیا"۔

لیکن اس موقع پر یونانیوں کا ذکر کرکے مقالہ نگار نے گویا ایک دلچسپ پیرایۂ بیان میں نارمنوں کی عمارتوں کی تعمیر میں مسلمان معماروں کے ساتھ یونانی معماروں کو شریک کر دیا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں دیواروں کا نقش و نگار یونانی طرز سے ماخوذ ہو، لیکن صقلیہ کی عمارتوں اور خصوصاً گرجوں پر خط کوفی و خط طغریٰ میں قرآن مجید کی آیات سے زیب و زینت دینا ظاہر کر رہا ہے کہ ان نقش و نگار کے نقاش و مصور یونانی نہیں مسلمان ہیں، صقلیہ اور اپولیا کے گرجوں کی عمارتوں کی آیات قرآنی آجتک اسکی شاہد ہیں، موسیو لیبان لکھتے ہیں:۔

"خود عربی حروف اس درجہ خوبصورت ہیں کہ ازمنۂ وسطیٰ اور قسطنطنیہ ثانیہ کے بنّاؤں نے ان نمونوں کو جو ان کے ہاتھ لگے محض آرایش سمجھکر نقل کر دیا ہے، موسیو لانگ پیریر، اور موسیو لادوابہ، اور دوسرے مصنفین نے ان کی مثالیں اکثر ایطالیہ میں دیکھی ہیں، اس آخر الذکر مصنف نے تو میلان کے بڑے کلیسے کے بیت الخدمت میں ایک نکیلا محراب دار دروازہ دیکھا ہے جس کے گرد پتھر کی گلگر تھی، اور اس پر ایک عربی لفظ متعدد بار لکھا ہوا تھا، کلیسائے سینٹ پٹیر کے اس دروازہ پر جہاں پوپ یوزین چہارم کی مورت ہے، حضرت عیسیٰ کے سر کے گرد عربی حرفوں کا ہالہ ہے اور سینٹ پٹیر اور سینٹ پال کے کپڑوں پر بھی ایک ایک سطر عربی لکھی ہوئی ہے، افسوس ہے کہ اس مصنف نے ان کتبوں کا ترجمہ نہیں دیا ہے، کیا عجب ہے کہ حضرت عیسیٰ کے سر کے گرد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہو"

مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:۔

"یہاں تک کہ گرجوں اور مقدس مکانوں کی آرایش قرآن مجید کی آیتیں لکھوا کر کراتے تھے، حالانکہ

قرآن مجید کی تعلیم پایائے روما کے اصول دینیات اور مذہبی مجالس کے احکام کے بالکل برعکس تھی"

صقلیہ کے نارمنوں کے علاوہ یورپ کے دوسرے خطوں میں بھی اسلامی طرز تعمیر کو مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس نے صدہا برس گذرنے کے باوجود اپنی امتیازی شان قائم رکھی، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا میں ہے"۔

"جب ہم نارمنوں کے انگلستان اور صقلیہ کی تعمیر کان بعض عمارتوں سے جو اپولیا کے بعض حصوں میں بنائی گئی ہیں، مقابلہ کرتے ہیں، تو ہمیں ٹرانی بٹ نٹو اور باری کی عمارتوں میں اطالوی اور نارمن عناصر ملے جلے معلوم ہوتے ہیں، ان شہروں کے بڑے گرجے صقلیہ کے گرجے سے مختلف ہیں، ایک طرف تو ہمیں ان میں بعض ایسی چیزیں نظر آتی ہیں، کہ گویا ہم اٹلی میں ہیں، دوسری طرف ہمیں ان میں اسلامی طرز تعمیر کی صاف جھلک دکھائی دیتی ہے"[۱]

مشہور عمارتیں اور ان کے آثار صقلیہ میں مسلمانوں نے فن تعمیر کو جو ترقی دی، اس کا اندازہ وہاں کی شاندار اور خوبصورت عمارات سے کیا جا سکتا ہے، اس زمانہ کے مشہور عرب مورخین اور سیاح، ابن حوقل، ادریسی، ابن جبیر اور یورپین سیاح تھیوڈوسیس راہب یہاں کی تعمیری ترقیوں کو بچشم خود دیکھکر متاثر ہوئے، اور اپنی کتابوں میں اپنے تاثرات لکھے، دور حاضر کے یورپین مورخین میں سے سدیو، لیبان، اسکاٹ، اور انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار وغیرہ نے اس زمانہ کی یہاں کی عمارتوں کے آثار باقیہ دیکھے، اور انھیں اندلس کی عمارتوں کے بعد سب سے اعلیٰ ترین عمارتوں میں شمار کیا،

عمارتیں عموماً پتھر کی بنتی تھیں، اندر کی دیواروں پر پلاسٹر کرتے تھے، اور رنگ برنگ کے نقش ونگار اور پچی کاری سے مزین کرتے، اکثر عرب و یورپین مورخین اور سیاح متفق ہیں کہ یہاں کی

[۱] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۹ ص ۵۵۵ تمدن عرب ص ۳۱۴، اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۳۰۰۔

عمارتوں کی عمومی شان و شوکت رفعت و بلندی، کشادگی، استحکام اور تزیین بالکل اندلس کی عمارتوں کے مثل تھی اگرچہ اندلس اور صقلیہ کے طرز تعمیر میں آسمان و زمین کا فرق تھا، لیکن عمومی طور پر دونوں میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی تھی، ابن جبیر نے تو ایک سے زیادہ مقام پر کہا ہے کہ یہاں کی عمارتیں "قرطبیۃ البنیان" ہیں،

لیکن وہ کونسی عمارتیں تھیں، کن کن ناموں سے موسوم تھیں، افسوس ہے کہ اس کی تعیین صقلیہ کی عمارتوں کے سب سے بڑے مداح ادریسی کی نزہۃ المشتاق سے بھی نہیں ہو سکتی، وہ یہاں کے معلومات کی جزئی سے جزئی تفصیل بیان کرتا ہے، مگر بجز "القصر" و "المسجد" وغیرہ کے ان کا کوئی خاص نام نہیں لیتا، حالانکہ اکثر قابل ذکر عمارتیں اپنے اپنے ناموں سے موسوم تھیں، اور تاریخوں میں کہیں کہیں ان کے نام ملجاتے ہیں لیکن ادریسی نے اپنی کتاب نارمنوں کے عہد میں نارمن فرمانرواؤں کیلئے تالیف کی، اسلئے غالبًا اوس نے ان ناموں کو عمدًا نہیں لکھا، کہ اب انھیں پُرانے ناموں مثلًا قصر سالم، قصر سعد وغیرہ سے موسوم کرنا معنوی اعتبار سے بے معنی تھا، تاہم چند عمارتوں کے نام ہیں ایسے معلوم ہو سکے ہیں، جن کے حالات متعین طور پر ہم بیان کر سکتے ہیں، ان میں قصر زیزہ، قصر قوبع، قصر سعد، مسجد بلرم، مسجد ترمہ، اور کنیسہ انطاکی ہیں لیکن یہ یادگاریں بھی اسوقت تک قائم رہیں جب تک نارمن مسلمانوں کا تمدن اختیار کئے رہے، اور اسی لئے ان کے عہد میں بھی مسلمان معماروں کے ہاتھوں اسلامی عمارتوں کا اضافہ ہوتا گیا لیکن پھر اسکے بعد جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا صقلیہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے معاشرتی تعلقات خراب ہوتے گئے، یہانتک کہ رفتہ رفتہ دونوں قوموں میں کامل اجنبیت پیدا ہو گئی لیکن اسکے باوجود اس زمانہ میں بھی جو نئی عمارتیں بنیں، ان میں اسلامی طرز تعمیر کی نمایاں جھلک باقی رہتی،

لیکن افسوس ہے کہ اسلامی عہد حکومت اور نارمن عہد کے ابتدائی دور کی بنی ہوئی عمارتیں بہت جلد برباد ہو گئیں، اور آج تو صرف بعض عمارتوں کا کچھ ٹوٹا پھوٹا حصہ کسی کھڑکی کی کوئی جالی کسی عمارت کا

کوئی دروازہ یا کسی دیوار کے کسی کتبے کا صرف کوئی ٹکڑا ہماری چشم عبرت کیلیے باقی رہ گیا ہے، ورنہ کلیسا کے متعصب پادریوں کی کوششوں نے اسلامی عہد کی ان یادگاروں میں سے ایک ایک کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں،:-

"دنیا بھر میں کسی قسم کے آثار ایسے کامل طور پر اور ایسے باقاعدہ طریقہ سے کہیں نہیں مٹائے گئے جیسے مسلمانانِ صقلیہ کی یادگاروں کو مٹایا گیا ہے[1]"

بہرحال جن عمارتوں کے نام و نشان باقی رہ گئے ہیں، ان میں سے قصر زیزہ اور قوبع کے نام یورپ کے مورخین کے درمیان زیادہ مشہور ہیں، موسیو لیبان لکھتے ہیں:-

"اس وقت صقلیہ میں بہت تھوڑی سی یادگاریں مسلمانوں کی باقی رہ گئی ہیں، ان میں سے مشہور ضیزہ اور قوبع کے قصر ہیں، جو پلرمو کے قریب ہیں، ان کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے، کہ مورخین قدیم نے اُن کی عظمت و شان کے بیان کرنے میں مبالغہ نہیں کیا ہے تھیوڈوسیس ایک راہب نے اور نیز ادریسی نے ان قصروں کی بڑی تعریف کی ہے، اور ان کے قیمتی سنگ مرمر اور خوشنمائی مرصع کاریوں اور حیرت انگیز باغوں کی جو عربوں کے زمانہ میں تھے صفت و ثنا لکھی ہے،

یہ راہب تھیوڈوسیس ۸۸۵ھ میں سائراکیوز کے محاصرہ میں قید ہو کر پلرمو بھیجا گیا تھا اور وہاں کے قصر اور مساجد اور محلات کی بہت کچھ تعریف کرتا ہے"

قصر زیزہ و قوبع کا زمانۂ تعمیر اور اون کے صحیح نام

موسیو لیبان کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ دونوں قصر عہد اغالبہ میں تعمیر ہو چکے تھے، کیونکہ تھیوڈوسیس ۸۸۵ھ میں پلرمو گیا، اور اون کے بیان کے مطابق اوس نے اُن قصروں کی بڑی تعریف کی ہے، ...." لیکن موسیو لیبان کی یہ تصریح تسامح پر مبنی ہے، اوس کی تصحیح بعض عرب مورخین کے اشارات اور نیز خود موسیو لیبان کے

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۱،

ایک دوسرے بیان سے ہوجاتی ہے،

"قصر ضیزہ" کے متعلق میرا خیال ہے، کہ اوسکی اصل "قصر عزیزیہ" ہے، جو خلیفہ فاطمی العزیز باللہ نزار (جلوس ۳۶۵ھ) کی طرف منسوب تھا، عرب مورخین میں سے لسان الدین محمد بن الخطیب الوزیر اندلسی صقلیہ کے حالات میں ۳۷۳ھ کے سلسلۂ واقعات میں والی صقلیہ جابر کے متعلق لکھتا ہے:۔

وصله تقليد نزار (العزيز بالله)	اور اوس کو نزار (العزیز باللہ) شاہ عبیدیہ
ملك العبيديه... وسكن القصر الذي	کی طرف سے فرمان ملا، اور وہ اُس قصر میں
يعرف به في صقليه[1]	اترا، جو اُسکے نام سے صقلیہ میں مشہور ہے،

اس بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ "قصر عزیز" اس عہد میں پلرمو کے اس محل کا نام تھا جس میں فرمانروائے صقلیہ اقامت گزیں ہوتا تھا اسلئے یہ قصر رفعت وشان میں صقلیہ کے عموماً دوسرے قصروں سے زیادہ ممتاز ہوگا، اسلئے عجب کیا ہے، کہ "قصر ضیزہ" (ZISA) اسی قصر عزیز کا بگڑا ہوا تلفظ ہو، اگر یہ صحیح ہے تو اس کا اردو تلفظ "ضیزہ" کے بجائے جو تمدن عرب میں اختیار کیا گیا ہے "زیزہ" زیادہ مناسب ہے، اور اسی لئے ان اوراق میں اُس کا یہی املا اختیار کیا گیا ہے۔

اس خیال کو اس سے اور تقویت پہنچتی ہے، کہ موسیو لیبان کے بیان کے مطابق قصر زیزہ دسویں صدی میں تعمیر ہوا تھا چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"جزیرہ صقلیہ کی مشہور عربی عمارتیں ضیزہ و قبہ دو مشہور قصر ہیں، جو پلرم کے قریب واقع ہیں، اور جنکی بنا دسویں صدی عیسوی میں ہوئی"[2]

---

[1] اعمال الاعلام، در یادگاری ج ۲ ص ۴۰۸، بشرطیکہ "یعرف به" میں "به" کی ضمیر العزیز باللہ کی طرف لوٹتی ہو، ورنہ اگر اسے "سکن" کے فاعل جابر کی طرف لیجائیں، تو قصر زیزہ کے متعلق قیاس کی ساری عمارت مسمار سمجھئے۔

[2] تمدن عرب ص ۴۹۲،

اسلئے اگر یہ دسویں صدی کی عمارتیں ہیں، تو تھیوڈوسیس راہب نے ۸۸۵ء میں بلرم کے کسی دوسرے قصر کا تذکرہ کیا ہوگا، جسکو زیزہ پر منطبق کیا گیا، عجب کیا کہ وہ قصر سعد اور قصر سالم ہوں کہ اغالبہ کے زمانہ میں یہ دونون قصر یہان زیادہ ممتاز تھے، اور ان میں ولاۃ رہتے تھے، البتہ لسان الدین الخطیب کے بیان کے مطابق دسوین صدی عیسوی کے اواخر اور گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں یہان کا شاہی قصر، قصر عزیز تھا، اسلئے شاید ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہون کہ قصر ضیزہ" دراصل "قصر زیزہ" ہے، جو قصر عزیز کا یورپی تلفظ ہے، اس طرح اگر اس کا زمانہ تعمیر خلیفہ فاطمی العزیز باللہ کے سریر آرائے حکومت ہوجانے کے بعد ہی، تو وہ زمانہ ۳۶۵ھ (سال جلوس العزیز) اور ۳۸۲ھ سال ولایت جابر) کے درمیان ہوتا ہے، جو دسویں صدی صدی عیسوی کا بالکل آخر زمانہ ہے،

اسی طرح قصر قوبع کا زمانہ تعمیر بھی موسیو لیبان کے بیان کے مطابق دسویں صدی عیسوی ہے، لیکن اوس کے متعلق بھی عربی ماخذوں سے بعض احتمالات پیدا ہوتے ہین مگر ابھی وہ اس لائق نہیں کہ ضبط تحریر میں لائے جائیں،

قصر زیزہ و قوبع کی خصوصیات موسیو لیبان نے ان دونون قصرون کے کھنڈر خود جاکر دیکھے تھے، جو ابھی تک اپنے حال پر کھڑے ہیں، اونھون نے جو حالات بیان کئے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونون اسوقت دنیا میں مسلمانوں کے سب سے قدیم ترین قصر ہیں، اور صقلیہ کے سیاسی حالات کے لحاظ سے اون کی یہ عمارت بیک وقت قصر بھی ہے، اور قلعہ بھی، قصروں مین جو طرز تعمیر ہے، وہ افریقہ کے قصروں سے زیادہ ملتا جلتا ہے، موسیو لیبان کا پورا بیان حسب ذیل ہے:-

اتنے پرانے زمانہ کے عربی قصر کہیں نہیں پائے جاتے، اور اس وجہ سے یہ نہایت ہی دلچسپ یادگار ہین

ضیزہ اور قوبع کے قصر نہ فقط قصر تھے، بلکہ قلعے بھی تھے یہ گڑھے ہوئے پتھروں سے بنے ہوئے اور سامان جنگ سے آراستہ تھے، اور بلا تامل صدیوں کا سامنا کر سکتے تھے،

صقلیہ کے سارے قصر جن پر آٹھ صدیاں گذر گئی ہیں، ہر قسم کی بدسلوکیاں جھیل چکے ہیں؛

قصر زیزہ کے مفصل حالات یوں لکھتے ہیں:۔

"قصر ضیزہ، جو بلرم سے قریب ہے شکل میں پتھر اور چونے کا عظیم الشان مکعب نظر آتا ہے، اوسکی دیواریں دور سے ایک زنجیر محرابوں کا معلوم ہوتی ہیں، جو کسی قدر نکلی ہیں، اور ان کے اندر دُہرے دُہرے دریچے بنے ہوئے ہیں، جن کی دونوں جانب کسی زمانہ میں ستون تھے، منڈیر کے حاشیہ پر کسی وقت میں قرمطی کتبے تھے، جن کا کچھ بقیہ رہ گیا ہے، میں نے موسیو زیزہ و دے پران ژی کی تصویر سے اس قصر کے ایک دالان کے نقشہ کو جیسا وہ چالیس برس پہلے تھا نقل کیا ہے؛ اس کی آرایش نہایت ہی سادہ اور خوبصورت ہے، اسمیں اندلس کی طرح سے قلمی آرائشیں بھی ہیں؛ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان عربی کارگیروں نے جنھوں نے نارمنوں کے وقت میں اس قصر کی مرمت کی ہوا سکی پرانی طرز کو کہاں تک بدلا ہے؛

اسکے بعد قصر قوبع کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ضیزہ کے قصر سے تھوڑے فاصلہ پر قوبع کا قصر واقع ہے ضیزہ اور قوبع کے قصروں کی ظاہری صورت اور ان کی نکیلی محرابوں کی قطاریں اور ان کی باقاعدہ تعمیر اندلس کے عربی قصروں سے بالکل علحدہ ہے، موسیو دے پران ژی اون کو مصر کی عمارتوں سے مشابہ بتاتے ہیں، لیکن میری راے میں یہ مشابہت مطلق نہیں پائی جاتی، بہت تلاش کے بعد میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ مسجد قلاؤن کے بعض حصوں کو کچھ خفیف سی مشابہت ان قصروں سے ہو تو ہو"[1]

---

[1] تمدن عرب صفحہ ۴۸۱، صفحہ ۴۹۱، صفحہ ۴۹۲،

ادریسی نے ان قصروں کا تذکرہ بلرم کے ضمن میں کیا ہے، اسی سلسلہ میں اوس مرمت کا حال بھی لکھا ہے، جو راجر نے کرائی تھی، ادریسی نے اسکو نئی تعمیر سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:-

"اور یہ محل نہایت محفوظ اور بلند ہے، جنگ سے اوس کو مفتوح نہیں کیا جاسکتا، اور کسی حالت میں اس تک رسائی ممکن نہیں، اس کے اوپر شاہ جار کا ایک نو تعمیر قلعہ ہے، جو نگینوں اور بڑے بڑے ترشے ہوئے پتھروں سے بنایا گیا ہے، اس کے مناروں، پناہ گاہوں، محلوں اور نشستگاہوں میں نہایت استحکام اور بلندی پائی جاتی ہے، وہ نہایت مضبوط بنایا گیا ہے، نہایت نادر اور عجیب چیزوں سے اوسکی نقش آرائی کیگئی ہے، مسافروں اور سیاحوں نے اسکی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے، اور یہ یقین کیا ہے، کہ اس شہر کی عمارتوں اور محلوں سے زیادہ دلفریب کوئی عمارت اور کوئی جگہ نہیں ہے"[1]

قصر سعد، قصر سعد اسلامی عہد کا ایک خوبصورت اور پائدار قصر تھا، بلرم سے ایک فرسخ پر واقع تھا، اس کا طرز تعمیر اُس قدیم وضع کا معلوم ہوتا ہے، جسکو مسلمانوں نے ابتدا جزیرہ میں رائج کیا، قصر میں داخلہ کیلئے لوہے کا ایک پھاٹک تھا، اور اندر نہایت کشادہ، وسیع اور آرام دہ قیامگاہیں اور دو منزلہ عمارتیں تھیں، قصر کے بلند حصہ پر ایک مسجد تھی، جو ابن جبیر کے بقول دنیا کی خوبصورت ترین مساجد میں تھی، اسمیں شیشہ اور پیتل کی ۴۰ قندیلیں آویزاں تھیں، قصر کے سامنے ایک کشادہ سڑک تھی، جو قصر کے چاروں طرف گھومی تھی، اس سے کچھ ہٹ کر ایک چشمہ عین مجنونہ رواں تھا، جو قصر کے حسن کو دوبالا کرتا تھا، اور قصر کے نشیبی حصہ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا، ابن جبیر کے عہد تک یہ قصر اچھے حال میں تھا، مگر اب اس میں امراء و رؤسا کے بجائے صوفیہ قیام پذیر تھے، اسکو خانقاہ کی ایک حیثیت حاصل ہو گئی تھی، اسکے اردگرد مسلمانوں کی بیشمار قبریں تھیں،

قصر جعفر، قصر سعد سے ایک میل پر واقع تھا، یہ بھی اپنے طرز اور خصوصیات میں اسی کے نمونہ پر تھا،

---

[1] نزہتہ المشتاق ص ۲۳

ابن جبیر کے عہد تک اوسکے فوارہ سے پانی اچھلتا رہتا تھا،

بہ ظاہر یہ دونوں قصر عہدِ اغالبہ کی یادگار تھے، اور جیسا کہ کہا گیا عجب کیا، کہ تھیوکروٹس نے انہی کا نظارہ کیا ہو،

کنیسۂ انطاکیہ، کنیسۂ انطاکیہ پلرمو کا ایک کلیسا نارمنوں کے زمانہ کا تھا، یہ راجر اوّل کے وزیر کے اہتمام میں تعمیر ہوا، اس کا طرز تعمیر خالص اسلامی تھا، ابن جبیر نے اسکی بے حد توصیف کی ہے، اُس کا بیان ہے کہ اسمیں سونا پانی کی طرح بہایا گیا ہے، اندر کی دیوارون پر سنہری قلعی تھی، فرش پر رنگ برنگ کے بیش قیمت پتھر بچھائے گئے تھے، ان پتھروں کو باہم ملانے کیلئے طلائی پچی کاری کیگئی تھی، نہایت خوبصورت زریں سُنہرے نگینے فرش میں قرینہ قرینہ سے جڑے تھے، ان میں سبز نگینوں سے پھول بوٹوں کی آرایش کیگئی تھی، اسی طرح چھت پر نہایت خوبصورت سُنہری قلعی اور شمسی شیشے جڑے گئے تھے کلیسا مین داخل ہوتے ہی انکی شعاعوں سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی تھیں اس کے اندر ایک صومعہ تھا، جو سنگ رخام کے خوبصورت رنگین ستونون پر قائم تھا،

ابن جبیر نے اس عمارت کو عجائب روزگار عمارتوں میں شمار کیا ہے[1] یہ سب کچھ مسلمان مہندسین اور معمارون ہی کے موئے قلم کے یادگار شاہکار تھے،

قصر ابیض مسینا، یہ مسینا کا ایک سپید شاہی محل تھا، یہ غالبًا خالص اٹالین سنگ مرمر سے جو صقلیہ ہی سے نکالا جاتا تھا، تعمیر کیا گیا تھا، ابن جبیر لکھتا ہے:-

"مسینا میں بادشاہ کے قیام کے واسطے ایک سفید قصر کبوتروں کے پروں کی طرح دریا کے کنارہ پر چمکتا ہے"[2]

آثارِ باقیہ، دور حاضر میں صقلیہ کی جو یادگاریں باقی رہ گئی ہیں، ان میں صرف پلرم کے وہی دونوں مشہور قصر زیزہ و قوبع کے آثار کسی نہ کسی حال میں ابتک پائے جاتے ہیں، اوران کے علاوہ

---

[1] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۲، ۳۲۳، [2] ۵۲، ۵ ص ۳۲۵،

جو کچھ یادگاریں ٹوٹی پھوٹی شکلوں میں باقی رہ گئی ہیں، اُن کا مشاہدہ مختلف یورپین مورخین نے کیا، اور اپنے تاثرات اور نظریے قلمبند کئے، موسیو لیبان و سدیو وغیرہ کے علاوہ اےسیلنیس (A. SALINAS) نے ابھی ۱۹۱۰ئہ میں ایک بسیط مضمون صقلیہ کی اسلامی تعمیر اور اسکے آثار پر لکھا ہے، اسی طرح شاک اور بیکر کے اس موضوع پر وقیع مباحث ہیں، لیکن زبان کی اجنبیت کے باعث ابھی تک یہ مباحث معلوم نہ کرسکا، اے سیلینس کے مقالہ کے ساتھ صقلیہ کی عمارتوں کے دروازوں، کھڑکیوں اور محرابوں وغیرہ کی چند تصویریں شائع ہوئی ہیں، عمارتوں کے یہ ٹکڑے سسلی کے موجودہ عجائب خانہ میں محفوظ ہیں، ان تصویروں میں محرابیں بعض مخروطی شکل کی ہیں، بعض مستطیل ہیں، اور بعض نکیلی معلوم ہوتی ہیں، محرابوں کی ساخت سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ پتھر کی ترشی ہیں، کھڑکیاں بھی سنگی اور جالی دار ہیں، جالیوں کے اقسام پر تو ہمیں عبور نہیں تاہم جالیوں کے جتنے نقشے ہیں، سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بعض تو بظاہر بہت بھدی شکل کی معلوم ہوتی ہیں، لیکن اکثر کی تراش خراش خوبصورت، نازک، اور اپنے اندر خاص کشش رکھنے والی ہے، جن پر بے ساختہ نگاہ اٹھ جاتی ہے، بعض ٹکڑوں میں آیات قرآنی مثلاً: نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِيۡبٌ پاکیزہ خط میں نقش ہیں، اور بعض نقوش خط طغری میں ہیں، چند تصویریں ان کلیساؤں کی ہیں جو نارمنوں کے عہد میں مسلمان معماروں کے ہاتھوں تعمیر ہوئے، یہ سب ٹکڑے مختلف شہر بلرم، طرمین، سرقوسہ اور مسینا کی مختلف عمارتوں کے ہیں[۱]،

مہندسین صقلیہ صقلیہ کے ترقی یافتہ اسلامی فن تعمیر کے لحاظ سے یہاں کے مہندسوں اور باکمال معماروں کی کثیر تعداد ہونی چاہئے تھی، مگر اسوقت تک اہل صنعت کے طبقات و تراجم کا رواج نہ تھا، اسلئے صرف ایسے چند مہندسوں کے نام معلوم ہوسکے جنھیں کسی دوسرے علم میں کمال حاصل تھا، یا کہیں کہیں بعض ایسے نام نظر آئے جن کا تذکرہ اسلامی ممالک کی بعض عمارتوں کے ضمن

---

[۱] یادگاری مضامین جلد ۲ صـ ۴۹۹ تا ۵۰۰،

میں لگایا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی ان کے خدمات کی قدر تھی ان مہندسوں کے نام جن کی مجموعی تعداد صرف ۶ ہے مع انکے کارناموں کے حسب ذیل ہیں:-

ابو لیث صقلی اور جامع اشبیلیہ ابولیث صقلی جامع اشبیلیہ کے مہندسین میں ہے جو اندلس کی خوبصورت عمارتوں میں شمار کیجاتی ہے اس کو اس کی تعمیر کے سلسلہ میں اندلس کے تمام ہمعصر مہندسین پر فضیلت حاصل ہوئی، چنانچہ اس خوبصورت عمارت پر جو عظیم الشان کرے رکھے ہوئے ہیں، اور جنھیں دیکھ کر بقول مسٹر اسکاٹ نگاہیں خیرہ ہوجاتی ہیں، خاص طور پر اسی کی ہدایت اور نگرانی میں ڈھالے گئے، اور کمال فن سے اس قدر بلندی پر چڑھائے گئے[1]

ابو محمد عبد الکریم الصقلی المہندس اور رصد خانہ مصر مصر کے وزیر المامون متوفی ۵۱۹ھ کے حکم سے قاہرہ میں ایک عظیم الشان رصد خانہ کی تعمیر کا اہتمام کیا گیا تھا مقریزی نے اسکی تفصیل چار پانچ صفحوں میں لکھی ہے اس رصد خانہ کی تعمیر کے لئے جو ممتاز مہندسین مامور کئے گئے تھے، اون میں سے ایک ابو محمد عبد الکریم الصقلی المہندس تھا لیکن مامون کی وفات کے بعد خلیفہ فاطمی الآمر باحکام اللہ کے منشا و حکم کے بموجب اسکی تعمیر کا سلسلہ ملتوی کردیا گیا، اور یہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا[2]

ابو الفتح زیان الصقلی اور فصیل طرابلس طرابلس الغرب کے ساحلی سمت کی فصیل کی تعمیر کی بنیاد ہارون رشید کے حکم سے ۱۸۹ھ میں ڈالی گئی تھی، مگر وہ نامکمل اور کمزور رہ گئی تھی، اسلئے ۳۴۵ھ میں والی طرابلس نے اسکے نئے سرے سے مستحکم کرنے کا فیصلہ کیا، اس کے لئے صقلیہ کے ایک مہندس ابو الفتح زیان الصقلی کے خدمات حاصل کئے گئے، جس نے اپنی نگرانی میں بری و بحری دونوں سمتوں کی فصیل کی بنیاد مستحکم کی، اور اسکی بلندی میں اضافہ کیا، یہ فصیل مدت تک قائم رہی[3]

مسکر الصقلی اور جامع طرابلس طرابلس کی جامع مسجد افریقیہ میں اسلامی فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہے، اس میں

---

[1] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۱۰۰ [2] خطط مصر مقریزی جلد ۱ ص ۱۲۵ [3] رحلۃ التیجانی، در المارمی ص ۲۳۵،

بھی صقلیہ کے ایک مہندس کی تعمیری صناعیوں کی یادگاریں موجود ہیں، تیجانی ابو موسیٰ بن عمران سے نقل کرتا ہے کہ جامع طرابلس کے گنبد اور داخلی صحن کی دیواریں سکر الصقلی کے اہتمام میں تعمیر ہوئیں۔[۱]

اسی طرح چند دیگر مہندسین ہیں جن کا تذکرہ مورخین نے "ماہر علم ہندسہ" کی حیثیت سے کیا ہے، ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ الصقلی الفقیہ کے متعلق قفطی متوفی ۶۴۶ھ لکھتا ہے:-

صقلیہ کے ارباب علم میں تھے، علوم ہندسہ و نجوم میں ماہر تھے، ان علوم میں ان کا پایہ بلند تھا، حکما کے درمیان شہرت رکھتے ہیں، ان علوم میں وہاں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔[۲]

ابو الفضل بن احمد بن دابق صقلیہ کے وزراء میں تھا، علم ہندسہ میں بھی ماہر تھا، ابن القطاع نے اوس کو "عالم بالہندسہ" لکھا ہے،[۳] اور اسی طرح ابو حفص عمرو بن حسن بن القوفی الکاتب کو اصفہانی نے علم ہندسہ کا ماہر بتایا ہے۔[۴]

۳- مال غنیمت: صقلیہ میں مسلمانوں کیلئے پیدائش وحصول دولت کا ایک ذریعہ لڑائیوں کا مال غنیمت بھی تھا، اس موقع پر صقلیہ کے اسلامی وعیسوی محاربات کے اسباب وعلل کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ ان لڑائیوں کا سلسلہ مختلف اسباب وعلل کے باعث جن کا ذکر جلد اول میں گذر چکا ہے مسلسل قائم رہا، یہ لڑائیاں صقلیہ کے رومی مقبوضات کے علاوہ زیادہ تر اٹلی میں پیش آئیں، صقلیہ کے عام مسلمان ان میں شریک ہو کر وافر دولت حاصل کرتے، کہ مال غنیمت کی قانونی تقسیم کے رو سے حکومت کے حصہ کے علاوہ جس سے یہاں سروکار نہیں، عام مجاہدین کو بھی حصہ ملتا تھا، صقلیہ کے مال غنیمت کی قدر وقیمت کا اندازہ بعض موقعوں کے مال غنیمت سے کیا جاسکتا ہے، مثلاً ۳۱۳ھ میں ابو جعفر احمد بن عبید کی سرکردگی میں اٹلی کے مختلف شہروں پر حملے ہوئے، اور مال غنیمت

[۱] رحلۃ التیجانی در اماری ص ۲۹۵ [۲] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۱۸۹ [۳] الاشمان المسیلۃ در یادگاری جلد ا ص ۲۹۵
[۴] خریدۃ العصر در اماری ص ۵۹۶

جمع ہوا، ابو جعفر نے اسمیں سے ایک واجب حصہ خلافت فاطمی کے دربار میں نذر کیا، عبید اللہ فاطمی کے ایک خادم نے دربار میں زر و جواہر بیش قیمت ریشم اور دولت و ثروت کا انبار دیکھ کر ابو جعفر کی دیانت کی تعریف کی، تو عبید اللہ نے روک کر کہا کہ بخدا اوس نے اونٹ کے دو کانوں کے سوا مجھے کچھ نہیں دیا[۵۱]، اٹلی پر عہد اسلامی کے زوال سے کچھ ہی پہلے تک حملے ہوتے رہے، اور مشکل سے کوئی ایسا حملہ ہوگا جسمیں وافر دولت نہ ملی ہو،

اسی طرح صقلیہ کے مختلف شہروں قصریانہ، سرقوسہ، وغیرہ کی فتح میں بھی بیدریغ دولت ہاتھ آئی[۵۲]،

۴، تجارت، تجارت، پیدایش وحصول دولت کا متعارف ذریعہ ہے، اس میں ذرائع آمد و رفت، بار برداری مبادلہ، اور مختلف مقاموں سے تجارتی تعلقات کے قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے،

ذرائع آمد و رفت | ذرائع آمد و رفت میں بری و بحری دونوں راستے تھے،

بری راستے، اندرون جزیرہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر تک عمدہ کشادہ اور صاف سڑکیں زمانہ قدیم سے تھیں، اور ہر سڑک پر ان کی حفاظت کیلئے قلعے تعمیر کئے گئے تھے، اسلئے نئی سڑکوں کے بنانے کی بہت کم ضرورت پڑی تاہم اسلامی عہد میں بھی فوجی ضرورتوں کیلئے نئی سڑکیں بنائی گئیں، جن سے ملک کی معاشی ترقی میں بھی اضافہ ہوا، ان نئی سڑکوں میں ایک سڑک بلرم سے طرمین تک بہت سے جنگلوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی، اس سے پہلے طرمین تک کا راستہ دور کی طویل مسافت سے طے کیا جاتا تھا،

اسلامی حکومت نے صقلیہ کے اہم اسلامی شہروں کے اندر کثرت سے سڑکیں تعمیر کیں، جو نہایت مضبوط اور کشادہ تھیں، اور ان پر پتھر بچھے ہوئے تھے، ابن جبیر نے اکثر شہروں کی سڑکوں کی تعریف کی ہے[۵۳]،

بحری راستے، صقلیہ کے جزیرہ ہونے اور اوس میں اکثر بڑے بڑے شہروں کے ساحل پر آباد ہونے کی وجہ سے جزیرہ کے ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر عموماً بحری راستہ سے

---

۵۱ البیان المغرب ترجمہ اردو، ص ۲۰۵، ۵۲ ابن اثیر ج ۸، ص ۲۴، ۴۳، ۴۴، ۲۲۲، اعمال الاعلام در یاد مکاری، جلد ۲ ص ۴۴،

۵۳ رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۲، وغیرہ معجم البلدان جلد ۲ ص ۲۶۹

بھی طے کیا جاتا تھا خصوصاً مسینا اور قوسہ وغیرہ سے مازر اطرابنش اور بلرم وغیرہ بحری راستہ سے آتے جاتے تھے، یہی وجہ ہو کہ صقلیہ میں شہروں سے زیادہ تعداد بندرگاہوں کی ہی، علاوہ ازیں اندرونِ ملک میں جو دریا ہیں، ان میں بھی کشتیاں اور بعضوں میں بڑے بڑے جہاز چلتے تھے اور غیر ممالک کیلئے تو خاص بحری راستے بندرگاہیں، اس لئے اس جزیرہ کی یہ ایک اہم خصوصیت ہو کہ یہاں بے شمار بندرگاہیں قائم تھیں، جن سے اس جزیرہ کی مرکزیت اور اسکی اقتصادی اور معاشی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، ادریسی نے ان سب کو نام بنام گنایا ہے،

ادریسی سے ذیل کا نقشہ مرتب کیا جاتا ہی، اس کے مقابل میں نزہۃ المشتاق کے ایطالوی ترجمہ سے بندرگاہوں کے ایطالوی نام بھی درج کئے جاتے ہیں، ان کے ناموں سے اندازہ ہوتا ہی کہ ان میں سے اکثر بندرگاہ اسلامی عہد میں قائم ہوئے، اور اسی لئے ان کے نام اسلامی ہیں، اور ان کے ایطالوی نام انہی اسلامی ناموں کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں، ناموں کے سامنے ہر بندرگاہ سے دوسری بندرگاہ تک کی مسافت بھی درج کیگئی ہی،

شمار	عربی نام	ایطالوی نام،	مسافت	شمار	عربی نام	ایطالوی نام	مسافت
(۱)	بلرم،	Palarmo	دارالحکومت	۸	ساقیہ حبش،		۳ میل
(۲)	برقہ،	vergine maria	۵ میل	۹	قرطیل،		״ ״
(۳)	مرسی طین،	mondello	״ ״	۱۰	شط،		½۱ ״
(۴)	غالہ،	Gallo	۲ ״	۱۱	وادی قلعہ ونی	Calalubo	۵ ״
(۵)	جزیرۂ ادلو	Isola delle femine	۴ ״	۱۲	وادی مدارج	Castella mare	¼ ״
(۶)	مرسی قرینش	P. Carini	۹ ״	۱۳	جبل شنت بیطو	Santovito	۱۲ ״
۷	قرطیل،		۶ ״	۱۴	طرابنش،	Trapani	۲۵ ״

شمار	عربی نام	ایطالوی نام	مسافت	شمار	عربی نام	ایطالوی نام	مسافت
۱۵	مرسی علی،	Marsala	۲۵ میل	۳۲	ملاصہ،	Rocco Muddapedda	۲ میل
۱۶	راس،	Capofelo	۱۲ "				
۱۷	راس بلاط،	Capo Granilola	۶ "	۳۳	انبیاذہ،	Licata	۱ "
				۳۴	وادی ملیح،	R. Salso	۱ "
۱۸	عیون حیاں،	Tre Fontane	" "	۳۵	مرسی شلوق،	P. Falconara	۸ "
۱۹	اصنام،	Selinunte	۴ "	۳۶	مرسی بثیرہ،	P. Manfria	" "
۲۰	ترسہ ابی ثور،	P. Palo	۶ "	۳۷	وادی سواری،	R. Terranova	۱۲ "
۲۱	وادی قوابب،	Carabo	۶ "	۳۸	اغریقو،	R. Dirilo	۷ "
۲۲	انف النسر،	Capo san marco	" "	۳۹	جزیرہ حمام،	Scoglitti	" "
۲۳	شاقہ،	Sciacca	" "	۴۰	کرنی،	R. Camarana	۶ "
۲۴	وادی البو،	Verdura	۸ "	۴۱	وادی رغوص،	R. Erminio	۱۲ "
۲۵	انف نہر ابلاطنو	Capo Plantano	۵ "	۴۲	جرف الطفل،	Puntadell algagrand	۴ "
۲۶	ترسہ عباد،	Carilici	۶ "				
۲۷	اغطین	Due Sarelle	۵ "	۴۳	مرسی سکلہ،	Pisciotto	۴ "
۲۸	جرجنت،	Girgenti	" "	۴۴	غدیر شرشور،	Patlo Giarciore	۲ "
۲۹	وادی زکوجی	R. Drago	۳ "				
۳۰	حجر ابن الفتی،	Pietra Padella	۹ "	۴۵	مرسی ورامن،	P. Promoni	۴ "
۳۱	بسواریہ،	Punta San Nicola	۸ "	۴۶	مرسی شجیرہ،	Punta di Circia	۱ "

شمار	عربی نام	ایطالوی نام	مسافت	شمار	عربی نام	ایطالوی نام	مسافت
۴۷	جزیرۂ کراث	Isole dei Porri	۳ میل،	۶۲	جزیرۂ مسمار،	Penisola Magnisi	۴ میل
۴۸	مرسی بوالص	R. Ulisse	″ ″				
۴۹	جزیرۂ جرمان	Carrenti	۸ ″	۶۳	اکسیفو،	Porto Xifonio di Agosta	″ ″
۵۰	کرم الزنبوج	Porto Palo	۲ ″				
۵۱	قرطیل باشنو،	Capo Passaro	″ ″	۶۴	راس صلیبہ	Santa Croce	۶ ″
۵۲	دخلۃ القصاع	Acque Palomba	۶ ″	۶۵	وادی زیدون	R. Braccali	″ ″
۵۳	مرسی حمام،	Marzameni	″ ″	۶۶	رکن،	L. Agnone	″ ″
۵۴	دخلہ ابن دکنی،	Punto Vindicari	۶ ″	۶۷	وادی لنتینی،	Pantano di Lentini	۴ ″
۵۵	قاطہ،	Cala Bernardo	″ ″	۶۸	وادی موسیٰ،	R. Simeto	۴ ″
۵۶	وادی قسیائی	R. Cassibile	۱۲ ″	۶۹	قطانیہ،	Catania	۶ ″
۵۷	مرسی غذاق،	Cala dal Corvo	۶ ″	۷۰	انکنہ،	Ognino	۴ ″
				۷۱	جزائر لیاج،	I. Aci	″ ″
۵۸	انکنہ،	Logina	″ ″			R. Aci Capo molini	″ ″
۵۹	انف الخنزیر،	Murro di Porco	۸ ″				
۶۰	سرقوسہ،	Siracusa	۶ ″	۷۲	شنت شقلی،	Santa Tecla	۶ ″
۶۱	خندق غوق،	Capo Santa Panagia	۶ ″	۷۳	عین القصب،	Torre Archigrafi	۴ ″

شمار	عربی نام	ایطالوی نام	مسافت
۷۴	قرطیل مصقلہ،	Capedi marcoli	۳ میل
۷۵	وادی بارد،	R. Alcantara	۹ "
۷۶	قفوص،	Capo Schio	۳ "
۷۷	الاناصی،	La Solita di Yaormina	۵ "
۷۸	الورجہ،	Capo S. Alessio	۱۰ میل
۷۹	شنت الی،	Palme	۵ "
۸۰	اجاصہ،	Marina di Fiumedinisi	۶ "
۸۱	الدرجہ الوسطی،	Capogrosso	۵ "
۸۲	عین السلطان	Guidomandri	۲ "
۸۳	الدرجۃ الصغیرہ،	Scalella	" "
۸۴	حجر ابی خلیفہ،	Gianpil	۳ "
۸۵	شنت اصطفن،	Santo Stepano Cumunedi Briga	۷ "
۸۶	کنائس الثلاث	Yremestieri	
۸۷	میناء،	Messina	
۸۸	الفارو،	Al Faro	

شمار	عربی نام	ایطالوی نام	مسافت
۸۹	وادی عیود،	R. Sahunara	۱۲ میل
۹۰	میلاص،	Milayzo	" "
۹۱	الراس	Capo di Milazza	۶ "
۹۲	لیبری،	Oliveri	۲۵ "
۹۳	راس دنداری	Capo di Tindari	
۹۴	بقطس،	Palli	
۹۵	راس خلی،	Capo Calava	۴ "
۹۶	مرسی دالیہ،	P. Bralo	۲ "
۹۷	جفلوذی الصغری	C. di Orlando	۴ "
۹۸	علقمارہ،		
۹۹	قارونیہ،	Caronia	۱۲ "
۱۰۰	قلعۃ القوارب،		۶ "
۱۰۱	طرزہ،	Yusa	" "
۱۰۲	انف الکلب	Rasigelli	۴ "
۱۰۳	جفلوذی،	Cefalu	۸ "
۱۰۴	حجر عمار،	Santa Lucia	۲ .
۱۰۵	الانف،	Capo Poplaia	۴ "

شمار	عربی نام	ایطالوی نام	مسافت	شمار	عربی نام	ایطالوی نام	مسافت
۱۰۶	الصخرہ،	Roccella	۶ ،،	۱۱۰	التربیعہ،	Zeibia	۳ میل
۱۰۷	وادی السواری	R. Grande	۳ ،،	۱۱۱	الشکبہ،	Sulanto	۶ ،،
۱۰۸	وادی ابی رقاد	R. Torto	۳ ،،	۱۱۲	قریۃ الصبر	V. Aspra	۶ ،،
۱۰۹	ثرمہ،	Termini	۶ ،،	۱۱۳	وادی الامیر	R. Misilmeri	۲½ ،،

صقلیہ سے افریقہ کا قریب تر راستہ

صقلیہ سے افریقہ کی سب سے قریب تر سرزمین اور ان دونوں کی درمیانی مسافت کے متعلق عرب جغرافیہ نویسوں میں اختلاف ہے، ابن حوقل کے بیان کے مطابق شمالی افریقہ کے ساحلی مقامات باجہ اور طبرقہ سے لیکر مرسی خزر تک صقلیہ کے محاذاۃ میں واقع تھے، یاقوت کی روایت کے بموجب افریقہ کے ساحلی مقامات میں سے اقلیبیہ صقلیہ سے سب سے قریب تر تھا، جو اس عہد میں قدیم شہر قرطاجنہ کے قریب واقع تھا، یاقوت نے ان دونوں کا فاصلہ ۱۴۰ عربی میل قرار دیا ہے، جسکی مسافت بادبانی جہازوں سے اچھے موسم میں دو دن میں طے ہوتی تھی[۵۲]

لیکن اقلیبیہ افریقہ کا کوئی اہم بندرگاہ نہ تھا، اور نہ اُسے کوئی شہرت حاصل تھی، بعض دوسرے جغرافیہ نویسوں مثلاً زہری وغیرہ نے افریقہ کے اہم مقامات میں سے سب سے قریب بندرگاہ ٹیونس کو بتایا ہے[۵۳] لیکن پھر عرب جغرافیہ نویس صقلیہ کے جنوبی مغربی گاؤدم ساحل سے افریقہ تک کی درمیانی مسافت بھی مختلف بیانوں میں مختلف بتاتے ہیں، چنانچہ اندلسی جغرافیہ نویس ابن سعید ۹۰ میل قرار دیتا ہے[۵۴]، ابوبکر زہری ۸۴ میل بتاتا ہے[۵۵] اسی طرح مختلف لوگوں نے مختلف مسافت بتائی ہے جس سے

[۵۱] نزہۃ المشتاق از ص ۵۴ تا ۵۵، ایطالوی ترجمہ از ص ۶۳ تا ۶۸ [۵۲] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۳، ۳۲، و معجم البلدان ج ۱ ص ۳۱۳، [۵۳] کتاب جغرافیہ زہری در اماری، ص ۱۵۹، [۵۴] کتاب مختصر جغرافیہ در اماری ص ۱۳۵

[۵۵] کتاب جغرافیہ زہری در اماری ۱۵۹،

اس کے فاصلہ کا صحیح تعین دشوار ہوگیا ہے، اس لئے اوس کا صحیح فیصلہ صرف جدید مساحت کے روسے ہوسکتا ہے، چنانچہ اس کے روسے جو آبنائے افریقہ اور صقلیہ کے درمیان حائل ہی، وہ اسی میل بتائی جاتی ہے[1] اسلئے یہی ۸۰ میل ان دونوں مقامات کا درمیانی فاصلہ قرار پاتا ہے،

لیکن ٹیونس اگرچہ افریقیہ کا اہم شہر تھا، اور صقلیہ سے قریب بھی واقع تھا، مگر حکومتِ افریقیہ کا سرکاری بندرگاہ سوسہ تھا، حکومت کی فوجیں عموماً اسی بندرگاہ سے آتی تھیں، سوسہ اور صقلیہ کے درمیان تین دن کی مسافت تھی،

بار برداری | بار برداری کے ذرائع میں جہاز، کشتیاں، جانور اور قلی تھے، اندرون ملک میں گھوڑوں اور دوسرے جانوروں پر سامان لادتے، اور لیجاتے، جہازوں اور کشتیوں پر جانور اور قلی دونوں سامان لادتے تھے، اور وہ کشتیاں اور جہاز سامان کو اندرون جزیرہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے ممالک میں پہنچاتے تھے، تجارتی جہازوں کی رفتار تقریباً چار سو میل روزانہ کی تھی[2]

اسلامی عہد میں ملکی باشندے قلی کا کام کرتے تھے، اور پھر نارمن عہد میں مسلمان باشندوں نے یہ پیشہ اختیار کیا، ادریسی اور ابن جبیر وغیرہ کے بیانات میں صقلیہ کی بار برداری وغیرہ کی تفصیلات ملتی ہیں، ابن جبیر کو مسینا کی پوری آبادی میں بجز قلیوں کے اور کوئی سپید پوش مسلمان نظر نہیں آیا،

سفر کے قیود | مسافروں اور تاجروں پر سفر کے قیود ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ عائد رہی ہیں، برنارڈ نے اپنے سفرنامہ میں اسلامی مملکت باری سے روانگی کے جو واقعات لکھے ہیں، اُن سے اسلامی عہد حکومت کے ان قیود کا پتہ چلتا ہے، جو مسافروں اور تاجروں پر عائد تھے، وہ لکھتا ہے:

> یہاں کے حاکم نے ..... ہمارے سفر کے ضروری انتظامات کر دئیے، اور دو خطوط دیئے جن میں ہمارے

---

[1] انسائیکلو پیڈیا جلد ۲۵، ص ۰۰ طبع یازدہم [2] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۰۵

اچھے چال چلن کی تصدیق کی تھی نہیں ہمارا حلیہ درج تھا، اور ہمارے سفر کی غرض بتائی گئی تھی، ان دونوں خطوں میں سے ایک حاکم اسکندریہ کے نام تھا اور دوسرا فرمانروا سے بابل کے نام"[۱]

اسی طرح ابن جبیر کو سفر صقلیہ میں جزیرہ میں اجنبیوں کی آمد و رفت کے قیود سے جو دشواریاں پیش آئیں، اون سے نارمنوں کے عہد میں سفر کے قیود کا اندازہ ہوتا ہے،

مبادلہ ذرائع آمد و رفت و بار برداری کی آسانیوں کے بعد حصول دولت کیلئے مبادلہ کی ضرورت ہوتی ہے جسمیں تجارت کی ابتدا، منڈیوں کا قیام، معیار تبادلہ کیلئے زر اور ناپ اور تول کی تعین و وسعت تجارت کے لئے دوسرے ممالک سے تجارتی تعلقات کا قیام اور اشیائے تبادلہ کے لئے درآمد برآمد کا ہونا ضروری ہے،

عہد اسلامی میں صقلیہ کا تجارتی فروغ، صقلیہ کی جغرافی جائے وقوع اور اسکی سرسبزی وشادابی کی وجہ سے اس کا ایک تجارتی مرکز بننا ضروری تھا چنانچہ زمانۂ قدیم سے اس کو تجارتی فروغ حاصل تھا لیکن تجارتی اشیاء میں اوس زمانہ میں صرف یہاں کے غلہ کی برآمد ہوتی تھی، جب رومی حکومت میں وسعت پیدا ہوئی، اور مصر کی فتح کے بعد غلہ کا ایک دوسرا کھیت رومیوں کے ہاتھ آگیا، تو صقلیہ کے غلہ کی تجارت بھی ماند پڑگئی، اس لئے جب اسلامی عہد حکومت یہاں شروع ہوا، اوس وقت یہاں عام کساد بازاری پھیلی ہوئی تھی،

اسلامی عہد حکومت میں جب یہاں زراعت، صنعت اور حرفت کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی، تو اُس کا یہ قدرتی تقاضا تھا، کہ اس کو تجارتی فروغ حاصل ہوا، اور مختلف ممالک سے اس کے تجارتی تعلقات قائم ہوجائیں، چنانچہ مسلمانوں نے یہاں کی تجارت نئے سرے سے زندہ کی، موسیو لیبان لکھتے ہیں:-

---

[۱] صقلیہ میں اسلام، تذکرہ سفرنامہ برنارڈ ص ۴۳،

"تجارت جو بڑی پہلے کچھ نہ تھی، نہایت وسیع ہو گئی، اور اس کا ثبوت ہمیں ان مختلف کمرک کے قواعد سے ملتا ہے، جو ان کے وقت میں جاری تھے، جنکی ایک فہرست اوائل فتوحات نارمن کے فرمانوں میں موجود ہے"

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت نارمنوں نے جزیرہ کو فتح کیا ہے، تو یہاں کی تجارت کس درجہ عروج پر تھی۔[1]

تجارتی منڈیاں، تجارتی منڈیوں سے مراد لین دین کا بازار ہے، یہ دو قسموں کے ہیں، ایک تو اندرون ملک کی تجارت کیلئے خوردہ فروشوں کی دوکانیں ہیں جنھیں عرف عام میں بازار کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم وہ تجارتی گودیاں ہیں جنہیں اندرون ملک کا سامان درآمد جمع ہو کر بیرون ملک میں بھیجا جاتا ہے، اسی طرح بیرون ملک کا سامان برآمد ان گودیوں میں آکر جمع ہوتا ہے، اور یہاں سے ملک کے چپہ چپہ میں تقسیم ہو جاتا ہے، ان شہروں کو بھی جنہیں یہ گودیاں قائم ہوتی ہیں، عرف عام میں تجارتی منڈی کہا جاتا ہے۔

بازار، صقلیہ کے اکثر شہروں میں کاروبار کا بازار گرم تھا، ادریسی نے مشکل سے کسی بڑے یا اوسط درجہ کے شہر متعلق مثلاً یہ نہ لکھا ہو، وبھا اسواق جامعة لاصناف الصنائع وضروب المتاجر والمبائع، اور یہاں ایسے بازار ہیں جنہیں صنعت و تجارت کی ہر قسم کی چیزیں موجود رہتی ہیں، وبھا الاسواق العامرة، یعنی یہاں معمور بازار ہیں، اسی طرح یہاں کے شہروں میں سراؤں کی جو کثرت تھی، اور ان میں تاجروں کے ٹھہرنے کا جو طریقہ تھا، اس سے یہاں کے بازاروں کی رونق کا اندازہ ہوتا ہے،

بازاروں کیلئے اہتمام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ مثلاً بلرم میں ہر صنعت کیلئے جدا جدا بازار تھے جنکے ایک ہی وضع کے مکانات بنائے گئے تھے، ان کے اعداد و شمار بھی رہتے تھے، مثلاً ابن حوقل بر سبیل تذکرہ لکھتا ہے کہ "بلرم میں صرف قصابوں کی دوکانوں کی تعداد ۱۷۰ ہے۔"[2]

گودیاں، درآمد برآمد کی بڑی گودیاں شمال مشرقی ساحل پر مسینا میں جنوب مشرق میں سرقوسہ میں اور مغربی ساحل پر مازر میں تھیں، اسیطرح بلرم، مینا و اطرابنش، لیاج، قرنیس، میلاص اور شکلہ وغیرہ کو کم و بیش بہت کچھ تجارتی اہمیت

[1] تمدن عرب ص ۲۰۳ [2] نزہتہ المشتاق ص ۲۰ تا ۳۱ وغیرہ و مسالک الابصار ابن حوقل ص ۸۳،

حاصل تھی، چنانچہ ادریسی نے ان شہروں کی تجارتی منڈیوں کے فروغ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، مثلاً میسینا کے متعلق لکھتا ہے؛

"یہاں تمام ساحلی ممالک روم سے اکر لنگر اندازی ہوتی ہے، اور یہاں بڑے بڑے جہاز جمع ہوتے ہیں، اور تمام بلاد روم و ممالک اسلام کے مسافر اور تجار یہاں آتے ہیں، اس کے بازار نہایت پر رونق ہیں، سامان تجارت عمدہ اور یہاں کے آنے والوں کی تعداد کثیر ہے"[1]

زر، سکوں میں عام معیار سونا تھا، جو خواہ بغداد کا مسکوک ہوتا، یا افریقیہ یا اندلس کا، تاہم افریقیہ کا سکہ زیادہ رواں تھا کہ وہ مقامی حکومت کا سکہ تھا، افریقیہ کا سکہ دوسرے سکوں سے کسی قدر مختلف بھی تھا، مقدسی نے اقلیم مغرب کے بیان میں جس میں افریقیہ اور صقلیہ دونوں داخل ہیں، لکھا ہے، کہ ساری اقلیم کا سکہ یکساں تھا، جو گویا پہلے دولت اغلبیہ میں جاری تھا اور پھر بنو فاطمہ کی حکومت کی توسیع کے بعد تو مغرب سے دمشق تک رائج ہو گیا تھا، وہ لکھتا ہے:-

"پوری اقلیم مغرب کے سکے جو دمشق تک چلتے ہیں، دینار ہیں، یہ مشرقی دینار سے ایک حبہ یعنی ایک جو کے برابر وزن میں کم ہے، سکہ کی شکل گول ہے، اور اس پر عبارت کندہ ہے، اسکی ریزگاریاں بھی ہیں، جو دینار کے چوتھائی آٹھویں حصہ اور ۱۰/۱ ویں حصہ پر منقسم ہیں، یہ ریزگاریاں خرنوبہ کہلاتی ہیں، ان کا تبادلہ عدد کے شمار سے ہوتا ہے، تبادلہ میں کمی بیشی نہیں کرتے"[2]

دولت کلبیہ نے اپنا سکہ بھی جاری کیا تھا، جو غالباً افریقی دینار اور اوسکی ریزگاریوں کے مثل تھا، اس کے ایک سکہ رباعی کی تصویر جرجی زیدان نے الہلال میں شائع کی تھی، ان سکوں میں ایک طرف کلمہ طیبہ اور سنہ ہجری مسکوک تھا، اور دوسری طرف فرمان روا کا نام تھا،

نارمنوں کے دور میں بھی یہ سکے چلتے تھے، کیونکہ آغاز عہد میں تجارت مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں تھی، ابن جبیر نے یہاں اقلیم مغرب کے دینار، دولت کلبیہ کے سکہ رباعی اور دولت موحدیہ کے دینار وغیرہ کو چلتے دیکھا تھا"

---

[1] نزہتہ المشتاق ص ۲۶، [2] احسن التقاسیم، ص ۲۴۰،

کچھ دنوں کے بعد نارمنوں نے اپنا سکہ بھی اوسی قسم کا مسکوک کرایا، یہ وہ زمانہ تھا جب وہ اسلامی تمدن کو قبول کر رہے تھے، اسلئے نارمن حکومت کا پہلا سکہ جو مضروب ہوا، وہ بعینہٖ اسلامی سکہ کی نقل تھی، چنانچہ وہ نہ صرف عربی زبان و الامین تھا بلکہ راجر اول نے جسے عیسائیوں نے محافظ مذہب عیسائیت کا خطاب دیا تھا، اس سکہ میں کلمۂ توحید کے ساتھ کلمۂ رسالت بھی مسکوک کرایا، سکہ کی ایک جانب اپنا نام مع عربی خطابات کے اور دوسری جانب کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ وَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، کندہ کرایا تھا اور اس کے نیچے سنہ ہجری اور پایۂ تخت کا نام "بلرم" منقوش تھا،

راجر دوم نے سکہ سے اقرار نبوت کا جزء حذف کر دیا، لیکن کلمۂ توحید اس عہد میں بھی برقرار رہا، چنانچہ اسکے سکے کے تمام الفاظ حسب ذیل تھے،

المعتز باللّٰہ الملک المعظم رجار الثانی،

لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ

سنۃ فلاں ھجری

پھر پاپائے روم سے "شاہ" کا خطاب ملنے پر اس نے کلمۂ توحید بھی مٹا دیا، اور پہلا سکہ لاطینی رسم خط میں جاری کیا، وہ یہ ہے:۔

IC XC

NiKA

تاہم سنہ ہجری اس سکہ میں بھی قائم رہا،

ولیم اول نے پھر عربی لقب اور عربی رسم خط اختیار کیا، اوس کے سکہ پر ذیل کی عبارت تھی،

الھادی بامر اللّٰہ الملک المعظم

یہ سب سکے اٹلی اور پلرمو کے عجائب خانوں میں ابھی تک محفوظ ہیں[۵۱]

ناپ اور تول کا معیار قفیز اور رطل پر قائم تھا ایک قفیز ۲۴ ثمن کا، اور ثمن ۶ مد کا ہوتا تھا، مد عہد نبوی کا تھا، اور "مد نبوی" کہلاتا، ناپ میں قفیز، ثمن اور مد بالعموم یہی تین پیمانے قائم تھے،

تول کا حساب رطل سے تھا، مشرقی و مغربی رطل میں کچھ فرق تھا، بعض چیزوں کی تول ایک دوسرے رطل سے ہوتی تھی، جو مشہور رطل سے وزن میں دس درہم کم تھا، تولنے کے باٹ شیشے کے ہوتے تھے[۵۲]

مختلف ممالک سے تجارتی تعلقات، اغلبی عہد حکومت میں مختلف ممالک سے تجارتی تعلقات قائم ہوئے، اٹلی کے مختلف مرکزی مقامات پر اولاً فوجی چھاؤنیوں کے زیر سایہ تجارتی کوٹھیاں تعمیر ہوئیں علاوہ ازیں اٹلی کی مختلف حکومتوں سے تجارتی معاہدے کئے گئے، جن کے رو سے صقلیہ کی تجارتی کوٹھیاں عیسائی مملکتوں میں اور عیسائی مملکتوں کی تجارتی کوٹھیاں صقلیہ میں قائم ہوئیں، موسیو سدیو ایک سلسلۂ بیان میں لکھتے ہیں:۔

"ان عربوں (اغالبہ) نے بحر روم کے کنارے جو اپنے مسکن اور اقامت گاہیں بنائی تھیں، وہ بہت اہمیت رکھتی تھیں، مقاصد حکمرانی و سیاست کے لحاظ سے بھی مفید تھیں، اور ضرورت تجارتی کے لئے بھی بہت نافع تھیں، کیونکہ ان کے قلعوں کے پاس تجارتی مکاتب ہوتے تھے، عرب اور لمبارڈ دونوں ان سے فائدہ اٹھاتے تھے، الفی کے باشندوں نے عربوں سے کچھ شرطیں ٹھہرائی تھیں، جن کے بموجب انھوں نے شہر پالرمہ کے اطراف میں ایک جگہ اپنے استعمال کیلئے لے لی تھی[۵۳]"

اسلئے مسلمانان صقلیہ کے تجارتی تعلقات سب سے پہلے یورپ کے ملکوں میں سے اولاً اٹلی سے قائم ہوئے

---

۵۱ مقالہ لی مورتھس دریادگاری مضامین ج ۱ ص ۲۰۲، رحلۃ ابن جبیر ۵۲ احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۴۰،
۵۳ تاریخ عرب موسیو سدیو ص ۲۴۶

اور اسی راستہ سے وہ اندرون یورپ میں داخل ہوئے، چنانچہ ادریسی کے بیان میں اکثر جگہ نظر آتا ہے، کہ یہ جزائر الی قلوریہ وغیرہا بلاد النصاریٰ[1] یعنی یہاں کا سامان قلوریہ اور دوسرے عیسائی ممالک کو بھیجا جاتا ہے، اسی طرح اگرچہ اندلس سے صقلیہ کے سیاسی تعلقات کسی حد تک کشیدہ رہے لیکن تجارتی تعلقات ہمیشہ قائم رہے، تجارتی جہاز صقلیہ سے اندلس اور اندلس سے صقلیہ آتے، بلکہ خود فرمانروایان اندلس اندلسی تاجروں کے جہازوں کو صقلیہ بھیجتے[2] مسلمانان صقلیہ بھی اپنا مال اندلس پہنچاتے[3] شمالی افریقہ اور صقلیہ میں تو دن رات کی آمد و رفت تھی، اور اسی لحاظ سے سلسلۂ تجارت بھی نہایت وسیع تھا، دور کے مقامات سفاقس وغیرہ سے بھی اس کے تجارتی تعلقات قائم تھے، بحر روم کے دیگر جزائر مالٹا وغیرہ سے بھی جہاز آتے جاتے تھے، پھر آگے مصر و شام سے بھی اس کے تجارتی تعلقات قائم تھے[4]۔

اسلئے دراصل صقلیہ اس زمانہ میں مشرق و مغرب، یورپ اور افریقہ، اور یورپ اور ایشیا کی تجارت کا سنگم تھا، ایک طرف مشرقی جہاز اوس کے ساحل پر آکر لنگر انداز ہوتے، تو دوسری طرف مغربی جہاز اوسکے ساحل سے ہمکنار ہوتے، اور اسی کے ذریعہ سے مشرق کا مال تجارت مغرب میں اور مغرب کا مال مشرق میں پہنچتا تھا، اور صقلیہ کے ذریعہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان رابطۂ تجارت قائم رہتا تھا، اس کا سلسلہ نارمنوں کے عہد میں بھی قائم رہا، اس عہد میں بھی تجارت پیشہ زیادہ تر مسلمان ہی رہے، جو مختلف ملکوں کو جہاز لیجاتے، ابن جبیر نے ایک ہی دن اطرابنش کے ساحل سے اندلس سبتہ، اور اسکندریہ کیلئے تین جہاز ایک ساتھ کھلتے دیکھے، اور بیان کیا کہ سب جہازوں پر مسلمان تاجر اور حاجی سوار تھے[5]۔

مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:۔

"صقلیہ کے قدرتی ذرائع اور اسکی جائے وقوع اور اس کے بحر شام کے مشرقی و مغربی مقام اتصال پہ

---

[1] نزہتہ المشتاق، [2] مسالک الابصار ابن فضل اللہ العمری در اماری ص ۱۵۳ [3] معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۷۵ [4] معجم البلدان جلد ۵ ص ۸ (سفاقس) و نزہتہ المشتاق، ذکر مختلف شہر [5] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۳۴،

منڈی ہو جانے سے وہاں کے باشندے ایسے مالا مال ہوئے کہ اس کے مساوی رقبہ وحدود کا کوئی ملک کبھی ایسا دولتمند نہیں ہوا تھا، پلرمو اور سیراکیوز کے بندروں پر جہازوں کا ہجوم ہمیشہ لگا رہتا، صقلیہ کے تجارتی جہاز تمام یورپ کے بندروں پر نظر آتے ۔۔۔۔۔۔۔۔ نہر سویز کو جس کو سلاطین مصر نے کھول دیا تھا، عبور کر کے بحر احمر اور بحیرۂ ہند کے طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے گرم مسالہ کے جزائر تک ممالک مشرقیہ میں پہنچ جاتے تھے[1]۔"

برآمد، درآمد یہاں کی اشیائے برآمد میں جو چیزیں غیر ممالک کو بھیجی جاتی تھیں ان میں غلہ کی مختلف قسموں کے علاوہ خشک وتر میوے، مچھلیاں، شہد، مٹھائی، حلوا، لکڑی، لوہا، پتھر، مونگا، موتی، گندھک، نوسادر اور کپڑے وغیرہ ہیں، جو چیز جس شہر کے مضافات کی پیداوار ہوتی، وہیں کے بندر سے لادی جاتی تھی، ادریسی نے سب کو نام بنام بتایا ہے، اور جو چیز جہاں جاتی، اوس کا بھی تذکرہ کیا ہے، مثلاً طرمن سے مختلف قسم کے غلے لیے جاتے، سے مختلف قسم کی لکڑیاں، قطانیہ، شکلہ، قرنیس اور جرجنت سے خشک وتر میووں کی برآمد ہوتی تھی، اور انیس سے قمرت شہر جرجنت ساحل سے دور واقع تھا، اسلئے یہاں کی پیداوار کا بیشتر حصہ پڑا رہجاتا، ان تمام مقامات کی پیداوار افریقیہ وغیرہ جاتی، اور ان کے ساحل سے جہاز کے جہاز لدکر روانہ ہوتے، اسی طرح خشک وتر میوے اور مچھلیاں افریقیہ اور یورپ کو شہد اور سینا کا لوہا، یورپ کو، اطرابنش کا موتی اور مونگا یورپ، افریقیہ، اسکندریہ اور اندلس کو بھیجا جاتا، نوسادر کی مانگ اندلس اور مصر دونوں جگہ تھی، لیکن اسلامی حکومت کے آخر عہد میں مصر میں صقلی نوسادر کی ضرورت باقی نہیں رہی، کیونکہ اولاً یہاں اس کا ذخیرہ ختم ہوگیا، علاوہ ازیں مصر میں بعض دوسری چیزوں سے اسکی ضرورت پوری ہونے لگی، چنانچہ مقدسی کے بیان کے مطابق ۳۷۵ھ کے قریب نوسادر کی مصر میں برآمد کا سلسلہ تقریباً مسدود ہوگیا، اسی طرح یورپ میں صقلیہ کی بنی ہوئی مٹھائی یا حلوائے اطریہ نہایت کثرت سے جاتی تھی، پھر صقلیہ کا بہترین خوبصورت کپڑا بھی غیر ممالک میں پسند کیا جاتا تھا، مقدسی لکھتا ہے۔

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۲۹۵۔

صقلیہ سے بہترین اور نفیس کپڑے باہر بھیجے جاتے ہیں"،

یہاں تک کہ دولتِ کلبیہ کے عہد میں صقلیہ کے اون مشہور کپڑے کی برآمد، جو دن میں کئی رنگ بدلتا تھا، صرف شاہانہ ذوق انفرادیت سے محض شانِ امتیاز کیلئے ممنوع قرار دے دی گئی تھی، مقدسی (۳۷۶ھ) لکھتا ہے:-

"سلطان نے اس کپڑے کو دوسرے ملکوں کو لیجانے کی ممانعت کر دی، اس لئے اون سے جو کچھ چوری چھپے چلا جائے وہی دوسرے ممالک میں پہنچتا تھا"

اسی طرح صقلیہ کا کتان جو نہایت اچھے قسم کا کپڑا تھا، اکثر ممالک میں بھیجا جاتا تھا[۱]، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:-

"ان دونوں ممالک (اندلس و حکومت بزنطی قسطنطنیہ وغیرہ) کی پیداوار اور مال تجارت صقلیہ کے تاجروں کے ہاتھ آتے تھے، ان چیزوں کے مقابلہ میں یہ سوداگر یہاں سے روئی، سن، انگور، نارنگی، شکر، شراب، تیل، تانبا، سیسہ، لوہا، پارہ، کانی نمک، نمک، نوشادر، توتیا، چوپائے، گھوڑے، ایک قسم کی مچھلی جس سے ارغوانی رنگ نکالا جاتا تھا ان ممالک میں لیجاتے تھے"[۲]

اشیائے درآمد میں ان ممالک کی مخصوص پیداوار اور مصنوعات تھیں جہاں سے مسلمانِ صقلیہ کے تجارتی تعلقات قائم تھے، ان کی تفصیل لاحاصل ہے، البتہ اس عہد کے چینی کے نادر برتنوں کا ذکر انفراداً کیا جا سکتا ہے، کیونکہ حال کے محققین آثار قدیمہ کو صقلیہ سے چینی کے چند نہایت خوبصورت برتن دستیاب ہوئے ہیں، جو کلونی کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں، ان برتنوں سے اگرچہ موسیو لیبان کے بیان کے مطابق یہ خیال کیا جا سکتا تھا، کہ یہاں بھی عربوں نے چینی کے برتنوں کے کارخانے بنائے تھے، مگر برتنوں کے جو نمونے پائے گئے ہیں، وہ زیادہ تر ایرانی وضع کے ہیں، اسلئے موسیو لیبان کے خیال کے مطابق ممکن ہو کہ یہ برتن تجارت

۱۔ نزہتہ المشتاق ذکر مختلف شہر و احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۳۹، و ۱۴۱، ۲، ۵۲ اخبار الاندلس ج ۳ ص ۳۵۵،

کے ذریعہ سے یہاں آئے ہوں، اسلئے انھیں اشیائے درآمد میں شمار کرنا چاہئے [1]

تقسیم دولت

ملک میں زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت کے کاروبار سے آبادی کے مختلف طبقے، زمیندار، کسان، صناع، تاجر، مزدور پیدا ہوگئے تھے، پھر نظام حکومت کے لحاظ سے عمال و ملازمین حکومت، موالی، اور غلاموں کے طبقے تھے اور لڑائیوں کی شرکت کیلئے مجاہدین کی جماعت تھی اور اسی معیار اور فرق مراتب کے لحاظ سے ان میں دولت کی تقسیم ہوتی تھی، اور اسی لحاظ سے ان میں امیر و غریب کے طبقے قائم ہوگئے تھے،

صرف دولت

جس ملک میں زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت اس درجہ فروغ پر ہو، اور اعلیٰ نظام حکومت قائم ہو، اس ملک کا معاشی معیار بہرحال بلند ہوگا، اور تقسیم دولت کے اصول سے غریب سے غریب طبقہ کو بھی اسقدر مہیا ہوجائیگا، کہ فارغ البالی کی زندگی بسر ہوسکے،

پھر جس قوم میں دولت و ثروت کی بہتات ہوتی ہے اُس کا معیار زندگی بھی بلند ہوجاتا ہے، طرز بود و ماند میں تکلفات و تعیشات راہ پاتے ہیں، مکانوں کی زیب و زینت، لباسوں کی آرایش و زیبایش کھانے پینے کے تکلفات اور رہنے سہنے کے تعیشات پر زیادہ توجہ ہوتی ہے، اور طرز زندگی کے محاسن سے ہر چیز میں خوش سلیقگی آجاتی ہے، اور فراغ بالی، حسن معاشرت، اور تہذیب کی تراش و خراش نے شکل و صورت پر بھی اثر پڑتا ہے، اور جسمانی حسن و جمال پیدا ہوجاتا ہے، صقلیہ کی خوشگوار آب و ہوا اور موسم سے یہاں کے باشندے اپنی ظاہری شکل و صورت میں پہلے ہی متناسب الاعضا تھے، صقلیہ کے اسلامی تمدن کے تکلفات و تعیشات نے

---

[1] تمدن عرب ص ۳۰۷

اون میں اور نوک و پلک پیدا کردیئے، ایک عرب جغرافیہ نویس صقلیہ کے حالات میں لکھتا ہے:-

"یہاں کے لوگ اپنے ہمسایوں کے درمیان سامان لباس، اور دیگر حالات کے لحاظ سے صفائی وستھرائی میں مشہور ہیں، اور لوگوں میں حسن صورت، معاشی اعتدال پسندی، احسان، مروت اور عمدہ معاشرت کے لحاظ سے ممتاز ہیں"[۱]

مسلمانان صقلیہ کی پرتکلف معاشرت کا اندازہ یہاں کے خوبصورت پرتکلف مکانوں سے بھی کیا جاسکتا ہے، ان کا ذکر کسی دوسری جگہ آیا ہے، اہل صقلیہ ان مکانوں کو آراستہ پیراستہ رکھتے، مکانوں کے قطعے ولآویز نکالتے، اون کے سامنے کھلے ہوئے صحن ہوتے، جن میں خوشبودار پھولوں کے تختے لگے ہوتے، جابجا فوارے چھوٹتے ہوتے، جابجا روشنیں قائم ہوتیں، چمن بندیوں سے الگ الگ ٹکڑے نکالتے، جنمیں نہایت سلیقہ سے پانی پہنچایا جاتا، چھوٹی چھوٹی نہریں عمارتوں کے ارد گرد چکر کاٹتیں، صحن باغ کے علاوہ مکانوں کے اندر بھی پائیں باغ ہوتے، اور مکان کے اندر جابجا گلدستے چنے جاتے، کمروں میں فرش وفروش کا اہتمام ہوتا، اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے سامان آرایش سے کمرے سجے ہوتے،

صاحب کتاب ہیئۃ اشکال العرض نے باشندگان صقلیہ کی عمارتوں کے قیمتی سامان آرایش کا تذکرہ کرنے کے علاوہ، ان کے عام طرز بودوماند، وضع و قطع اور لباس میں خوش پوشی، اور کھانوں میں خوش مذاقی کو خصوصیت سے سراہا ہے، اسی طرح ابن جبیر نے صقلیہ کے آراستہ و پیراستہ مکانوں کے ذکر کے علاوہ مسلمانوں کے نفیس ملبوسات کو "لباس فاخرہ" سے موسوم کیا ہے، کہ یہاں کے امراء زرق برق لباسوں میں نظر آتے، اسی طرح خدم وحشم اور چوبدار و دربان اور تمام دیگر مشرقی آداب وتہذیب کی جلوہ آرائیاں موجود تھیں، نارمنوں کے عہد میں بھی شہر کی معزز شہری آبادی میں مسلمانوں کا طرز معاشرت ہی قابل اتباع سمجھا جاتا ہے، مسٹر اسکاٹ

---

[۱] کتاب ہیئۃ اشکال الارض ومقادیرہا فی الطول والعرض در امارسی ص ۱۲،

یہاں کے تمدن کا اعلیٰ نمونہ خوبصورت الفاظ میں پیش کرنے کے بعد غربا کے طبقہ کی معاشرت کو ان الفاظ میں سراہتے ہیں:۔

"غربا کے مکانات اچھی وسعت اور آرام کے ہوتے تھے، اور وہ جیسے بھی ہوں، بہرحال لندن اور پیرس کے اس زمانہ کے غربا، کے مکانوں سے بدرجہا بہتر تھے،

پلرمو کے سوداگروں کے مکانات ہر طرح محلات شاہی سے بڑھے ہو ستے تھے، وہاں کے باشندے پرانے سار ینیر س کے رہنے والوں سے کسی طرح ترفہ و تنعم میں کم نہ تھے، اور ثروت تہذیب، فضول خرچی اور تعیش میں تو ضرب المثل تھے،"

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"مسلمانان اندلس و صقلیہ کا طرز تمدن بھی زندہ دلی، شوقینی اور قوت مدرکہ کی ایک تصویر تھا، ان کی صحبتوں میں انتہا درجہ کا لطف دماغی و جسمانی حاصل ہوتا تھا، خشونت کا وہاں نام نہ ہوتا، نکات علمی کے ساتھ لطائف و ظرائف سے محفلیں گرم رہتیں[1]،"

ابن جبیر نے صقلیہ کے باشندوں کے لباس، وضع قطع، عادات و خصائل، طرز بود و ماند، اور طریقہ زندگی کی اعلیٰ تہذیب، شائستگی کا تذکرہ کرنے کے ساتھ صقلیہ کی خواتین کی زیب و زینت، آرائش و جمال آفرینی کا ذکر بھی دلچسپ پیرایۂ بیان میں کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ صقلیہ کی اسلامی معاشرت میں عورتوں کو بلند مرتبہ حاصل تھا، اور اُس کا اثر یورپ کی عیسائی خواتین پر بھی پڑا،

صقلیہ کی خواتین محلوں کی چہار دیواری میں اسیر نہ تھیں، مشرقی شرم و حیا کا دامن ہاتھ میں رکھکر نقاب پوش باہر نکلتیں، اگرچہ حسن کی شعاعیں نقاب سے چھن چھن کر باہر آجاتیں لیکن اس موقع پر اگر کسی کی پر معصیت دزدیدہ نگاہ نظارۂ جمال کی جسارت کرتی تو رنگ برنگ کے نقابوں کی جھلملاہٹ نگاہیں خیرہ کر دیتی ابن جبیر کہتا ہے کہ صقلیہ کی عیسائی عورتوں نے بھی مسلم خواتین کا طرز زندگی اختیار کر لیا تھا، وہ بھی رنگ برنگ

[1] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۶۹، و ج ۳ ص ۱۹

کا نقاب ڈال کر زرق برق ریشمی و مطلا ملبوسات سے آراستہ ہو کر کلیساؤں میں داخل ہوتیں، چنانچہ ایک موقع پر اوس نے مسیحی عورتوں کی ایک ٹولی کو سرراہ گذرتے دیکھا، اور اس متحرک گلدستہ کی تصویر چند خطوط میں کھینچ کر اتارلی، اون مسیحی عورتوں کے لباس وسامان زیب و زینت سے مسلمان عورتوں کے پرتکلف طرز معاشرت کا اندازہ ہوگا:-

"اور اس شہر میں مسیحی عورتوں کی وضع بالکل مسلمان خواتین کی ایسی ہے یعنی وہ بھی نہایت شیریں زبان ہیں، چادر اوڑھے ہوئے اور نقاب ڈالے ہوئے رہتی ہیں، عید میلاد میں بڑی شان سے نکلتی ہیں سنہرے حریر کے کپڑوں میں ملبوس عمدہ نرم و نازک اور جواہر ٹکے ہوئے جوتے پہنے چادروں میں سمٹی سمائی رہتی ہیں، جسم پر زرتار چادریں اور چہروں پر رنگین نقاب، اور پیروں میں سنہرے موزے پہنے ہوئے ہوتی ہیں، غرض مسلمان عورتوں کی آرایش کے تمام سامانوں زیوروں سے آراستہ مہندی لگائے کپڑے عطر میں بسائے، اسی شان سے گرجے کی طرف ایک دن چلتی دکھائی دیں[1]"

بس یہی ہے صقلیہ کے عہد اسلامی کی معاشی زندگی کا ایک آئینہ،

---

[1] رحلۃ ابن جبیر، ص ۳۳۳

علوم وفنون

صقلیہ کی قدیم علمی مرتبت

صقلیہ کے اسلامی تمدن میں اس کے علوم وآداب کا بیان سب سے اہم ہے صقلیہ عہدِ قدیم سے علوم وآداب کا گہوارہ تھا، اس کے یونانی عہد میں بڑے بڑے فلاسفہ حکماء، اور اہلِ ادب یہاں پیدا ہوئے، یوں تو ہمارے عرب مورخین سرزمینِ صقلیہ کو یونانی حکمت وفلسفہ کا اولین سرچشمہ بتاتے ہیں، ان کے بیان کے رو سے مشہور یونانی حکیم وشاعر امپیڈوکلس جسکو وہ بندقلس یا ابیذقلس کہتے ہیں، یہیں کا باشندہ تھا، اور وہ فیثاغورث کا استاذ تھا، فیثاغورس سے سقراط فیض یاب ہوا، پھر سقراط کی مسندِ درس سے افلاطون اٹھا، اور اوس نے اپنا جانشین ارسطو کو بنایا، اس لحاظ سے حکمت وفلسفہ کا پہلا پودہ سرزمین صقلیہ ہی میں نصب ہوا،[۱] چنانچہ قاضی صاعد اندلسی اور قفطی دونوں لکھتے ہیں:-

"یونانیوں میں سب سے بلند مرتبہ پانچ فلاسفہ ہیں، زمانہ کے اعتبار سے اون میں کا پہلا فلسفی بندقلیس ہے"[۲]

لیکن یورپین مورخین کے بیان سے اوسکی تصدیق ہوتی ہے، اگر بندقلیس یا انبذقلس نام سے امپیڈوکلس (EMPEDOCLES) ہی مراد ہے، تو وہ پانچویں صدی قبل مسیح میں گذرا ہے صقلیہ کے شہر اکراگاس کا باشندہ تھا، اور ممتاز فلسفی شاعر تھا، اسی طرح یہاں ممتاز فلاسفہ وشعراء پیدا ہوئے

[۱] تاریخ الحکماء محمد بن علی الزوزنی ورامارسی ص ۱۳، ۶ [۲] طبقات الامم ص ۱۰ واخبار العلماء باخبار الحکماء قفطی ص ۱۲

مثلاً یونان کا مشہور فلاسفی گرگیاس اسی صقلیہ کے شہر لینتنی کی خاک سے اٹھا، اور ایک عالم کو حکمت کے رموز سکھائے، اور خطابت و بلاغت کے جوہر دکھائے[1]، باشندگان صقلیہ کی ذہنی ترقیون کا ایک یہ بھی ثبوت ہے، کہ جب افلاطون نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب جمہوریت مرتب کی، تو صقلیہ نے اوس کو دعوت دی کہ جمہوریت کے اصول یہان آکر آزمائے، اور انہی اصولون پر یہان کا نظام حکومت قائم کیا جائے[2]، پھر سب سے آخری دور میں ارشمیدس گذرا ہے،

ساتویں صدی قبل مسیح کے شعرائے صقلیہ کی نظموں کا تذکرہ یونانی تاریخون میں آتا ہے، اوران کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے، کہ انھوں نے قدیم یونانی شعراء کا اتباع چھوڑ کر ایک نئی شاہراہ اختیار کی، اوراس میں کامیاب ہوئے، مورخین ہمیر اکے شاعر اسٹیسی کورس (STESICHOURS ۶۳۲ سنہ تا ۵۵۶ سنہ ق م) کو اس صدی کے وقائع نگار شعراء میں ممتاز جگہ دیتے ہیں[3]،

اسی طرح جب چھٹی صدی قبل مسیح میں ایک آزادانہ حکومت کی ابتدا ہوئی، تو سائنس، ہیئت اور شاعری کی ترقی کا بھی ایک نیا دور آیا، پھر پانچویں صدی قبل مسیح میں سرقوسہ کا باشندہ کوراکس علم البیان کے پہلے اُستاذ کی حیثیت سے اسی صدی میں روشناس ہوا، اور اُسکے شاگرد تیساس نے بھی فن خطابت میں کمال پیدا کیا،

صقلیہ کی قدیم علمی عظمت کے متعلق اڈولف ہولم کا بیان ہے کہ پانچویں صدی میں جب یونان کی نوآبادیان فلسفہ، سوفسطائی کو فلسفہ کا معراجِ کمال سمجھتی تھیں، سسلی والے اس سے کہیں پہلے فلسفہ سوفسطائی کے پہلوے ذم سے واقف ہوگئے تھے، اوراسکو تخیل شاعرانہ کا لقب دیتے تھے، اور جب اثینز کے مشہور سوفسطائی فلسفی پروٹاغورس نے اپنا ایک جدید

---

[1] تاریخ یونان بیوری (ترجمہ اردو) ص ۳۵۰، و تاریخ یونان اوڈلف ہولم (ترجمہ اردو) حصہ دوم ص ۵۲ [2] تاریخ یونان بیوری (ترجمہ اردو) ص ۵۶۶، [3] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، جلد ۳۰ ص ۲۶ طبع یازدہم)

نظریہ لوگون کے سامنے پیش کیا، تو ایتھنز کی متمدن حکومت کی زمین اس کیلئے تنگ ہوگئی، اور اسکو شہر بدر ہونا پڑا، لیکن صقلیہ کی سرزمین نے اس کا استقبال کیا، یہان اوس نے اپنے نظریہ کی اشاعت کی، اور ستر سال کی عمر میں سنہ ۴۸۱ ق م میں یہیں پیوندزمین ہوا، اسی طرح فارموس کے المیہ ڈرامون کو سب سے پہلے یہیں سنہ ۴۸۵ ق م میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا، یہ ڈرامے فلسفیانہ نوشگافیون سے لبریز تھے، اور پھر کچھ دنون کے بعد سرقوسہ کے باشندے سوفران نے اپنے ڈرامے کی تالیف سے یونانی آبادی میں ایک نئی زندگی پیدا کی،[1]

صقلیہ کی علمی وادبی ترقی کی، یہ رفتار یونانی عہدِ حکومت میں قائم رہی، یونانیوں کے زوال کے بعد جب مختلف حکمران صقلیہ کے مختلف حصے پر قابض ہوگئے تو ان دنون عام ازیں کہ سیاسی ومعاشی حالات جیسے رہے ہون، علمی وادبی حیثیات سے اس کا دورِ تنزل شروع ہوگیا، یہانتک کہ جب صقلیہ جمہوریتِ روما کا ایک صوبہ قرار پایا تو پھر اس دور میں اسٹوفینس اور ٹیرنیس کے ولولہ انگیز ڈرامے قدر کی نگاہون سے دیکھے گئے، اور انہی دنوں حکمائے یونان کا مشہور ستارہ ارشمیدس آرکمیڈیز (سنہ ۲۸۷ تا سنہ ۲۱۲ ق م) اُفق صقلیہ پر ظاہر ہوا، اور فنِ ہیئت وریاضی میں ایک عالم کی رہنمائی کی، لیکن وہ اگرچہ صقلیہ کے شہر سرقوسہ کا باشندہ تھا، مگر علوم ریاضی وفنونِ ہندسی کی تحصیل مصر سے کی تھی، وہ صقلیہ ہی میں ایک رومی سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا،[2] اور گویا ارشمیدس کے جنازہ کے ساتھ صقلیہ سے علم وادب کا جنازہ بھی نکل گیا، کیونکہ پھر رومی شہنشاہی اور بیزنطی سلطنت کے دورون میں صقلیہ کی علمی مرتبت کا کوئی باب قائم نہ ہوسکا، بلکہ اس عہد میں صقلیہ صرف غلہ کا کھیت بنا رہا،

یہان تک کہ کامل ایک ہزار برس کے بعد اسد بن فرات کی علمبرداری میں عربوں کے قدم پہنچے عربوں کی یہ خصوصیت رہی ہے، کہ وہ جس ملک میں پہنچے، اپنے علوم ومعارف کا گنجینہ اپنے ساتھ لیتے گئے،

[1] تاریخ یونان اڈولف ہولم (ترجمہ اردو جلد ۲ ص ۸۰، ۱۳، ۷۱، ۱۳، ۱۳ ۔ [2] اخبار العلماء باخبار الحکماء قفطی ص ۴۶، تاریخ الحکمائ روزنی دراماری ص ۱۲، ۶، تاریخ یونان بیوری (ترجمہ اردو) اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۳

اور اوسی وقت سے ملک کی سیاسی تاریخ کے ساتھ اوس کی علمی و ادبی سرگذشت کا باب بھی قائم ہوگیا،

عربی علم و ادب

عربوں کے علم و ادب کی تاریخ بھی ان کے دوسرے کارناموں کی طرح حیرت انگیز ہے، وہ اپنے عہد جاہلیت میں باوجودیکہ نیم متمدن اقوام میں شمار کئے جاتے تھے، مگر اُن کی آبادی کا بیشتر حصہ ان پڑھ تھا، بلند سے بلند طبقہ کے افراد میں صرف چند اشخاص ایسے نکلتے، جو سریانی یا نبطی خط میں لکھنا جانتے تھے، انکے یہاں علم طب اور علم نجوم شخصی تجربوں اور چند سُنے سنائے قیاسوں کا مجموعہ تھا، انساب و تاریخ میں مہارت رکھتے تھے، مگر وہ سب سینوں میں محفوظ تھا، البتہ علم و ادب میں شعر و شاعری کا ذوق یہاں کے بچہ بچہ میں موجود تھا، اور سارے عرب میں فصاحت و بلاغت کا بحر زخار موجیں مار رہا تھا، لیکن خواہ بڑے سے بڑا رجزیہ قصیدہ ہو، مگر وہ بھی نوکِ زبان ہونے کے بجائے نوکِ کلک کا شرمندۂ احسان کم ہوتا تھا،

عربوں کی علمی و ادبی رفتار یہی تھی، کہ اسلام کا ظہور ہوا، اور سارے عرب میں انقلاب کی ایک روح دوڑ گئی، آنحضرت صلعم نبی امی تھے، مگر عالم کی تعلیم و تربیت کیلئے مبعوث ہوئے تھے، اب عربوں کی ساری توجہ اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید پر مرکوز ہوگئی، **نزولِ قرآن** کے ساتھ اسکی کتابت کی ضرورت پیش آئی، آنحضرت صلعم نے چند کاتبوں عبداللہ بن سعید بن عاصی وغیرہ کو مسلمانوں کو فنِ کتابت سکھانے کیلئے مقرر فرمایا، اس سے عربوں میں رفتہ رفتہ لکھنے کا رواج عام ہوا، پھر قرآن مجید کے معانی و مطالب کے غور و خوض سے علم قرآن میں وسعت پیدا ہوئی، اور رفتہ رفتہ مختلف علوم قرآن کی تدوین ہوئی، اسی طرح آیاتِ قرآنی کی تفسیر اور احکام اسلامی کی تشریح کیلئے آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال کو رہنما بنانے کی ضرورت پیش آئی، تو احادیث کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور روایت و سند کا سلسلہ شروع ہوا، جس سے علم حدیث، اور فنِ رجال منضبط ہوئے، پھر جب مختلف نئے مذہبی مسائل پیدا ہوئے، اور اُن کی نئی شکلیں سامنے آئیں، تو کتاب و سنت پر قیاس کرکے مسائل مستنبط کرنے کی ضرورت پڑی، اس طرح علم

فقہ کے ابواب عبادات مدون ہو گئے، دوسری طرف عجمی مسلمانوں کیلئے قرآن وحدیث کا پڑھنا اور سمجھنا اسوقت تک سہل نہ تھا جب تک وہ عربی زبان سے واقف نہ ہو جاتے، اسلئے صرف ونحو اور علم لغت کی تدوین کی ضرورت ہوئی، نیز قرآن مجید کے معانی ولہجہ کی تعیین کیلئے لغت قریش کی چھان بین شروع ہوئی اور اس صحرانوردی میں جاہلیت کے بیشمار اشعار کا ذخیرہ فراہم ہو گیا، پھر اسی ضمن میں جاہلیت کے علوم ہیئت، نجوم انساب خیل اور علم طب وغیرہ مدون کرلئے گئے،

پھر جیسے جیسے اسلامی سلطنت میں توسیع ہوئی، قوانین وضوابط کی تشکیل کی ضرورت پڑی، اور قرآن مجید واحادیث سے علم فقہ کے ابواب معاملات مدون ہوئے، اسی سلسلہ میں مفتوحہ ممالک کے قبضہ میں آنے کی مختلف نوعیتوں بزور شمشیر بطریق صلح ومعاہدہ وغیرہ معلوم کرنے کی ضرورت پڑی، اسکے لئے عہد نبوی کے غزوات اور عہد صدیقی وفاروقی کے فتوحات کے حالات جمع کئے گئے، اس سے فن مغازی اور خلفا کی سیرت کی تدوین ہوئی، اسی سے فن تاریخ کا دروازہ کھلا، پھر عہد اموی کے مستبد خلفاء وعمال کے خلاف آواز بلند کرنے کیلئے امت کے صلحا نے خلفائے راشدین وصحابۂ کرام کے حالات بطور مواعظ پیش کئے، اس سے تاریخ اسلام کے قرن اول کے حالات فراہم ہو گئے،

اسی طرح جب اسلامی فتوحات کا دائرہ زیادہ وسیع ہو گیا، تو مسلمانوں کو مفتوحہ وغیر مفتوحہ ممالک کے علوم وآداب سے آگاہی ہوئی، اور انھیں عربی زبان میں منتقل کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ترجمہ کا دفتر کھل گیا، اور تھوڑی ہی مدت میں یونانی، سریانی اور ہندی علوم وفنون ہیئت، طب فلسفہ، اور منطق وغیرہ کا بڑا ذخیرہ عربی زبان میں منتقل ہو گیا، ان ترجموں سے جب مسلمانوں میں فلسفیانہ مسائل عام ہوئے، اور مختلف قوموں نے فلسفیانہ نظریوں پر دین اسلام کو جانچنا شروع کیا، تو مسلمانوں کو علم کلام کی تدوین کی ضرورت پڑی، پھر اس سلسلہ میں تحریری وتقریری مقابلہ کی نوبت آئی، تو علم مناظرہ کے اصول منضبط کئے گئے، جب یہ مناظرے فلسفیانہ ومتکلمانہ مسائل سے گذر کر فقہ کے مختلف مذاہب میں داخل ہوئے

تو اصول حدیث واصول فقہ کو مرتب کرنا پڑا پھر دوسری طرف جب علم کلام ومناظرہ سے عقلی موشگافیوں کی نوبت آئی اور مسلمانوں کی تمدنی ترقیوں سے نئی ضرورتیں پیدا ہوئیں تو علوم عقلیہ پر عبور حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اس تقریب سے فلسفہ، حکمت، منطق، ریاضیات، وطبعیات وغیرہ مسلمانوں کے مخصوص فنون بن گئے، جنھوں نے ان علوم کی بنیادوں پر اپنی نئی عمارتیں تعمیر کیں،

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ اسلامی علوم وآداب میں سے پہلے علوم اسلامیہ کی تدوین ہوئی اسکے بعد علوم عقلیہ پر توجہ کی گئی، اور علوم عقلیہ پر حقیقی توجہ تیسری صدی کے اختتام سے پہلے نہ ہوسکی، دوسری صدی کے خاتمہ تک مسلمانوں میں صرف علوم اسلامیہ رائج ہوسکے تھے، اور علوم عقلیہ میں سے غیر زبانون کی کتابوں کا ترجمہ کیا جارہا تھا،

اسلئے صقلیہ میں مسلمانون کے داخلہ کے وقت تک اسلامی علوم وآداب میں سے علوم قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، کلام، مناظرہ، مغازی، تاریخ، رجال، صرف، نحو، ادب، لغت، اور طب کی تدوین ہوچکی تھی، مسلمان انہی علوم کو لیکر یہان پہنچے، اور انہی کی نشر واشاعت کی، اور انہی کو فروغ حاصل ہوا، پھر کچھ دنوں کے بعد جب علوم عقلیہ کا عام رواج ہوا، تو مسلمانان صقلیہ نے بھی ان کی جانب نگاہ اٹھائی، لیکن ابھی وہ محو نظارہ ہی تھے، کہ اسلامی سلطنت صقلیہ کی شمع حیات گل ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ مسلمانان صقلیہ کے علوم وآداب میں اونہی اول الذکر اسلامی علوم کو حقیقی عظمت حاصل ہے، تاہم علوم عقلیہ کا صفحہ بھی سادہ نہیں، لیکن دراصل اس سرزمین کو اصل شرف علوم اسلامیہ کے ماہرین سے ہے، اس سرزمین سے بڑے بڑے ائمۂ فن محدثین، فقہا، متکلمین، صوفیہ اور ارباب ادب پیدا ہوئے، ان میں سے کچھ سسلی سے اسلامی سلطنت کے خاتمہ پر ہجرت کر گئے، لیکن بہتوں نے عہد اسلامی میں اور اسکے بعد نارمنوں کے دور میں اسی سرزمین کو اپنی آخری خوابگاہ بنایا،

صقلیہ میں علمی ترقی کے اسباب صقلیہ کی سیاسی تاریخ پر نظر ڈالئے، تو معلوم ہو کہ یہان کی سیاسی فضا اوائل

ہی سے نہایت مکدر اور پر ہیجان رہی جسمیں علوم و آداب کی داغ بیل ڈالکر اوسکو نشو و نما دینا اسوقت ناممکن ہوتا، اگر اتفاقاً آغاز ہی سے اس کے سامان مہیا نہ ہو گئے ہوتے،

قاضی اسد کا جذب و کشش، ۱- یہ عجیب اتفاق ہے کہ مسلمانوں کا سب سے پہلا قافلہ جو سکونت پذیر ہونے کے لئے یہاں آیا، وہ ایک ایسی شخصیت کی سالاری میں آیا، جو خود سرچشمۂ علوم و معارف تھا جب وہ افریقیہ سے صقلیہ روانہ ہونے لگا، تو اسکی ذاتی کشش اور اسکے علمی رشتۂ مؤدت سے افریقیہ کے اکابر اہل علم اسکے ہمرکاب ہو گئے، صاحب ریاض النفوس کا بیان ہے:-

"ہمارے مشائخ کہتے ہیں کہ جب اسد فوج لیکر سوسہ روانہ ہوئے کہ صقلیہ کے جہاز پر سوار ہوں تو انکے ساتھ اہل علم کی ایک ممتاز جماعت روانہ ہو گئی"

یہاں تک کہ شیخ عبدالرحیم المستجاب (جن کے متعلق امام سحنون صاحب المودنۃ الکبریٰ کی رائے ہے، کہ میں نے ابن قاسم، اشہب، ابن وہب، علی بن زیاد، بہلول بن راشد اور ابن اشرس جیسے اکابر ملت) کو دیکھا، مگر عبدالرحیم کے مثل کسی کو نہ پایا،) وہ بھی اپنے گوشۂ عافیت سے نکل پڑے اور صقلیہ روانہ ہونے پر آمادہ ہوئے، مگر امام سحنون نے افریقیہ کے قیام کی ترجیح بعض ضرورتوں کو پیش کر کے ثابت کی اور ان کا یہ سفر ملتوی ہو گیا[۱]،

اہل علم کا فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہونا ۲- صقلیہ میں علمی ترقی کا دوسرا سبب یہاں کی اسلامی حکومت کا یہ تھا کہ اہل علم کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ کر دینا ہے، ابن حوقل لکھتا ہے:-

"دارالحکومت کے باشندوں میں اساتذہ کی تعداد زیادہ ہے، چنانچہ صرف بلرم میں ۳۰۰ اساتذہ ہیں، میں نے انکی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا، کہ اساتذہ دشمن کے حملہ کے موقع پر جہاد میں شرکت کرنے پر مکلف نہیں ہیں"[۲]،

[۱] ریاض النفوس در امالدی، ص ۱۰۵، [۲] معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۰۶، لیکن جو اہل علم جہاد کی شرکت کرنا چاہتے تھے، کر سکتے تھے چنانچہ بعض اہل علم کے سوانح میں نظر آیا، کہ وہ خدمت علم میں مصروف تھے، اور خدمت جہاد کا شرف بھی حاصل کرتے تھے، (دیباج المذہب ابن فرحون ص ۲۴۷،) اسی طرح ۲۶۵ھ کے حوادث میں ابن اثیر نے علماء و صالحین کے جنگ میں شریک ہونیکی تصریح کی ہے (ابن اثیر جلد ۷ ص ۴۹)

ارباب حکومت کا ارباب علم ہونا،

۳- تیسرا سبب، یہاں کے ارباب حکومت کا خود ارباب علم و اصحاب ذوق ہونا تھا، یہ لوگ صرف شعر و شاعری سے دلچسپی نہ رکھتے تھے جو بالعموم ارباب دولت کا تفریحی مشغلہ ہوتا ہے بلکہ بعض مختلف علوم حدیث و فقہ میں صاحب کمال گذرے ہیں، اور دولت فاطمیہ و کلبیہ کے دور میں تو عام امراء و عہدہ داران حکومت اہل علم و ارباب حکومت میں تھے جن کا تذکرہ طبقات میں ارباب علم و ادب کی حیثیت سے ملتا ہے، عبداللہ بن محمد الفلبی، ابوالعباس خلیل بن اسحاق، ثقۃ الدولہ، تائید الدولہ، تاج الدولہ، مستخلص الدولہ، قائد ابوالفتوح، ابوالفضل، احمد بن علی فہری صاحب الشرطہ، امیر ابومحمد بن عمار بن منصور کلبی، قائد ابومحمد حسن بن عمر بن منکود، امیر ابومحمد جعفر بن طیب الکلبی، امیر شیخ الدولہ عبدالرحمن اللولو، ابوالقاسم عبداللہ بن سلیمان الکلبی، اور ابوالحسن علی بن المعلم صاحب دیوان الصناعۃ وغیرہ ایسے ارباب علم و فضل ہیں جنھیں مختلف علوم حدیث، فقہ، ادب و شعر و شاعری میں امتیاز حاصل تھا، اور جن کا تذکرہ کتب طبقات میں ارباب علم کی حیثیت سے مورخین نے کیا ہے[۱]،

صقلیہ کی علمی ترقیوں میں ان ولاۃ امراء اور عہدہ داروں کا نمایاں حصہ رہا، خود صاحب کمال تھے، علماء و شعراء کے قدرداں ہوتے، سرپرستی کرتے، اور دور دور کے ارباب کمال کھنچ کھنچ کر صقلیہ پہنچتے،

جغرافی جائے وقوع

۴- چوتھا سبب اسکی جغرافی جائے وقوع ہے، اس زمانہ میں اندلس، افریقیہ، مصر و شام اسلامی علوم و آداب کے مرکز تھے، جو ارباب علم مصر و شام سے اندلس، یا اندلس سے مصر و شام جاتے، وہ یہاں بھی ہو لیتے، چنانچہ ایسے اہل علم کے نام معلوم ہیں جنھوں نے یہاں اثنائے راہ میں ہفتوں اور کبھی سالوں قیام کر کے جزیرہ کو اپنے علم و فضل سے خیر و برکت کا سرچشمہ بنایا، (سعید بن فتحون قرطبی وغیرہ)

اہل علم کی کشش،

۵- پانچواں سبب رفتہ رفتہ اس کا وقار علمی حاصل کر لینا ہے، لوگ یہاں کے اہل علم

---

[۱] الحلۃ السیراء ابن الابار در اماری، ص ۲۲۷، ۲۳۱-۲۳۹، کلا الجان المسیلہ در یادگاری، جلد اص ۲۹۳، مسالک الابصار ابن فضل اللہ العمری در اماری ص ۱۵۲،

سے استفادہ کیلئے دور دور سے آتے، مثلاً ایک صقلی اہل علم طاہر بن محمد بن رقبانی کے حالات میں قفطی کا بیان ہے :-

"یہ صقلیہ کے باشندے تھے، اور یہیں اقامت گزیں تھے، ان کے عہد میں عربی علم و ادب کے نظم و نثر میں اون سے بڑھ کر کوئی دوسرا عالم موجود نہ تھا، ہر مقام سے آکر اہل علم نے ان کی طرف رجوع کیا، اور اون کو بحر زخار پایا"[۱]

اہل علم کی قدر افزائی، ۶- چھٹا سبب یہ تھا کہ اگر افریقیہ میں کسی صاحب علم کی پذیرائی باقی نہ رہتی، یا پذیرائی کے مواقع جاتے رہتے، تو وہ صقلیہ کی علمی منزلت کے اثر سے یہاں کا رُخ کرتا، یا اندلس میں کسی صاحب علم کیلئے حالات ناسازگار ہو جاتے، تو وہ صقلیہ کی راہ لیتا، اور یہیں توطن اختیار کر لیتا، چنانچہ صقلیہ کے نوآبادوں میں شیخ براذعی، سعید بن فتحون قرطبی اور ابن رشیق قیروانی وغیرہ جیسے ارباب علم و فضل ہیں،

عہد اسلامی میں صقلیہ کی علمی مرتبت، صقلیہ میں علمی ترقیوں کے یہی اسباب تھے، جن کے باعث صقلیہ نے اپنے دور میں ایک ممتاز علمی جگہ حاصل کی، اور عرب مورخین نے اسکی علمی منزلت کا اعتراف کیا، سمعانی متوفی ۵۶۲ھ کا بیان نسبت "صقلی" کی تشریح میں ہے،

"یہ نسبت جزیرہ صقلیہ کی طرف ہے، اور یہاں سے مسلمان اہل علم کی ایک کثیر جماعت نکلی جنہیں متقدمین بھی ہیں، اور دور معاصر کے علماء بھی، اور یہ آجکل فرنگیوں کے قبضہ میں ہے"[۲]

صاحب نخبۃ الدہر لکھتا ہے، :-

"صقلیہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، تو علمی ترقی، اور علماء، ادباء اور فضلاء کی کثرت میں اندلس کے مانند تھا"[۳]

---

[۱] مختصر کتاب انباء الرواۃ علی ابناء النحاۃ در اماری ص ۶۴۵ [۲] کتاب الانساب سمعانی، ورق ۳۵۴ [۳] نخبۃ الدہر عجائب البر و البحر، در اماری ص ۱۴۴،

ابن فضل اللہ الدمشقی لکھتا ہے :-

"صقلیہ نے جو خوشبو پھیلائی، اور جو ذہانت بخشی ہے، وہ اس کے فخر کیلئے کافی ہے، تاریخ وادب کی کتابوں میں اس کا بہترین حصہ محفوظ ہے، عہد اسلامی میں بیدار مغز بادشاہ اور بڑے بڑے ادبا موجود تھے جنہیں سے ایسا کوئی نہ تھا جس کے پاس سفر کرکے لوگ پہنچتے نہ ہوں، جاکر مدح نہ کرتے ہوں، اور صلہ نہ پاتے ہوں" [1]

صقلیہ میں تعلیم کا نظام | یورپین مورخین تو لپرمو اور مسینا کی یونیورسٹیوں" کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن ہمیں ان مرعوب کُن الفاظ کی ضرورت نہیں، یہ "اسلامی یونیورسٹیاں" صقلیہ کی مسجدوں ہی میں قائم تھیں، اسوقت تک درسگاہوں کے لئے جداگانہ عمارتوں کا دستور نہ تھا، اگر درسگاہ کے مقصد ہی سے عمارتیں بنائی جاتیں تو بھی وہ مسجد ہی کی شکل کی ہوتیں، اور بلرم کی کثرتِ مساجد کی ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ یہ مسجدیں درسگاہ کیلئے بھی بنائی جاتی تھیں، ابنِ حوقل لکھتا ہے :-

"ان دس مسجدوں میں جن کا میں نے تذکرہ کیا ہے ایک مسجد ابو محمد قفصی کی ہے جس میں وہ نماز پڑھتے ہیں، اور اوس کے پہلو میں میں قدم پر ایک دوسری مسجد ہے، جس کو انھوں نے اپنے لڑکے کی تعلیم گاہ کے طور پر تعمیر کرایا ہے" [2]

ان درسگاہوں میں تعلیم کا طریقہ وہی تھا جو اس عہد میں تمام اسلامی ملکوں میں بطریق املاء سماع جاری تھا لیکن ان درسگاہوں اوران کے اساتذہ کا کیا نظام تھا، اس کا کوئی تصریحی تذکرہ نظر سے نہیں گذرا، قیاسات قائم کئے جاسکتے ہیں، تاہم اساتذہ ومعلمین کے متعلق اتنا معلوم ہے، کہ ان میں فرق مراتب وامتیاز ان کے عہدوں کے لحاظ سے بھی قائم تھا، بعض اہلِ علم کے تذکرہ میں ملتا ہے "من اھل صقلیہ مقیمین بھا واحد روساء المعلمین" [3] (یہ اہلِ صقلیہ میں تھے، وہیں قیام پذیر تھے، اور صدر اساتذہ

---

[1] مسالک الابصار فی ممالک الامصار در اماری ص ۱۵۲ [2] معجم البلدان جلد ۵، ص ۶۷، [3] مختصر کتاب اخبار الرواۃ علی انباہ النحاۃ در اماری ص ۶۴۹،

میں سے ایک تھے) کتابوں کے درس و تدریس کے اجازت نامے اور سندیں دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح یہاں بھی رائج تھیں، جو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، صحاح جوہری کی سند ابن القطاع الصقلی متوفی ۵۱۵ھ کو صقلیہ میں اپنے استاذ ابوبکر محمد بن البر الصقلی سے ملی، اس کے بعد وہ مصر پہنچا، اسوقت تک صحاح کی سند مصر میں عمومیت سے داخل نہیں ہوئی تھی، ابن القطاع یہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اور شائقین علم کا مرجع بن گیا[1]

صقلیہ میں مسلمانوں نے اپنے چند صد سالہ دور میں جن علوم و فنون کی خدمت کی، وہ قرآن و حدیث، فقہ، کلام، تصوف، تاریخ، ادب و نحو، شعر و شاعری، طب، فلسفہ، منطق، ریاضیات، ہندسہ، جغرافیہ اور طبعیات ہیں، انکی الگ الگ مختصر سرگذشت ذیل میں درج کیجاتی ہے،

علوم اسلامیہ

(علوم قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، کلام، و مناظرہ، تاریخ وغیرہ،)

علوم قرآن

علوم قرآن میں تیسری سے پانچویں صدی ہجری تک، فن قرأت، تفسیر، اور فن ناسخ و منسوخ اہم علوم تھے، درس و تدریس اور سلسلۂ روایت میں وہی اہتمام تھا، جو فن حدیث میں کیا جاتا تھا[2] ان علوم کے ارباب کمال کو "مقری" کا لقب دیا جاتا تھا مقری کے لئے دوسرے علوم دینیہ یعنی حدیث وغیرہ میں بھی دستگاہ رکھنا ضروری تھا[3]

صقلیہ کے اہل علم بھی اس نسبت سے مشہور ہوئے، یہ ارباب کمال صقلیہ کی مسجدوں میں مسند

---

[1] معجم الادبا، جلد ۵ ص ۱۰۰، [2] کتاب الناسخ والمنسوخ ابی جعفر النحاس۔ [3] کتاب الانساب سمعانی ورق ۵۴۰،

درس بچھائے تھے، کیونکہ علوم قرآن کا درس عموماً مسجدوں میں جاری تھا، ابن جبیر لکھتا ہے:۔

"اور مسجدیں تو بہت ہیں، اور اکثر مسجدیں اساتذۂ قرآن کی خطبہ گاہ ہیں"[1]

یہاں قرات سبع میں سے قرأت نافع کا رواج تھا، یہی قرأت تمام مغرب میں رائج تھی[2]

صقلیہ کے ماہرین قرآن کی جن میں سے بعض کی تالیفات بھی علوم قرأت وتفسیر میں ہیں، نام مل سکے ہیں، ان میں سے اکثر چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے تھے، اور ان کی تصنیفات میں سے بعض کتابیں اسلامی ملکوں میں اپنے فن کی اساس سمجھی گئی تھیں، وہ لوگ حسب ذیل ہیں،

محمد بن خراسان، ابو عبد اللہ محمد بن خراسان الصقلی، مقری کے لقب سے سرفراز تھے، ان کے والد خراسان اغالبہ کے موالی میں تھے، محمد بن خراسان کی نشو ونما صقلیہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، پھر علوم کی تکمیل کیلئے مصر روانہ ہوئے، وہاں امام المقرئین ابو جعفر النحاس متوفی ۳۳۸ھ اور ابن منظفر بن احمد بن حنبل بن حمدان سے علوم قرآن وحدیث کی تحصیل کی، ابن منظفر بن احمد بن حمدان سے فن قرأت سیکھا، اور ابو جعفر نحاس سے ان کی تصنیفات کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن، اعراب القرآن، اور تفسیر قرآن، پڑھیں، اور ان کتابوں کی سند واجازت لیکر صقلیہ واپس آئے، اور یہاں اپنے درس وتدریس سے لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے یہاں تک کہ ۶۰ سال کی عمر میں ۳۸۶ھ میں وفات پائی، یہیں مدفون ہوئے[3]

اسمٰعیل بن خلف صقلی، ابو طاہر اسمٰعیل بن خلف بن سعید بن عمران الصقلی کے متعلق ابن خلکان لکھتا ہے:۔

کان اماماً فی علوم الآداب ومتقناً علوم آداب کے امام اور فن قرأت میں

---

[1] رحلۃ ابن جبیر، ص ۳۳۲ [2] احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۳۰، [3] ابن خلکان جلد ۱ ص ۵۰، کتاب المقفیٰ مقریزی در المکتبۃ ص ۴۷۰، بغیۃ الوعاۃ سیوطی ص ۴۳

لفن القرات کامل الفن تھے،

علوم کی تحصیل کیلئے مصر گئے، یہاں کے مشہور مفسر علی بن ابراہیم الحوفی سے تلمذ حاصل کیا صقلیہ میں درس و تدریس، اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ تھا، کہ یہاں کی سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے ہجرت پر مجبور ہوئے اندلس کے شہر سر قسطہ میں سکونت اختیار کی، پھر مصر گئے، اور یہیں یوم یکشنبہ یکم محرم الحرام ۴۵۵ھ کو وفات پائی، اسی لئے مورخین میں سے بعض انھیں صقلی بعض الصقلی الاندلسی، اور بعض الاندلسی السرقسطی لکھتے ہیں، ابن بشکوال نے ان کے فضائل و اوصاف گنائے ہیں،

تالیفات، علوم قرآن میں ان کی چند بلند پایہ کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

کتاب العنوان فی القرات، یہ سب سے زیادہ مشہور و مستند ہے، ابن خلکان کہتا ہے لوگوں کو اس فن میں اس کتاب پر اعتماد ہے" یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جو ایک ضخیم کتاب الاکتفا کی تلخیص ہے، اس کا ایک نسخہ ہندوستان میں بھی بانکی پور کے کتبخانہ میں "العیون فی القرات السبع" کے نام سے قلمی موجود ہے اور مصنف کے زمانہ سے قریب یعنی ۶۵۲ھ کا لکھا ہے، کتاب کے آخر میں مشہور حفاظ و قرا کی سندیں اور اجازتیں ثبت ہیں، یہ نسخہ اپنی مختلف حیثیات سے نادر الوجود ہے، برلن اور ایا صوفیہ میں بھی اسکے نسخے موجود ہیں،

آغاز کتاب:۔ قال الشیخ ابوطاہر اسمٰعیل بن خلف المقری النحوی رضی اللہ عنہ الحمد للہ انشاءنا بقدرتہ وھدانا للاسلام و فطرتہ،

اما بعد فانی ذاکر فی ھذہ الکتاب	اما بعد میں اس کتاب میں انشاء اللہ ان اختلافات
ان شاء اللہ ما اختلف فیہ القراء	کا ذکر کرونگا، جو مشہور ائمہ امصار قرا سبعہ کے
السبعۃ المشھورون من ائمۃ	درمیان ہیں،
الامصار الخ۔	

اجازت نامے:- بانکی پور کا یہ نسخہ مصر کے مشہور مقری شیخ عبد القوی بن عبد اللہ بن ابراہیم بن محمد انماطی متوفی ماہ شوال ۶۴۶ھ کا ہے جنھوں نے ۱۰ ربیع الآخر ۶۳۵ھ کو اس پر اپنا اجازت نامہ بنام شیخ شمس الدین ابو عمرو عثمان بن شیخ زکی الدین المعروف بالنشاب ثبت کیا ہے، اور پھر مختلف لوگوں کے اجازت نامے بھی اس پر بسلسلۂ سند درج ہیں، جن کا تذکرہ فہرست کتب خانہ بانکی پور میں موجود ہے،

کتاب الاکتفاء فی القرات، اسی کتاب کا خلاصہ مبتدیوں کیلئے کتاب العنوان کے نام سے کیا تھا، اس کا کوئی نسخہ ابھی تک دریافت نہیں ہوا، نہ حاجی خلیفہ کی نظر سے گذرا تھا، اور یہ کتاب بھی انہی فقروں سے شروع ہوتی ہے جو کتاب العنوان میں درج ہیں،

کتاب اعراب القران، یہ علم اعراب القران میں ایک ضخیم کتاب ہے، اس فن کا تعلق اگرچہ نحو سے سمجھا جاتا ہے، لیکن قرآن ہی سے متعلق ہے، اسلئے علوم قرآن میں بھی شمار کیا جاتا ہے، یاقوت اور حاجی خلیفہ کے بیان کے مطابق اس کے ۱۹ اجزا ہیں،

المختصر لکتاب الحجۃ فی القراۃ لابی علی الفارسی ابو علی الفارسی کی ایک مشہور کتاب الحجۃ فن قرأت میں ہے، اس کا ایک نسخہ بانکی پور کے کتبخانہ مین پانچویں صدی کا لکھا موجود ہے یہ رسالہ اس کتاب کی تلخیص و مختصر ہے،[۱]

الذکی المازری، ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفرج المازری المعروف بالذکی ۴۲۷ھ میں صقلیہ کے مردم خیز خطہ مازر میں پیدا ہوئے، علوم کی تحصیل صقلیہ کے علماء و شیوخ سے کی، پھر قیروان جا کر وہاں کے اساتذہ سے درس لیا، یہ نہایت ذکی اور فہیم تھے، اسی مناسبت سے ذکی ان کا لقب قرار پایا، قوت حافظہ

---

[۱] ابن خلکان جلد ۱ ص ۴۴، ۱۳۴ معجم الادباء یاقوت ج ۲ ص ۴۳، ۲، بغیۃ الوعاۃ سیوطی ص ۱۹۵، کشف الظنون ج ۱ ص ۱۲۲ و ۱۲۳ فہرست کتبخانہ بانکی پور ج ۱۰ ص ۸۱ تا ۸۳، مفتاح الکنوز الخفیہ ج ۱ ص ۱۳، ۱۷،

بھی غیر معمولی رکھتے تھے، چنانچہ بہت جلد ترقی کر کے مغرب کے ممتاز اساتذہ کی صف میں آگئے، قاضی عیاض ان کے متعلق فرماتے ہیں:۔

کان فقیہاً حافظاً مدرکاً نبیلاً فہماً	فقیہ، حافظ شریعت، سمجھدار، مذہبی اور ادبی
متقناً فی علم المذہب واللسان	علوم کے ماہر، اور علوم قرآن اور تمام علوم
ومتقناً فی علوم القرآن وسائر المعارف	سے واقف تھے،

علوم قرآن کی طرح علم فقہ و نحو کے بھی ماہر سمجھے جاتے تھے، اس کا تذکرہ آیندہ آئے گا، یہاں انکی صرف ایک کتاب کتاب الاستیلاء کا تذکرہ کرنا ہے، قاضی عیاض کے بقول یہ علوم قرآن میں ایک ضخیم کتاب ہے، اور ابن ناجی نے بھی اسکا تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوا، کہ یہ فن قرأت میں تھی[1]

عبدالرحمن بن محمد البشیری، عبدالرحمن بن محمد بن عمر البشیری الصقلی شہر بشیر کے باشندے تھے، اسلامی حکومت کے زوال کے بعد بھی وہیں مقیم رہے، علوم قرآن میں دستگاہ رکھتے تھے، کاتب اصفہانی نے انھیں "حامل القرآن" کا لقب دیا ہے[2]

ابن فحام الصقلی عبدالرحمن بن عتیق بن خلف معروف بہ ابن فحام الصقلی ۴۲۵ھ میں صقلیہ میں پیدا ہوئے اور یہیں علوم کی تحصیل کی، اون کے اساتذہ کی فہرست میں ابن نفیس الصقلی، عبدالباقی بن خاص الصقلی ابوالحسین الواری اور اخرص کے نام ہیں، ۴۵۰ھ میں مصر روانہ ہوئے، وہاں ابن السلمی کے حلقۂ درس میں بیٹھے، پھر وہیں سکونت اختیار کر لی، اور امام وقت تسلیم کئے گئے، سلیمان بن عبدالعزیز اندلسی کہتا ہے:۔

"میں نے کسی کو فن قرأت کا ان سے زیادہ عالم و واقف کار نہیں دیکھا نہ مشرق میں اور نہ مغرب میں"

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

[1] ترتیب المدارک عیاض دریادگاری جلد ۱ ص ۴۰۱، معالم الایمان جلد ۳ ص ۲۵۱، [2] خریدۃ العصر و جریدۃ العصر امار ی

عبدالرحمن بن ابی بکر عتیق بن خلف یعنی علامہ استاذ ابوالقاسم بن الفحام الصقلی وہ ہیں جن پر سکندریہ میں علوم قرآن کی صدرنشینی علو و معرفت کے لحاظ سے ختم ہو گئی۔"

اسی طرح حاجی خلیفہ نے بھی ان کو شیخ اسکندریہ کے لقب سے یاد کیا ہے ۵۱۶ھ میں وفات پائی۔

تالیفات | علوم قرآن میں ان کی چند کتابیں ہیں، ایک التجوید لبغیۃ المزید فی القرات السبع اور دوسری کتاب التجرید فی القرات اور تیسری کتاب مفردات القرأت ہے، جو مفردات راغب اصفہانی کے طرز پر لکھی تھی، جسکو حاجی خلیفہ نے "مفردات یعقوب" کے ذیل میں نقل کیا ہے۔[1]

عثمان بن علی السرقوسی | ابوعمرو عثمان بن علی بن عمر شہر سرقوسہ کے باشندے اور نسباً خزرجی انصاری تھے ابن فحام الصقلی، اور ابن بلیمہ وغیرہ سے قرآن کی تحصیل کی، اور اس میں امتیاز پیدا کیا پھر مصر گئے، اور وہاں کی مشہور مسجد جامع عمرو بن العاص میں ان کا ایک وسیع حلقۂ درس قائم ہو گیا، جہاں تلامذہ کی کثیر تعداد جمع رہتی تھی، مصر میں ارباب علم سے مذاکرہ جاری رہتا، اور ممتاز اہل علم سے استفادہ بھی کرتے رہتے، حافظ سلفی اُن کے ہمعصروں میں تھے، دونوں نے اپنی تصنیفات اور اُن کی سند و اجازت ایک دوسرے کو دی، اور دونوں میں علمی مذاکرہ جاری رہتا، یاقوت اور قفطی نے تذکرہ کیا ہے۔

تلامذہ | ابوعمرو عثمان صقلی کے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد ہے، جنمیں سے ابو محمد بن بری النحوی اور ابوالتقی صالح بن عادی العذری الانماطی وغیرہ ہیں،

تالیفات | مختلف علوم میں کتابیں لکھیں جنمیں بعض فن قرأت میں ہیں، حافظ سلفی کا بیان ہے،

لہ توالیف فی القرأت، علم قرأت میں ان کی تالیفات ہیں،

[1] مختصر کتاب انباہ الرواۃ علی ابناء الرواۃ قفطی و تلخیص ذہبی، در امارات ص ۹۳، حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۱ ص ۱۱۱ و کشف الظنون جلد ۱ ص ۲۵۵، و جلد ۲ ص ۴۰۸، سیوطی نے سال وفات ۵۲۲ھ لکھا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے کسی کتاب کا نام دستیاب نہیں ہوا، صرف علم مخارج میں ایک کتاب کتاب مخارج الحروف کا پتہ ملتا ہے، اور دوسری کتابیں دیگر فنون میں ہیں جنکا ذکر آیندہ آئیگا،

حجۃ الدین ابن ظفر الصقلی، ابو عبد اللہ محمد بن ابی محمد بن محمد بن ظفر الصقلی کو علوم قرآن و علوم ادب میں امتیاز حاصل تھا، خصوصاً علوم قرآن کے تبحر نے انھیں "حجۃ الدین" کے لقب سے سرفراز کیا، لیکن ان کے علم و فضل کی شہرت کے باوجود، ان کے نام و کنیت، جاے پیدایش اور سنہ وفات کے بارے میں مورخین کے یہاں عجیب اختلافات ہیں،

جاے پیدایش سال وفات اور نام اور کنیت، جاے پیدایش کے متعلق دو قسم کی روایتیں ہیں، ابن خلکان، یاقوت، مقریزی اور ابو الفدا نے ان کا مولد صقلیہ لکھا ہے، اور عماد الدین کاتب اصفہانی صاحب خریدۃ العصر اور تقی الدین محمد بن محمد بن احمد مکی صاحب العقد الثمین نے مکہ معظمہ کو مولد قرار دیا ہے،

جو مورخین صقلیہ کو مولد قرار دیتے ہیں، وہ نشو و نما کی جگہ مکہ معظمہ و بلاد مغرب بتاتے ہیں، اور جو مورخین مکہ معظمہ کو مولد کہتے ہیں، وہ صقلیہ و بلاد مغرب کو نشو و نما کی جگہ لکھتے ہیں، اس مناسبت سے اول الذکر مورخین ابن خلکان وغیرہ صقلیہ کی طرف منسوب کرکے صقلی اور موخر الذکر مورخین عماد الدین وغیرہ مکہ معظمہ کی طرف منسوب کرکے مکی لکھتے ہیں، متاخرین میں علامہ سیوطی نے صقلی اور مکی دونوں کو یکجا کر لیا ہے،

یہی اختلاف نام اور کنیت میں ہے، تقی الدین صاحب العقد الثمین، ان کی کنیت، ابو ہاشم بتاتے ہیں، اور دیگر مورخین "ابو عبد اللہ" کہتے ہیں،

یہی حال سال وفات میں ہے، بعض لوگ ۵۵۵ھ کہتے ہیں، اور بعض ۵۶۵ھ اور بعض ۵۶۷ھ اور بعض ۵۶۰ھ بتاتے ہیں،

---

[1] معجم الادبا ج ۵ ص ۲۳ تا ۲۳، بغیۃ الوعاۃ، ص ۲۲۳، مختصر انباہ الرواۃ قفطی، در اماری ص ۴۴۳ قفطی میں ان کا نام عثمان بن علی بن عمر کے بجائے عمر بن علی بن عمر ہے، لیکن یہ غالباً ابو عمرو علی کی مسخ شدہ کتابت ہے، اور یاقوت نے عثمان السرقوسی الصقلی اور عثمان الخزرجی الصقلی دو جداگانہ شخص کے طور پر لکھا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، خود یاقوت کی عبارت سے اسکی تصیح ہوتی ہے مصحح نے بھی تصحیح کر دی ہے،

حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون نے ان اختلافات سے گذرنے کا ایک دلچسپ طریقہ اختیار کیا یعنی اس نے مستقل دو جداگانہ شخصیتیں فرض کرلیں، اور ان کی بعض کتابیں محمد بن عبداللہ المعروف بابن ظفر مکی متوفی ۵۶۸ھ کی طرف منسوب کیں، اور بعض کتابیں ابو عبداللہ محمد بن ابی محمد المعروف بہ حجۃ الدین الصقلی متوفی ۵۵۵ھ کے نام لکھیں، بہر حال مقریزی کی نظر ان اختلافات تک پہنچی اور اس نے اپنی کتاب المقفیٰ میں ان کا مکمل نام و کنیت لکھکر ان اختلافات کو دور کردیا ہے، وہ ان الفاظ میں ان کا ذکر کرتا ہے:-

"محمد بن محمد بن محمد بن ظفر المنعوت بحجۃ الاسلام برہان الدین ابو ہاشم و ابو عبداللہ بن ابی محمد الصقلی"

مورخین نے ابن ظفر کو "متنقل البلاد" لکھا ہے، یہ جب تک سن شعور کو نہیں پہنچے، ان کے والدین قیام کی جگہ بدلتے رہے، پھر سن شعور کے بعد انھیں بھی کسی ایک مقام پر قیام کرنے کا موقع نہیں ملا، اگرچہ جہاں رہے وہاں مستقل قیام کی نیت سے رہے، اس لئے عمومی طور پر ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے، کہ یہ اپنے نسب و خاندان اور جائے نشو و نما کے لحاظ سے "مکی" ہیں، چنانچہ جن مورخین نے ان کا مولد صقلیہ کو بتایا ہے، ان میں سے مقریزی نے ان کے خاندان کو مکی اور ابن خلکان اور یاقوت نے جائے نشو و نما کو مکہ معظمہ لکھا ہے، اسلئے یہ مکی خاندان اسی سلسلہ میں صقلیہ پہنچا، اور ابن ظفر وہیں پیدا ہوئے پھر ان کے والدین کے مکہ معظمہ چلے جانیکے بعد ان کا زمانہ طفولیت وہاں بسر ہوا، جو قیاس سے صقلیہ کی دولتِ اسلامی کے زوال اور نارمنی فتنہ کا زمانہ قرار پاتا ہے، پھر جب سنِ شعور کو پہنچے، تو مصر کا رُخ کیا، اور اسکندریہ میں ابو بکر طرطوشی سے علوم کی تحصیل کی اسکے بعد مصر و شمالی افریقہ چلے آئے، اور مہدیہ میں مدت تک قیام پذیر رہے، جب مہدیہ پر نارمنوں کا قبضہ ہوا، تو اس وقت یہ وہیں موجود تھے، لڑائیوں میں بھی شریک رہے، اسکے بعد یہاں سے اندلس پہنچے یہاں ابو بکر بن عربی، ابو مروان باجی، ابو الولید دباغ اور ابن مسرہ کی صحبت میں رہے، اور یہاں کی کسی مسجد میں اپنی مسند درس بچھائی، تلامذہ مستفیض ہوتے رہے، اس کے بعد انہیں وطن مالوف یاد آیا، اور صقلیہ چلے آئے، اور یہاں ۵۵۴ھ تک موجود رہے، کیونکہ اسی سال انھوں نے اپنی ایک ادبی کتاب تالیف

کرکے صقلیہ کے ایک عہدہ دار کے نام معنون کی، اس کا تذکرہ اپنی جگہ آئے گا، اس کے بعد صقلیہ سے مصر روانہ ہوئے، مصر سے حلب پہنچے، اور وہاں مدرسہ ابن ابی عصرون میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا لیکن وہاں بعض واقعات ایسے پیش آگئے، کہ شیعوں اور سنیوں میں فرقہ وارانہ لڑائی ہوئی، اس ہنگامہ میں ان کی کتابیں لوٹ لی گئیں، اس حادثہ کے بعد بغداد چلے گئے، پھر بغداد سے حماۃ پہنچے، اور یہاں پہنچکر فقہ شافعی کے درس میں مشغول ہوگئے، حماۃ ہی ان کا آخری مستقر بنتا ہے، گذر اوقات کیلئے محکمۂ دیوان کی طرف سے وظیفہ مقرر ہوگیا لیکن اسکی مقدار بہت کم تھی، اسلئے نہایت عسرت و تنگدستی میں بسر ہوتی تھی، ابن خلکان نے تو ان کے فقر و فاقہ کا یہ دردناک واقعہ بیان کیا ہے، کہ وہ محض اپنی تنگدستی کی وجہ سے اپنی ایک لڑکی کو کسی غیر کفو میں بیاہ دینے پر مجبور ہوئے، جس نے اُس غریب لڑکی کو کسی غیر ملک میں لیجا کر فروخت کر ڈالا،

فقر و فاقہ کا یہی عالم ان کی زندگی کے آخری لمحے تک قائم رہا، یہاں تک کہ صحیح روایت کے بموجب ۵۶۵ھ میں حماۃ میں وفات پائی[1]، اور وہیں شہر سے باہر مدفون ہوئے، تقی الدین فاسی کہتا ہے، کہ صلاح و تقویٰ علم و فن اور عبادت و ریاضت میں مشہور ہیں،

مذہب، | فقہ شافعی کے درس دینے سے شبہہ ہوتا ہے، کہ ابن ظفر صقلی مذہباً شافعی تھے، لیکن ایک حلبی مورخ نے اپنی تاریخ مصر میں انھیں مالکی علماء کے زمرے میں شمار کیا ہے، فاسی نے اپنی العقد الثمین میں دونوں روایتیں درج کی ہیں، اور آخر میں حلبی کی روایت درج کرکے لکھتا ہے:۔

"یہ حلبی کی روایت کے مخالف ہے، کہ وہ فقہ شافعی کا درس دیتے تھے، ممکن ہے کہ انھوں نے دونوں مذاہب جمع کرلئے ہوں، اور اس طرح یہ معارضہ دور ہو جائے،"

لیکن کسی مذہب کی فقہ کے درس دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود استاذ بھی اسی فقہ کا پیرو ہو،

[1] یہی سال وفات یاقوت، ابن خلکان، مقریزی، سیوطی اور ابوالفداء نے بتایا ہے، فاسی ۵۶۸ھ اور اصفہانی نے ۵۶۷ھ یا ۵۶۸ھ بتایا ہے،

قرینہ غالب ہے کہ یہ مذہبًا مالکی تھے کیونکہ عام اہل مغرب مالکی المذہب تھے،

ابن ظفر صقلی کو علمی دنیا میں دو حیثیتوں سے شہرت حاصل ہے، ایک علوم قرآن کے ماہر ومفسر کی حیثیت سے اور دوسرے عربی علم ادب کے ایک ممتاز ادیب کی حیثیت سے، علوم قرآن میں یہ اپنے ہمعصروں میں امام وقت تسلیم کئے گئے، عقیدتمند تلامذہ کا حلقہ انکے گرد ہمیشہ قائم رہتا، ان کے ہمعصر عماد الدین اصفہانی لکھتے ہیں:۔

"تفسیر وادب میں اپنے وقت کے امام تھے، میں نے ان کو حماۃ میں دیکھا تھا، طلبہ کے قلوب انکے طلبگار و فریفتہ رہتے، اپنے ہمعصر علماء پر نمایاں سبقت لیگئے"،

تالیفات، ابن ظفر الصقلی کی تالیفات کی ایک کثیر تعداد ہے، مقریزی نے ان کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست نقل کی ہے، اس کے علاوہ خود مصنف نے اپنی ایک کتاب سلوان المطاع کے خاتمہ میں بطور ضمیمہ اپنی تمام تالیفات کا ایک خاص طرز میں تذکرہ کیا ہے، ان میں سے جو علوم قرآن میں ہیں وہ حسب ذیل ہیں

۱۔ التفسیر الکبیر۔ یاقوت اور سیوطی نے اس کا تذکرہ کیا ہے، یہ مدرسہ ابن ابی عصرون حلب کے زمانہ قیام میں تالیف ہوئی،

۲۔ کتاب ینبوع الحیاۃ فی تفسیر الذکر الحکیم، ابن خلکان، یاقوت، مقریزی، اور سیوطی نے اس کا تذکرہ کیا ہے، کہ یہ ایک ضخیم تفسیر ہے، اور پھر خود مصنف نے اسکو اپنی شاہکار کا لقب دیا ہے، غالبًا وہ دوسرا نسخہ وہی مذکورۂ بالا تفسیر کبیر ہے، اور اوسکو بھی مصنف نے اسی نام سے موسوم کیا ہے، حاجی خلیفہ نے اسکو دو جلدون میں بتایا ہے، کتبخانہ خدیویہ مصر میں اوس کا ایک ناقص نسخہ تین جلدون میں موجود ہے، فہرست کتبخانہ خدیویہ میں اس نسخہ کے حسب ذیل حالات ہیں،

"ینبوع الحیاۃ، تالیف علامہ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ظفر المکی الصقلی النحوی اللغوی المالکی المتوفی ۵۶۵ھ بہ شہر حماۃ۔ اس کی تین جلدین موجود ہیں یعنی:۔

۱- دوسری جلد جو پھٹی ہوئی ہے، اور جس کا آغاز سورۂ مائدہ کے ربع اول کے درمیانی حصہ سے ہوتا ہے، اور آخر سورۂ ہود تک ہے، ۲۶۵ ورق ہیں،

۲- تیسری جلد اور یہ بھی پھٹی ہوئی ہے اس کا آغاز سورۂ یوسف کے ربع اول کے اثناء سے ہوتا ہے، اور آخر سورۂ مومنین تک ہے، اس جلد کی کتابت ۱۸ رمضان ۶۹۶ھ کو ختم ہوئی ہے، اس کے اوراق ۲۱۲ ہیں،

۳- پانچویں جلد ہے، جو اول سورۂ حم السجدہ سے آخر قرآن تک پر مشتمل ہے، کل ۲۱۶ ورق ہیں،

نسخہ کا خط معمولی ہے، اور نسخہ کا کاتب محمد بن ابی بکر بن محمود المعروف بابن الدقاق ہے[۱]،

ان کے علاوہ انکی کتابیں حسب ذیل ہیں،

۴- کتاب فوائد الوحی الموجز الی فرائد الوحی المعجز (۴) کتاب اسالیب الغائیہ فی احکام الآیۃ۔ (۵) کتاب الکسیر فی کیمیا التفسیر اور (۶) کتاب البرھانیہ فی شرح الاسماء الحسنی کا تذکرہ مقریزی، یاقوت اور سیوطی وغیرہ نے کیا ہے، موضوع بحث کا اندازہ ان کے ناموں سے ہوتا ہے،

شرف الدین الصقلی ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر عبدالرزاق شرف الدین الصقلی المقری ۶۲۱ھ میں پیدا ہوئے یہ نابینا تھے، غالباً فن قرأت میں مہارت حاصل کی، علوم قرآن کی تحصیل الکمال ابو الحسن علی بن شجاع العباسی الضریر اور المعین ابو العباس احمد بن ابی الفضائل جعفر بن محمد بن عبدالحق المالکی سے مصر میں کی اور یہ دونوں اساتذہ مشہور عالم قرآن شیخ عبدالحق کے تلامذہ میں تھے،

شرف الدین الصقلی کا بیشتر زمانہ درس و تدریس میں بسر ہوا، ہمیشہ قرآن کا درس دیتے رہے، نورالدین علی بن محمد بن مجاہد المعروف بالاراب ان کے تلامذہ میں تھے، تمام زندگی زہد و تقوی اور دینداری میں گذری، اپنی زاہدانہ خوش اوقاتی کے باعث مرجع خلائق تھے، لوگ طلب دعا کیلئے حاضر ہوتے رہتے،

---

[۱] کتاب المقفی مقریزی درامادی ص ۶۶۴، ۶۶۵، ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۵۳، معجم الادبا یاقوت جلد ۵ ص ۱۰۳، خریدۃ القصر اصفہانی درامادی ص ۶۰۵، بغیۃ الوعاۃ سیوطی ص ۵۹، ابوالفدا جلد ۳ ص ۴۹، العقد الثمین فی تواریخ البلد الامین کشف الظنون جلد ۲ ص ۱۴۶۱

عمر کا آخر حصہ قاہرہ میں گذرا، اور یہیں وفات پائی،

حسن بن ابو عبد اللہ الکلی، | شیخ حسن بن ابو عبد اللہ بن صدقۃ الصقلی صقلیہ کے شہر شکلہ کی طرف منسوب ہیں، علوم قرآن کی خدمت انجام دیتے تھے، اور مقری کے لقب سے معروف تھے،

وفات | ماہ ربیع الاول ۶۶۹ھ (اکتوبر ۱۲۷۰ء) میں، ۰۰ سال کی عمر میں وفات پائی،[۱]

چند دیگر مقرئین، | اسی طرح متقدمین علمائے صقلیہ میں سے صقلیہ کے چند دیگر مقرئین ہیں، جنہیں سے شیخ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المقری اللغوی النحوی صقلیہ کے دور اسلامی میں گذرے ہیں، اور یہیں وفات پائی، اونکے علاوہ شیخ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد الغنی المقری الواعظ الصقلی، اور شیخ ابوبکر عتیق بن عبد اللہ بن حموی الخولانی المقری الصقلی بھی اسی جزیرہ سے شرفِ انتساب رکھتے تھے،[۲]

علم حدیث

صحابہ کرام صقلیہ میں | صقلیہ کے چند ابتدائی حملوں میں بعض صحابہ کرام اور تابعین کے صقلیہ میں وارد ہونے کی روایتیں ملتی ہیں، بلکہ ابو غسانہ معافری سے ایک صحابی حضرت ابو الیقظان رضی اللہ عنہ کا ایک اثر بھی منقول ہے جو انھوں نے صقلیہ میں بیان کیا،

حضرت عمار بن یاسرؓ | ابو الیقظان، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس کی کنیت تھی، تیس پینتیس صحابہ کے بعد اسلام لائے ان کے ساتھ ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ نے بھی اسلام قبول فرمایا تھا، قبولِ اسلام کے بعد مشرکین مکہ نے اذیتیں پہنچائیں، تو مدینہ منورہ کو ہجرت کی، یہاں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان کے دینی بھائی بنائے گئے، غزوات نبوی اور صدیقی و فاروقی عہد کی فتوحات میں شریک رہے، عثمانی عہد میں افریقیہ کی مہموں میں تشریف لائے، اور یہاں سے صقلیہ آنے کا بھی اتفاق ہوا،

ابو سعید بن یونس روایت کرتے ہیں، کہ

۱؎ النجوم الظاہرہ ابی المحاسن ج یادگاری مضامین جلد ۲ صفحہ ۱۹۱، ۲؎ خریدۃ القصر و جریدۃ العصر عماد الکاتب صفحہ ۴۹ و مختصر کتاب بناء الرواۃ در اماری صفحہ ۷۶

ان اباغسان المعافری حدثه انه	ابوغسان معافری نے ان سے بیان کیا کہ انھوں
سمع ابا لیقظان صاحب رسول	نے ابوالیقظان صحابی رسول اللہ صلعم کو صقلیہ میں
اللہ صلعم بصقلیة یقول البشروا	کہتے سنا، وہ فرماتے تھے کہ بشارت ہو تم لوگوں کو
فواللہ انتم اشد حبا لرسول اللہ	واللہ تم لوگوں کو رسول اللہ سے زیادہ محبت ہے باوجود دیکھ
ولم تروہ من عامة من راٰہ	تم لوگ ان کے دیکھنے والوں میں سے نہیں ہو،

حضرت عمار بن یاسرؓ نے جنگ صفین میں شہادت پائی،[رلہ]

معاویہ بن حدیج: اسی طرح ایک دوسرے نوجوان صحابی حضرت معاویہؓ بن حدیج کندی کا نام صقلیہ کے حملوں میں آتا ہے، ان کی حدیثیں بھی مسانید میں مروی ہیں، امام احمد بن حنبل نے ان کا مسند بھی قائم کیا ہے[لہ]۔

[لہ] ریاض النفوس درامارہی ص ۹، اکتاب الکنی والاسماء دولابی جلد ۱ ص ۶۲، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۳، ۴۵، طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۹، ۱، لیکن ابوسعید بن یونس نے ابوالیقظان کے حضرت عمارؓ کی کنیت ہونے سے اختلاف کیا ہے چنانچہ اسی اثر کو بیان کر کے لکھتے ہیں:

وذکروان ابا لیقظان هذا هو عمار	لوگ کہتے ہیں کہ یہ ابوالیقظان عمار بن یاسر تھے مگر
بن یاسر وذالك عندی وهم،	میرے نزدیک یہ وہم ہے،

لیکن ابن یونس کا یہ خیال ابن اثیر جزری اور دولابی وغیرہ کی روایتوں کے مخالف ہے، بلکہ کتاب الکنی دولابی میں وہی اثر بعض دوسری روایتوں سے مروی ہے جنہیں صقلیہ کا ذکر نہیں آیا ہے، (کتاب الکنی والاسماء دولابی جلد ۱ ص ۶۳)

علاوہ ازیں ایک دوسری شہادت مسند بن احمد بن حنبل کی ہمیں ملی ہے، ایک مرتبہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے قیس بن عبادہ سے ایک روایت بیان کی، ہمیں انھیں ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت پڑی، تو انھوں نے ان کو "ابوالیقظان" ہی کے نام سے مخاطب کیا، مسند عمار بن یاسر میں ہے،

... عن قیس بن عبادہ قال قلت	"... قیس بن عبادہ سے روایت ہے، کہ انھوں نے
لعمار بن یاسر یا ابا الیقظان ارایت	کہا کہ میں نے عمار بن یاسر سے کہا کہ اے ابوالیقظان
هذا الامر ... فقال"	آپ نے اسمیں یہ بات دیکھی، کہ ... تو انھوں نے کہا"

(مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳) [لہ] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۴۱، ۴۰۲،

لیکن ان صحابہ کے ورود کا تذکرہ صقلیہ کے علم حدیث کے بیان میں محض تیمناً و تبرکاً ہی آسکتا ہے،
تاہم ایسے بہ کثرت صحابہ کا تعلق جو ان حملوں میں صقلیہ تشریف لائے، اور مورخین نے ان کے نام ورود
افریقہ کے سلسلے میں قلمبند کئے ہیں، صقلیہ کے علم حدیث سے بالواسطہ یوں ہوتا ہے، کہ افریقہ میں انہی
کی شمعِ فیض سے علمِ حدیث کی روشنی پھیلی، اور اسکی شعاعیں سرزمین صقلیہ تک پہنچیں،

چنانچہ دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل تک افریقہ میں بہ کثرت محدثین
پیدا ہو چکے تھے، اور ان میں سے کچھ لوگ قاضی اسد کی معیت میں صقلیہ آئے تھے، اور ان کا سلسلۂ روایت
وسماع یہاں جاری ہوا،

احادیث کے مجموعے صقلیہ میں | پھر جیسے جیسے احادیث کے مجموعے صحاح سنن و مسانید منضبط ہوئے، وہ افریقہ اور
وہاں سے صقلیہ آتے گئے،

موطا | موطا امام مالک، حدیث کا وہ سب سے پہلا مجموعہ ہے، جو بہ ظاہر افریقہ میں کتابی شکل میں داخل ہوا
اور یہاں سے صقلیہ پہنچا، موطا کے سب سے بڑے قدرداں خود قاضی اسد بن فرات تھے جنھوں نے امام
مالک سے اس کا درس لیا تھا چنانچہ صقلیہ کے اسلامی عہد کے آغاز سے یہاں اس کا درس مسلسل جاری
رہا، اور بعض بزرگوں نے تو اپنی زندگی کا ایک حصہ اسی کی نذر کر دیا شیخ ابو سعید لقمان بن یوسف غسانی
تونسی متوفی ۳۱۸ھ خود فرماتے ہیں کہ انھوں نے کامل چودہ برس تک صقلیہ میں موطا کا درس دیا[1]،

صحیحین | صحیحین میں سے صحیح مسلم کے متعلق تو صقلیہ کو یہ فخر حاصل ہے، کہ اس کی سب سے پہلی شرح کتاب المعلم
اسی صقلیہ کے ایک محدث امام مازری نے لکھی جس کا تذکرہ آگے آتا ہے، اسی طرح صحیح بخاری کا ذکر بھی صقلیہ
کے اہلِ علم کے حالات میں آتا ہے،

ترمذی | ترمذی کو صقلیہ میں سب سے پہلی مرتبہ شیخ ابو حفص عمرو بن حسن بن عبداللہ بن ابی سعید ہوزینی اندلسی

---

[1] ریاض النفوس ورامادی ص ۹۲،

نے روشناس کیا،

شیخ ابوحفص اشبیلیہ (اندلس) کے باشندے تھے، ان کے جد اعلیٰ ابوسعید عبد الرحمٰن الداخل کے زمانہ میں اندلس آئے، اور ایک مذہبی عہدے پر مامور ہوئے، اس کے بعد یہ خاندان اشبیلیہ چلا آیا، شیخ ابوحفص اپنے زمانہ کے ذی اثر لوگوں میں تھے، اشبیلیہ کے حکمراں المعتمد سے ان کے تعلقات ناخوشگوار ہوگئے، تو یہ وہاں سے ہجرت کرکے مشرق روانہ ہوگئے، اسی سلسلہ میں صقلیہ بھی آئے، ابن بسام کہتا ہے، کہ ان کے سفر کی یہ خصوصیت تھی کہ جہاں گئے، ترمذی کی روایت کرتے گئے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

وروی فی طریقہ کتاب الترمذی	انھوں نے اثنا ے سفر میں ترمذی کی روایت
عنہ اخذہ اھل المغرب[۱].	کی اور اہل مغرب کو یہ کتاب انہی سے ملی،

ابوداؤد، سنن ابی داؤد میں تو اٹلی کے ایک محدث کی روایتیں بھی موجود ہیں، وہ ابوالعباس قلوری متوفی ۲۵۳ھ ہیں،

طلب حدیث کیلئے سفر، صقلیہ کے اہل علم کو علم حدیث سے جو تعلق تھا، اس کا اندازہ ان کے سفروں سے ہوتا ہے، وہ علم حدیث کی تحصیل کیلئے افریقہ، مصروشام اور حجاز جاتے تھے، چنانچہ صقلیہ کے محدثین کے شیوخ حدیث کی فہرست میں ان ملکوں کے مشہور محدثین کے بہ کثرت اسماء موجود ہیں،

صقلیہ کے محدثین کو ان کے حالات خصوصاً شیوخ و تلامذہ کی تفصیل، اور علم حدیث میں ان کی بعض تالیفات کی تصریح کے ساتھ ذیل کے بہ ترتیب تین دوروں میں پیش کیا جاتا ہے،

دورِ اوّل :۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری،

دورِ ثانی :۔ پانچویں صدی ہجری،

دورِ ثالث :۔ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری،

---

[۱] کتاب مسالک الابصار فی ممالک الامصار درامار ی ص ۵۵۵۔

دورِ اوّل

(تیسری اور چوتھی صدی ہجری)۔

اس دور میں وہ محدثین ہیں، جو صقلیہ کے حملوں میں اور پھر مفتوح ہونے کے بعد افریقیہ سے یہاں تشریف لائے، اور یہاں بود و باش اختیار کر لی، اور پھر انہی کے فیضِ تربیت سے صقلیہ میں علم حدیث کا ذوق پیدا ہوا، اور بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے،

اگرچہ یہ لائقِ افسوس ہے، کہ ان بزرگوں کے حالات میں جو کتابیں تھیں، وہ اسوقت ناپید ہیں تاہم قاضی عیاض کی مدارک، ابن فرحون کی دیباج، ابن ناجی کی معالم، سمعانی کی انساب، ابوالعرب کی طبقات، مقریزی کی کتاب المقفیٰ، ابن عساکر کی تاریخ کبیر، سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ، خطیب کی تاریخ بغداد اور علامہ ذہبی کی بعض تصنیفات میں اون کے نام دستیاب ہوئے ہیں، وہ بہ ترتیبِ زمانہ حسبِ ذیل ہیں

ابوالعباس قلوری

ابوالعباس قلوری جنوبی اٹلی کے صوبہ قلوریہ (کلبریہ) کی طرف منسوب ہیں، باوجودیکہ قلوریہ میں مسلمانوں کو بہت کم حکمرانی کا موقع ملا، لیکن یہاں اچھی خاصی اسلامی آبادی تھی، اور اسمیں اسلامی علوم و فنون کا چرچا موجود تھا،

ابوالعباس قلوری قدماء میں سے ہیں، اور اکابر محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں، یہ زیادہ تر اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے نام و سلسلۂ نسب کے ناموں میں محدثین و ناقدین رجال کے مختلف بیان ہیں، ان کا زیادہ مشہور نام محمد ہے، باپ کا عمر اور دادا کا نام عباس ہے، لیکن بعض لوگوں نے ان کا نام احمد اور ان کے دادا کا نام عباس کے بجائے عبیدہ لکھا ہے، یہ تحصیل علم کے لئے بصرہ آئے جو اس زمانہ میں محدثین کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا، اور یہاں فن حدیث کے امام علی بن مدائنی کے جوار میں سکونت پذیر ہوئے اور تحصیل علم میں مصروف ہوگئے،

ان کے شیوخ حدیث میں یعقوب بن اسحاق حضرمی، سعید بن عامر ضبعی، عثمان بن عمر بن فارس، علی ابن عثمان لاحقی، اور قرہ بن حبیب غنوی جیسے جلیل القدر محدثین ہیں جن میں بعض صقلیہ کے اہل علم بھی ہیں، اسی طرح تلامذہ کی فہرست میں بہت سے جلیل القدر محدثین کے اسماء بھی ہیں جنمیں سب سے پہلا نام سنن ابی داؤد کے مؤلف امام ابوداؤد کا ہے، اسی طرح مشہور مفسر و مورخ محمد بن جریر طبری بھی ان کے تلامذہ میں ہیں، پھر اسی طرح ابو بکر بزار، ابو بکر بن محمد بن صدقہ، سعید بن عبداللہ طہرانی، محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، محمد بن عباس بن احزم، ابو عروبہ، اور ابن صاعد وغیرہ ممتاز محدثین واکابر رجال ہیں،

ان کی روایتیں کتب احادیث میں زیادہ تر ابوالعباس قلوری کے نام سے ہیں، سنن ابوداؤد کی روایتیں اسی کنیت کے ساتھ ہیں، اور بعض روایتوں میں محمد بن عمرو بن عباس ہے اور بعض تلامذہ نے احمد بن عمر بن عبیدہ کے ساتھ اون سے روایتیں کی ہیں،

ابن ابی عاصم کی روایت کے بموجب انھوں نے ۲۵۳ھ میں وفات پائی،[1]

عبداللہ بن حمدون صقلی، | عبداللہ بن حمدون کلبی صقلی صقلیہ کے متقدم اہل علم میں ہیں انکے شیوخ میں امام سحنون وغیرہ ہیں، انہی سے حدیثیں روایت کی ہیں، مذہبًا مالکی تھے ۲۸۰ھ میں وفات پائی،[2]

قاضی العمر و میمون، | قاضی العمرو میمون متوفی ۳۲۰ھ کا نام علم حدیث میں اس تقریب سے لائق ذکر ہے، کہ متقدمین میں سے ابومصعب زہری اور امام سحنون کی روایتیں ان کے واسطے سے صقلیہ پہنچیں، ابوالعرب انکے تلامذہ میں تھے، انھوں نے موطا امام مالک انہی سے پڑھی تھی،[3]

ابن الفرا صقلی، | سعید بن یحییٰ المعروف بابن الفرا صقلی کا صقلیہ ہی میں مستقل قیام رہا، مذہبًا مالکی تھے، ان کے شیوخ حدیث میں مطرف، الیمنی، اور ابن سحنون ہیں، صقلیہ میں وفات پائی،[4]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱، ص ۴۶، ۱۱، ۱۲، [2] ترتیب المدارک در یادگاری جلد ۱ ص ۲۶۱، [3] کتاب العبر فی خبر من عبر ذہبی در امادی ص ۱۴۷، طبقات ابی العرب، در یادگاری جلد ۲ ص ۹۹، [4] ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک در یادگاری جلد ۱ ص ۳۴۹

قاسم سرقوسی	قاسم سرقوسی صقلی متقدم محدثین میں ہیں، سرقوسہ کے باشندے تھے، ان کے تلامذہ میں ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد لواتی معروف بہ جزقی کا نام معلوم ہے[1]
ابوعمران موسیٰ بن حسن صقلی	ابوعمران موسیٰ بن حسن بن عبداللہ بن یزید صقلی صقلیہ میں مدتوں علم حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر یہاں سے مصر چلے گئے اور وہاں بھی سلسلۂ روایت جاری کیا، ابوسعید بن یونس نے اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اور اس سے سمعانی نے نقل کیا ہے[2]
ابوالقاسم عتیق بن محمد صقلی	ابوالقاسم عتیق بن محمد بن حاکم تمیمی صقلی صقلیہ کے مشہور صوفیہ میں ہیں، سمعانی نے انکی روایت حدیث کا بھی تذکرہ کیا ہے[3]
ابوحفص صقلی	شیخ ابوحفص صقلی ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد لواتی، معروف بہ جزقی کے شیوخ حدیث میں ہیں[4]
ابوعمران موسیٰ بن حسن	ابوعمران موسیٰ بن الحسن بن عبداللہ بن یزید معروف بہ صقلی تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل کے محدثین میں گذرے ہیں، انکا خاندان مروکا رہنے والا تھا، ان کے آبا واجداد میں سے بعض افریقیہ آئے، پھر وہاں سے صقلیہ میں آکر قیام پذیر ہوئے،

ان کے شیوخ حدیث میں معاویہ بن عطار صاحب سفیان ثوری عبدالسلام بن مطہر ابونعیم فضل بن دکین، مطرف بن عبداللہ مدنی، علی بن عبدالحمید المعنی، محمد بن عبداللہ خزاعی، ابوعمر حوضی، عمر بن مرزوق باہلی ابراہیم بن حمزہ زبیری اور محمد بن جعفر ورکانی ہیں،

تلامذہ میں محمد بن جعفر بن محمد فریابی اسمٰعیل بن محمد صفار، محمد بن عمر رزاز حسن بن علی شیرزادی اور ابومیمون بن راشد دمشقی ہیں،

بغداد میں قیام تھا، اور یہیں وفات پائی، خطیب نے ایک حدیث اُن سے ذیل کے اسناد کے

---

[1] ترتیب المدارک در یادگاری جلد ا ص ۰۰۳ [2] کتاب الانساب سمعانی ورق ۳۵۴، [3] ایضاً،
[4] ترتیب المدارک در یادگاری جلد ا ص ۳۰۳،

ساتھ بیان کی ہے،

اخبرنی ابو نصر احمد بن محمد بن احمد بن حسنون النرسی حدثنا ابو جعفر محمد بن عمرو بن البختری الرزاز املاء حدثنا موسی من الحسن الصقلی حدثنا ابو عمر الحوضی حدثنا هشام الدستوائی عن ابی الزبیر عن جابر ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال......"

ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد بکر صقلی، ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد بن بکر صقلی صقلیہ کے ممتاز علمائے متقدمین میں شمار کئے جاتے ہیں، علم حدیث وفقہ کی تکمیل کی، اور پھر تصوف کی طرف مائل ہوگئے،

سفر وشیوخ، تحصیل علوم کیلئے صقلیہ سے قیروان پہنچے اور یہاں کے ممتاز محدثین سے حدیث حاصل کی، انکے شیوخ قیروان میں ابو الحسن علی بن محمد بن مسرور دباغ حبیب بن نصر جزری، ابن العرب محمد بن احمد ابن تمیم، زیاد بن یونس یحصبی، ابو اسحاق بن ابراہیم بن احمد سبائی، سعید بن ملک بن عبادہ اور ابوبکر بن سعدون صاحب ابی عقال وغیرہ کے نام آتے ہیں،

پھر قیروان سے مشرق روانہ ہوئے، اور مصر پہنچے، اور ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابراہیم بلخی، ابو الحسن علی بن احمد بن زکریا ہاشمی، قاضی علی بن حسین بن فندار اور ابوبکر بن عتیق بن موسیٰ بن ہارون عاتی سے حدیثیں سنیں،

اوس کے بعد ۳۵۰ھ میں مکہ معظمہ پہنچے، اور ابوبکر محمد بن حسین اخوی سے شرف تلمذ حاصل کیا علم حدیث میں مرتبہ کمال رکھتے تھے، اور پھر تصوف میں بھی مقام خاص حاصل کیا، اور ایک خلائق ان کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئی،

وفات صاحب معالم کو سال وفات دستیاب نہیں ہوا، وہ صرف اسقدر بتا سکا کہ اون کی وفات

۱؎ تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱۳ صلاک،

شیخ ابو محمد بن ابی زید متوفی ۳۸۶ھ سے پہلے ہوئی ہے[۵۱]

ابو بکر بن عقال صقلی، ابو بکر بن عقال صقلی کا نام ابن فرحون نے شیخ ابو بکر محمد النعالی متوفی ۳۸۰ھ کے تلامذہ میں لیا ہے، نیز ان کے شیوخ حدیث میں شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن احمد بن عثمان دینوری (۳۹۲ھ) کو بتایا ہے[۵۲]

محمد بن خراسان، ابو عبد اللہ محمد بن خراسان مقری متوفی ۳۸۶ھ سے فن حدیث کی روایتیں بھی صقلیہ میں پھیلیں تحصیل علم کیلئے مصر گئے تھے، ان کے شیوخ حدیث میں قاضی ابو بکر محمد بن بدر، مروان بن عبد الملک ابن شاذان مکی، اور احمد بن مروان مالکی ہیں، مصر سے صقلیہ آکر سلسلۂ روایت جاری کیا،

صقلیہ میں ان کے تلامذہ کی فہرست میں ابو الحسن غیلان بن تمیم فزاری، اور یوسف بن ابی صبیب بن محمد ہیں، آخر الذکر نے اپنی تالیف شرح الشہاب میں اون کی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں[۵۳]

ابو علی حسن بن علی صقلی، ابو علی حسن بن علی صقلی کے شیوخ حدیث مین ابو القاسم عبد الرحمٰن بن اسحاق زجاجی اور حسن حصائری اور تلامذہ میں ابو بکر بن طمان ہین[۵۴]

وفات حج و زیارت کیلئے مکہ معظمہ تشریف لیگئے، اور وہیں حج سے مشرف ہونے کے بعد ۱۲ ذی الحجہ ۳۹۱ھ کو رحلت فرمائی،

عقیدتمندون نے تجہیز و تکفین کے بعد میت کو کعبۃ اللہ کے گرد طواف کرایا، اور پھر اسی سرزمین اقدس کے سپرد کر دیے گئے،

---

۵۱ معالم الایمان فی معرفۃ اہل القیروان ج ۳ ص ۱۸۱، شیخ ابو محمد بن ابی زید کے سال وفات کے لئے دیکھو معالم ۱۴۲ ۱۴۳ ۵۲ دیباج المذہب ص ۲۵۹، ۰۰، ۵۳ کتاب المقفی مقریزی درامار ی ص ۶۶۴، ۵۴ بغیۃ الوعاۃ ص ۲۰۰، ۱۵۴ اماری کے قلمی نسخہ بغیۃ الوعاۃ میں ابن قطیان ہے

وفات پر لوگون نے مرثیے لکھے چند شعر یہ ہیں،

آلیتُ لا ابکی علے ذاھب کانّنی فی اثرہ الذاھب

میں نے قسم کھائی ہے کسی مرنے والے پر نہ روؤں گا، کیونکہ میں بھی اوس کے بعد مرنیوالا ہوں

مضیٰ الصقلی الیٰ ربہٖ حزنی علیہ ابداً واجب

صقلی اپنے خدا کے پاس چلا گیا، اوس کے جانے پر ہمارا غم کرنا ہمیشہ ضروری ہے،

سقیٰ بلاداً حلّھا شخصہ مثعنجر شوبوبہ ساکب[1]

جس ملک میں اوس کا جسم مقیم ہوا، اوس کو برسنے والا ابر سیراب کرے۔

ابو محمد بن صاحب الخمس الصقلی، ابو محمد صقلی المعروف بابن صاحب الخمس مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے، حدیثیں بھی ان سے مروی ہیں، ان کے تلامذہ میں ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد معافری ہیں، جو قاضی عیاض کے اساتذہ میں تھے، وہ اُن سے تحصیل حدیث کیلئے صقلیہ آئے اور ان سے روایتیں حاصل کیں،

معافری اون کے علم وفضل کے بہت مداح تھے، ابو محمد بڑے خدا ترس بزرگ تھے، کبر سنی تک زندہ رہے[2]

ابو القاسم صقلی، ابو القاسم صقلی قیروان میں مقیم تھے، درس حدیث کا سلسلہ جاری تھا، افریقہ کے مشہور فقہا ابو عبد اللہ محمد بن عباس الانصاری معروف بہ خواص متوفی تقریباً ۴۲۶ھ اور ابو اصبغ عیسیٰ بن موسیٰ معروف بابن الامام ان کے تلامذہ میں تھے،[3]

ابو بکر صقلی، ابو بکر صقلی ابو القاسم صقلی کے ہمعصر علماء میں تھے، ابو عبد اللہ محمد بن عباس الانصاری معروف

---

[1] ابن عساکر جلد ۱۴ ص ۲۳۵، وبغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۵، [2] ترتیب المدارک دریا دگاری جلد ا ص ۴۷۹، [3] ،، ،، ص ۳۶۳

خواص نے ان سے بھی علم حدیث کی تحصیل کی[1]

ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد لواتی معروف بہ رجزنی | رجزنی صقلیہ کے اگلے دور کے محدثین کی آخری صف میں ہیں،

ان کے شیوخ حدیث میں ابن ابی الفرج مدیجی، قاسم سرقوسی اور ابوالحفص صقلی ہیں[2]

دورِ ثانی

(پانچویں صدی ہجری)

چوتھی صدی کے اواخر اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں صقلیہ میں اسلامی علوم و فنون ترقی کے عروج پر تھے، اسلئے اس عہد میں بھی بڑے بڑے باکمال علماء پیدا ہوئے جنھوں نے یہیں کے اہل علم سے تمام و کمال تربیت پائی، اور ان میں سے اکثر یہیں قیام پذیر رہے، اس عہد کے محدثین میں سے تیرہ[13] نام مل سکے ہیں، جو بہ ترتیب زمانہ حسب ذیل ہیں،

ابوبکر محمد بن علی تیمی صقلی | ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبدالبر لغوی صقلیہ میں پیدا ہوئے، جدی و مادری نسب نامہ تیم و قریش سے ملتا ہے،

صقلیہ میں نشو و نما پائی، سن و شعور کے بعد تحصیل علم کے لئے سفر کیا، اور علم حدیث و دیگر علوم میں فضل و کمال پیدا کیا،

شیوخ حدیث میں ابوذر عبد بن احمد ہروی، یوسف بن یعقوب بن خرزاذ نجیرمی، ابوسہل محمد بن علی ہروی لغوی، صالح بن رشدین مصری، اور ابوسعد احمد بن محمد مالینی وغیرہ ہیں، منذری اور ابن دحیہ نے ان کا تذکرہ کیا ہے،

---

[1] ترتیب المدارک ورق دیگاری جلد ۱ ص ۳۷۳، [2] ایضاً ص ۳۸۰،

تحصیل علوم کے بعد صقلیہ واپس آئے، مشہور علم دوست والی مازر بن منکو نے جو بہت متقی اور پرہیزگار تھا، قدر دانی کا ثبوت دیا، اور انھیں عزت واحترام سے ٹھہرایا، اور یہیں ان کا فیض درس جاری ہوا، اور بہ کثرت تلامذہ فیضیاب ہوئے مشہور صقلی ادیب ابن القطاع نے فن حدیث کی ان سے تحصیل کی، سال وفات دستیاب نہیں ہوا، قفطی کا بیان ہے کہ ۵۰۸ھ تک صقلیہ میں ان کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔[۱]

ابو محمد عبد الجلیل بن مخلوف صقلی، ابو محمد عبد الجلیل بن مخلوف صقلی کے شیوخ حدیث میں عبد الملک بن حسن صقلی اور تلامذہ میں شیخ ابو محمد عبد القادر قرومی ہیں، اونھوں نے ۴۵۹ھ میں وفات پائی۔[۲]

ابو بکر عتیق بن علی سمنطاری، شیخ ابو بکر علی بن داؤد معروف بہ سمنطاری صقلیہ کے بڑے متقی، عبادت گذار صاحب علم بزرگ تھے، علوم کی تحصیل صقلیہ میں کی، حج کیلئے حجاز گئے، وہاں صوفیہ اور علماء کے حلقوں میں بیٹھے، پھر اسلامی ممالک کی سیاحت کیلئے نکل گئے، اور شام، یمن، خراسان، اور فارس کی سیاحت کی، ان سفروں میں ہر مقام کے علماء، ومحدثین اور اہل طریقت سے ملے، اور تصوف کے علوم ومعارف کا ذخیرہ فراہم کرنیکے علاوہ علم حدیث کا بہت بڑا سرمایہ جمع کیا،

تالیفات، واپسی کے بعد تصنیف وتالیف کا مشغلہ جاری کیا، اور مختلف علوم وفنون میں بلند پایہ کتابیں لکھیں جنہیں بعض حدیث وفقہ میں بھی تھیں، ابن القطاع لکھتا ہے:-

وفی الفقہ والحدیث تالیف حسان	فقہ وحدیث میں عمدہ تالیفات ہیں، جو
فی غایۃ الترتیب والبیان.	اپنی ترتیب وبیان میں غایت درجہ بہترین،

۲۲ ربیع الآخر ۴۶۴ھ کو وفات پائی۔[۳]

---

[۱] مختصر ابناء الرواۃ علی ابناء النحاۃ، در امار ی ص ۲۴۰، بغیۃ الوعاۃ ص ۵۰۷، [۲] ترتیب المدارک در یادگاری جلد اص ۷۰۲، ونیل الابتہاج برحاشیہ دیباج ص ۱۸۴، [۳] معجم البلدان جلد ۵ ص ۱۳۱-۱۳۲،

| ابوالحسن علی بن مفرج صقلی، | ابوالحسن علی بن مفرج بن عبد الرحمٰن صقلی صقلیہ سے حجاز آئے، اور مکہ معظمہ میں

سکونت پذیر ہوئے، یہاں اون کے علم وفضل کی شہرت ہوئی اور یہاں کے عہدۂ قضاء پر سرفراز کئے گئے، نیز حرم میں سلسلۂ درس وتدریس بھی جاری کیا،

اُن کے شیوخ حدیث میں محمد بن ابی سعید اسفرائینی، اور حافظ ابو ذر عبد بن احمد مالکی تھے، اور تلامذہ میں ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبد الوارث شیرازی، ابو الفتیان عمر بن عبد الکریم بن سعدان رواسی، اور ابو بکر محمد بن عبد الباقی انصاری وغیرہ ہیں،

سمعانی نے ان کا تذکرہ کیا ہے، اور صرف ایک واسطہ سے اپنا شیخ شمار کیا ہے، اس نے اون کا سلسلۂ روایت اون کے موخر الذکر تلمیذ ابو بکر محمد بن عبد الباقی الانصاری سے بغداد میں حاصل کیا تھا،

انکی وفات ۴۸۰ھ کے بعد چند سال کے اندر ہوئی ہوگی[1]

| قاضی ابوالحسن ابن الحصائری صقلی، | قاضی ابوالحسن احمد بن عبد الرحمٰن المعروف بابن الحصائری صقلی صقلیہ کے کبار فقہاء میں ہیں، علم حدیث میں بھی جامعیت حاصل کی،

اُن کے اساتذہ میں ابو محمد بن ابی زید، ابو الحسن بن بکرون، اور ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن زید قروی وغیرہ جیسے محدثین وفقہاء اصحاب فضل ہیں،

تحصیل علم وفضل کے بعد ان کا حلقۂ درس قائم ہوا، اور ایک کثیر خلقت اس سے بہرہ اندوز ہوئی، عتیق سمنطاری، ابو بکر بن یونس صقلی متوفی ۴۵۱ھ اور عتیق بن عبد الجبار ربعی کو ان سے سماع حاصل تھا[2]

| ابو بکر محمد بن سابق صقلی، | ابو بکر بن محمد سابق صقلی صقلیہ سے دولت اسلامی کے زوال کے بعد مشرق روانہ ہوئے

---

[1] کتاب الانساب سمعانی ورق ۳۵۴ [2] ترتیب المدارک قاضی عیاض دریاد گاری جلد ص ۳۲۵، ۳۸۲،

اور وہاں علوم کی تحصیل کی،

اون کے شیوخ حدیث میں ایک محدثہ کریمہ بنت احمد مروازی بھی ہیں، جن سے انھوں نے مکہ معظمہ میں حدیث کی تحصیل کی، پھر وہاں سے اندلس چلے آئے، اور اہل غرناطہ کو اپنی اون احادیث سے فیضیاب کیا جن کی تحصیل مشرق میں کی تھی، ابن بشکوال لکھتا ہے:-

روی عن کریمہ بنت احمد المروازی	کریمہ بنت احمد مروازی وغیرہا سے روایت
وغیرھا وقدم الاندلس واخذ	کی، اور اندلس آئے، اور اون سے اہل غرناطہ
عنہ اھل غرناطہ۔	نے تحصیل کی،

ان کے تلامذہ میں ابوبکر بن غطبہ اور ابوالحسن علی بن احمد مقری وغیرہ ہیں، ابن بشکوال تک ان کی روایتیں انہی واسطوں سے پہنچیں،

علم کلام کی طرف طبیعت کا میلان زیادہ تھا،

ماہ ربیع الاول ۴۳۰ھ میں مصر میں وفات پائی،[۱]

تالیفات علم حدیث میں ان کی ایک کتاب کا پتہ چلا ہے، وہ امام مالک کی موطا کی شرح المسالک ہے، قاضی عیاض نے اپنی مدارک میں اس کا تذکرہ کیا ہے[۲]

ابن ظفر صقلی، ابن ظفر صقلی کا اگرچہ خاص پایہ علم تفسیر وادب میں ہے لیکن فن حدیث میں بھی ان کا نام شمار کے قابل ہے،

شیوخ حدیث کا نام معلوم نہیں، اگرچہ قطیفی نے شیخ ابوعبداللہ حسین بن علی طبری کو ان کے شیوخ حدیث میں بتایا ہے لیکن ذہبی کی یہ تصحیح صحیح ہے، کہ ان دونوں میں سماع ممکن نہیں، کیونکہ حسین بن علی طبری کا سال وفات ۴۹۸ھ ہے، اور ابن ظفر کی ولادت کی صحیح تاریخ شعبان

[۱] کتاب الصلۃ فی تاریخ ائمۃ الاندلس ورامادی ص ۵۰۰، [۲] تزیین الممالک بمناقب سیدنا الامام مالک ص ۵۰،

۴۹۷ھ ہے چنانچہ فاسی لکھتا ہے:۔

وابھم القطیفی روایتہ عن	قطیفی نے حسین سے ان کی روایت ابہام
الحسین و لعل ذالك بالاجازۃ	کے ساتھ نقل کی ہو، شاید یہ روایت بالاجازۃ
و اما بالسماع فلا یمکن لان	ہو ورنہ سماع ممکن نہیں، کیونکہ حسین مذکور
الحسین المذکور مات ۴۹۰ھ	۴۹۰ھ میں وفات پاچکے تھے،

ابن ظفر صقلی کے تلامذۂ حدیث میں ابوالمحاسن عمر بن علی قرشی کا نام آتا ہے جنھیں ان سے روایت وسماع حاصل تھا[۱]

ابوحفص عمر بن خلف صقلی عمر بن خلف بن مکی صقلی کو علم حدیث میں بھی دستگاہ حاصل تھی، سیوطی نے انھیں فیروزآبادی صاحب کتاب البلغہ فی تراجم ائمۃ النحو واللغۃ کے حوالہ سے امام لغوی ومحدث کے خطاب سے یاد کیا ہے،

۴۶۴ھ میں جب اسلامی حکومت کے زوال کے وقت صقلیہ کے اہل علم نے وہاں سے ہجرت کی، تو انہی میں ابوحفص عمر بن خلف الصقلی نے بھی اپنے عزیز وطن کو چھوڑا، اور وہاں سے تونس چلے آئے، یہاں حکومت افریقہ نے ان کے شایان شان ان کا احترام کیا، اور تونس کا محکمۂ قضا ان کے سپرد کردیا، اور یہیں انھوں نے مستقل بود وباش اختیار کرلی، اور تاحیات افریقہ میں دینی خدمات انجام دیتے رہے، عہدۂ قضا کے فرائض کے علاوہ شہر کی امامت بھی انہی کے سپرد تھی جمعہ میں نہایت بلیغ خطبے دیتے تھے[۲]

ابوالفضل عباس بن عمرو صقلی ابوالفضل عباس بن عمرو صقلی اندلس کے کسی صوبہ کے والی تھے، اور

---

[۱] العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین، مدامادی ص ۶۶۰، [۲] بغیۃ الوعاۃ ص ۳۶۳ و مختصر انباۃ الرواۃ درامادی ص ۹۶۶۔

وہیں مستقل طور پر قیام پذیر تھے،

فن حدیث کا بھی ذوق رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے قاسم بن ثابت سرقسطی کی تصنیف غریب الحدیث کو ان کے لڑکے سے سنداً روایت کیا ہے، سلسلۂ سند یہ ہے:۔

قاسم بن ثابت صاحب غریب الحدیث سے اون کے لڑکے ثابت نے، اور ثابت سے عباس ابن عمرو الصقلی نے، اور عباس بن عمرو الصقلی نے اوسکو لفظاً لفظاً یونس بن عبد اللہ بن مغیث المعروف با بن الصفار تک پہنچایا"

حمیدی نے اپنی کتاب جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس فی اسمار رواۃ الحدیث (جسمیں اندلس کے اون والیوں کے حالات یکجا کئے گئے ہیں، جو کسی حدیث کے سلسلۂ روایت میں آتے ہیں،) میں انکو اسی تقریب سے جگہ دی ہے[1]

ابو بکر محمد بن ابراہیم الصقلی: شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن موسیٰ تیمی صقلی صوفی مشرب بزرگ تھے، امام العارفین حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کی مجلس کے فیضیافتہ تھے، قیام عموماً مصر میں رہتا تھا، اور اسی لئے صقلی کے ساتھ مصری کہلاتے تھے،

انھوں نے علم حدیث کی تحصیل کیلئے عراق کا سفر کیا،

اون کے شیوخ حدیث میں عبد اللہ بن محمد مبارکی، اور حفص بن عمر ہیں، اور تلامذہ میں ابو علی حسین ابن علی بن خلف اور ابو الحسن محمد بن عبد العزیز الفقنی وغیرہ ہیں، اور ابو سعد مالینی ایک واسطہ سے ان سے روایت کرتے ہیں[2]

ابو بکر صقلی فرضی: ابو بکر صقلی فرضی شیوخ صقلیہ میں ہیں، ان کے اساتذۂ حدیث میں قابسی کا نام معلوم ہے، اور ان کے تلامذہ میں سے ابن یونس متوفی ۴۵۱ھ اور سمنطاری ہیں[3]

---

[1] جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس فی اسمار رواۃ الحدیث در امار ی ص۳۰ [2] کتاب المقفیٰ مقریزی در اماری ص۳۶۶ [3] ترتیب المدارک در یادگاری جلد الف ص۳۱۴

حسن بن عبد الباقی صقلی،	حسن بن عبد الباقی صقلی کے شیوخ حدیث میں عبد الکریم بن یحییٰ بن عثمان نحوی

کا نام آتا ہے [۱]

ابو عمرو عثمان بن علی سرقوسی،	ابو عمرو عثمان بن علی بن سرقوسی مقری کے شیوخ حدیث میں ابن برکات

اور ابو صادق کے نام آتے ہیں [۲]

دورِ ثالث

(چھٹی اور ساتویں صدی ہجری)

یہ وہ زمانہ ہے جب صقلیہ میں اسلامی حکومت کا دور ختم ہو چکا تھا، اور ارباب علم و فضل صقلیہ سے ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں جا بسے تھے، اس دور کا آغاز امام مازری کے مبارک نام سے کیا جاتا ہے

امام مازری،	ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر تمیمی معروف بہ امام مازری شہر مازر میں پیدا ہوئے، اور یہیں ابتدائی

تعلیم و تربیت پائی، پھر علوم کی تکمیل کے لئے مہدیہ گئے، اور یہاں کے اکابر ابو محمد بن عبد الحمید سوسی، اور لخمی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، اور علم حدیث، رجال، فقہ اور کلام میں ایسا امتیاز پیدا کیا، کہ رفتہ رفتہ اقلیم مغرب میں اپنے وقت کے سب سے بڑے استاذ مانے گئے، ابن خلکان لکھتا ہے :-

"یہ اون اکابر میں ہیں، جن کی طرف حدیث کے حافظہ اور علم کلام میں ماہر ہونے کی وجہ سے انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں،.... وہ ارباب فضل میں تھے مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے"

ابن فرحون کا بیان ہے،

"وہ باشندگان افریقیہ و ماورائے مغرب کے امام ہیں" "امام" موصوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ در اماری ص ۶۰۷، بغیۃ الوعاۃ کے مطبوعہ نسخہ میں عبد الکریم کا ترجمہ موجود نہیں، ان کا تذکرہ اسی ترجمہ میں ہے، [۲] بغیۃ الوعاۃ ص ۳۲۳،

قرار پاگیا تھا، وہ بغیر اس لقب "امام مازریؒ کے پہچانے نہ جاتے تھے"،

عفیف الدین یافعی یمنی انھیں ایک موقع پر اس خطاب سے یاد کرتا ہے:-

"امام یکے از علمائے اعلام فقیہ، محدث، اصولی، ادیب محمد بن علی تمیمی مازری"،

تالیفات، امام مازری کی بہ کثرت بلند پایہ کتابیں مختلف علوم میں ہیں، ان میں سے علم حدیث میں انکی دو کتابیں ہیں، ایک مسلم کی شرح کتاب المعلم ہے، دوسری تعلیقات برروایت جوزقی ہے،

کتاب المعلم، کتاب المعلم بفوائد کتاب مسلم صحیح مسلم کی سب سے پہلی شرح ہے، امام مازری سے پہلے صحیح مسلم پر جس قدر کتابیں لکھی گئی تھیں، وہ مسلم پر استدراک کی حیثیت رکھتی تھیں، یعنی لوگوں نے ان کتابوں میں ایسی حدیثیں جمع کی تھیں، جو اگرچہ امام مسلم کی اون شرطوں کے مطابق تھیں جو انھوں نے اپنی صحیح حدیثوں کے درج کرنے کیلئے قائم کی تھیں، مگر اسکے باوجود وہ حدیثیں صحیح مسلم میں موجود نہ تھیں، اس لئے ان کتابوں کے ذریعہ سے صحیح مسلم کی حدیثوں پر متن اور سندوں کے اعتبار سے اضافہ کیا گیا تھا، ورنہ امام مازری سے پہلے کسی نے صحیح مسلم کی شرح پر قلم نہیں اٹھایا تھا، صحیح مسلم کی سب سے پہلی شرح یہی کتاب المعلم ہے، اور اسی نقش اول پر بعد کے آنے والے محدثین نے اپنی شرحیں تیار کیں،

سبب تالیف، کتاب المعلم دراصل ان حواشی اور تعلیقات کا مجموعہ ہے، جو امام مازری نے اپنے شاگردوں کو مسلم کے درس میں املا کرائے تھے، چنانچہ امام موصوف نے عبید اللہ بن عبد اللہ معافری سے اسکی تالیف کا سبب خود بیان کیا ہے، معافری کہتے ہیں،

قد جری ذکر کتابہ المعلم بفوائد	(امام مازری سے) ان کی کتاب المعلم بفوائد
صحیح مسلم انی لم اقصد تالیفہ	مسلم کا ذکر آیا (تو امنوں نے کہا کہ) میں نے اسکی
وانما کان السبب فیہ انہ قری	تالیف کا قصد نہیں کیا تھا، اسکے تالیف پاجانے
علی کتاب مسلم فی شہر رمضان	کا سبب یہ ہوا کہ ماہ رمضان میں مجھ سے کتاب

فتکلمت علی نقت منه فلما	مسلم پڑھی گئی، میں نے اس کی چند باریکیاں
فرغنا من القراءة عرض علی	بیان کیں، جب ہم لوگ درس سے فارغ ہوئے
لاصحاب ما املیتهٔ علیهم	تو تلامذہ نے اس مسودہ کو میرے سامنے رکھا
فنظرت فیه وهذبته فهذا	جو میں نے ان کو املا کرایا تھا، چنانچہ میں نے
کان سبب جمعه[1]	اسی مسودہ پر نظر ثانی کی، اور اس کو ترتیب
	دے دیا یہی اس کتاب کے مدون ہوجانے

ترجمہ

کتاب المعلم کا ایک نسخہ، اب تک کتاب المعلم کے صرف ایک قلمی نسخہ کا پتہ چلا ہے، جو تاریخ کتابت کے لحاظ سے بہت قدیم ہے یعنی مصنف کی وفات کے صرف ۴۶ برس بعد ۵۸۲ھ کا لکھا ہوا ہے، یہ نسخہ مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں محفوظ ہے، فہرست میں اس نسخہ کے حسب ذیل حالات ہیں:-

(المعلم بفوائد مسلم) یہ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج کی صحیح کی شرح ہے، جو ابو عبد اللہ محمد بن علی ابن عمر بن محمد التیمی مازری، مالکی، معروف بہ امام متوفی بہ مہدیہ بتاریخ ۸ ربیع الاول ۵۳۶ھ (۵۳۶ھ) کی تالیف ہے انکی عمر ۸۳ سال کی تھی،

یہ نسخہ ایک جلد میں ہے، اس کے شروع کے چند ورق غائب ہیں، اس کا پہلا ورق کتاب الایمان سے چند ورق پہلے کا ہے، خط بہت قدیم ہے، کاتب کا نام علی بن احمد بن ہبۃ اللہ اور کتابت کے خاتمہ کی تاریخ یوم سہ شنبہ ۱۲ ربیع الآخر ۵۸۲ھ ہے،

اوراق کی تعداد ۲۴۴ ہے[2]

المعلم کی شرحیں، جب المعلم مدون ہوکر شائع ہوئی، تو اہل علم نے اس کی قدر کی، قاضی عیاض صاحب الشفا متوفی ۵۴۴ھ نے امام مازری سے اوس کی روایت بالاجازۃ کی سند منگائی، اور

[1] کتاب التکملہ لکتاب الصلہ ابن آبار جلد ۱ ص ۵۲۰، [2] فہرست کتبخانہ خدیویہ جلد ۱ ص ۴۲۶، ۴۲۷)

اور اس کو سامنے رکھکر مسلم اور معلم پر اپنے حواشی بڑھائے جن کی حیثیت کتاب المعلم کے تکملہ کی تھی، چنانچہ انھوں نے اپنی تالیف کو اکمال المعلم بفوائد مسلم کے نام سے موسوم کیا اس کے چند نسخے کتبخانہ خدیویہ میں محفوظ ہیں، (فہرست جلد ا ص ۲۷۱)

اس کے بعد ابو الفرج (یا ابو الروح) عیسیٰ بن مسعود زواوی متوفی ۷۴۴ھ نے مازری کی معلم، عیاض کی اکمال اور مسلم کی دو اور شرحوں کو سامنے رکھکر ایک بسیط شرح لکھی، اسکا نسخہ بھی کتبخانہ خدیویہ میں موجود ہے، (فہرست جلد ا ص ۲۷۰)

پھر دوسری طرف ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۷ھ نے قاضی عیاض کی اکمال پر اضافہ کیا، اور اس کو اکمال المعلم بفوائد مسلم سے موسوم کیا،[۱] اسمیں انھوں نے مازری، عیاض قرطبی اور نووی کی شرحوں کو جمع کیا اور اپنے استاذ ابن عرفہ کے املا کرائے ہوئے حواشی بڑھائے اس کا نسخہ بھی کتبخانہ خدیویہ میں محفوظ ہے، (فہرست جلد ا ص ۲۷۷)

اسی طرح ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بن محمد بقوری متوفی ۷۰۷ھ نے بھی قاضی عیاض کی اکمال پر ایک شرح لکھی، اور اس کا نام اکمال الاکمال رکھا، (دیباج المذہب ابن فرحون ص ۳۲۲)

اس کے بعد ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن یوسف سنوسی متوفی ۸۹۵ھ نے اُبی کی اکمال اکمال المعلم پر ایک نئی شرح لکھی، اور اس کو مکمل اکمال الاکمال سے موسوم کیا، گویا مکمل اکمال الاکمال، کتاب المعلم کا نقش چہارم ہے،

ان مذکورۂ بالا شرحوں میں سے اُبی کی اکمال اکمال المعلم اور سنوسی کی مکمل اکمال الاکمال عبد الحفیظ والی مغرب اقصی کی علم دوستی سے پہلی دفعہ ۱۳۲۸ھ میں چھپی، یہ دونوں کتابیں ایک ساتھ

---

[۱] ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۱۶ میں اس کا نام بھی "اکمال المعلم" درج ہے، اور تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۴ ص ۱۰۱ میں اسکو کتاب الاکمال فی شرح مسلم سے موسوم کیا ہے،

اس ترتیب سے چھپی ہیں، کہ پہلے مسلم کے مقدمہ کا حصہ جہاں تک ہے، وہ ہر صفحہ کے اوپر کے حصہ میں اور اس کے نیچے سنوسی کی شرح ہے، پھر کتاب الایمان سے مسلم کا متن حاشیہ پر اور ہر صفحہ کے اوپر کے حصہ میں ابی کی شرح اور نیچے کے حصہ میں سنوسی کی شرح درج ہے، پوری کتاب سات جلدوں میں ختم ہوئی ہے، اور ہر جلد ساڑھے تین سو چار سو صفحوں کی ہے،

المعلم کے چند اقتباسات ڈاکٹر گریفینی نے ایک بسیط مضمون "مجموعۂ مضامین بیادگار صدسالہ اماری" میں لکھا ہے، جس میں انھوں نے امام مازری کی المعلم اور قاضی عیاض کی اکمال کا بھی تذکرہ کیا ہے، انھوں نے کتبخانہ خدیویہ کے ان نسخوں کو بھی دیکھا ہے، اور ان کے اقتباسات نقل کئے ہیں، ہم ذیل میں کتاب المعلم کے چند اقتباسات نمونہ کے طور پر درج کرتے ہیں،

مسلم وصحیح مسلم امام مازری کی نگاہ میں، امام مازری کتاب المعلم کے مقدمہ میں امام مسلم اور انکی صحیح مسلم کے متعلق حسب ذیل رائے ظاہر فرماتے ہیں،

قال الامام ابو عبد اللہ محمد بن علی بن ابراہیم المازری رحمہ اللہ: کتاب مسلم من اصح کتب الحدیث قال مولفہ انتقیتہ من نحو ثلاثمائۃ الف حدیث وقال بعض الناس ما تحت ادیم السماء اصح منہ یرید فی کتب الحدیث وکان مسلم من جملۃ اصحاب البخاری لما ورد البخاری نیسابور	امام ابو عبد اللہ محمد بن علی بن ابراہیم المازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ کتاب مسلم کتب حدیث میں سب سے صحیح ترین کتاب ہے، اس کے مؤلف کا بیان ہے کہ میں نے اسکو تقریباً تین لاکھ حدیثوں میں سے چنا ہے،" اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نیلگوں آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح نہیں، یعنی کتب حدیث میں اس سے زیادہ کوئی دوسری کتاب معتبر نہیں، اور مسلم بخاری کے ساتھیوں میں سے تھے، جب

ولما امتحن فیها البخاری بالمسئلة المشهورة نفر عنه اصحابه الا مسلما فانه لزمه وتوفی الامام مسلم رحمه الله فی العشر الآخر من رجب سنة مائتین واحدی وستین.

حقیقت کذب وشرح حدیث من کذب علی متعمداً الی آخرہ

قال الامام الكذب عند الاشعرية الاخبار عن الامر علی من ليس هو به هذا هو حد الكذب عندهم لا يشترطون فی كونه كذباً العمد والقصد اليه خلافاً للمعتزلة فی اشتراطهم ذالك ودليل هذا الخطاب يرد عليهم لانه يدل علی ان من لم يتعمد يقع عليه اسم كذب واما قوله عليه السلام فليتبوا مقعده من النار فان الهروی قال فی قوله تعالی والذين تبوّوا الدار والايمان ای اتخذوها منازل ومنه الحديث

بخاری نیشاپور پہنچے، اور اس مشہور مسئلہ میں ان کا امتحان لیا گیا تو ان کے تمام ساتھی سوائے مسلم کے اون سے علٰحدہ ہو گئے، مسلم برابر ان کے ساتھ رہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے ۲۶۱ھ کے رجب کے آخر عشرہ میں وفات پائی۔

قولِ امام، اشاعرہ کے نزدیک کذب نام ہے، اس خبر کا دینا جو واقعۃً صحیح نہیں ہے، ان کے نزدیک کذب کی یہی تعریف ہے، وہ لوگ کذب کیلئے عمد یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی شرط نہیں لگاتے، اور یہ معتزلہ کے مسلک کے خلاف ہے، کیونکہ وہ عمد کی شرط لگاتے ہیں، اور معتزلہ کے خلاف (یہ حدیث حجت ہے کیونکہ اس میں) یہ دلیل ہے کہ جو شخص عمد کا مرتکب بھی نہ ہو اس پر بھی کذب کا اطلاق ہوتا ہے، اور حدیث میں "اپنا ٹھکانا دوزخ کو بنائے" ہے، اس کے متعلق ہروی کہتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، والذین تبوّوا الدار والایمان یعنی انھوں نے اسکو گھر کے طور پر اختیار کیا

[1] جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ لگائے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے،

فليتبوا مقعده من النار اي لينزل منزله منها.

اور یہی معنی اس حدیث میں ہیں، یعنی وہ اپنے آپ کو بمنزلہ دوزخی کے سمجھ لے،

معتزلہ کے نفی کی تشریح

قال الامام واما قوله لا قدر فلا يقول به المعتزلة على الاطلاق وانما يقولون الشر والمعاصي يكونان بغير قدر الله عز وجل لكن من لم يتشرع من الفلاسفة ينفي القدر جملة.

قول امام، اور اس کا قول "لا قدر" تو معتزلہ قدر کا عمومی انکار نہیں کرتے، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں، کہ برائی اور گناہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے بغیر سرزد ہوتے ہیں، لیکن جو فلاسفہ کسی شریعت کے پابند نہیں، وہ قدر کا کلیتہً انکار کرتے ہیں،

نقد رجال کا ایک نمونہ ابو زرعہ کی تحقیق

قال الامام خرجه (الحديث) مسلم عن زهير بن حرب عن جرير عن عمارة عن ابي زرعة عن ابي هريرة

قول امام، مسلم نے یہ حدیث زہیر سے، جنھوں نے سلسلہ بہ سلسلہ حرب، جریر، عمارہ، ابی زرعہ، اور ابو ہریرہ سے اوس کو سنا، (الخ)........

قال (الخ)..... اما قوله ابو زرعة اسمه عبيد الله فقد قاله ايضا في كتاب الطبقات قال وقال البخاري في تاريخه ومسلم في كتاب الكنى ابو زرعة اسمه هرم وخالفهما يحيى بن معين فقال ابو زرعة ابن عمرو

اور اوس میں ان کا یہ کہنا کہ ابو زرعہ کا نام عبد اللہ ہے، اور یہی انھوں نے کتاب الطبقات میں بھی بیان کیا ہے، اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام مسلم نے اپنی کتاب الکنی میں ابو زرعہ کا نام ہرم لکھا ہے، لیکن یحیی بن معین کا بیان ان دونوں

اسمه عمرو بن عمرو وكذا ذكره
النسائى فى الاسماء والكنى من تاليفه
واما قوله ابو زرعة روى عنه الحسن
فقد قاله البخارى ايضا وقد خولفا
فى ذلك فقيل الذى يروى عنه الحسن
رجل آخر يروى عن ثابت بن قيس
اسمه هرم قاله ابن المدينى واليه
ذهب ابن الجارود فى كتاب الكنى
قال ثم ذكر ابن الجارود ترجمة اخرى
فقال ابو زرعة بن عمرو بن جرير
عن ابى هريرة روى عنه عمارة
بن القعقاع والحرث العكلى وابو
حيان التيمى وكذلك ذكر النسائى
ترجمتين كما فعل ابن الجارود
سواء واما قوله فى رواية ابن
ماهان ابو زرعة كوفى من اشجع
قال بعضهم لا اعلم ما يقول كيف
يكون من اشجع وابو زرعة الذى فى
الاسناد هو ابن عمرو بن جرير

کے خلاف ہے، اون کے بیان کے مطابق
ابوزرعہ ابن عمرو ہے، اوران کا اصل نام بھی
عمرو ہے، یعنی عمرو بن عمرو، نسائی نے بھی
اپنی تالیف الاسماء والکنی میں یہی ذکر
کیا ہے،

اوران کا یہ بیان کہ ابوزرعہ سے حسن
نے روایت کی، تو یہ بخاری نے بھی کہا ہے
لیکن ان دونوں کی اسکی بھی مخالفت کیگئی
ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جس شخص سے حسن روایت
کرتا ہے، وہ دوسرا ہے، جو ثابت بن قیس سے
روایت کرتا ہے، اس کا نام ہرم ہے، یہ بیان ابن المدینی
کا ہے، اور اسی مسلک پر ابن جارود بھی
اپنی کتاب الکنی میں گئے ہیں، اور پھر ابن جارود
نے ایک دوسری سند لکھی ہے، جس میں
ابوزرعہ بن عمرو بن جریر، ابوہریرہ سے روایت
کرتا ہے، اور ابوزرعہ سے عمارہ بن قعقاع،
حرث عکلی، اور ابوحیان تیمی نے روایت کی ہے
اور نسائی نے بھی ابن جارود کی طرح یہ دونوں سلسلے
درج کئے ہیں، اور ابن ماہان کی روایت میں جو ابوزرعہ

بن عبد اللہ البجلی و این تجمع اشجع و بجیلہ (بجلی) الا انّ یرید رجلاً اخرا"

یعنی الا ان سے مراد [illegible]

اشجع سے روایت لیتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں معلوم اشجع سے روایت کیونکر کرسکتے ہیں، کیونکہ اسناد میں جو ابو زرعہ ہیں، وہ ابن عمرو بن جریر بن عبد اللہ البجلی ہیں، اور اشجع اور بجلی دونوں باہم مجتمع نہیں ہو سکتے ہیں، اسلئے کوئی دوسرا

مومن فاسق کے دخول جنت کی تحقیق

و قولہ من مات وھو یعلم ان لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ قال الامام اختلف الناس فیمن عصی اللہ عزّ وجل من اھل الشھادتین فقالت المرجئۃ لا تضرہ المعصیۃ مع الایمان وقالت الخوارج تضرہ ویکفر بھا وقالت المعتزلۃ یخلد فی النار اذا کانت معصیۃ کبیرۃ ولا یوصف بانہ مومن ولا کافر ولکن یوصف بانہ فاسق وقالت الاشعریۃ بل ھو مومن وان لم یغفر لہ وعذب فلا بد من اخراجہ من النار وادخالہ الجنۃ

قولہٗ "جو شخص مرا اور وہ جانتا ہے، کہ سوائے خدا کے کوئی دوسرا معبود نہیں، تو وہ جنت میں داخل ہوا، **قول امام** کلمہ گو مسلمانوں میں سے جو شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اس کے متعلق لوگوں میں اختلافات ہیں، چنانچہ فرقہ مرجئہ کا خیال ہے" اوس کو معصیت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی، اگر اس کا ایمان سلامت ہے"، اور خوارج کہتے ہیں معصیت اس کو نقصان پہنچائے گی، اور اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا، اور معتزلہ کا خیال ہے، کہ وہ گناہگار ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اگر وہ بڑے گناہوں کا مرتکب ہوا ہو، اور نہ اسکو مومن سے موصوف کیا جائیگا، اور نہ اسکو کافر کہا جائے گا، بلکہ وہ "فاسق"

وهذا الحديث حجة على الخوارج

والمعتزلة واما المرجئة فانّ

احتجت بظاهره على صحة

ماقالت به قلنا محمله انّهٗ

غفر لهٗ او اخرج من النار

بالشفاعة ثمّ ادخل الجنّه

فيكون المعنى فى قوله دخل

الجنة اى دخلها بعد مجازاته

بالعذاب وهذا لابد من

تاويله لمّا جاءت به ظواهر

كبيرة من عذاب بعض العصاة

فلابد من تاويل هذا الحديث

على ما قلناه لئلا تتناقض

ظواهر الشريعة،

کے نام سے موسوم ہوگا" اور اشاعرہ کا یہ

مسلک ہے کہ نہیں بلکہ وہ مومن ہی رہیگا

اگرچہ اوسکی مغفرت نہ کی گئی ہو، اور اسکو

عذاب دیا جائے، تو پھر ضروری ہے کہ وہ

دوزخ سے نکال لیا جائے، اور پھر جنت

میں داخل کر دیا جائے" اور یہ حدیث خوارج

و معتزلہ کے خلاف حجت ہے، باقی رہے مرجئہ

تو اگر اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے وہ اپنے

مسلک کی صحت پر دلیل لائیں تو ہم (اشاعرہ)

کہیں گے کہ اس حدیث کا مطلب یوں ہوگا کہ

یا تو اسکی مغفرت کیجائے گی، (اور سرے سے دوزخ

ہی میں نہ بھیجا جائیگا،) اور یا دوزخ سے بذریعہ

شفاعت نکال لیا جائیگا، اور پھر جنت میں داخل

کیا جائیگا، تو اس صورت میں اس حدیث کے جملہ

"جنّت میں داخل ہوا" کے معنی یہ ہوئے کہ وہ جنت

میں اپنی جزا و سزا کے بعد بھیجا جائیگا، اور اس

طرح اس حدیث کی تاویل ضروری ہے،

کیونکہ بعض بڑے گناہوں کے ارتکاب کرنیوالوں

کے لئے سخت عذاب کی روایتیں بھی ہیں اسلئے

۴ اس حدیث کی تاویل اسی طرح ضروری ہے، جس طرح ہم لوگ کہتے ہیں، تاکہ شریعت کے ظاہری احکام و روایات ایک دوسرے سے مخالف نہ رہیں،

تحقیق لفظ مسیح

وقوله فی عیسیٰ علیه السّلام المسیح وکذٰلك فی الدجال اللعین. قال الامام قال عیسی بن دینار وغیرہ سمی الدجال مسیحاً لانه ممسوح احدی العینین فهو فعیل بمعنی مفعول وسمی عیسی علیه السلام مسیحاً من اجل سیاحته فی الارض و انه لم یکن له موضع یستقر فیه من الارض قال الهروی قال ابن الاعرابی المسیح الصدّیق وبه سمی عیسی والمسیح الاعور وبه سمی الدجال ..... (و) من قال فی الدجال مسیح علی فعیل بکسر المیم فلیس بشئ.

قولہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنا، اور اسی طرح دجّال لعین کو بھی مسیح کہنا، **قولِ امام** عیسیٰ بن دینار وغیرہ کہتے ہیں، کہ دجال کو مسیح اس لئے کہا گیا، کہ وہ دونوں آنکھوں میں سے ایک آنکھ کا ممسوح (یعنی کانا) ہے، اس لئے وزن فعیل بمعنی مفعول ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے روئے زمین کی سیاحت کی وجہ سے مسیح سے موسوم ہیں، کیونکہ زمین میں اُن کے رہنے کیلئے کوئی جگہ نہ تھی، (یعنی ان کا کوئی گھر نہ تھا) ہروی کہتے ہیں، کہ ابن اعرابی کا بیان ہے کہ مسیح کے معنی صدیق کے ہیں، اور اسی سے عیسیٰ موسوم ہوئے، اور مسیح یعنی کانا اور اسی سے دجال کا نام پڑا، ..... اور جو لوگ

(عبارت منقولہ [illegible])

کسی شے کا قبل وقوع منسوخ ہونا

وقوله ففرض علی فی کل یوم ولیلة خمسین صلوٰة ..... الخ قال الامام هذا یستدل به علی منع نسخ الشئ قبل فعله اذ لم یفعل

وقولہ، اور مجھ پر پچاس نمازیں روزانہ فرض کی گئیں .... اور (پھر منسوخ ہوئیں،) **قولِ امام** اس سے اس امر پر استدلال ہو سکتا ہے، کہ کوئی حکم تعمیل سے پہلے منسوخ ہو جائے، کیونکہ

من هذه الصلوات شئ بعد	نمازیں بعد میں نہیں پڑھی گئیں،
لفظ فرق (برتن) کی تحقیق، وقوله	وقولہ آپ غسل فرماتے تھے، ایک برتن
"كان يغتسل من الاناء هو الفرق"	سے جو "فرق" تھا قول امام احمد بن یحییٰ
قال الامام قال احمد بن يحيى	کہتے ہیں کہ فرق ۱۲ مد کا ہوتا ہے، اور ابو الہیثم
الفرق اثنا عشر مداً قال ابو الهيثم	کہتے ہیں، کہ وہ برتن جس میں ۱۶ رطل اٹتا ہے،
هو اناء یاخذ ستة عشر رطلا	جن کا ۳ صاع ہوتا ہے، اور اسی قسم کی تفسیر
وذالك ثلثة اصع (اصوع) و	سفیان نے کتاب مسلم میں کی ہے، کہ
كذلك فسره سفيان فی کتاب	وہ ۳ صاع کا ہوتا ہے، اور "فرق"
مسلم انه ثلثة اصع (اصوع)	کی راء کو زیر اور زبر دونوں دیسکتے
ویروی باسكان الراء وفتحها	ہیں لیکن باجی کہتے ہیں، کہ صحیح زبر
قال الباجی فتح الراء الصواب	کے ساتھ ہے،

تعلیقات بروایات جوزقی، یہ علم حدیث میں ایک مختصر رسالہ ہے، اسمیں حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ جوزقی متوفی ۳۸۸ھ کی روایتوں پر حواشی لکھے ہیں، جوزقی نیشاپور کے بڑے محدثین میں تھے، حاکم صاحب مستدرک وغیرہ ان کے تلامذہ میں تھے، انکی ایک کتاب الصحیح المخرج علی صحیح مسلم ہے، عجب کیا کہ امام مازری نے اسی پر یہ حواشی لکھے ہوں،

مقری نے اپنی کتاب ازہار الریاض میں اس رسالہ کا تذکرہ کیا ہے، اور فاگنان نے اپنے مضمون میں اسکا حوالہ درج کیا ہے[1]

شرح موطا امام مالک یاقوت حموی نے اپنی معجم البلدان میں شہر مازر کے تذکرہ میں امام مازری کا ذکر کیا ہے

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۱۲، ازہار الریاض قلمی کتبخانہ پیرس نمبر ۱۷۰۲ ص ۲۳۲ بحوالہ یادگاری مضامین مقالہ فاگنان"

اور انھیں شارح موطا کا لقب دیا ہے، اگرچہ امام مازری کے علم حدیث کے ذوق اور مالکی مذہب کے اتباع کے لحاظ سے یہ کچھ بعید نہ تھا، مگر ہمیں اسکی تصدیق میں کوئی بنیادی روایت نہیں ملی، البتہ ابن رشیق قیروانی نے موطا کی شرح لکھی ہے، اس کو صقلیہ سے آخر عمر میں تعلق پیدا ہو گیا تھا، شاید یاقوت کو اسی سے التباس ہوا ہو،

تلامذہ، | اگر اس عہد کے افریقہ و اندلس کے علماء کے تراجم پر سرسری نظر ڈالی جائے، تو امام مازری کے تلامذہ کی طویل فہرست بن سکتی ہے، لیکن ذیل میں اون کے صرف چند مشہور تلامذہ کے نام درج ہیں،

محمد بن تومرت مہدی، افریقہ کے ذی علم لوگوں میں تھا، مہدیہ میں اس نے امام مازری سے شرف تلمذ حاصل کیا، اس نے پھر مہدیت کا دعویٰ کیا، اور عظیم الشان سلطنت موحدیہ کی بنیاد ڈالی[۱]

قاضی ابوالفضل عیاض، صاحب الشفاء کے امام مازری سے روایت بالاجازہ کی سند لینے کا تذکرہ اوپر گذر چکا،[۲]

ابن الفرس غرناطی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحیم انصاری متوفی ۵۶۹ھ حدیث کے حفاظ میں سے تھے، یہ بھی امام مازری سے تلمذ رکھتے تھے،[۳]

قاضی ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن سعادہ، متوفی ۵۶۵ھ صاحب الکتاب شجرۃ الوہم المترقیہ الی ذروۃ الفہم، حدیث، فقہ، کلام، اور تصوف میں درک رکھتے ہیں، انھوں نے امام مازری سے کتاب المعلم کا ابتدائی حصہ سبقاً سبقاً پڑھا، اور بقیہ حصہ کے پڑھنے پڑھانے کی سند لی، اندلس میں انکا وسیع حلقۂ درس قائم تھا،[۴]

---

[۱] تاریخ ادلیۃ لبعض الدولۃ الموحدیہ زرکشی در امارس ص ۵۲۲، [۲] دیباج المذاہب ابن فرحون ص ۲۰۰، [۳] ص ۲۸۹
[۴] التکملہ ابن آبار، ص ۲۲۴،

ابوطاہر بن دمنہ بھی امام مازری کے مشہور تلامذہ میں ہیں، ان کا بھی وسیع حلقۂ درس تھا، شیخ ابوبکر محمد بن محمد بن یوسف بن احمد بن جمہور، ازدی متوفی ۶۲۹ھ کو ان کے واسطہ سے امام مازری کے سلسلۂ روایت کی سند حاصل تھی[1]،

اخلاق و عادات، امام مازری ایک طرف علمی تبحر میں یکتائے روزگار تھے، دوسری طرف بڑے زندہ دل اور خوش مزاج اور خوش لباس تھے، تلامذہ واحباب سے حسن اخلاق سے پیش آتے، بڑی شیریں بیانی سے گفتگو کرتے، اور حسب موقع برمحل اشعار پڑھتے،

وفات و مدفن، امام مازری کا قیام مہدیہ میں تھا، یہیں انھوں نے ۸۳ سال کی عمر میں دوشنبہ کے دن ۱۸ ربیع الاول کو، اور دوسری روایت کے مطابق ۲ ربیع الاول کو ۵۳۶ھ میں وفات پائی، اور ابن خلکان کے ایک نسخہ کے جس کا اقتباس اماری میں منقول ہے، اور محمد بن قاسم نوری صاحب کتاب سمط اللآلی کی تصریح کے مطابق ایک قصبہ منستیر میں جو مہدیہ اور سوسہ کے درمیان واقع ہے لب ساحل مدفون ہوئے،

قبر پر گنبد تعمیر کیا گیا تھا، جو آجتک اچھے حال میں موجود ہے، ٹیونس کے ایک صاحب علم شیخ حسن حسنی عبدالوہاب نے اس مقبرہ کا نقشہ "مجموعۂ مضامین بیادگار صد سالہ اماری" میں شائع کرایا ہے[2]،

---

[1] التکملہ ابن ابار ص ۲۳۰، [2] امام مازری کے ترجمہ کے لئے دیکھو دیباج المذہب فی معرفۃ اعیان المذہب ابن فرحون صفحات ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۶، ۲۸۷، ابن خلکان جلد ۲ صفحات ۲۱۶، ۲۸، التکملہ ابن آبار ص ۵۳۸، کشف الظنون جلد اص ۴، ۳، تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۱، کتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۶۶۵، طبقات الشافعیۃ الکبری ترجمہ امام الحرمین معجم البلدان یاقوت تذکرہ مازر، مراۃ الجنان یافعی جلد ۳ ص ۲۶۶، مقالۂ شمالی افریقہ اور صقلیہ پر چند کتابیں ازدمنذ فاگنان پروفیسر الجزائر در یادگاری مضامین جلد ۲ ص ۹۲، و یادگاری مضامین جلد اص ۳۹۰، و فہرست کتبخانہ خدیویہ ج اصفحہ ۲۷۰، ۱۲۷۰، ۲۴۴، و مقالہ گریفینی در یادگاری،

محمد بن مسلم مازری | ابو عبد اللہ محمد بن مسلم بن محمد احول ۴۴۲ھ میں مازر میں پیدا ہوئے، اور مازری کہلائے، نسبا قرشی تھے، اور مذہب مالکی کے پیرو تھے،

یہ اپنے نام، کنیت اور وطن کے انتساب میں امام مازری کے شریک ہیں، اسلئے بعض مورخین کو ان دونوں کی شخصیت میں التباس ہوگیا، چنانچہ حافظ مقریزی صاحب کتاب المقفی جیسے محتاط اہل علم سے بھی لغزش ہوئی، اور ان کے ترجمہ میں امام مازری کے حالات درج کئے، اور ان کی تمام کتابیں ان کی طرف منسوب کر دیں،

ابن فرحون نے اس التباس کو دور کر دیا ہے، چنانچہ وہ امام مازری کے حالات میں لکھتا ہے

ولیس ھذا الامام المذکور	اور یہ امام وہ نہیں ہیں، جنھوں نے الارشاد
بشارح الارشاد المسمی بالمعاد	کی شرح المعاد کے نام سے لکھی ہے، وہ دوسرے
اذذاك رجل آخر نزیل الاسکندریۃ	شخص ہیں، جو اسکندریہ میں بس گئے تھے، وہ
یعرف ایضاً بالمازری.	بھی مازری کی نسبت سے مشہور ہیں،

صقلیہ میں مختلف علوم کی تحصیل یہاں کے علماء سے کی، پھر مصر گئے، اور وہاں کے اساتذہ سے پڑھا، علم نحو میں ان کے استاذ ان کے ہموطن ابن القطاع صقلی اور ابو حفص سوسی ہیں، اور ابو محمد حنفی سے علم کلام اور اصول فقہ کی تعلیم پائی، اور علم حدیث کی تحصیل کے لئے ابوبکر محمد بن ولید طرطوسی متوفی ۵۲۰ھ اور ابو العباس احمد بن ابراہیم رازی مالکی کی طرف رجوع کیا، اور ممتاز اہل علم میں شمار کئے گئے،

مستقل قیام اسکندریہ میں اختیار کیا، اور یہاں سلسلہ درس و ارشاد جاری کیا، ان کے تلامذہ حدیث میں ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن حسین مالکی، ابو محمد عبد الکریم بن یحییٰ بن عثمان نحوی، اور ابو القاسم مخلوف بن علی بن عبد الرحمٰن تمیمی قروی معروف بابن جارہ ہیں، اور ابو محمد عبد السلام بن عتیق بن محمد

ان سے ایک واسطہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں،

اگرچہ اسکندریہ کو انھون نے وطن قرار دے لیا تھا، مگر مصر سے ان کے تعلقات قائم رہے، چنانچہ کچھ دنون مہدیہ مین بھی آکر مقیم رہے،

مختلف علوم مین ان کی تالیفات ہیں، جن کا تذکرہ آگے آئیگا،

سنہ ۵۳۰ھ میں وفات پائی،[1]

ابومسعود سلیمان صقلی، ابومسعود سلیمان صقلی بن محمود بن ابی حسین بن محفوظ قرشی صقلی بغداد میں اقامت گزین تھے اسلئے الصقلی البغدادی کہلائے،

اون کے شیوخ حدیث میں عیسیٰ بن احمد دوشالی ہیں، حدیث کی روائتیں کم کرتے تھے، ۱۰ ارمحرم سنہ ۶۲۳ھ کو وفات پائی،[2]

شرف الدین صقلی، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر عبدالرزاق شرف الدین صقلی مقری (مولود سنہ ۶۲۱ھ) کا تذکرہ مفسرین کے ضمن میں گذرچکا ہے وہ علوم قرآن کے ماسوا علم حدیث میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، اون کے شیوخ حدیث میں المعین احمد اور ابواسحٰق ابراہیم بن عمر بن مضر بن فارس ہیں[3]

محمد بن مکی صقلی، محمد بن مکی اگرچہ ساتویں صدی میں جب سرزمین صقلیہ سے اسلام کا نام ونشان بھی مٹ چکا تھا، پیدا ہوئے، لیکن ان کا نام ہمارے لئے اس لئے لائق توجہ ہے کہ یہ مصر میں ساتویں صدی ہجری مین صقلیہ کی یاد اپنے انتساب سے قائم کئے تھے، ان کا خاندان صقلیہ سے ہجرت کرکے دمشق میں سکونت پذیر ہوگیا تھا،

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے، محمد بن مکی بن ابی بکر بن عبدالغنی بن یوسف بن ابی عبداللہ ابراہیم

---

[1] دیباج المذہب فی اعیان علماء المذہب ابن فرحون ط ص ۱۲۵ نیل الابتہاج بتطریز الدیباج ص ۱۲۲ کتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۴۴۶

بغیۃ الوعاۃ سیوطی در اماری ص ۶۶۹ بغیہ کے پیرس کے قلمی نسخہ میں عبدالکریم بن یحییٰ کے ترجمہ میں محمد بن مسلم مازری کا تذکرہ آیا ہے جو اماری میں

شمس الدین ابی الحزم تقی الدین بن ابی بکر قرشی صقلی، اون کے بعض اجداد کا ذکر علوم قرآن میں آیا ہے،

یہ ۵ ار رجب ۶۱۴ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے، سن شعور کو پہنچنے کے بعد تحصیل علوم میں مصروف ہوئے کسب معاش کیلئے زردوزی اور نقاشی کا پیشہ سیکھا، سلسلۂ روزگار میں دمشق سے قاہرہ آئے، اور یہاں زردوزی کے ایک کارخانہ میں ملازم ہوگئے، آخر عمر تک یہیں رہے،

یہیں شب جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۶۹۹ھ میں وفات پائی، اور قاہرہ کے باب النصر میں مدفون ہوئے،

علم حدیث کا ذوق رکھتے تھے، ان کے شیوخ حدیث میں ابوالمنجا ابن اللیثی ابوعبداللہ بن زبیدی، ابوطاہر اسمعیل بن ظفر، مکرم بن ابی الصقر اور ابوالحسن بن مقیر ہیں[۵]

ابوبکر محمد بن محمد الصقلی، ابوبکر محمد بن محمد بن ابی الفضل مغیث بن عبدالرحمن بن مجاہد کا خاندان بھی صقلیہ سے ہجرت کرکے مصر چلا آیا تھا، اور یہ بھی صقلیہ سے باہر مصر میں ۱۶ ربیع الاول ۶۱۸ھ کو پیدا ہوئے اور اپنے قدیم وطن صقلیہ کی طرف منسوب ہوکر صقلی کہلائے، یہ ابوبکر بن ابی عبداللہ کے نام سے بھی روشناس ہیں،

فقہ شافعی کے پیرو تھے، مصر میں محکمۂ احتساب کے والی بنائے گئے، ۱۴ ر جمادی الاخری ۶۹۲ھ کو مصر میں وفات پائی،

علم حدیث میں مکرم بن ابی الصقر اور ابوبکر عبدالعزیز بن باقا اُن کے شیوخ ہیں[۵]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۷) منقول ہے، لیکن اوس کے مطبوعہ نسخہ میں یہ موجود نہیں ہے، [۱] کتاب الوافی بالوفیات صفدی درامار ی ص ۳۵۹، [۲] کتاب المقفی مقریزی ورامار ی ص ۶۶۳، [۳] ایضاً ص ۶۶۰، [۴] ایضاً ص ۶۶۵،

علم فقہ

فرق ومذاہب کے بیان میں گذر چکا ہے، کہ صقلیہ میں علم فقہ کی ابتدا صقلیہ کی اسلامی سلطنت کے بانی قاضی اسد بن فرات سے ہوتی ہے، ان کے سوانح حیات میں آگے چل کر معلوم ہوگا کہ انھوں نے فقہ مالکی وحنفی دونوں سرچشموں سے فیض پایا، اور دونوں مذاہب کے امام بنے عبادات میں فقہ مالکی کا اتباع کرتے، اور معاملات میں عموماً حنفی فقہ کے مطابق فیصلہ فرماتے، اونکے حلقۂ درس میں بھی حنفی مالکی دونوں شریک ہوتے لیکن ان میں غالب تعداد حنفی طلبہ کی تھی، قاضی اسد کیساتھ ان کے ارادتمندوں میں سے جو لوگ صقلیہ آئے، ان میں بیشتر تعداد حنفی المذہب فقہا کی تھی، انھیں کے اثر سے صقلیہ میں ابتداءً فقہ حنفی کی تعلیم و درس کا سلسلہ جاری ہوا، اور یہاں کے بکثرت لوگ اس مذہب کے پیرو ہوگئے، اور اسی بنا پر مقدسی کا بیان ہے کہ "اکثر اہل صقلیہ حنفی ہیں"

مگر چونکہ اس زمانہ میں افریقہ میں عمومی حیثیت سے مالکی مذہب کو فروغ حاصل تھا[1] اسلئے

---

[1] افریقہ میں مالکی مذہب کو مختلف وجوہ سے فروغ حاصل ہوا، جنکی تشریح ابن خلدون نے اپنے فلسفیانہ انداز میں کی ہے، وہ لکھتا ہے:-

"اور امام مالک کا مذہب تو وہ مغرب واندلس کیلئے خاص ہوگیا، اگرچہ وہ بعض دوسرے مقامات میں بھی پایا جاتا ہے لیکن اہل مغرب نے ان کے علاوہ بہت کم کسی کی تقلید کی، اسکی وجہ یہ تھی، کہ ان لوگوں کے سفر زیادہ تر حجاز تک ہوتے تھے، وہ اس سے آگے نہیں جاتے تھے، اور مدینہ ان دنوں دار العلم سمجھا جاتا تھا، اور یہاں سے عراق کو علم پہنچتا تھا، لیکن عراق اہل مغرب کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا، اسلئے مغربی علماء وشیوخ صرف مدینہ

صقلیہ میں قاضی اسد کے بعد ان کے تلامذہ کے دور ہی میں یہاں افریقیہ کے بہ کثرت مالکی اہل علم کے آجانے اور خصوصاً یہاں کے عہدۂ قضا پر مالکی فقہا کے مسلسل مامور ہونے کے باعث مذہب مالکی کو یہاں بھی تفوق حاصل ہو گیا، اور اوسکی وجہ سے مالکی فقہ کو یہاں ترقی حاصل ہوئی، چنانچہ قاضی صقلیہ ابن کحالہ متوفی ۲۸۹ھ کے حالات میں ہے:-

"صقلیہ کے عہدۂ قضا پر مامور تھے، یہاں علم کی بڑی اشاعت کی، اور انہی سے مذہب مالکی کو یہاں فروغ حاصل ہوا[۱]"

اسوقت تک صقلیہ کے فقہا کے حالات میں جو کتابیں دستیاب ہوئی ہیں، وہ زیادہ تر

(بقیہ حاشیہ ص گذشتہ ۲۳۹) کے شیوخ سے تحصیل علم پر اکتفا کرتے تھے، اور اس زمانہ میں مدینہ میں امام مالک کی امامت قائم تھی، اور انکے تلامذہ و اصحاب مدینہ کے شیوخ کہلاتے تھے، اسلئے اہل مغرب و اندلس ان کی طرف رجوع کرتے اور اپنے راستہ سے الگ کسی دوسری طرف کا رُخ نہیں کرتے تھے،

علاوہ ازیں، بدویت، اہل مغرب و اندلس کا طبعی خاصہ تھا، اسلئے وہ اس مدنیت وحضارت کو جو اہل عراق میں رائج تھی طبعاً قبول نہ کر سکے اور طبعی طور پر اہل حجاز کی طرف مائل ہوئے، (ابن خلدون جلد ا ص ۳۷۵)

اگرچہ افریقیہ میں قاضی اسد بن فرات و ابو محمد عبد اللہ بن فروخ فاسی وغیرہ چند اہل علم کے ذریعہ فقہ حنفی کی اشاعت بھی ہوئی، مگر اوسے غلبہ حاصل نہ ہو سکا، اور پھر آگے چل کر معز بن بادیس نے تو ۴۴۰ھ میں مذہب اسماعیلی شیعی کو منسوخ کرتے ہوئے، مذہب مالکی کو افریقیہ میں سرکاری مذہب قرار دیدیا تھا، اس عہد میں اگرچہ صقلیہ افریقیہ کے ماتحت نہ تھا، تاہم ان دونوں میں گہرے علمی تعلقات قائم تھے، اور اس اثر سے صقلیہ میں بھی مالکی مذہب اور مالکی فقہ کو تفوق حاصل ہو گیا تھا،

[۱] دیباج المذہب ص ۱۱۹،

مالکی مصنفین کی ہیں، اور طبقات مالکیہ ہی میں ہیں، اسلئے صقلیہ کے حنفی فقہار کے نام بجز ایک دو کے معلوم نہ ہو سکے، اور بعض فقہار کے متعلق کہیں حنفی المذہب ہونے کی تصریح ملی، تو ساتھ ہی طبقات مالکیہ میں مالکی المذہب فقیہ کی حیثیت سے بھی ان کا نام نظر آیا[1]

اسلئے صقلیہ کے جتنے فقہار کے نام معلوم ہو سکے، وہ قریب قریب سب فقہ مالکی کو صقلیہ میں فروغ دینے والے ہیں، ان لوگوں نے اس مذہب پر مستند کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے اکثر فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ کی شرح، استدراک اور نقد میں ہیں،

ذیل میں صقلیہ کے فقہا، اور اون کی تالیفات بہ ترتیب طبقات پیش ہیں، یہ کتابیں فقہ کے مختلف شعبوں، فقہ، اصولِ فقہ، اور علم فرائض میں ہیں،

دورِ اوّل

(تیسری چوتھی صدی ہجری)

اس دور میں سب سے پہلا نام قاضی اسدؒ بن فرات فاتح صقلیہ کا ہے،

قاضی اسد بن فرات قاضی اسد کی کنیت ابو عبد اللہ، باپ کا نام فرات اور دادا کا نام سنان تھا[2] وہ مزاحاً کہا کرتے تھے، میں اسد (شیر) ہوں، جو وحشی جانوروں میں سب سے بہتر ہے، میرے والد فرات ہیں، جو دریاؤں میں سب سے بہتر ہے، اور میرے دادا "سنان" (نیزے کی انی) تھے،

---

[1] مثلاً قاضی ابو عمرو محمد بن میمون کو ان کے شاگرد ابو العرب نے اپنی طبقات میں حنفی المذہب لکھا ہے، طبقات ابی العرب در یادگاری جلد ۲، ص ۹۹، دوسری طرف ابن فرحون نے بھی انکا تذکرہ مالکی المذہب ہونے کی حیثیت سے اپنی کتاب میں کیا ہے، (ص ۲۲۴) [2] قاضی اسد کا نام اس سے پہلے بار بار گذر چکا ہے مگر انکے سوانح حیات اس فصل کیلئے اٹھا رکھے گئے تھے، کہ ان کا اصل تعارف ایک فقیہ ہی کی حیثیت سے کرایا جا سکتا تھا،

جو ہتھیاروں میں بہترین ہے،

ان کا خاندان بنو سلیم بن قیس کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا،

اسد کا آبائی وطن نیشاپور (خراسان) تھا، وہ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے، کہ ان کے والد ہجرت کرکے بمقام حران (دیار ابی بکر) آئے اور وہ یہیں ۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے[1] آبائی پیشہ سپہ گری تھا، دو برس کے سن میں اپنے والد کے ساتھ ۱۴۴ھ میں محمد بن اشعث کی فوج کے ہمراہ افریقہ آئے، قیروان میں پانچ سال کی عمر تک رہے، پھر انکے والد نے ٹیونس میں قیام اختیار کیا، نو سال وہاں مقیم رہے،

۱۰ سال کی عمر میں ٹیونس کے ایک گاؤں میں قرآن مجید کی تعلیم ختم کی، ان دنوں ان کی والدہ نے ان کے متعلق خواب میں دیکھا، کہ ان کی پیٹھ پر گھاس اُگ آئی ہے، اور اُسے مویشی چر رہے ہیں، تعبیر دینے والوں نے بتایا کہ یہ لڑکا آگے چل کر علم و فضل کا مالک بنے گا، اور علم کے بھوکے اسکے خوان علم سے سیر ہوں گے،

ٹیونس میں تحصیل علم اس کے بعد ان کے دینی علوم کی تکمیل کا وقت آیا، ان دنوں ٹیونس میں علی ابن زیاد کی مسندِ درس بچھی ہوئی تھی، یہ بھی اسی کی طرف رجوع ہوئے، اور ان سے علم حدیث و فقہ کی تحصیل کی، موطا امام مالک پہلی مرتبہ ان سے پڑھی،

اسد امام مالک کے حلقۂ درس میں پھر ۱۷۲ھ میں تکمیلِ علم کیلئے مشرق کی طرف روانہ ہوئے، اور مدینہ منورہ پہنچکر امام مالک کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے،

امام مالک کے درس کا طریقہ یہ تھا، کہ وہ موطا کے درس میں طلبہ کے سوالوں کے جوابات

[1] سالِ ولادت ۱۴۳ھ اور ۱۴۵ھ بھی بیان کیا جاتا ہے، مگر متن کی روایت خود قاضی اسد کی زبان سے مروی ہے،

دیتے، جنھیں تلامذہ لکھتے جاتے، عبد اللہ بن وہب اور عبد الرحمن بن قاسم امام مالک کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور ان کی حیثیت امام ابوحنیفہ کے اصحاب امام محمد وابو یوسف کی ایسی تھی اور یہی دونون ان کے جوابون کو لکھتے تھے،

امام صاحب فطرۃً قیل وقال کو پسند نہیں کرتے تھے، اور سہل وسادہ طور پر محض روایات کی بنیاد پر جوابات دیتے تھے، اور اسکی وجہ سے تلامذہ اپنے طالبعلمانہ خدشات دلی کو پیش کرتے ہوئے جھجکتے تھے، جب اسد ان کی مجلس میں شریک ہوئے، تو ابن قاسم وغیرہ نے انکے ذریعہ سے اپنے خدشات مٹانے چاہے، انھیں سوال درسوال سکھاتے، اور اسد امام صاحب کے سامنے پیش کرتے، اور بالآخر امام صاحب نے انھیں بھی اس کی ممانعت کردی، پورا واقعہ اسد کی زبان سے یون ادا ہوا ہے:-

"مالکؒ کے اصحاب ابن قاسم وغیرہ مجھے سکھاتے، کہ فلان مسئلہ کے متعلق ان سے دریافت کرون، چنانچہ جب ان سے سوال کرتا، تو وہ جواب دیدیتے، اسکے بعد میرے ساتھی مجھے پھر یون سکھانے لگے، کہ "اگر یہ ایسا ہے، تو یون ایسا ہوگا، اور یہ یون ہے، تو یہ یوں ہوگا" اس پر میں اسی طریقہ سے سوالات کرنے لگا، ایک دن وہ مجھ سے تنگ آگئے، اور فرمانے لگے کہ "سلسلہ پر سلسلہ چھیڑ رکھا ہے، اگر ایسا ہو تو یہ ایسا ہے، اور ایسا..... اگر تم یہ چاہتے ہو تو تمھارے لئے عراق کا راستہ ہے"

اس واقعہ کے بعد مین نے اپنے ساتھیون سے کہدیا، کہ تم لوگ میرا سہارا پکڑتے ہو مین آیندہ اس قسم کی حرکت نہ کرون گا"[1]

[1] اس واقعہ کو بعض دوسرے مورخین نے اس طرح نقل کیا ہے کہ اسد نے ایک دن امام مالک سے سوال کیا، اونھوں نے جواب دیدیا، اسد نے دوبارہ پوچھا، امام صاحب نے دوبارہ جواب دیا، اور پھر سہ بارہ جواب بھی ملا، لیکن جب چوتھی مرتبہ

موطا سبقاً سبقاً ان سے پڑھنے کے بعد انھوں نے کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کا شوق ظاہر کیا تو امام مالک نے فرمایا:۔

"وہی تمھارے لئے بھی کافی ہے، جو میں دوسروں کو دے رہا ہوں"

جب یہاں تعلیمی سلسلہ کی تکمیل ہوگئی، تو انھیں عراق جاکر فقہ حنفی کی تحصیل کا خیال پیدا ہوا، اور امام مالک سے رخصت ہونے کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے خاص التفات سے انھیں رخصت فرمایا، اسد کا بیان ہے:

"میں اور حارث بن اسد قفصی اور غالب ابن مہدی امام مالک کی خدمت میں رخصت ہونے کیلئے حاضر ہوئے، میرے دونوں ساتھی مجھ سے پہلے باریاب ہوئے، اور امام مالک سے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمائے، انھوں نے ان دونوں کو وصیت کی، اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ "میں اللہ تعالیٰ سے تمھارے لئے تقوی، قرآن اور اس امت کی خیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں"،

اس کے بعد جب ہم لوگ باہر نکلے، تو میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ "ای ابو عبد اللہ! واللہ انھوں نے تمھیں اپنی وصیت میں ہم لوگوں سے زیادہ عطا فرمایا"،

راوی سلیمان کا بیان ہے، کہ امام مالک رخصت کرتے وقت اپنے تلامذہ کو صرف "تقوی اللہ" کی وصیت فرماتے تھے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۳) اس پر پھر کچھ پوچھا، تو امام مالک نے فرمایا کہ "مغربی! بس یہ تمھارے لیے کافی ہے، اگر تم زیادہ چاہتے ہو، تو عراق جاؤ،" اس پر بعض مورخین نے لکھا ہے، کہ وہ اسی وجہ سے عراق چلے گئے، لیکن جیسا کہ اسد کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ جب یہاں درس کی تکمیل کرلی، تب عراق گئے، تاکہ فقہ حنفی کی تحصیل کریں،

عراق میں تحصیل علم، اس کے بعد اسد مدینہ سے عراق روانہ ہوئے، یہاں امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ کی مسند درس بھی ہوئی تھی، یہاں اگر امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن اور اسد بن عمروؒ کے[1] حلقون میں شریک ہوئے، اور اون کے علاوہ چند دیگر ممتاز فقہاے احناف سے بھی فقہ کی تحصیل کی،

امام محمد کا التفاتِ خاص، امام محمد کی خدمت میں انھین نمایان اختصاص حاصل ہوا، ان کی اجازت سے ان کے عام درس میں شریک ہونے کے علاوہ شب کے وقت بھی، اُن سے پڑھتے تھے، اور پھر ان کی غریب الوطنی معلوم ہوجانے پر مالی امداد بھی فرمائی، انھون نے یہ واقعات خود سلیمان ابن سالم سے بیان کئے ہیں، فرماتے ہین:-

"مین نے (امام) محمد بن حسن سے کہا کہ میں پردیسی ہون، اور آپ سے فقہ وحدیث کا بہت کم سرمایہ جمع کرسکا ہون، کیونکہ آپ کے تلامذہ کی تعداد زیادہ ہے، اسلئے میرے لئے کیا خاص عنایت ہوسکتی ہے،؟" اونھون نے فرمایا عراقی طلبہ کیساتھ دن کے وقت درس میں شریک رہو، اور رات کا وقت صرف تمھارے لئے خاص کرتا ہون، رات میرے ہی پاس گذارو، میں تمھیں حدیثین سنایا کرونگا"

چنانچہ میں شب کو امام محمد کے یہان رہنے لگا، وہ خود کوٹھے پر رہتے تھے، اور میں نیچے کی منزل میں رہتا تھا، لیکن میری خاطر سے وہ نیچے ہی اُتر آتے، اور درس کیلئے اپنے سامنے

---

[1] ان شیوخ عراق میں صاحبین کے اسمار معلوم ومشہور ہیں، موخر الذکر اسد بن عمرو بھی امام اعظم کے ارشد تلامذہ میں تھے، ان کا امتیاز خاص یہ ہے، کہ انھی نے سب سے پہلے امام اعظمؒ کی کتابیں ان سے نقل کی ہیں، اون کے حالات الجواہر المضیہ جلد ۱ ص ۱۴۸، اور طبقات قتلو بغا ص ۷، ۱۲، ۸، ۷، میں ہیں،

ایک پیالہ میں پانی رکھکر بیٹھ جاتے، جب پڑھتے پڑھتے رات زیادہ گذر جاتی، تو مجھے نیند آنے لگتی، وہ مجھے اونگھتے ہوئے دیکھکر ایک چلو پانی میرے منہ پر چھڑکتے، اور میں بیدار ہوجاتا، اون کا اور میرا یہی طریقہ بدستور جاری رہا، یہانتک کہ میں جسقدر ان سے پڑھنا چاہتا تھا، پڑھ لیا"

امام محمد کی شفقتوں کے سلسلہ میں کہتے ہیں:۔

میں ایک دن محمد بن حسن کے حلقۂ درس میں بیٹھا تھا، ناگاہ سبیل لگانے والے کی آواز آئی، میں جلدی سے اٹھ کر گیا، اور پانی پی کر حلقہ میں واپس چلا آیا، اس پر محمد نے مجھ سے پوچھا "مغربی" تم سبیل کا پانی پیتے ہو؟" میں نے عرض کیا" خدا آپ کو فلاح دے میں تو "ابن سبیل" ہون، درس ختم کرکے میں گھر چلا گیا، تو رات کے وقت کسی نے دروازہ پر آواز دی، دروازہ کھولا، تو معلوم ہوا، کہ امام محمد کا خادم ہے، اوس نے مجھ سے کہا "آقا نے آپ کو سلام کہا ہے، اور آپسے کہا ہے، کہ مجھے آج سے پہلے بالکل معلوم نہ تھا، کہ تم "ابن سبیل" ہو، اسلئے اس نفقہ کو لیلو اور اپنی ضرورتین پوری کرو"

اس کے بعد اوس نے ایک بھاری تھیلی، میری طرف بڑھائی، میں دل میں خوش ہوا، کہ اس میں دراہم کی کافی تعداد ہے، جب گھر میں آکر تھیلی کھولی تو دیکھتا ہون کہ اسمیں اتنی اشرفیان بھری ہوئی ہیں،"

امام مالک کی وفات، اسد عراق میں تحصیل علم میں مصروف تھے، کہ مدینہ سے لوگوں کا اُن کے تلامذہ کی طرف رجوع امام مالک کی وفات کی خبر پہنچی، اور اسی وقت سے امام مالک کے تلامذہ لوگون کے مرجع بن گئے، جن میں اسد بھی تھے، وہ اس واقعہ کو یون بیان کرتے ہیں:۔

"ہم لوگ ایک دن امام محمد کے حلقۂ درس میں بیٹھے تھے، کہ اچانک ایک شخص آیا، اور لوگوں کو پھاندتا ہوا امام محمد کے قریب پہنچا اور اُنسے کوئی خبر بیان کی، جس پر امام محمد بول اُٹھے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، ایک مصیبت ہے، کہ اس سے بڑھکر دوسری مصیبت نہیں، مالک بن انس کا انتقال ہوگیا، امیر المومنین فی الحدیث نے وفات پائی،

یہ خبر مسجد میں پھیلی پھر بجلی کی طرح سارے شہر میں دوڑ گئی، لوگ مالک بن انس کی وفات پر اظہارِ غم کے لئے جمع ہونے لگے، اور اس کے بعد یہ حال ہوگیا، کہ جب کوئی مالک بن انس کی حدیث روایت کرنے لگتا، تو ایک خلقت اسکے گرد امنڈ آتی اور اسقدر مجمع ہوجاتا کہ راستے بند ہوجاتے،

صاحبین کا اسد سے موطا کا درس لینا، اسی سلسلہ میں اسد سے بھی لوگوں نے امام مالک کی روایتیں لیں، اور پھر انھیں یہ قابلِ فخر اعزاز حاصل ہوا، کہ امام ابویوسف نے اس تشنۂ علم کو سیراب کرنے کے بعد اس سے اس فیض کے حاصل کرنے کی خواہش کی، جو وہ مدینۃ العلم یثرب سے حاصل کرلایا تھا، چنانچہ امام ابویوسف نے اسد سے موطا امام مالک کا درس لیا،

پھر جب اسکی خبر امام محمد کو پہنچی تو فرمایا "ابویوسف علم کی خوشبو سونگھ لیتے ہیں"، اور اس کے بعد اسد سے موطا کے درس کی خود بھی خواہش کی، اور اس حیثیت سے اسد کی شخصیت اسلام کے دو اہم مذاہب کے اساطین اوّلین کے درمیان ایک سلسلۃ الذہب کی قرار پاتی ہے،

اسد نے مشرق میں فقہ مالکی و حنفی کی تحصیل کے علاوہ علم حدیث پر بھی نظر رکھی، امام محمد سے تحصیل حدیث کا ذکر اوپر گذرا، ان کے علاوہ شیوخ عراق میں سے یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کوفی[1]، ابوبکر بن عیاش، مسیب[2] بن شریک، اور ہشیم بن شریک وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا، اور ان سے حدیثیں نقل کیں، ان میں سے صرف موخر الذکر ہشیم بن شریک سے ۲ ہزار حدیثیں لکھیں،

[1] یہ حافظ حدیث تھے، زکریا ابن زائدہ، عاصم احول، اور داؤد بن ابی ہند وغیرہ سے روایتیں کی ہیں،

وطن کی واپسی، اسد جب مشرق میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے، تو وطن کی واپسی کا خیال آیا، لیکن مصارف سفر کا کوئی سامان نہ تھا، اس لئے سخت پریشان تھے، آخر امام محمد کے سامنے تذکرہ آیا، اونھون نے فرمایا، "تمھارا ذکر ولیعہد کے سامنے کرون گا، امید ہے، کہ تم بآسانی وطن پہنچ جاؤگے"

چنانچہ امام محمد نے ولیعہد سے ان کا تذکرہ کیا، اور اس سے اسد کے ملنے کی تاریخ مقرر ہوئی، جب اسد ولیعہد کے محل میں جانے لگے، تو امام محمد نے اوخھیں سمجھایا کہ "تم ان لوگون کے پاس جس درکھ رکھاؤ سے پیش آؤگے، ویسا ہی وہ بھی تم سے برتاؤ کرین گے، اگر تم اپنی خودداری قائم رکھکر ان سے ملوگے، تو وہ بھی تمھیں باعزت وخوددار سمجھیں گے"

اس کے بعد اسد ولی عہد کے محل میں پہنچے، ایک خادم نے ان کا استقبال کیا، اور ایک جگہ بٹھا دیا، یہان ان کے سامنے ڈھکا ہوا ایک خوان لایا گیا، اسد نے پوچھا "یہ جو کچھ لائے ہو تمھاری طرف سے ہے، یا تمھارے آقا کی جانب سے؟" وہ بولا "آقا کے حکم سے لایا ہون" اسد نے خوبصورتی سے جواب دیا،

تمھارا آقا کبھی اسے پسند نہیں کر سکتا، کہ اس کا مہمان اسکی شرکت کے بغیر کھانا کھائے صاحبزادے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۷) تلامذہ میں اسد کے علاوہ امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین، ابن المدینی اور احمد بن منیع وغیرہ اکابر محدثین ہیں، عجلی، نسائی، ابن معین اور ابو حاتم وغیرہ نے توثیق کی ہے، ۱۸۳ھ میں وفات پائی، (خلاصہ تہذیب الکمال خزرجی، طبع مصر ۲۲۴) ۵ ان کے شیوخ حدیث میں حصین بن عبد الرحمن، اور ابو حصین وغیرہ ہیں، اور تلامذہ میں ابن مبارک، ابن المدینی اور احمد وغیرہ اکابر محدثین نے توثیق کی ہے، سال ولادت ۱۰۴ھ و وفات ۱۸۳ھ ہے (خلاصہ تہذیب الکمال ص ۴۴۵) ۵ یہ ہارون رشید کا زمانہ تھا، ولیعہد سے مراد غالباً شاہزادہ محمد (امین) ہے،

یہ تمہارا ہی احسان ہے مجھ پر بھی تمہاری مکافات واجب ہے، یہ کہکر جیب ٹٹولی، اس میں ان کا سارا سرمایہ صرف چالیس درہم تھا، اونھون نے اس کے صلہ میں بڑی فراخ حوصلگی سے چالیسو درہم اسکی طرف بڑھا دیے، اور خوان اٹھا لینے کا اشارہ کیا،

خادم اسد سے بے حد خوش ہوا، اور سارا واقعہ اپنے آقا سے جاکر کہہ سنایا، وہ سنکر محظوظ ہوا، اور اسد کو اندر طلب کیا، اسکے بعد اسد کہتے ہین،:۔

"مین ولی عہد کی خدمت میں پہنچا، وہ ایک تخت پر جلوہ افروز تھا، اس کے سامنے ایک دوسرا تخت بچھا تھا جس پر حاجب بیٹھا تھا، تیسرا تخت خالی تھا، اس پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر مجھ سے مختلف گفتگوئیں کرتا رہا، اور مین مناسب جوابات دیتا رہا، جب میری واپسی کا وقت آیا، تو ایک رقعہ لکھکر سربمہر لفافہ میں میرے حوالہ کیا، اور کہا کہ اسے صاحبِ دیوان کے یہان لیجاؤ، پھر مجھ سے دوبارہ ملنا تمھیں انشاء اللہ یہان آنے سے مسرت ہوگی"،

اس لفافہ میں دس ہزار دیئے جانے کی ہدایت تھی، جب یہ رقم وصول ہوگئی، تو اسد نے ولی عہد کے حکم کے مطابق اسکے یہان دوبارہ جانا چاہا، مگر امام محمد نے یہ کہکر منع فرمایا کہ "اگر اب ان لوگون کے پاس دوبارہ جاؤگے، تو وہ تمھیں اپنا ملازم تصور کرین گے"،

اسد نے دوبارہ ملنے کا خیال ترک کر دیا، اور رخت سفر باندھ لیا، اور اپنے شفیق استادون سے رخصت ہوکر مصر روانہ ہوگئے،

اسد نے امام محمد کے دل پر اپنی محنت، جفاکشی، اور تحصیل علم کے شوق کے گہرے نقوش چھوڑے تھے، وہ اون کے آنے کے بعد مجلسون میں اون کی تعریف فرماتے تھے، صاحب معالم کہتا ہے،:۔

"امام محمد مکہ معظمہ میں ان کی تعریف کرتے تھے، اور ان کے مناظرہ، طریق درس، اور علم حدیث کی توصیف وستایش فرماتے تھے"[۵]

اسد مصر میں، مصر میں اسوقت عبداللہ بن وہب، اشہب، اور عبدالرحمن بن قاسم علم کے علمبردار تھے، اور یہ تینوں امام مالک کے ایسے جلیل القدر تلامذہ تھے، جن کا احترام امام مالک کے تمام تلامذہ کرتے تھے، اسد باری باری ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے، لیکن عبداللہ بن وہب اور اشہب سے نبھ نہ سکی، اور موخرالذکر سے تو ایسی سخت نوک جھونک ہوئی، کہ اگر عبداللہ بن عبدالحکیم وغیرہ بیچ بچاؤ نہ کرتے، تو برے نتائج پیدا ہوتے،

آخر میں عبدالرحمن بن قاسم کی طرف رجوع کیا، یہ اپنے علم وفضل، زہد و ورع اور کبرسنی کی وجہ سے بڑے احترام کی نظر سے دیکھے جاتے، عبادت ریاضت کا یہ حال تھا، کہ دن رات میں تین ختم پڑھتے، اور گھنٹوں نماز پر کھڑے رہتے تھے،

علم فقہ میں روایت، رائے اور قیاس سب پر یکسان نظر رکھتے تھے، اور انکی یہی جامعیت اسد کے لئے باعث کشش تھی، ایک دن انھوں نے جوش عقیدت میں اون کے متعلق مسجد میں باواز بلند کہا:۔

"حضرات:۔ اگر مالک بن انس کا انتقال ہوچکا ہے، تو یہ دوسرا امام مالک ہمارے درمیان موجود ہے"

یہ کہتے ہوئے ابن قاسم کی طرف اشارہ کیا، اور پھر التزام سے روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگا،

[۵] امام محمد اور اسد کے یہ واقعات مختلف روایات وبیانات سامنے رکھ کر اس مرتب صورت میں تیار کئے گئے ہیں،

اسدیہ کی تدوین، اس کے بعد اسد کا یہ دستور ہوگیا، کہ وہ ابن قاسم سے روزانہ فقہی مسائل پر سوالات کرتے، وہ جوابات دیتے، اسد سوال و جواب دونوں کو بہ ترتیب لکھتے جاتے، ابن قاسم اپنے جوابون میں امام مالک کے فتاوی بیان کرتے، اون پر احادیث سے استدلال لاتے، اور قیاس و رائے سے ان جوابون کی صحت کے ثبوت بہم پہنچاتے، یہانتک کہ انھوں نے اون جوابون کے املا کرانے میں روزانہ کے تین ختمون کے معمول مین سے ایک ختم کو ترک کردیا،

اس طرح یہ سوال و جواب ساٹھ جزون میں مدون ہوگئے، اور یہی کتاب دنیا میں فقہ مالکی کی سب سے پہلے کتاب تھی، اسد نے اس مجموعہ کو اپنے نام پر "الاسدیہ" سے موسوم کیا،

اسدیہ پر پہلا حملہ اور اس کی پہلی نقل، الاسدیہ کی ترتیب کے بعد انھیں افریقہ کی واپسی کا خیال آیا، اس اثنار میں الاسدیہ کی شہرت پھیل چکی تھی، اہل مصر نے اسد سے اس کا ایک نسخہ حاصل کرنا چاہا، اسد نے اوس کے دینے میں تامل کیا، اور یہ معاملہ قاضی تک پہنچا، اسد کا دعوی تھا، کہ اوسکی نقل ان کے حوالہ سے لیجائے، لیکن اہل مصر اس پر آمادہ نہ تھے، تھوڑے سے رد و کد کے بعد قاضی نے اسکی نقل اسد سے دلوادی،

اسدیہ کی دوسری نقل ابن قاسم کیلئے، جب اسد مصر سے روانہ ہونے لگے، تو ابن قاسم نے کچھ سامان ان کے حوالہ کیا، کہ اسے افریقہ میں فروخت کرکے اسکی قیمت سے کاغذ خریدا جائے، اور اسدیہ کی ایک نقل اون کے پاس بھیج دیجائے، چنانچہ افریقہ پہنچکر اونھون نے اسکی ایک نقل بھیجدی،

اسد کا ورود افریقہ اور تلامذہ کی کثرت، اسد ۱۸۱ھ میں مصر سے قیروان واپس آئے، اور یہان پہنچتے ہی مخلوق کا ہجوم ان کی طرف امنڈ آیا، اور انھون نے مالک کی موطا، اور الاسدیہ کا درس جاری کردیا، امام مالک سے بہ یک واسطہ احادیث لینے اور الاسدیہ کی روایت اور سماع کیلئے افریقہ و مغرب کے جلیل القدر علمار نے اسد کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، اور چند ہی دنون میں انکی اسدیہ

کی روایت جسے المدونہ بھی عرف عام میں کہنے لگے تھے، سارے افریقیہ و مغرب میں پھیل گئی،

اسدیہ کی تیسری نقل موسومہ المدونۃ الکبریٰ اور امام سحنون و اسد میں علمی چشمک

جب الاسدیہ شہرۂ آفاق حیثیت حاصل کرکے خاص و عام میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھی گئی، تو اہل علم نے خصوصیت کیساتھ اس پر توجہ کی، اور اسکی نقل کا اہتمام کیا، اسد کے حلقہ درس میں دو جلیل القدر علما سحنون اور محمد ابن رشید بھی شریک تھے، ان دونوں نے اسد کی لاعلمی میں اسکی نقل تیار کرنی شروع کی،

لیکن اس زمانہ میں اہل علم کے درمیان کتابوں کے نسخوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی تلامذہ کا فرض تھا کہ استاد کی اجازت کے بغیر اسکی نقل نہ لیں، اور دراصل وہ نسخے جو استاد کی تصدیق کے بغیر ہوتے، معتبر بھی نہ سمجھے جاتے تھے، لیکن اسکے باوجود ان دونوں نے اسکی نقل حاصل کرنی شروع کی، اسلئے جب اسد کو اس کا حال معلوم ہوا، تو انھیں سخت ناگوار گذرا، اب وہ لوگوں کو نسخہ کی جزئی نقل دینے میں بھی احتیاط برتنے لگے، مگر اسوقت تک سحنون کا نسخہ قریب قریب مکمل ہوچکا تھا صرف ایک باب کتاب القسم کی نقل باقی رہ گئی تھی،

سحنون اس کی نقل حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے، چنانچہ ایک دن ایک شخص جزیرہ سے اسد کے پاس آیا، اور ان سے کتاب القسم کی نقل چاہی، انھیں شبہہ ہوا کہ کہیں یہ سحنون کا فرستادہ نہ ہو، اس لئے اوسے نقل دینے سے انکار کردیا، بالآخر اوس نے حلف اوٹھایا، کہ وہ اس کی نقل سحنون کو نہ دیگا، اوس پر اسد نے کتاب القسم اوس کے حوالہ کردی، اور اوس نے نقل حاصل کرلی،

وہ شخص واقعی سحنون کا فرستادہ تھا، اُن کی خدمت میں واپس جاکر کہا!

"ابو سعید! یہ لو، مگر یہ نقل مجھے بغیر حلف اوٹھانے نہ مل سکی، اب مجھے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا ہے"

اس طریقہ سے الاسدیہ کی نقل سحنون کے پاس مکمل تیار ہو گئی، مگر اسد کو اوس کی خبر نہیں ہوئی، چند دنون کے بعد سحنون نے مصر کا قصد کیا، روانگی کے وقت افریقہ کے اہل علم اون کی مشایعت کے لئے نکلے، ان مین اسد بھی موجود تھے، اسد نے درپردہ یہ دریافت کرنے کیلئے کہ الاسدیہ کی نقل مکمل ہو گئی، ہے یا نہیں، اُن سے کہا:-

"اگر تمھارے پاس یہ مدونہ ہوتی، تو تم اُسے ابن قاسم سے سُن لیتے"؟

سحنون نے سنجیدگی سے جواب دیا:-

"وہ میرے سامان میں موجود ہے"

اسد یہ سن کر خاموش ہو گئے، اسکے بعد معلوم ہوا کہ سحنون کے مصر کے سفر کی اصل غرض ابن قاسم سے الاسدیہ کی روایت و سماع ہی ہے،

چنانچہ وہ مصر میں ابن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اونھون نے سب سے پہلے اسد کی خیریت پوچھی، سحنون نے کہا "تمام ممالک میں ان کا علم پھیل گیا ہے،" ابن قاسم یہ سُن کر بہت خوش ہوئے،

اس کے بعد سحنون نے ابن قاسم سے الاسدیہ کی روایت اس طریقہ سے لینی شروع کی، کہ اسد کے مرتب کئے ہوئے سوالات سحنون پڑھتے، اور ابن قاسم نے جو جوابات اسدیہ میں لکھائے تھے، انھیں و ہرتے تھے، اس طریقہ سے پوری اسدیہ تمام کی،

اس قرأت مین ابن قاسم نے اسدیہ کے جوابون میں کہیں کہیں ترمیم بھی کر دی تھی، اور بعض فتوؤں سے رجوع کر لیا تھا، جب سحنون مصر سے رخصت ہونے لگے، تو ابن قاسم نے اسد کے نام ایک خط لکھا، کہ "تمھارے مدونہ کے جوابون مین کہین کہین ترمیم ہو گئی ہے، اپنے نسخہ کی سحنون کے نسخہ سے ملا کر تصحیح کر لو"

اگرچہ اس زمانہ میں بظاہر یہ معمولی بات معلوم ہوتی ہے، کہ ایک نسخہ سے دوسرے نسخہ کی تصحیح کرلیجائے، مگر اوس زمانہ میں کتابون کے نسخون کے لئے جو اہتمام کیا جاتا تھا، اور اون کی مختلف حیثیات کے لحاظ سے ان میں جو فرق مراتب قائم ہوتا تھا اس لحاظ سے اسد کیلئے یہ بڑی آزمایش کا وقت تھا لیکن وہ بڑی فراخ دلی سے سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوگئے، مگر دوسری طرف اون کے تلامذہ کی جماعت تھی، اسد نے اُن سے بھی تذکرہ کیا، ان لوگون نے اس میں اپنے استاد کی توہین محسوس کی، کہ وہ امام مالک سے شرف تلمذ رکھنے کے باوجود سحنون کی شاگردی میں داخل ہون، کیونکہ سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرلینے کے بعد اوس زمانہ کے درس وتدریس کے قواعد کے مطابق اسد سحنون کی شاگردی میں داخل ہوجاتے،

چنانچہ ان لوگون نے اسد کو آمادہ کرلیا، کہ وہ ابن قاسم کے پیغام کو قبول کرنے سے انکار کردین، اور اسد نے اس فیصلہ کا اعلان کردیا،

لیکن افسوس ہے کہ اسد کا یہ فیصلہ اسدیہ کے حق میں اچھا نہیں ہوا، سحنون نے مصر سے واپس آکر بڑی شان وشوکت سے اپنی مسند درس بچھائی، سارے مغرب میں ابن قاسم کے مکتوب کی شہرت ہوچکی تھی، لوگ جوق درجوق سحنون کے پاس آئے، اور اون کی ترمیم شدہ اسدیہ کی روایت اون سے لی جس سے اسد کا نسخہ روز بروز بے وقعت ہوتا گیا، اور سحنون کی مدونہ کو اعتبار حاصل ہوتا گیا، یہان تک کہ سحنون کو "امام" کا لقب حاصل ہوا، اور ان کے نسخہ کی بدولت انکا نام اسد کے نام پر غالب آگیا،

اگرچہ موجودہ زمانہ مین سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے سے اسد کا گریز کرنا پسندیدہ نہ سمجھا جائے، مگر اُس زمانہ مین نسخون کی برتری، اور پستی، اور روایتوں میں راویون کے لقاء وسماع کے جو اعتبارات قائم تھے، انھیں دیکھتے ہوئے، اسد کا طرز عمل شاید قابل الزام نہ سمجھا جائے، اور

دراصل اوس میں صحیح رائے اوسی زمانہ کے اہل علم قائم کرسکتے تھے، چنانچہ شیخ ابوالفاضل ابوالقاسم بن احمد برزلی رحمہ اللہ اسد کے اس طرز عمل کے متعلق یوں اظہار رائے فرماتے ہیں:۔

"درست وہی ہے، جو اسد نے کیا، کیونکہ انھون نے ابن قاسم سے اپنے سوالون کے جواب بالمشافہ حاصل کئے تھے، خط کے ذریعہ سے سماع کی مقبولیت کا مسئلہ اہل علم کے درمیان مختلف فیہ ہے، اس لئے کسی ایسی چیز کو جو متفق علیہ ہو کسی ایسی چیز کی خاطر نہیں چھوڑ سکتے جو مختلف فیہ ہے"

یعنی ابن قاسم کے اس خط کی بنیاد پر جسے سحنون مصر سے لائے تھے، اسد کے اپنے نسخہ مین جو بالمشافہ سنا ہوا تھا، ترمیم و اصلاح کرنے سے وہ متفق علیہ نسخہ مختلف فیہ بن جاتا،

اسد کے لئے اسوقت بہتر شکل یہ تھی، کہ وہ خود مصر کا سفر کرتے، اور ابن قاسم کے سامنے اپنے نسخہ کو دہرا لیتے، مگران کے مکتوب کے رد کردینے کے بعد شاید استاذ و تلمیذ میں ایسی صفائی باقی نہ رہ گئی ہو کہ وہ مصر کا سفر کرتے، البتہ اس کا امکان اس کے رد کردینے سے پہلے ہی تھا، تاہم ان تمام حالات کے باوجود اسد ساری عمر ابن قاسم کا نام عزت و احترام سے لیتے رہے، اگرچہ یہ روایت بھی مشہور ہو چکی تھی، کہ جب ابن قاسم کی اسد کے انکار کی خبر ملی، تو اونھون نے اسدیہ کے غیر مقبول ہونے کی بد دعا کی، اور شہرت تھی کہ ان کی دعا باب اجابت تک پہنچی،

مگر اسد نے کبھی استاذ کے ادب و احترام میں کمی نہیں کی، اسی زمانہ مین جب یہ مسئلہ چھڑا ہوا تھا، فقیہ معمر اُن کی خدمت میں پہنچے، اور انھیں روتے ہوئے پایا، معمر نے وجہ پوچھی، تو انھون نے کہا، نہیں کوئی مصیبت نہیں لیکن میرے پاس ابن قاسم کا خط آیا ہے، وہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں اپنی کتاب سحنون کی کتاب پر دُہرالون، حالانکہ سحنون کی میں نے تربیت کی ہے"

اس پر معمر نے اسد سے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے اون کی تعریف کی، اور ابن قاسم کے خط

لکھنے پر نکتہ چینی شروع کی، تو اسد فوراً بولے "ایسا نہ کرو، اگر تم ابن قاسم کو دیکھتے، تو تمہارے لئے یہ کہنا دشوار ہوتا"

اسی طرح اسد کے عہدۂ قضاء کے زمانہ مین کسی فقیہ نے ابن قاسم کی تنقیص کی، اور اونکی روایت حدیث پر جرح کی جب اسد کو خبر ملی تو انھوں نے اسکی تفتیش کرکے اوس فقیہ کو سنگین سزا دی، او اونھیں بری طرح پٹوایا،

الغرض اسدیہ کی تیسری نقل یہی "المدونۃ الکبریٰ" ہے، صرف ان دونوں میں چند مسائل کا فرق ہے، اور اوس وقت سے دور حاضر تک یہی کتاب فقہ مالکی کی سب سے بڑی اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے، اس لئے درحقیقت اسد کے ہاتھوں فقہ مالکی کی عظیم الشان خدمت انجام پائی،

المدونہ پہلی مرتبہ ۱۳۲۴ھ مین مطبع خیریہ مصر سے چار جلدوں میں شائع ہوئی، اگرچہ اس مطبوعہ نسخہ میں الاسدیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، کیونکہ سحنون کے مصر جانے کے بعد ضابطہ کے لحاظ سے اوس کی تملیک کا حق سحنون کو بھی حاصل ہو چکا تھا، لیکن اہل علم اس حقیقت سے آشنا ہین کہ یہ اصل کمائی اسد ہی کی ہے، اور امام سحنون نے بھی بخوبی اس کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ ابن فرحون نے اپنی دیباچ میں اسد کے ترجمہ میں امام سحنون کے وہ کلمات درج کئے ہین، جو انھون نے المدونہ کے متعلق ظاہر کئے تھے، اور اوس نے المدونہ کے تمام شروح وحواشی اور ملخصات وغیرہ کو اسد کے ترجمہ میں الاسدیہ ہی کی طرف منسوب کیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:-

"سحنون کا قول ہے کہ تمھیں اس مدونہ کو اپنے لئے لازم کرلینا چاہئے، وہ ایک صالح شخص (ابن قاسم) کا کلام ہے، اور ایک صالح شخص (اسد) کی روایت ہے، اور سحنون کہا کرتے تھے، کہ یہ مدونہ علم میں وہی درجہ رکھتی ہے، جو نماز میں ام القرآن کا ہے، نماز

میں اس کے علاوہ دوسری صورتین پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن اسکے بغیر کوئی نماز جائز نہین ہوتی"؛ (اس لئے گویا علم کی تکمیل مدونہ کے بغیر ممکن نہیں، مدونہ کے ساتھ دوسری کتابیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں"،)

پھر ابن فرحون اسدیہ کے متعلق مزید یون لکھتا ہے:۔

"لوگون نے اس میں اپنی خوب طبع آزمائیان کی ہیں، شرحین لکھی ہیں، اور اوس کی توضیحیں کی ہیں، ایسا کوئی شخص نہیں ہے، جس نے اس مدونہ پر بھروسہ نہ کیا ہو، اور اس کا درس نہ لیا ہو، اور پھر وہ اسد کے زہد و تقوی کا قائل نہ ہوا ہو"

اسد کا مذہب فقہ میں، الاسدیہ سے متعلق اس واقعہ کے بعد اسد نے اپنے فتوون میں دوسری روش اختیار کی، یعنی بعض مسائل خصوصًا معاملات مین وہ فقہ حنفی کے مطابق فتوی دینے لگے، پھر عہدۂ قضا پر مامور ہونے کے بعد تو تقریبًا تمام معاملات کے فیصلے، فقہ حنفی کے روسے کرتے تھے، کیونکہ ایک طرف اون کے نسخہ کے مسائل امام سحنون کے نسخہ سے مقابلہ نہ کرنے کے باعث کلیتہً مشتبہ ہوگئے تھے، اسکے علاوہ مسائل معاملات مین جسقدر جزئیات دولت عباسیہ کی سرپرستی کی وجہ سے فقہ حنفی مین منضبط ہوگئے تھے، وہ الاسدیہ مین موجود نہ تھے، چنانچہ ابو القاسم زیاد بن یونس سیوری کا بیان ہے:۔

"(اسد نے) ابن قاسم کے خط کو قبول نہین کیا، اور اپنی کتاب موسومہ الاسدیہ پر اعتماد کئے رہے، پھر اہل عراق (احناف) کے مذہب کی اشاعت کرنے لگے" (معالم جلد ۲ ص ۱۰)

اس طریقہ سے اسد افریقیہ میں فقہ حنفی کے سب سے بڑے علمبردار بن گئے، اور یہ قدرۃً مالکیوں کو ناگوار گذرا، اور انکے خلاف مختلف افواہیں پھیلائین جنمیں ایک یہ بھی تھی، کہ انھیں امام مالک سے شرف تلمذ حاصل نہیں ہوا، اس کا اندازہ مقدسی (۳۷۵ھ) صاحب احسن التقاسیم کی ایک روایت سے ہوتا ہے

جسے اوس نے کسی افریقی سے سنکر اپنی کتاب میں جگہ دی ہے، وہ لکھتا ہے ،۔

"میں نے (بعض اہلِ افریقہ سے) سوال کیا، کہ تمھارے یہان امام ابوحنیفہ کا مذہب کیونکر پہنچا؟ حالانکہ وہ تمھارے راستہ میں نہیں ہی، تو انھون نے جواب دیا کہ

۱۔ ہمارے یہان سے وہب بن وہب مالک کے یہان سے فقہ و دیگر علوم مین ماہر ہوکر واپس آئے، تو اسد بن عبداللہ (؟) پر اون کی جلالت شان اور کبر نفس کی وجہ سے یہ شاق گذرا کہ وہ وہب کے سامنے درس کے لئے زانوے ادب تہ کریں، اسلئے اونھون نے براہ راست امام مالک کی طرف رُخ کیا، لیکن وہ اُس زمانہ میں بیمار تھے، جب انھین وہان ٹھہرے ہوے کچھ زمانہ گذر گیا، اور امام مالک صاحب فراش رہے، تو اونھون نے اسد سے فرمایا کہ "تم وہب کے پاس چلے جاؤ، مین نے لوگوں کو سفر کی تکلیفون سے بچانے کیلئے انھیں اپنا تمام علم ودیعت کردیا ہے"،

امام مالک کا یہ ارشاد اسد پر اور زیادہ گران گذرا، وہ امام مالک سے مایوس ہوکر کسی ایسے شخص کی جستجو میں لگے، جو علمی وقار میں اون کے ہم پلہ ہو، لوگون نے امام محمد صاحب ابی حنیفہ کا نام بتایا،

۲۔ چنانچہ وہ امام محمد کی خدمت مین حاضر ہوئے، اونھوں نے اون کا خیر مقدم کیا، اور بڑی توجہ سے پیش آئے، اور اون کی ذہانت، ذکاوت اور تحصیل علم کے شوق سے متاثر ہوکر بڑی جانفشانی سے علم فقہ پڑھایا،

۳۔ جب اسد کی علمی استعداد قابلِ اطمینان ہوگئی، تو امام محمد نے انھیں حنفی مذہب کا علمبردار بناکر مغرب کی طرف بھیجا، جہان پہنچکر انھون نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا، اور مغرب میں فقہ حنفی کے لئے بہت عمدہ زمین تیار کردی، لوگ فروعات میں اون کی نکتہ رس نگاہ

دیکھکر حیرت کرتے، اور وہ ایسے دقیق مسائل بیان کرتے جنھیں لوگون نے کبھی سُنا نہ تھا، تلامذہ کی بڑی جماعت حلقہ بگوش ہو گئی، اور انہی تلامذہ نے مغرب کے گوشہ گوشہ میں پہنچکر اس مذہب کی ایسی ترویج کی، کہ وہ مغرب کے تمام افق پر چھا گیا"

یہ کسی مالکی افریقی کا بیان ہے، اس مین اسد کے مدینہ اور عراق کے سفر کے متعلق جو باتین ہین وہ قطعی بے اصل ہیں، اس کے صحیح حالات اس سے پہلے مستند روایتون سے گذر چکے ہیں، پھر ابن وہب کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ امام مالک کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے، ورنہ ابن وہب تو اسد کے مدینہ کے قیام کے زمانہ میں وہیں موجود تھے، اس روایت میں امام مالک سے موطا پڑھنے سے بھی انکار کیا گیا ہے، حالانکہ ان روایتون کے علاوہ جو اوپر گذرین، قاضی عیاض نے بھی اس فہرست مین اسد کا نام رکھا ہے، جنھون نے امام مالک سے موطا پڑھی تھی،

دوسرے پارہ (پیرے) میں راوی کا جو بیان درج ہے، اسمیں یہ واقعہ صحیح نہیں کہ امام محمدؒ نے انھیں مذہب حنفی کا علمبردار بنا کر افریقہ بھیجا، اگر ایسا ہوتا تو وہ مصر میں ٹھہر کر عبد الرحمٰن بن قاسم سے الاسدیہ مرتب نہ کرتے،

اسی قسم کی روایتوں کی بنیاد پر یہ شہرت بھی دیگئی، کہ اسد نے اس واقعہ کے بعد مالکی مذہب ترک کر کے حنفی مذہب قبول کر لیا، لیکن جہان تک روایت و قیاسات سے اسے دیکھا جاسکتا ہے، اس کی تائید نہیں ہوتی، اسد کے مذہب کے متعلق سب سے بہتر روایت جعفر القصری کی ہے، وہ لکھتا ہے:۔

کان اسد امام العراقیین	اسد قیروان مین احناف کے امام تھے،
بالقیروان، کافۃ مشھورا	علم و فضل اور دینداری میں شہرت تامہ
بالفضل والدین ودینہ و	رکھتے تھے، اور ان کا دین و مذہب
مذھبہ السنۃ	"سنت" تھا،

اس بیان کا آخری فقرہ "دینہ ومذھبہ السنۃ" سے یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ اپنی وسعت نظر اور اجتہاد کیساتھ سنت پر عمل کرتے تھے، اور جہاں تک افتار کا تعلق تھا، وہ فقہ حنفی کے مطابق دیتے تھے، تاہم اہل علم نے انھیں ہر دور میں مالکی مذہب کا پیرو سمجھا، چنانچہ مالکی مذہب کے فقہار کے حالات میں طبقات کی جو کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئیں، ان میں مالکی فقیہ کی حیثیت سے اسد کا نام موجود ہے، برخلاف اس کے فقہاے احناف کے طبقات کی کتابوں الجواہر المضیئہ وغیرہ میں اسد کا نام موجود نہیں، اور ان کے درس میں مالکی مذہب کے طلبہ بھی بکثرت موجود رہتے تھے،

اسد قاضی القضاۃ کے عہدہ پر | جس زمانہ میں اسد افریقیہ واپس آئے، قیروان کے عہدۂ قضار پر جسے عہدۂ قاضی القضاۃ کہنا چاہئے عبد اللہ بن غانم فائز تھے، وہ اسد کے قدردان اور اون کے علم وفضل کے معترف تھے، جب تک زندہ رہے مسائل ومعاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہے، (معالم جلد۲ ص۱۱)

ان کی وفات کے بعد ۱۹۱ھ میں ایک دوسرے اہل علم ابو محرز اس عہدہ پر سرفراز کئے گئے، پھر افریقہ کے شیوخ وعلمار نے اسد کو اس ممتاز عہدہ پر سرفراز کرانا چاہا، چنانچہ علی بن حمید نے زیادۃ اللہ کے سامنے اسد کی علمی مرتبت فضل وکمال اور شہرت کا تذکرہ کرکے اس خواہش کا اظہار بھی کیا، لیکن ابو محرز کو دولت اغلبیہ کے بانی ابراہیم بن اغلب نے اس عہدہ پر مقرر کیا تھا اسلئے زیادۃ اللہ نے انھیں معزول کرنا مناسب نہ سمجھا، اور اوسکی یہ دوسری شکل اختیار کی، کہ اسد کو ۲۰۳ھ میں اس عہدہ میں مساوی حیثیت سے ابو محرز کا شریک بنا دیا،

یہ اسلامی حکومت میں پہلی مثال تھی کہ ایک ہی عہدہ پر ایک ہی حیثیت اور اختیار کیساتھ دو شخص مامور کئے جائیں،

اسد کا یہ تقرر ابو محرز کو قدرۃً ناگوار گذرا، علاوہ ازیں ان دونوں میں کسی قدر علمی چشمک

موجود تھی، اب وہ معاصرانہ چشمک پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی، اور باہمی مسابقت کے جذبات پیدا ہوگئی اور کبھی کبھی مناظرہ و مجادلہ تک نوبت پہنچ جاتی، ان دونوں کی چشمکوں کے ایک سے زیادہ واقعات صاحبِ معالم وغیرہ نے تفصیل سے لکھے ہیں، اور دونوں کے علم و فضل کا موازنہ کیا ہے، صاحبِ معالم کی رائے ہے:-

"اسد، ابو محرز سے علم و فضل میں زیادہ تھے، اور انھیں فقہ پر بھی زیادہ عبور حاصل تھا، اور ابو محرز اگرچہ اسد سے علم و فقہ میں کم پایہ تھے، مگر بعض اوقات (مسائل کے جواب میں) حق انکے ساتھ رہتا تھا"

اس کے بعد ۲۰۹ھ میں منصور طنبذی نے زیادۃ اللہ کے خلاف خروج کیا، اور دار السلطنت قیروان پر قابض ہوگیا، منصور کے مستولی ہونے کے بعد قاضی ابو محرز اور قاضی اسد دونوں اس کے پاس پہنچے، اسکی مجلس میں سلطنت کے اعیان اور فوج کے ممتاز قائدین موجود تھے، منصور نے ان کے عہدۂ قضاء کی مناسبت سے ان دونوں کے سامنے زیادۃ اللہ کے مظالم بیان کئے، اور دونوں کی رائے طلب کی، ابو محرز نے موقع و محل سے خائف ہو کر اس کے بیان کی تائید کر دی، لیکن قاضی اسد نے صاف گوئی سے کام لیا، اور نہ صرف یہ کہ منصور کے بیان کی تردید کی، بلکہ اُسے ظالم ٹھہرایا، یہ سنکر ایک فوجی افسر تلوار سونت کر اسد کے سر پر کھڑا ہوگیا، مگر معاملہ فوراً رفع دفع ہوگیا، اسکے بعد یہ دونوں لوٹ آئے، اور خائف رہے کہ پھر کوئی ناگوار صورت پیش نہ آجائے،

زیادۃ اللہ نے ۲۱۱ھ میں منصور پر غلبہ حاصل کر لیا، اور قیروان پر قابض ہوگیا، منصور کے روبرو ابو محرز اور قاضی اسد کی جو گفتگو ہوئی تھی، وہ امیر زیادۃ اللہ کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، اسی بنا پر زیادۃ اللہ نے دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد ابو محرز کو عہدۂ قضاء سے معزول کر دیا، اور قاضی اسد اپنے عہدہ پر فائز رہے، اب وہ افریقہ کے تنہا قاضی القضاۃ تھے،

افریقیہ کے اعیان و علما، قاضی اسد کے عہدۂ قضاء کا احترام اور لحاظ اوس کے شایانِ شان کرتے تھے، ایک مرتبہ قاضی اسد نے یہاں کے چند معززاہلِ علم سحنون بن سعید، عون بن یوسف اور ابن رشید کو اپنی مجلس میں طلب کیا، اور کسی مسئلہ مین اون کی رائے دریافت کی، سحنون کے ساتھیون نے جواب دینے میں بہ عجلت پیشقدمی کی، لیکن سحنون خاموش رہے، باہر نکل کر انکے ساتھیون نے امام سحنون سے وجہ پوچھی، تو اونھون نے کہا،۔

مجھے خوف ہوا کہ ہم ان کی خدمت میں اس حال میں پہنچے تھے، کہ باہم دوست تھے، اور ان کے پاس سے نکلتے، تو ایک دوسرے کے دشمن ہوتے"

پھر جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، ۲۱۲ھ مین قاضی اسد کی رائے کے مطابق صقلیہ کے دار الاسلام بنانے کا فیصلہ کیا گیا، اور وہی اس امر اہم کے سرانجام دینے کیلئے منتخب کئے گئے، اور جیسا کہ جلد اول میں بہ تفصیل گذر چکا ہے، کہ انھوں نے صقلیہ میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال کر ۲۱۳ھ میں ایک معرکہ میں جامِ شہادت نوش کیا[۱]، رحمہ اللہ تعالیٰ،

ابو یحییٰ احمد بن محمد بن قادم، ابو یحییٰ احمد بن محمد بن قادم قاضی اسد کے ہمراہ صقلیہ آئے تھے، انھون نے علوم کی تحصیل افریقیہ کے مشہور فقہاء قاضی اسد بن فرات اور یحییٰ بن سلام سے کی تھی خصوصاً اسد کے ارشد تلامذہ و اصحاب میں تھے،

اسد کے مانند فقہ مالکی و حنفی دونوں پر عبور رکھتے تھے، صاحب معالم کا بیان ہے:۔

---

[۱] قاضی اسد کے سوانح حیات کی تفصیل کیلئے دیکھو معالم الایمان جلد ۲ ص ۲ تا ۱۳ (ترجمہ اسد) و ص ۲۰ تا ۲۲، (ترجمہ ابو محرز) و دیباج المذہب ابن فرحون ص ۹۰، احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۳۰، البیان المغرب (ترجمہ اردو) ۱۲۹، ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۰، الحلۃ السیرا در اماری ص ۲۳۷، مدارک قاضی عیاض در یادگاری جلد ا ص ۲۴۲ مختصر مدارک در یادگاری جلد ا ص ۲۴۵، و التعلیق الممجد علی موطا محمد ۱۷

"مذہب اہلِ عراق (احناف) اور مذہب اہلِ مدینہ (مالکیہ) کے حافظ تھے"،

یہ صقلیہ میں قاضی اسد کیساتھ لڑائیون مین دوش بدوش شریک رہے لیکن لڑائیون کی سختیون سے گھبرا اوٹھے، اور عین ایسے موقع پر جب سرقوسہ میں سخت مقابلہ درپیش تھا، اور مسلمان محاصرہ ہونے کے باوجود مشکلات میں مبتلا ہوگئے تھے، اونھون نے افریقہ کی واپسی کا قصد کیا اور ایک جماعت کو اپنا ہمنوا بنا کر قاضی اسد کے سامنے اسلامی لشکر کو صقلیہ سے واپس لیجانے کے لئے نا ملائم اور درشت لب و لہجہ مین تحریک پیش کی، اور قریب تھا، کہ سخت فتنہ اوٹھ کھڑا ہوتا، اس موقع پر قاضی اسد نے اپنے علمی رشتہ مودت و رابطہ اتحاد کے باوجود ان کے ساتھ ایک فوجی جنرل کی حیثیت سے برتاؤ کیا اور انھیں ان کے جرم کی پاداش میں کوڑے لگانے کا حکم دیدیا، اس کیساتھ اونھون نے ان کے علمی وقار و مرتبت کا بھی لحاظ رکھا اور تصریح کردی کہ آہستہ آہستہ صرف تین چار تازیانے عبرت کے لئے لگا دئے جائیں قاضی اسد کی یہ سرزنش کام آئی، چنانچہ ابن قادم کی تحریک وہیں دب کر ختم ہوگئی،

مگر ابن قادم کی اس اتفاقی لغزش پر ان کے عام علمی وقار و منزلت کو قیاس نہ کرنا چاہئے ابوالعرب نے اس اتفاقی حادثہ کو اجمالاً بیان کرکے یہ تصریح لکھا ہی:-

"اور مین ایسے کسی شخص کو نہیں جانتا جس نے انکی کوئی برائی بیان کی ہو"،

اس کے بعد اونھون نے نہایت جوش وخروش سے لڑائیون میں شرکت کی اور اچھے کارنامے انجام دئے، چنانچہ صاحب معالم لکھتا ہے:-

"اور وہان ان کے اچھے کارنامے انجام پائے"،

صقلیہ کی فتح کے بعد وہان مقیم ہوگئے، اور علمی خدمات انجام دئے،

وفات ۲۲۰ھ میں طویل عمر پاکر صقلیہ مین وفات پائی[1]

[1] ریاض النفوس در امارئ ص ۱۰۵، طبقات ابی العرب در یادگاری جلد ۲ ص ۸۰، و ۱۰۳ و معالم الایمان،

نعمان بن یوسف غسانی، نعمان بن یوسف غسانی قیروان میں رہتے تھے، وہاں سے صقلیہ آئے، اور ایک مدت تک قیام پذیر رہے، علم فقہ میں دستگاہ رہتے تھے، اور تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ بارہ علوم میں عالم و ماہر تھے،

وفات، ٹیونس میں وفات پائی، سال وفات میں اختلاف ہے، قاضی عیاض نے ۳۱۹ھ لکھا ہے[۱]

ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد بکری صقلی، شیخ ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد بن عبد اللہ بکری صقلی (۳۸۶ھ) علم حدیث کے علاوہ علم فقہ و اصول فقہ میں تبحر رکھتے تھے، صاحب معالم کا بیان ہے:-

"حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے جامع تھے[۲]"

قاضی ابن الحصائری صقلی، قاضی ابن الحصائری صقلی جن کا تذکرہ محدثین کی جماعت میں کیا جا چکا ہے صقلیہ کے بڑے فقہاء میں سے تھے، انھیں فقہ خصوصاً علم فرائض میں ید طولی حاصل تھا، صقلیہ میں انکی مسند درس قائم تھی، ابن یونس صقلی نے جنھیں فرائض میں امام کہا جاتا ہے فرائض کی تحصیل انہی سے کی تھی، قاضی عیاض فرماتے ہیں:-

"لوگوں نے ان سے علوم حاصل کئے، اور ان کی مسند درس سے فقیہ بنکر اٹھے[۳]"

براذعی قیروانی، ابو القاسم خلف بن ابی القاسم ازدی معروف بہ براذعی[۴] صقلیہ میں سکونت اختیار کرنے والوں میں سے تھے،

براذعی افریقہ کے جلیل القدر فقیہ اور صاحب علم تھے، شیخ ابو محمد بن ابی زید متوفی ۳۸۶ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۳) جلد ۲ ص ۲، معالم کا ایک نسخہ الجزائر کے کتب خانہ میں ہے، اس میں سال وفات ۴۲۶ھ مذکور ہے، [۱] ترتیب المدارک ورقہ یادگاری جلد ۱ ص ۲۷۰، [۲] معالم الایمان جلد ۳ ص ۱۸۲ [۳] ترتیب المدارک ورقہ یادگاری جلد ۱ ص ۳۶۵ و ۳۸۲، [۴] ابن براذعی بھی کہے جاتے ہیں،

اور ابو الحسن قابسی وغیرہ کے تلامذہ میں تھے،

ہجرت افریقہ وسکونت صقلیہ: یہ دولت کلبیہ کے اوائل میں افریقہ سے ہجرت کر کے صقلیہ پہنچے، مورخین نے ان کے افریقہ ہجرت کرنے کے دو اسباب بیان کئے ہیں، بعض لوگون کا بیان ہے، کہ انھون نے ایک کتاب مختصر المدونہ لکھی تھی، اسکی تالیف سے پہلے افریقہ میں ان کے استاذ ابو محمد بن ابی زید کی مرتب کی ہوئی مختصر المدونہ مقبول تھی، مگر ان کی مختصر المدونہ کی اشاعت کے بعد اون کے استاذ کی مختصر کی جگہ حاصل کر لی، اوسکی وجہ سے ان دونون کے تعلقات خوشگوار نہین رہے، اور یہ افریقہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے،

دوسری طرف بعض دوسرے مورخین کا بیان ہے، کہ ان دنوں افریقہ میں بنو عبید (فاطمیون) کے خلاف جذبات ابھرے ہوئے تھے، اور برا ذعی ان کے نسب کی صحت کے قائل تھے، یہ علما، اور عوام کو ناگوار گذرا، اور اوسکی وجہسے وہ افریقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، یہ روایت اسلئے قرین قیاس کہی جا سکتی ہے، کہ وہ افریقہ سے صقلیہ آئے، جہان فاطمین برسر حکومت تھے،

صقلیہ مین ان کے شایان شان ان کا خیر مقدم کیا گیا، اور فرمانروائے صقلیہ نے اون کی علمی منزلت کی قدر دانی کی، اور وہ وسائل معاش سے بے فکر ہو کر علمی خدمت گذاری مین مصروف ہو گئے، انھون نے صقلیہ مین ذیل کی کتابیں لکھین،

مطول التہذیب، مختصر التہذیب، افریقہ میں اونھون نے المدونہ کا جو اختصار کتاب التہذیب فی اختصار المدونہ کے نام سے کیا تھا، اس کی مقبولیت کے بعد اونھون نے اس پر مذکورہ بالا دونون کتابیں لکھین، پہلی کتاب میں کتاب التہذیب کے مسائل ومباحث پر کچھ اضافہ کیا، اور دوسری مین کتاب التہذیب کا اختصار تیار کیا، ان دونون کتابون کے متعلق قاضی عیاض فرماتے ہین، :-

"یہ اندلس اور مغرب کے طالب علموں میں مقبول عام ہیں"

معالم میں ہے ؛۔

"ہمارے زمانہ میں یہ کتابیں تمام مشرق و مغرب میں مقبول ہیں"

براذعی کا تیسرا رسالہ کتاب الشرح والتمامات، چوتھا کتاب اختصار الواضحہ، اور پانچواں تہید مسائل المدونہ ہے، ان رسائل کا ذکر قاضی عیاض نے کیا ہے، خیال ہوتا ہے، کہ شاید تیسرا اور چوتھا رسالہ اول الذکر دونوں رسالوں کے نام ہوں،

صقلیہ میں ان کی کتابیں بہت مقبول ہوئیں، صقلی اہل علم نے ان کی کتابوں پر کتابیں لکھیں،

وفات | براذعی نے صقلیہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، اور قاضی عیاض کے بیان کے مطابق یہیں اونھوں نے وفات پائی، مگر ابن ناجی نے قاضی عیاض کے اس بیان سے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے، کہ ایک مرتبہ وہ شیخ ابوالفضل برزلی کی معیت میں شیخ ابوالحسن قابسی کی قبرستان میں فاتحہ پڑھنے گئے، ایک مقام پر دو قبریں تھیں، شیخ ابوالفضل نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے اسے براذعی کی قبر بتایا، اس پر ابن ناجی نے کہا کہ "قاضی عیاض کے انداز بیان سے تو معلوم ہوتا ہے، کہ براذعی نے بہ گمان غالب صقلیہ میں وفات پائی، شیخ ابوالفضل نے فرمایا،

"یہ بہ تحقیق معلوم نہیں، شاید وہ قیروان لوٹ آئے ہوں، اگرچہ کسی سیاحت ہی میں آئے ہوں، اور یہاں وفات پائی ہو، کیونکہ ہم مدت سے سنتے آئے ہیں، کہ ان دونوں قبروں میں سے ایک براذعی کی قبر ہے"

مورخین کو تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی،

ابن الحکار صقلی | شیخ ابوحفص عمر بن عبدالنور المعروف بابن الحکار صقلی صقلیہ کے ممتاز اہل علم میں ہیں ابن فرحون اور قاضی عیاض نے ان کے علم و فضل تحقیق، دقت نظر، طرز تحریر اور قوت تقریر

لہ معالم الایمان جلد ۳ ص ۱۰۴ تا ۱۰۹،

کی تعریف کی ہے، اور ابن قطان نے ایک قصیدہ ان کی مدح میں لکھا ہے،

تالیفات، | انشا، وادب میں مہارت حاصل تھی، چند کتابیں فقہ میں یادگار ہیں،:-

۱- شرح المدونہ، یہ المدونہ کی ایک ضخیم شرح ہے، جو تقریباً ۳۰۰ اجزا پر مشتمل ہے،

۲- انتقاد علی التونسی فی الف مسئلۃ، اسی میں شیخ ابراہیم بن حسن بن اسحاق التونسی کی شرح المدونہ پر ایک ہزار اعتراضات لکھے ہیں،

۳- مختصر کتاب التمامات شیخ براذعی کی کتاب التمامات کا اختصار کیا تھا،

زمانہ | یہ براذعی کے ہمعصر تھے،[۱]

ابوالقاسم بن الحداد صقلی، | ابوالقاسم بن الحداد ابن الحکار صقلی کے ہمعصر تھے، قاضی عیاض نے انھیں صقلیہ کے حفاظ فقہار میں شمار کیا ہے، ابن الحکار کا بڑا ادب کرتے تھے،[۲]

دور ثانی

(پانچویں صدی ہجری،)

اس دور میں ۱۶ فقہائے کے نام ملے، یہ لوگ صقلیہ میں پیدا ہوئے یہیں نشوونما پائی، اور یہیں علمی خدمات انجام دئے، ان میں سے بعض اسلامی سلطنت کے زوال پر یہاں سے ہجرت کر گئے،

ابو محمد عبد الحق سہمی صقلی، | ابو محمد عبد الحق بن محمد بن ہارون سہمی قرشی صقلیہ کے باشندے تھے، علم فقہ کی تحصیل صقلیہ و قیروان کے فقہائے سے کی،

اون کے صقلی شیوخ میں ابو بکر بن ابی العباس، فقیہ ابو بکر بن عبد الرحمن، ابو عمران فاسی، عبد اللہ ابن الجدانی متوفی ۳۸۳ھ اور ابو عبد اللہ مکی قرشی ہیں، اور شیوخ قیروان میں تونسی، سیوری، اور ابن بنت

[۱] دیباج المذہب ص ۷۰ و ترتیب المدارک در یادگاری جلد ۱ ص ۳۰۳، [۲] ترتیب المدارک در یادگاری جلد

ابن خلدون وغیرہ کے نام آتے ہیں،

علم و فضل، علم و فضل میں بڑا نام پیدا کیا، قاضی عیاض ان کی علمی فضیلت کے متعلق فرماتے ہیں،:-

"فقیہ، صاحب فہم، صالح، دیندار اور پیشوا تھے، دور دور تک ان کی شہرت پھیلی، خیر و صلاح میں مشہور تھے، اور ان کی نہایت عمدہ تالیفات ہیں"

ابن عمار الحکم کی رائے ہے،:-

"ہر علم و فن کے مشہور امام ہیں، لوگوں پر سبقت رکھتے تھے، اور اصول و فروع کے استاذ ہیں"

ابن سعدون کہتے ہیں،:-

"صلحاء و متقین میں تھے، ان میں اہل علم کی متانت، سنجیدگی، حق کی پیروی، اور انصاف پسندی تھی"

صلاح و تقویٰ میں مشہور تھے،

سفر حج اور مشرق کے اہل علم سے صحبتیں، شیخ ابو محمد عبد الحق دو مرتبہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے، پہلا سفر حج عنفوان شباب میں کیا تھا، اوس وقت تک عالم اسلامی میں انھیں کوئی خاص علمی شہرت حاصل نہیں ہوئی تھی، تاہم کہ معظمہ میں ابو محمد بن عبد الوہاب بن نصر اور ابو ذر ہروی وغیرہ اہل علم سے علمی صحبتیں رہتی تھیں،

دوسری مرتبہ کبرسنی میں ۴۵۰ھ میں حج کو تشریف لیگئے، اس زمانہ میں موصوف کے علمی و دینی خدمات کا چرچا دور دور پہنچ چکا تھا، اور مغرب و مشرق کے اہل علم کے درمیان انھیں علمی عزت و منزلت حاصل ہو چکی تھی، چنانچہ اسی سفر میں مکہ معظمہ میں مشرق کے آفتاب علم امام الحرمین ابو المعالی الجوینی استاذ امام غزالی سے ملاقات ہوئی، اور ان دونوں نے ایک دوسرے کے شایان شان ایک دوسرے کا خیر مقدم کیا، اور دونوں ایک دوسرے کے کافی ہم مذاق ثابت ہوئے، اور علمی شکوک

اور مشتبہ مسائل پر تبادلۂ خیالات کا سلسلہ جاری ہو گیا، اور پھر شیخ عبد الحق امام الحرمین کے بڑے مداحون میں ثابت ہوئے، چنانچہ وہ امام الحرمین کی علمی فضیلت کا اعتراف ان الفاظ مین فرماتے ہیں،

لولا کبر سنی ما فارقت عتبتہ منزلہ — اگر میں سن رسیدہ نہ ہوتا، تو میں اون کی ڈیوڑھی نہ چھوڑتا،

اسی طرح ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد جو قاضی عیاض کے اساتذہ میں ہین، کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حجاز میں مشرق و مغرب کے یہ دونون آفتاب ایک ہی برج میں جمع تھے، مغرب کی نماز کا وقت آیا تو شیخ عبد الحق نے امام الحرمین کی فضیلت کے اعتراف کیلئے انھیں شافعی المذہب ہونے کے باوجود امامت کے لئے آگے بڑھا دیا، اور ان کے پیچھے نماز ادا کی،

امام الحرمین سے تحریری سوال و جواب، اسکے ساتھ علمی مسائل پر تحریری سوال و جواب کی شکل میں بھی مباحث رہے، اور وہ ایک رسالہ میں جمع کر دئے گئے، قاضی عیاض لکھتے ہیں،

"بعض مسئلوں میں اُن سے بحثیں کیں، اور بعض سوالات دریافت کئے، اور ابو المعالی نے ان کے جوابات دئے، اور یہ سوال و جواب ایک رسالہ کی صورت میں مرتب ہیں، اور وہ مشہور ہے، اور اسوقت لوگوں کے ہاتھوں میں متداول ہے،

ورود مصر اور وفات، دوسرے حج کے بعد وطن آنا نصیب نہیں ہوا، کیونکہ اس زمانہ تک صقلیہ پر نارمنون کا استیلا ہو چکا تھا، اسلئے حجاز سے واپس آکر مصر میں ٹھہر گئے، اور اوس کے مختلف شہرون کی سیاحت کی، اور ۴۶۶ھ میں اسکندریہ میں وفات پائی،

تالیفات، فقہ مین اون کی چند کتابیں یادگار ہیں، ان کے طرز تحریر میں بڑی دلکشی تھی اسلئے اونکی کتابیں بہت مقبول ہوئین، کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

النکت والفروق لمسائل المدونہ، یہ کتاب المدونہ پر پہلا استدراک ہے، اور اس

ذیل میں مدونہ کے بعض مباحث کی تردید اور بعض کی ترجیح دکھائی تھی، یہ طلبہ میں بہت مقبول ہوئی، مگر یہ اوائل عمر کی تالیف تھی، آخر عمر میں بعض مسائل سے رجوع کرلیا تھا، اور اوس کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا، قاضی عیاض اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"یہ اون کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے، اور صاحب استعداد طالب علموں کے نزدیک اوس کی بڑی قدر ہے، اور کہا جاتا ہے، کہ وہ اپنی اس تالیف پر بعد میں نادم ہوئے، اور اپنے بہت سے اختیار کردہ مسائل اور توجیہات سے رجوع کرلیا تھا، اور بہت کچھ اپنے کلام پر استدراک کیا تھا، اور کہا کرتے تھے، کہ اگر میں اس کتاب کے نسخوں کو جمع کرنے اور چھپا دینے پر قادر ہوتا تو کرگذرتا"،

تھذیب المطالب اس کتاب میں کتاب النکت والفروق کے مسائل کی تصحیح کی گویا یہ مدونہ کی مستند شرح ہے، یہ فقہ مالکی میں بلند پایہ کتاب سمجھی جاتی ہے، حاجی خلیفہ نے بھی اسکا ذکر کیا ہے،

جزء فی بسط الفاظ المدونہ، اس میں المدونہ کے بعض الفاظ کی تشریح و توضیح کی گئی ہے،

استدراک علی مختصر البراذعی، براذعی کی کتاب التھذیب فی اختصار المدونہ پر استدراک ہے[1]،

---

[1] ترتیب المدارک جلد ۱ ص ۲، ۳، و دیباج المذھب در یادگاری جلد ۲ ص ۹۶، ابن فرحون نے دیباج میں اون کے حالات لفظاً لفظاً مدارک سے نقل کئے ہیں، لیکن دیباج کے مطبوعہ نسخہ میں یہ حالات ناقص ہیں، فاگنان نے کتب خانہ پیرس کے ایک قلمی نسخہ سے عبارت نقل کی ہے، وہ مدارک سے ملتی جلتی ہے،

ابن مفرج صقلی، ابو الحسن علی بن مفرج متوفی بعد ۴۰۰ھ کا تذکرہ محدثین کے زمرہ میں گذر چکا ہے، قاضی عیاض نے مدارک میں ابن مفرج الصقلی کے نام سے صقلیہ کے متقدمین فقہاء میں اون کا ذکر کیا ہے[1]،

تالیفات، پھر ان کی تالیفات کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"میں نے ان کی تعلیقات و تصنیفات کے بہت سے نام دیکھے ہیں"

تصنیفات کے نام معلوم نہ ہو سکے، لمحۃ البہجۃ العلیۃ میں برازعی کی ایک تصنیف کتاب الشرح والتمامات اون کی طرف منسوب ہو گئی ہے، قاضی عیاض نے بھی ان کے ترجمہ میں اس کتاب کا نام لیا ہے، مگر اس موقع پر نسخہ ناقص ہے، شاید انھون نے اس پر کوئی استدراک یا اوس کی شرح لکھی ہو[2]،

ابن صاحب الخمس صقلی، ابو محمد صاحب خمس صقلی جن کا تذکرہ محدثین کی جماعت میں گذر چکا ہے، اصول فقہ و فرائض میں ملکہ رکھتے، اور ان فنون کے امام سمجھے جاتے تھے، لیکن فتوی دینے سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے، یورقی لکھتا ہے :۔

"یہ متکلم اور علم اصول کے امام تھے، علم فرائض کے ماہر تھے، فتوی دینے سے پرہیز کرتے تھے"

قاضی عیاض کہتے ہیں :۔

"یہ فقیہ، متکلم، اصولی فاضل اور اپنے وطن میں مشہور تھے"[3]

---

[1] مدارک کے دو نسخے ہیں ایک میں "ابن مفرج" ہے اور دوسرے میں "ابن فردج"، دوسرا نسخہ جو اصل متن میں درج ہے اس موقع پر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ [2] ترتیب المدارک دریادگاری ج ا ص ۲۰۲ و مقالہ ہارد وتھس، قسطنطنیا در قاہرہ کے کتب خانے دریادگاری،

[3] ترتیب المدارک دریادگاری جلد ا ص ۳۰۹۔

حزقی | حزقی کا ذکر محدثین میں گذر چکا ہے، علم حدیث کے علاوہ انہیں فقہ سے بھی مناسبت تھی صقلیہ کے متقدمین فقہار کی آخری صف میں شمار کئے جاتے تھے[۱]

ابن الکونی صقلی | ابوالحسن علی بن عبداللہ الجبار معروف بابن الکونی فقہائے صقلیہ میں ہیں، قاضی عیاض نے انکا تذکرہ کیا ہے[۲]

ابوالعباس احمد بن محمد بن کلاعی | ابوالعباس احمد بن محمد بن محمد بن الکلاعی فقہائے صقلیہ میں ہیں، قاضی عیاض نے تذکرہ کیا ہے، اور محمد بن طیب قادری حسنی نے لمحۃ البھجۃ العلیۃ فی بعض النسبۃ الصقلیۃ میں بھی تفصیل سے ذکر آیا ہے،

قاضی عیاض لکھتے ہیں،،

"یہ صقلیہ کے اسی طبقہ (متقدمین) کے فضلار و بنلار میں تھے، یہ ادیب، شاعر اور بذلہ سنج تھے"[۳]

ابن القابلہ صقلی | ابن القابلہ صقلی بھی متقدمین فقہا میں تھے، قاضی عیاض نے اون کا تذکرہ کیا ہے[۴]

ابوعبداللہ بن البناء | شیخ ابوعبداللہ بن البنار رحمہ اللہ صقلیہ کے ایک عبادت گذار بزرگ تھے قاضی عیاض نے انھیں صقلیہ کے فقہار و زہاد میں شمار کیا ہے، مذہبًا مالکی تھے[۵]

ابوبکر صقلی فرضی | ابوبکر صقلی فرضی کو علم فرائض میں یدطولیٰ حاصل تھا صقلیہ کے اہل علم اون سے بہ کثرت

---

[۱] ترتیب المدارک دریا دگاری جلد ا ص ۳۰۰، [۲] ایضًا ص ۳۰۲، ترتیب المدارک کے نسخہ میں یہ نام اسی طرح ہے، لیکن اصفہانی کی خریدہ میں ایک نام "ابوالحسن بن عبدالجبار" ابن الودانی اور اون کے لڑکے ابوبکر محمد کیساتھ علی بن عبدالجبار الکونی ہے، غالبًا "کونی" اور "کوفی" کتابت کی غلطیاں ہیں، اور عبداللہ کا عبداللہ الجبار" اور "کونی" کا کوفی ہو جانا کچھ مستبعد نہیں ہے، [۳] ر ص ۳۰۴، ومقالہ بارودتھس قاہرہ اور قسطنطنیہ کے کتبخانے، [۴] ر ص ۳۰۴ [۵] ر ص ۳۰۶،

فیضیاب ہوئے، اور دوسرے اسلامی ملکون کے طلبہ ان سے درس لینے کے لئے آتے تھے، قاضی عیاض فرماتے ہیں، :-

"فقیہ فاضل اور قرآن و فرائض کے ماہر تھے، باشندگان صقلیہ اور دوسرے لوگون نے ان سے فرائض کی تعلیم حاصل کی"

مذہبًا مالکی تھے[۱]

ابو حفص عمر بن سارو الواتی | شیخ ابو حفص عمر بن سارو الواتی، کے متعلق قاضی عیاض فرماتے ہین،

"صقلیہ کے فقہا، اور یہاں کے مشاہیر میں ہیں[۲]"

ابو بکر ابن العباس | ابو بکر ابن العباس کا مستقل شغل درس و تدریس تھا، علوم کی تحصیل ابو محمد بن ابی زید سے کی تھی، اور ان کے تلامذہ میں ابو بکر بن یونس متوفی ۴۵۱ھ کا نام آتا ہے، قاضی عیاض فرماتے ہین :-

"صقلیہ کے فقیہ اور یہاں کے استاذ تھے"

مذہبًا مالکی تھے[۳]

ابو العباس احمد بن محمد الجزار صقلی | ابو العباس احمد بن محمد الجزار، شیخ عبد الحق کے ہمعصر تھے، اور انھیں فقہائے صقلیہ میں امتیاز حاصل تھا، قاضی عیاض فرماتے ہیں، :-

"یہ اپنے ملک میں مشہور اور پیشوا تھے، صقلیہ میں یہ افتا کی سرداری اور خیر و صلاح اور صیانت و دیانت کی شہرت میں یکتا تھے، فقہ و اصول کے محققین میں تھے، اور علمی برتری میں عبد الحق کے ہمسر تھے"

تلامذہ | صقلیہ کے متاخرین فقہا، شیخ ابو القاسم سرقوسی وغیرہ اون کے تلامذہ میں تھے، اور اونکے

---

[۱] ترتیب المدارک در یادگاری جلد ۱ ص ۷۰۳، [۲] ایضًا جلد ۱ ص ۷۰۲، [۳] ایضًا جلد ۱ ص ۷۰۵،

علاوہ اندلس کے ممتاز اہل علم ابوالولید الباجی، اور ابن عمار و دیگر فقہاء بھی اون کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے،[1]

سمنطاری | ابوبکر عتیق سمنطاری متوفی ۴۶۴ھ فقہ پر بھی عبور رکھتے تھے، اور فقہ میں انھوں نے کتابیں لکھی تھیں،[2]

ابو محمد بن محمد صقلی | شیخ ابوبکر محمد بن محمد بن ابی الفضل مغیث بن عبدالرحمن بن مجاہد علم حدیث کے علاوہ فقہ میں بھی درک رکھتے تھے، بلکہ مقریزی نے ان کو فقہا ہی کی صف میں شمار کیا ہے، اور "بریع فی الفقہ" کہکر توصیف کی ہے،[3]

ابن ظفر صقلی | ابن ظفر الصقلی متوفی ۵۶۵ھ کی بعض مصنفات علم فقہ میں ہیں، جنمیں سے بعض کا تذکرہ اون کی کتاب سلوان المطاع کے ضمیمہ میں آیا ہے، اور بعض کے نام مقریزی نے لکھے ہیں، یہ کتابیں فقہ مالکی میں ہیں، مثلاً

المُسنّی ای المسہل، اسکے متعلق وہ خود لکھتے ہیں، یہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے مسلک پر میری فقہ ہے، اور اوس کے مسائل دلائل کیساتھ بیان کئے گئے ہیں،[4]

ابن یونس صقلی | ابوبکر و ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ ابن یونس تمیمی علم فرائض کے امام کہے جاتے ہیں

اساتذہ | علم فقہ میں قاضی ابوالحسن ابن الحصائری صقلی عتیق بن الفرضی اور ابن ابی العباس ان کے اساتذہ ہیں،

ابن یونس نہ صرف فقہائے صقلیہ میں بلکہ فقہائے مالکیہ میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں، چنانچہ اکثر فقہی مباحث میں انکا نام آتا ہے،

---

[1] ترتیب المدارک دریادگاری جلد ا ص ۳۰۰، [2] معجم البلدان جلد ۵ ص ۱۳۲، [3] کتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۶۶۵، [4] انتخاب سلوان المطاع در اماری ص ۶۸۹،

علم و فضل، ابن فرحون ان کے علم و فضل کے متعلق کہتا ہے،:-

فقیہ امام اور علم فرائض کے ماہر تھے،

قاضی عیاض کہتے ہیں:-

"یہ فقہ اور فرائض کے عالم اور حساب دان تھے،"

فوجی خدمت، علمی خدمات کے ساتھ فوجی خدمت بھی انجام دیتے، اور لڑائیوں میں شریک رہتے تھے،

تالیفات، علم فقہ میں اون کی دو کتابیں ہیں، ایک کتاب شرح المدونہ تھی، جس میں اونھوں نے مدونہ پر بہت کچھ مفید اضافے کئے ہیں، ابن فرحون اور قاضی عیاض دونوں نے اسکی تعریف کی ہے، ابن فرحون کہتا ہے،:-

"مذاکرہ میں اس پر طلبائے علم کا اعتماد ہے"

یہ کتاب صقلیہ سے مغرب پہنچی، شیخ ابو عبد اللہ محمد بن خطاب اسکو سبتہ میں پہلی مرتبہ لائے، پھر اوس کا دوسرا نسخہ قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ تیمی نے نقل کیا، اور پھر رفتہ رفتہ افریقیہ کے عامۃ الناس میں پھیل گئی،

دوسری کتاب فرائض میں تھی،

وفات، تاریخ وفات میں اختلاف ہے بعض لوگ ۲۰ ربیع الاول ۴۵۱ھ اور بعض ربیع الآخر ۴۵۱ھ کو بتاتے ہیں، ابن فرحون نے پہلے بیان کو مرجح کہا ہے،[1]

ابو محمد عبد الجلیل بن مخلوف صقلی، شیخ عبد الجلیل بن مخلوف صقلی متوفی ۴۵۹ھ، مالکی المذہب تھے مصر میں مستقل طور پر قیام رکھتے تھے، اور یہاں کے بڑے فقہا میں سمجھے جاتے تھے، ابن میسر کا بیان ہے

[1] دیباج المذہب ص ۲۷۰، و ترتیب المدارک دریا دگاری مضامین جلد اص ۳۸۲،

"مصر میں چالیس برس تک فتوی دیتے رہے"[1]

ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفرج ذکی مازری۔ شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفرج ذکی مازری نے فقہ کی تعلیم مازر کے شیوخ و فقہار سے حاصل کی، پھر قیروان پہنچے، اور یہاں قلعہ بنی حماد میں سکونت پذیر ہوئے، اور یہاں کے مشہور فقہار ابو القاسم سیوری اور خرقی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، اور یہیں علمی زندگی اختیار کر لی،

تلامذہ۔ ان کے مغربی تلامذہ میں ابو الفضل ابن نحوی، اور قاضی ابو عبد اللہ بن داؤد کو امتیاز حاصل ہے، جنھیں مغرب کے ممتاز علمار میں شمار کیا جاتا ہے،

اساتذہ و تلامذہ کا اعتراف۔ ان کی غیر معمولی ذہانت اور قوت حافظہ کے متعلق ان کے استاد ابو القاسم سیوری کہنے لگے،

"مین نے ابن الفرج کو ان میں سب سے زیادہ حافظ پایا، جنھیں میں نے آج تک دیکھا ہے"

اس پر کسی نے کہا،:۔"آپ یہ فرماتے ہیں، حالانکہ آپ ابو بکر بن عبد الرحمن اور ابو عمران فاسی کو دیکھ چکے ہیں"؟

اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا "ہاں میں نے صحیح کہا وہ ان سب مین زیادہ حافظ ہیں، جنھیں میں نے ابتک دیکھا ہے،

اسی طرح ان کے شاگرد قاضی ابو عبد اللہ بن داؤد کسی سلسلہ میں ان کے متعلق یوں اظہار خیال کرتے ہیں؛۔

"ہمارے استاذ، ذکی، ابو عمران سے زیادہ فقیہ بلکہ ہر مالکی سے زیادہ فقہ کا علم رکھتے ہین"

---

[1] نیل الابتہاج برحاشیہ دیباج، ص ۲۴۱،

استاذ سے مخالفت | ان کی طبیعت کسی قدر اشتعال پذیر واقع ہوئی تھی، اور اس سلسلہ میں خود اپنے استاذ ابوالقاسم سیوری سے الجھ پڑے اور اپنی ذہانت و ذکاوت پر اعتماد کرکے سیوری کے فتوؤں پر قلم چلا دیا، اور ان کے مجموعہ فتاویٰ میں سے مختلف قسم کی تین غلطیاں نکال کر رکھدیں،

سیوری نے ان کے جوابات دئے، اور اون کی بتائی ہوئی غلطیوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور پھر استاذ و شاگرد کے تعلقات کی ناخوشگواری یہاں تک پہنچی، کہ سیوری نے اپنے حلقۂ اثر میں اعلان کر دیا، کہ ابن ابی الفرج سے سماعت نہ کی جائے، وہ دروغگو ہے"

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے، کہ سیوری کو کامیابی ہوئی، اور اوس سے ابن ابی الفرج کی شہرت کو صدمہ پہنچا،

مشرق کا سفر | شاید یہی سبب ہوا کہ ان کی طبیعت دیار مغرب سے اُچٹ گئی، اور مشرق کا رُخ کیا، اور عراق میں داخل ہوئے،

لیکن یہاں ابن ابی الفرج کو علمی حلقہ کی فضاء دوسری نظر آئی، وہ فقہ مالکی کے ماہر تھے، اور اوسکی یہاں مغرب جیسی قدردانی نہ تھی، یہاں اہل علم شعر و شاعری، صنائع و بدائع علوم لسانیہ کی تحقیق و تدقیق اور علم کلام کی موشگافیوں میں مصروف تھے،

اسلئے انھیں مغرب میں جو سربلندی حاصل تھی، وہ مشرق میں حاصل نہ ہو سکی، اگرچہ سلفی کے بقول وہ مغرب سے نکلنے کے پہلے "فقہ و نحو" میں امام ہو چکے تھے، تاہم یہ مشرق کے اہل علم سے تعارف کیلئے کافی نہ تھا، اسلئے انھیں یہاں پہنچکر علوم ادب و کلام وغیرہ پر کامل توجہ مبذول کرنی پڑی، طبیعت میں جودت و ذکاوت موجود تھی، اس لئے یہاں بھی بہت جلد امتیاز حاصل کر لیا، اور اونکے قیام مشرق کی ایک مستقل داستان تیار ہو گئی، لیکن اب انکی یہ علمی ترقیاں فقہ کے بجائے دوسرے علوم میں تھیں، جنکا تذکرہ حسب موقع آیندہ آئے گا،

لیکن یہاں یہ ذکر کردینا ناگزیر ہے کہ وہ اپنے مشرق کے زمانۂ قیام میں فنون ادب وغیرہ سے ایسے وابستہ ہوئے، کہ رفتہ رفتہ علوم دینیہ خصوصًا فقہ سے بیگانہ ہوگئے یہاں تک کہ تذکرہ نگاروں کو لکھنا پڑا کہ

وہاں ان کا علم حدیث ضائع ہوگیا، ہمیں اس کی روایت نہیں پہنچی، کہ کسی نے اون سے وہاں یہ علم حاصل کیا ہو،

خوش عقیدہ لوگوں نے اون کے علوم دینیہ کی مشق چھوٹ جانے کو ان کے اُستاذ ابوالقاسم سیوری کی بددعا کے اثر سے تعبیر کیا،

تالیفات۔ دیارِ مغرب کے علمی مشاغل کی یادگار ان کے دو رسالوں سے قائم رہی، ایک تو وہی رسالہ اعتراضات بر فتاویٰ سیوری ہے، اور دوسری کتاب تعلیق بر فقہ مالکی ہے، اسکے متعلق قاضی عیاض اور ابن ناجی لکھتے ہیں :۔

فقہ کے مسائل پر ایک ضخیم عمدہ کتاب لکھی، جو ایکہزار سوالوں کے جوابات ہیں ہے[1]

دورِ ثالث

(چھٹی صدی ہجری)

فقہ کے تیسرے دور کا آغاز علم حدیث کی طرح امام مازری متوفی ۵۳۶ھ ہی سے کیا جاسکتا ہے،

امام مازری۔ امام مازری کے متعلق قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ انھیں "امام" کا لقب انکے تبحر فقہ ہی کے باعث ملا تھا، ابن فرحون کہتا ہے :۔

[1] معالم الایمان جلد ۳ ص ۲۰۵، ترتیب المدارک قاضی عیاض جلد ۱ ص ۲۰۰ و بغیۃ الوعاۃ ص ۹۰،

"جو شیوخ افریقیہ فقہ کی تحقیق وتدقیق، رتبہ واجتہاد، دقت نظر اور اصول فقہ وعلوم دین کے درس میں مشہور تھے، ان کا انہی پر خاتمہ ہوا، انھوں نے ان امور میں پیشوائی حاصل کی، اور اپنے تمام ہمعصروں پر سبقت لے گئے، ان کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر مذہب مالکی میں ان سے زیادہ تفقہ رکھنے والا، اور اون سے زیادہ مذہب سے آشنا کوئی دوسرا موجود نہ تھا"

اُن کے لقب امام کے متعلق ان سے روایت ہے کہ

"ایک مرتبہ انھوں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، تو عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ اپنی رائے میں حق بجانب ہیں، جو مجھے امام کے لقب سے پکارتے ہیں" تو آپ نے فرمایا "اللہ نے تمہارے سینہ کو افتار کیلئے وسیع فرمایا ہے"

تالیفات، فقہ واصول فقہ میں ان کی ذیل کی کتابیں ہیں،

۱۔ شرح کتاب التلقین، یہ قاضی ابو محمد عبدالوہاب بن علی بغدادی مالکی متوفی ۴۲۲ھ کی کتاب التلقین کی شرح ہے، ابن فرحون کہتا ہے:۔

"اس کتاب کے مثل مالکیوں کے پاس کوئی دوسری کتاب نہیں"،

ابن فرحون کے بیان کے مطابق یہ کتاب پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی،

۲۔ ایضاح المحصول من برہان الاصول، یہ امام الحرمین ابوالمعالی جوینی متوفی ۴۷۸ھ کی مشہور کتاب البرہان فی اصول الفقہ کی بسوط شرح ہے، اور بعض مسائل میں امام الحرمین کے نقد بر فقہ مالکی کا جواب نقد ہے،

امام الحرمین کی یہ کتاب اُس عہد کی اہم تالیفات میں سمجھی جاتی ہے، موصوف نے اُسے فقہی مذاہب کے جماعتی اختلافات سے بلند نظر رہ کر تالیف کیا تھا، چنانچہ اسی لئے اسمیں امام مالک اور

امام اشعری پر بعض جگہ نکتہ چینیان کی ہیں، اور علامہ سبکی نے اس کتاب کو "مفتوزات شافعیہ" میں شمار کیا ہے، اسلئے قدرۃً دوسرے حلقون میں یہ کتاب دوسری نظر سے دیکھی گئی، خصوصًا مالکیون نے اس پر توجہ مبذول کی،

چنانچہ اشعری ہونے کی حیثیت سے ابو المظفر ابن سمعانی شافعی نے اس پر قلم اوٹھایا، اور کتاب القواطع میں اس کتاب کے بعض امور کی تنقید اور تردید کی، مالکیون کی ترجمانی ہمارے امام مازری نے فرمائی، اور اوس کی شرح لکھنے کیساتھ بعض مسائل میں امام الحرمین پر سخت نکتہ چینی فرمائی، اور ان کے اعتراضات رد کرکے مالکیون اور اشعریون کے مسلک کے اثبات کی کوشش کی، لیکن وہ اس کتاب کو مکمل نہ کرسکے تھے، ان کے بعد ابو الحسن انباری نے اس کا جواب لکھا، اور پھر ابو یحییٰ مالکی مغربی نے مازری اور انباری دونون کی کتابیں جمع کرکے ایک مستقل تالیف تیار کی،

امام مازری کی یہ تالیف شوافع کے حلقہ میں پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھی گئی، چنانچہ علامہ سبکی صاحب طبقات الشافعیہ نے ایضاح البرہان کو فرقہ وارانہ رنگ میں پیش کیا ہے، اور اس کے جواب میں صفحون کے صفحے رنگے ہیں، لیکن اون کا تعلق علم کلام کے مسائل سے ہے، اسلئے وہیں پر یہ تذکرہ آئے گا،

ایضاح کا کوئی نسخہ ابھی تک دریافت نہیں ہوسکا ہے،

۳- مجموعہ فتاوی، مقریؒ نے اپنی کتاب ازہار الریاض میں ان کے فتاوی کے ایک مجموعہ کا تذکرہ بھی کیا ہے، فاگنان نے اپنے مقالہ کے اقتباس نمبر ۱ کی تعلیق مین اس کا ذکر کیا ہے،

۴- تعلیقات بر مدونہ، اس کا تذکرہ بھی ازہار الریاض میں آیا ہے، اور فاگنان

نے حوالہ دیا ہے[۱]

ابوبکر محمد بن حسن ربعی، | شیخ ابوبکر محمد بن حسن بن علی ربعی فقیہ جرجنت کے باشندے تھے، علم فقہ کی تحصیل صقلیہ میں کی، پھر تکمیل کے لئے افریقہ گئے، اور وہاں سے اسکندریہ پہنچے، اور وہیں مقیم ہوگئے، مالکی المذہب تھے،

مقریزی نے ان کے علم وفضل کی تعریف کی ہے،

وفات | ۵۳۷ھ میں وفات پائی،[۲]

ابوعمر عثمان بن حجاج شاقی، | شیخ ابوعمر عثمان بن حجاج شاقی صقلیہ کے شہر شاقہ کی طرف انتساب رکھتے ہیں، اسکندریہ میں آکر مقیم ہوگئے تھے، سن رسیدہ ہونے کے بعد انھیں فقہ کی تحصیل کا شوق ہوا، اور اسمیں کمال پیدا کیا، اور اسکندریہ کے ذی علم لوگوں میں شمار کئے گئے،

تالیفات | یاقوت کا بیان ہے کہ فقہ میں بہ کثرت کتابیں انکے قلم سے نکلیں، جب حافظ سلفی مصر آئے، تو انکی خدمت میں بھی حاضر ہوئے، اور ان سے انکی کتابیں نقل کیں،

وفات | ماہ محرم ۵۴۴ھ میں وفات پائی،[۳]

احمد بن قاسم بن زید شکلی، | احمد بن قاسم بن زید شکلی صقلیہ کے شہر شکلہ کی طرف منسوب ہیں، صقلیہ سے مصر آئے، اور فضل وکمال اور دینداری میں شہرت حاصل کی، اور افضل بن امیر الجیوش کے عہد میں مصر کے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے، حکومت کے طرف سے عماد الاحکام کا خطاب عطا ہوا،

---

[۱] دیباج المذہب ابن فرحون ص ۲۰۰، طبقات الشافعیہ جلد ۳ ص ۲۶۴ (ترجمہ امام الحرمین) مقالہ شمالی افریقہ اور صقلیہ پر چند کتابیں ایڈمنڈ فاگنان پروفیسر الجزائر در یادگاری جلد ۲ ص ۴۴، [۲] کتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۶۶۴، [۳] معجم البلدان جلد ۵ ۲۱۶،

نعمہ بن بشیر کے زمانہ تک اس عہدہ پر مامور رہے۔[1]

ابو محمد بن صمنۃ صقلی۔ ابو محمد بن صمنۃ صقلی فقہ میں مہارت رکھتے تھے، اور فقیہ کہلاتے تھے، بہت خوش گفتار، حاضر جواب اور بذلہ سنج تھے، اور شعر و شاعری کا ذوق بھی اچھا تھا،

چند دیگر شاعر فقہا۔ اسی طرح صقلیہ کے فقہاء کی ایک طویل فہرست ایسی بھی ہے، جن کے تذکرے ہم تک شعراء و ادباء و نحاۃ کی حیثیت سے پہنچے ہیں، لیکن ان کے علم فقہ میں مہارت رکھنے کی وجہ سے فقیہ کا لقب ان کے نام کے ساتھ نظر آتا ہے، مثلاً فقیہ ابو موسیٰ عیسیٰ بن عبد المنعم صقلی امیر ابو محمد عمار بن منصور کلبی، فقیہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن ابی بکر سرقوسی فقیہ ابو حفص عمر بن فلفول، فقیہ ابو بکر ابن ابی العباس صقلی، اور فقیہ حسن بن یحییٰ صقلی وغیرہ،[2]

---

[1] رفع الاصر عن قضاۃ مصر ابن حجر عسقلانی، در یادگاری جلد ۲ ص ۱۰۰، ابن حجر نے اس کے علاوہ محمد بن احمد بن قاسم الشکلی کا ترجمہ جداگانہ درج کیا ہے، لیکن فاگنان محمد کو احمد بن قاسم کا لڑکا تسلیم نہیں کرتا، وہ اماری کے بعض پیش کردہ حوالوں سے القاب و عہدہ کے اتحاد کی بنا پر محمد اور احمد دونوں کو ایک شخصیت قرار دیتا ہے،

لیکن مجھے اخبار مصر ابن میسر اور حسن المحاضرہ سیوطی میں محمد بن احمد بن قاسم کے بجائے محمد بن قاسم بن زید کا نام ملا ہے، اس طرح احمد و محمد بھائی قرار پاتے ہیں، ابن میسر نے حسب ذیل تذکرہ کیا ہے،

"ابو عبد اللہ محمد بن قاسم بن زید صقلی، خلیفہ الآمر ابو علی المنصور بن المستعلی کے عہد ۵۲۲ھ میں مصر کے عہدۂ قضاء پر مامور تھے، اور اپنی وفات تک یہ خدمت انجام دیتے رہے" اور سیوطی نے لکھا ہے کہ انہیں رشید نے ابو الفضل نعمہ بن بشیر نابلسی معروف بہ جلیس کے عہدۂ قضاء سے مستعفی ہونے کے بعد ۵۲۸ھ میں مامور کیا، اور ان کی وفات کے بعد جلیس دوبارہ اس عہدہ پر مامور کئے گئے"۔ (اخبار مصر ابن میسر جلد ۲ ص ۷۴، و حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۹۲)

[2] خریدۃ القصر و جریدۃ العصر، معالم الایمان جلد ۳ ص ۱۴۱، معجم البلدان ذکر مینا ؤ و جلولا،

دورِ رابع

(ساتوین آٹھوین صدی ہجری)

فقہائے صقلیہ کا ایک چوتھا دور بھی قائم کیا جاسکتا ہے، یہ وہ فقہا رہیں، جو ساتوین آٹھوین صدی ہجری مین صقلیہ کی طرف منسوب ہین،

ان مین سے اگرچہ بعضون نے تو شاید صقلیہ کی سرزمین پر کبھی قدم بھی نہ رکھا ہو، لیکن جب اونھون نے اپنے خاندان کے اجڑے وطن سے اپنا انتساب قائم رکھکر اس کی یاد تازہ رکھی، تو ان کے اس اجڑے وطن کی سرگذشت مین انھیں کیون نہ یاد کرلیا جائے، ذیل مین چند فقہا کے نام درج ہین،

فخرالدین محمد بن محمد صقلی، شیخ ابو عبداللہ فخرالدین محمد بن محمد صقلی شافعی المذہب تھے، علم فقہ کی تحصیل شیخ قطب الدین سنباطی سے کی تھی، زہد و ورع اور صلاح و تقوی مین مشہور تھے،

دمیاط (مصر) کے عہدۂ قضا پر مامور تھے، اور کچھ دنون مصر کے قائم مقام والی بھی رہے،

تالیف فقہ شافعی مین تاج الدین ابوالقاسم عبدالرحیم بن محمد المعروف بابن یونس موصلی متوفی ۶۷۱ھ کی ایک مشہور کتاب التعجیز فی مختصر الوجیز ہے، شیخ فخرالدین صقلی نے اس کے نقد و استدراک مین التنجیز فی تصحیح التعجیز لکھی جسمین ائمہ کے اختلافات کے اجتہادی اصول کی تشریح اور بعض مسائل کی توضیح کی ہے،

وفات انھون نے ۱۵ اور بہ روایت ۱۰ ذی القعدہ ۷۲۰ھ کو مصر مین وفات پائی،[۱]

ابن ہجری صقلی، ابو زید عبدالرحمن بن علی بن محمد قرشی معروف بابن الہجری کا قیام بجایہ مین تھا،

---

[۱] طبقات الشافعیہ سبکی، جلد ۶ ص ۳۱ و کتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۶۵۵ و حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۱۸۱،

تعلیمی سلسلہ افریقہ مین تمام کیا، ابوزید عبد الرحمن بن اسمٰعیل بن حداد تونسی ان کے اساتذہ مین ہین، علم فقہ مین عبور حاصل کیا، اور نحو و لغت میں بھی استاذ مانے گئے،

بجایہ میں اون کی مسند درس بچھی ہوئی تھی، لوگون سے بہت کم ملتے جلتے، علمی خدمت مین مصروف رہتے تھے،

اُن کے تلامذہ میں ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم وغلیسی ہیں، جو اپنے وقت میں علم فقہ کے مرجع خلائق بنے،

سال وفات معلوم نہین، زمانہ ساتویں صدی ہجری تھا،[1]

احمد بن عبد اللہ و حسن بن صدقہ فقیہ احمد بن عبد اللہ بن شعیب تمیمی صقلی متوفی ۶۶۴ھ اور فقیہ حسن بن ابو عبد اللہ بن صدقہ شکلی متوفی ۶۶۹ھ اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں،[2]

ابن حیون شکلی صقلی الحاج الخطیب ابو عبد اللہ محمد بن علی بن محمد بن حسن بن حیون شکلی صقلی فقیہ مراکش کی مشیخت اسلام کے عہدہ پر فائز تھے،

ابن حیون شکلی وہ آخری فقیہ ہیں، جنھون نے اپنے انتساب سے صقلیہ کے اسلامی علم و فن کی یاد تازہ رکھی، اور عجب کیا کہ انہی پر صقلیہ کے انتساب کا خاتمہ ہوا ہو، ۷۰۶ھ مین وفات پائی،[3]

علم کلام و مناظرہ

کلام و عقائد میں صقلیہ کے اہل علم اسلف صالحین کے متبع اور مسلکاً اشعری تھے، کیونکہ ایک

---

[1] عنوان الدرایہ فیمن عرف من العلماء فی المائۃ السابعۃ ببجایہ ص ۱۳۱، ۱۶۹، [2] النجوم الظاہرہ دریادگاری جلد ۱ ص ۵۲۰، [3] مقالہ فاگنان در یادگاری مضامین جلد ۲ ص ۱۰۰:

طرف مالکیون کے متعلق معلوم ہے، کہ ان کا اشعری ہونا ضروری ہے، پھر صقلیہ کے احناف بھی قاضی اسد کے فیض صحبت سے سلف صالحین کا اتباع کرتے تھے، چنانچہ صقلیہ کے جن اہل علم نے علم کلام میں کتابیں لکھیں، وہ سب اشعری مذہب ہی پر ہیں،

صقلیہ میں علم کلام کا آغاز بھی قاضی اسد بن فرات ہی سے ہوتا ہے،

قاضی اسد بن فرات، قاضی اسد کا زمانہ عقاید وایمانیات کے مباحث و مسائل کے لحاظ سے بہت پر آشوب تھا، اُسی زمانہ میں علم کلام کے بانی ابوالہذیل علاف (۱۳۱ھ۔۲۳۵ھ) نے اپنی ہنگامہ خیز تحریرون سے علما ومحدثین کے طبقون میں ہیجان برپا کیا، اور کلام وعقائد کے بعض اہم مسائل، مثلاً خلق قرآن اور رویت باری، وغیرہ ایسے پیدا ہوئے، کہ اونکی وجہ سے اہل علم دو بڑے گروہون میں تقسیم ہوگئے، ایک طرف فقہا ومحدثین تھے، جو سلف صالحین کے متبع تھے، دوسری طرف متکلمین کی جماعت بن گئی، جو نئے خیالات کی حامل تھی، اور اس زمانہ مین ہر صاحب علم پر مستفسرانہ نگاہیں اٹھتی تھیں، کہ وہ کس جماعت سے تعلق رکھتا ہے،

قاضی اسد کے فقہی مسائل میں ایک حد تک مجتہدانہ مسلک رکھنے کی وجہ سے ان کے متعلق یہ افواہیں بھی پھیلیں کہ اونھون نے عقائد و کلام مین بھی سلف صالحین کے مسلک سے تجاوز کیا، لیکن مستند مورخین اور اہل علم قاضی عیاض، ابن فرحون، اور ابن ناجی وغیرہ نے اسکی تردید کی اور ان بدعات سے انکا دامن پاک دکھایا ہے، قاضی عیاض لکھتے ہیں،

اسد ثقہ تھے، انکے عقائد مبتدعانہ نہ تھے،

مسئلہ خلق قرآن، قاضی اسد پر ایک الزام یہ تھا، کہ وہ محدثین کے مسلک کے خلاف قرآن کو مخلوق کہتے ہین، لیکن اسکی تردید میں امام سحنون نے ان کی طرف سے صفائی دی ہے، چنانچہ بکر بن حماد نے سحنون سے پوچھا، کہ لوگ کہتے ہیں کہ اسد خلق قرآن کے قائل تھے،؟ تو وہ بولے بخدا انھون نے یہ

کبھی نہیں کہا کہ اگر وہ کہتے بھی تو ہم لوگ اسکے قائل نہ ہوتے"

اسی طرح جعفر القصری کہتے ہیں کہ

"وہ قرآن کو خدا کا کلام کہتے تھے، مخلوق نہیں کہتے تھے، بلکہ وہ مخلوق کہنے والے کو مبتدع کہتے تھے"

پھر قاضی عیاض نے ابوسلیمان داؤد بن یحییٰ کی ایک روایت بیان کی ہے، کہ وہ اسد کے درس میں شریک تھے، اون کے سامنے کوئی تفسیر رکھی تھی، اثنائے درس میں انھوں نے یہ آیت تلاوت کی،

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي (طٰہٰ۔ ع۔۱) | ترجمہ: جو کچھ وحی کیجاتی ہے اسے غور سے سنو کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس

پھر کہا:۔

"ہلاکت ہو اہل بدعت کی، وہ کیا ہی ہلاک ہوئے، وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے کلام کو پیدا کیا، اور وہ "کلام مخلوق" کہتا ہے، کہ "میں اللہ ہون میرے سوا کوئی معبود نہیں"

رویت باری رویت باری کا مسئلہ بھی اس زمانہ کے اہم مسائل میں ہے، اس میں بھی وہ سلف صالحین کے متبع تھے، بلکہ اس سلسلہ میں ان کے درس میں ایک ناگوار واقعہ بھی پیش آگیا تھا،

یحییٰ بن محمد بن یحییٰ بن سلام کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ اسد درس میں مصروف تھے، اثنائے درس میں رویت باری سے متعلق ایک حدیث آئی، تلامذہ کی صف مین سلیمان الفراء جس نے بعد مین "سلیمان المعتزلی" کے نام سے شہرت حاصل کی، مجلس کے اخیر مین بیٹھا تھا، وہ اس وقت تک مبتدعین کے عقائد سے کچھ متاثر ہو چکا تھا، اس نے اس حدیث پر کوئی اعتراض کیا، پھر عقیدۂ رویت باری سے

مجلس میں علانیہ انکار کر بیٹھا، یہ سنکر قاضی اسد سخت برہم ہوے اور غیظ و غضب مین اوٹھکر سلیمان کی داڑھی اور گردن پکڑلی، اور بے تحاشا مارتے مارتے لہو لہان کر دیا، اس کے بعد اپنے حلقۂ درس سے نکال دیا،[1]

سلیمان الفرا، المعتزلی اسی بناپر اسد کا مخالف تھا، اور اونھیں نا ملائم کلمات سے یاد کیا کرتا تھا،[2]

صقلیہ کے اہل علم میں جو لوگ علم کلام میں تبحر رکھتے تھے، اور جن میں سے بعض کی اس فن میں کتابیں ہیں، وہ بہ ترتیب زمانہ حسب ذیل ہیں،

ابن الحکار صقلی، ابن الحکار صقلی قوت تحقیق اور نقد و نظر میں ملکہ رکھتے تھے، علم کلام و فن مناظرہ پر کامل عبور تھا، ابن فرحون نے ستایش کی ہے،

ابو عبد اللہ بن خطاب کہتے ہیں:۔

"میں ایک مرتبہ ان کی مجلس میں شریک تھا، وہ برازعی سے مناظرہ کر رہے تھے، اُس وقت وہ جو تقریر کر رہے تھے، اس سے زیادہ ادق اور مشکل تقریر میں نے آج تک نہیں سُنی تھی"[3]

ابو محمد عبد الحق بن محمد سہمی، ابو محمد عبد الحق بن محمد بن ہارون سہمی متوفی ۴۶۶ھ کو علم کلام میں بھی درک تھا، اسلامی عقائد کے بیان مین اونھوں نے ایک رسالہ لکھا ہے،[4]

ابن ظفر صقلی ابن ظفر صقلی کی تصنیفات مین سے کتاب التنجیز (کتاب المقفی میں کتاب التنجیر کے نام سے ہے،) کتاب المعاودات، کتاب الجنہ فی اعتقاد اہل السنہ اور کتاب معاتبۃ الجری علی معاقبۃ البری فی اعتقاد ابی حنیفۃ والاشعری، یہ رسالے علم کلام مین ہین[5]

---

[1] دیباج المذہب و ترتیب المدارک دریا دگاری جلد ۱ ف ۵۰ [2] ترتیب المدارک دریا دگاری جلد ۱ ف ۳۲ [3] ۲۳۲ [4] ۲۲۶ [5] اس نام کی ایک مختصر اور ایک مطول دو کتابیں لکھین [6] اقتباس سلوان المطاع در اماری ص ۴۸۲ و کتاب المقفی در اماری ص ۶۶۶،

محمد بن سابق صقلی | ابوبکر محمد بن سابق صقلی متوفی ۴۴۳ھ کو ابن بشکوال نے اہلِ کلام میں شمار کیا ہے[1]

ابن صاحب الخمس | ابن صاحب الخمس بھی علم اصول و کلام میں امام سمجھے جاتے تھے[2]

ابن ابی الفرج الذکی صقلی | ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفرج بن فرج بن ابی القاسم مالکی کتانی صقلی معروف بالذکی کا تذکرہ علم فقہ میں گذر چکا ہے، وہ جب مشرق پہنچے، تو علوم لسانیہ میں تبحر حاصل کرنے کے علاوہ علم کلام و مناظرہ میں بھی نمایاں مشق بہم پہنچائی،

اسوقت بغداد میں ملک شاہ (سال جلوس ۴۶۵ھ وفات ۴۸۵ھ) موجود تھا، اس کی علم دوستی شہرت دوام رکھتی ہے، ابن ابی الفرج اس دربار سے وابستہ ہوگئے، اور وہ بغداد سے اپنی واپسی کے موقع پر انھیں اپنے ساتھ اصفہان لیتا گیا،

امام غزالی سے مناظرہ | ابن ابی الفرج کی طبیعت کسی قدر تیز اور مناظرہ پسند تھی، ملک شاہ کے دربار میں امام غزالی سے علما کا جو مشہور مناظرہ ہوا تھا، اس مین معترضین کی صف میں یہ بھی تھے، قاضی عیاض لکھتے ہیں،

"یہان امام غزالی سے مناظرے ہوئے، اور یہ یہان پر ان کے معترضین مین سے ایک تھے لیکن امام غزالی محفوظ رہے"

سیاحت و ورود ہند | پھر مشرق کی سیاحت کے لئے نکلے خراسان و غزنی پہنچے، اور اس کے بعد اسی صقلی اہل علم کے متعلق بہ تعیین معلوم ہے، کہ اس نے سرزمین ہند کو بھی اپنے ورود سے مشرف کیا،

مناظرے | ان سفرون مین جہان جہان گئے، علماء سے مناظرے کرتے رہے، ان مناظرون مین بھی کبھی حدود سے تجاوز کر جاتے، سیوطی لکھتا ہے

"اور ائمہ کی جماعت سے مناظرے ہوئے، اور ان پر طعن و طنز کئے، اور ان کی شان مین ان کے مرتبون

---

[1] کتاب الصلہ لابن بشکوال در اماری ص ۹، [2] ترکیب المدارک میاد گاری ج ۱ ص ۹،

سے فروتر کلمات استعمال کئے"،

اسی سلسلہ مین سیوطی نے ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے، یہ ایک مرتبہ محمد بن منصور سمعانی کے درس میں شریک ہوئے، وہ اپنے تلامذہ کو املا کرارہے تھے، کسی بات پر ابن ابی الفرج نے اعتراض کیا، سمعانی نے تلامذہ سے کہا:۔

"جو کچھ آپ فرماتے ہیں اسے لکھ لو، آپ اس سے زیادہ واقف ہیں"،

تلامذہ نے تصحیح کرلی تو تھوڑی دیر کے بعد انھون نے پھر کہا:۔

"سیدی! مجھ سے غلطی ہوئی، صحیح وہی ہے، جو آپ نے املا کرایا تھا"

سمعانی نے دوبارہ تصحیح کرادی، اس کے بعد جب ابن ابی الفرج مجلس سے رخصت ہوئے تو سمعانی نے کہا:۔

"یہ حضرت مغربی سمجھتے تھے، کہ میں بھی ان سے دوسرون کی طرح الجھ پڑون گا، اور میرے ساتھ بھی ایسی تیز زبانی سے پیش آئین گے، جیسے دوسرون کے ساتھ کرتے رہے ہیں اسلئے میں خاموش ہوگیا، بالآخر وہ خود رجوع کرنے پر مجبور ہوئے"،

وفات | ۵۱۲ھ مین اصفہان میں وفات پائی،[1]

محمد بن مسلم مازری، | محمد بن مسلم مازری متوفی ۵۳۰ھ کو سلفی نے قدمائے متکلمین میں شمار کیا ہے اگرچہ ان کا خاص فن علم حدیث تھا، مگر پھر علم کلام کی طرف مائل ہوگئے تھے، اور اس میں متعدد بلندپایہ کتابین لکھی تھین، قاضی عیاض ان کے ہمعصر تھے، اور ان سے ان کی کتابون کی اجازت لی تھی، وہ کتاب الغنیہ میں انکے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ان پر علم کلام وتحقیق کا غلبہ ہوگیا تھا، اور اس میں اسقدر مہارت حاصل کی تھی، کہ اپنے

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۹۰، بغیۃ کے پیرس کے ایک نسخہ مین سال وفات ۵۱۶ھ ہے،

معاصرین پر تفوق لے گئے تھے، اور اس میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی تھیں...... لوگ
دور دور سے ان سے علم کلام کے استفادہ کے لئے آتے تھے،...... مصر میں اپنی تصنیفات کی
سند و اجازت مجھے بھیجی تھی،"

مذہبًا اشعری تھے، ساری عمر اس مذہب کی حمایت میں گذاری، اور مختلف فرقون سے مناظرے
کرتے رہے،

ان کی تصنیفات میں سے کتاب البیان لشرح البرہان (انھون نے بھی امام الحرمین کی البرہان
کی شرح لکھی تھی)، کتاب تائید التمہید و تعقید التجرید اور کتاب المہاد فی شرح الارشاد (کتاب الارشاد
فی الکلام بھی امام الحرمین کی تصنیف ہے،) کے نام معلوم ہین، قاضی عیاض وغیرہ نے تذکرہ کیا ہے،[1]

امام مازری، امام مازری متوفی ۵۳۶ھ بھی مذہبًا اشعری تھے، اور اس سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ
کرتے تھے،

امام مازری اور امام الحرمین یہی وجہ ہے، کہ انھون نے اپنی تصنیف ایضاح البرہان فی اصول الفقہ
مین امام الحرمین پر ایسے موقعون پر شدید نکتہ چینی کی ہے، جہان اشاعرہ کے عمومی مسلک سے انحراف
نظر آیا ہے، ان دونون کے اختلافی مسائل میں سے مسئلہ استرسال کی شہرت اہل علم مین زیادہ ہے،
اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے، کہ امام مازری نے کتاب البرہان کی کسی عبارت سے یہ اخذ کیا کہ
امام الحرمین ذات باری تعالیٰ کے علم کے احاطہ میں صرف کلیات کو داخل سمجھتے ہیں، اور اس سے باری تعالیٰ
کے عالم بالجزئیات ہونیکی نفی لازم آتی ہے،

حقیقت یہ ہو کہ باری تعالیٰ کے احاطۂ علم کے بارے میں فلاسفہ دو گروہون میں تقسیم ہوگئے ہیں ایک
جماعت باری تعالیٰ کے احاطۂ علم کے اشیاء و معلومات کا انکار کرتے کرتے اس حد تک جا پہنچی کہ نعوذ باللہ

[1] نیل الابتہاج بتطریز الدیباج، ص ۲۲۰، (برحاشیہ دیباج) و کتاب المقفی مقریزی در امازری ص ۲۶۵،

باری تعالیٰ خود اپنے وجود کا علم رکھنے سے قاصر ہو جاتا ہے، لیکن دوسری طرف فلاسفہ کا ایک بڑا گروہ باری تعالیٰ کے احاطۂ علم میں سے صرف اشیائے غیر متناہی کو خارج تصور کرتا ہے، فلاسفہ کا یہی مسلک متکلمین اسلام کے زیر بحث آیا، اور علم کلام مین اُسے خاص اہمیت حاصل ہو گئی[1] چنانچہ جب امام الحرمین نے بھی اس مسلک پر کتاب البرہان مین بحث کی ہے، اور وہ عقل و نقل کی میزان سامنے رکھکر جو کچھ کہہ سکتے تھے، اس کا حاصل کلام یہ ہے، :-

وبالجملۃ علم اللہ تعالیٰ اذا تعلق	حاصل کلام خداوند تعالیٰ کا علم جب غیر متناہی
بجواھر لانھایۃ لھا فمعنی تعلقہ	حقائق کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، تو اُس کے
بھا استرسالہ علیھا من غیر	متعلق ہونے کے معنی یہ ہوتے ہیں، کہ وہ کلیۃً
تعرض تفصیل الاحاد مع نفی	وعموماً اون کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، افراد
النھایۃ فان ما یحیل دخول	کی تفصیل کے ساتھ اوس کو کوئی غرض
ما لا یتناھی فی الوجود یحیل	نہیں ہوتی، البتہ وہ انتہا، کی نفی کرتا ہے؛
وقوع تقدیرات غیر متناھیۃ	کیونکہ جس اصول سے غیر متناہی جز کا عالم
فی العلم[2]	وجود میں آنا محال ہے، اوسی حیثیت سے

مراد یعنی غیر متناہی تغیرات کا علم ہوگا

علامہ سبکی کے بیان کے مطابق البرہان کی اسی عبارت پر امام مازری نے ایضاح میں سخت گرفت کی ہے، لیکن علامہ سبکی نے امام مازری کی نکتہ چینی کے حدود و اسباب، اور اون کے قائم کردہ دلائل پیش نہیں کئے، جن سے ان کے دلائل و افکار کا صحیح اندازہ ہوتا، بلکہ انھون نے ایضاح سے محض چند ایسے اقتباسات درج کئے ہیں، جنمین تیز لب ولہجہ مین امام الحرمین پر تنقید کی گئی ہے، اور اوس کے بعد امام الحرمین کی مختلف کتابون سے ایسے اقتباسات پیش کئے ہیں، جن سے باری تعالیٰ کے علم قدیم کا ثبوت ملتا ہے

---

[1] شرح مواقف جلد ۸ ص ۷۰، [2] طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۲۶۲،

کے متعلق امام الحرمین کے عقیدہ کا ثبوت ملتا ہے، اور پھر البرہان کی مذکورۂ بالا عبارت کی تشریح کر کے دکھایا ہے، کہ امام مازری، امام الحرمین کی عبارت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتے، ورنہ ان کی عام کتابون مین علم باری کے متعلق جو خیالات ہیں، وہ خود اسکی تردید کرتے ہین، چنانچہ اسی سلسلہ مین کتاب الشامل سے جو اقتباسات پیش کئے ہیں، ان کا لب لباب یہ ہے،

.... علم واحد قدیم متعلق بجمیع المعلومات .... هی الدلالة القاطعة علی وجوب کون الله سبحانه عالمًا بکل المعلوم	.... یعنی واحد قدیم کا علم تمام معلومات سے متعلق ہے، ...... اور یہ (سب دلائل) اللہ تعالی کے تمام معلوم کے عالم ہونے پر پوری طرح دلالت کرتے ہین،

پھر امام الحرمین کی ایک دوسری کتاب ارشاد اور پھر اسی البرہان سے چند اقتباسات درج کئے ہین، جنکا خلاصہ علامہ سبکی کے الفاظ مین یہ نکلتا ہے، کہ

صرح بان الله یعلم علی سبیل التفصیل کل شی،	یہ تصریح کی ہو کہ اللہ بہ سبیل تفصیل تمام چیزون کو جانتا ہے،

اسکے بعد علامہ سبکی انہی اقتباسات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں، :-

اذا عرفت ذالك فاناعلی قطع بانه معترف باحاطة العلم بالجزئیات	اور جب معلوم ہو گیا، تو یہ قطعی ہے، کہ وہ احاطہ علم بالجزئیات کے معترف ہین،

لیکن اگر دقت نظر سے دیکھا جائے، تو امام الحرمین کی کتابون کے یہ اقتباسات امام مازری کے اعتراض سے تعرض نہیں کرتے، کیونکہ امام الحرمین کی ان عبارتون سے یہ مستفاد ہوتا ہے، کہ علم باری ہر معلوم پر حاوی ہے، اور پھر وہ تمام چیزین بہ سبیل تفصیل کلیۃً وعمومًا اسکے احاطۂ علم میں ہین، لیکن یہان سوال "علوم معلومات" اور "علم عمومی" کا نہیں، بلکہ اسکے احاطۂ علم مین غیر متناہی امور کا

جزئیتہ آنا ہے، جس میں غیر متناہی امور کے جزئیات کی تفصیل بھی شامل ہو، اور امام الحرمین نے البرہان میں من غیر تعرض لتفصیل الاحاد مع نفی الانتہاء کہکر اسی سے انکار کیا ہے، اور امام مازری نے اسی بنا پر علم باری بالجزئیات" کے عقیدہ سے انکار کرنے کا الزام لگایا ہے، ورنہ علم کلی کا اقرار تو البرہان کی خود اسی عبارت میں موجود ہے،

علاوہ ازیں اس موقع پر یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے، کہ امام الحرمین ان تمام عبارتوں میں علم باری کو شئی معلوم" سے وابستہ فرماتے ہیں، اور علامہ سبکی اسی "شئی معلوم" میں غیر متناہی حقائق کو داخل کرکے علم بالجزئیات ثابت کرنا چاہتے ہیں، لیکن اسکی کیا تاویل ہوگی، کہ امام الحرمین البرہان کی اوس عبارت میں "غیر متناہی حقائق" کو نفس احاطہ علم سے صریحا خارج فرما چکے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:-

فان ما یحیل دخول مالا یتناھی	کیونکہ جس اصول سے غیر متناہی خبر کا عالم
فی الوجود یحیل وقوع تقدیرات	وجود میں آنا محال ہے، اوسی حیثیت سے
غیر متناھیۃ فی العلم،	علم میں بھی غیر متناہی کا ثبوت محال ہے،

اسلئے درحقیقت امام الحرمین کے اس ارشاد کے مطابق غیر متناہی حقائق شئی معلوم میں داخل ہی نہیں ہیں، پھر باری تعالی کے علم بالمعلومات سے اوسکے غیر متناہی حقائق کا جزئیتہ علم کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہے،

اس کے بعد علامہ سبکی نے امام الحرمین کی اس عبارت کی عمومی حیثیت سے جو کچھ تاویل کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام الحرمین غیر متناہی حقائق کے جزئیات کے علم سے انکار نہیں فرماتے، بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ جو اشیا جس طور سے اپنی ماہیت رکھتی ہیں، باری تعالی ان کی اسی ماہیت کیساتھ علم رکھتا ہے، جو چیزیں اپنی جگہ مفصل ہیں، اسکو ان کا علم تفصیلی ہے، جو چیزیں مجمل ہیں، ان کا علم اجمالی ہے، جو امور کلی ہیں، ان کا علم کلی ہے، اور جو امور جزوی ہیں، ان کا علم جزوی ہے، اور چونکہ غیر متناہی

حقائق غیر تفصیلی وجود رکھتے ہیں، اس لئے باری تعالیٰ کو بھی ان کے متعلق غیر تفصیلی علم حاصل ہے[1]

امام مازری اور امام غزالی، کلام میں امام مازری کی چند مستقل کتابیں بھی ہیں، ان میں سے ایک کتاب الکشف و الانباء عن المترجم بالاحیاء ہے، یہ رسالہ امام الحرمین کے شاگرد امام غزالی کے رد میں لکھا گیا ہے، علامہ سبکی نے امام غزالی کے سوانح میں اس رسالہ کے بھی کچھ اقتباسات درج کئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے، کہ انھون نے امام غزالی اور ان کی تالیف پر تبصرہ کرتے ہوئے، موحدین فلاسفہ، متصوفہ اور اصحاب اشارات کے مذاہب پر روشنی ڈالی ہے، کیونکہ امام مازری کے الفاظ میں امام غزالی کی تصنیفات انہی مسائل پر مشتمل ہیں، نیز انھون نے اسمیں مختلف مذاہب کے باہمی اختلاف کا تذکرہ کرکے امام غزالی کے بعض مسلک کی تردید کی ہے،

علامہ سبکی نے امام مازری کے اعتراضات اور امام غزالی کے متعلق ان کے خیالات کا خلاصہ نقل کیا ہے جسکی تلخیص مولانا شبلی مرحوم نے الغزالی میں درج کی ہے، مناسب ہے کہ اس کا خلاصہ مولانا مرحوم ہی کے الفاظ میں پیش کر دیا جائے، امام مازری امام غزالی کے متعلق فرماتے ہیں:-

غزالی کو فقہ میں اصول فقہ کی بہ نسبت زیادہ کمال ہے، علم کلام مین بھی اون کی تصنیفیں ہین، لیکن اس فن میں اون کو کمال حاصل نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انھون نے قبل اس کے کہ علم کلام میں مہارت حاصل ہو، فلسفہ کی کتابیں دیکھیں، اس کا اثر یہ ہوا کہ فلسفہ کے خیالات اُن پر اثر کر گئے، مجھکو یہ بھی اطلاع ملی ہے، کہ وہ اخوان الصفاء کے رسائل کو اکثر مطالعہ میں رکھتے تھے، ان رسالون کا مصنف ایک فلسفی ہے، جس نے فلسفہ کو مذہب میں ملانا چاہا، اور اس پردے میں فلسفہ کی حمایت کی، اسی زمانہ میں بو علی سینا پیدا ہوا، جو فلسفہ کا امام تھا، اس نے چاہا کہ عقائد

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۳ ص ۲۴۴، لیکن ظاہر ہے کہ اس تاویل سے یہان اس شبہہ کا ازالہ نہیں ہوتا، کہ اشیاء کا مفصل و غیر مفصل اور حقائق کا متناہی و غیر متناہی ہونا عقل انسانی کے حدود کے لحاظ سے ہو، نہ کہ احاطۂ علم باری تعالیٰ کیلئے۔

اسلام کو بالکل فلسفہ کے قالب میں ڈھال دے، چنانچہ اپنے زور قابلیت سے اس ارادے میں بہت کچھ کامیاب ہوا"

پھر کہتے ہیں:۔

۱۔ غزالی کے بہت سے مسائل بو علی سینا ہی کے خیالات پر مبنی ہیں،

۲۔ تصوف کے مسائل جو غزالی نے لکھے ہیں، مجھکو معلوم ہیں کہ اس فن میں انکا ماخذ کیا ہے، قیاس غالب ہے کہ ابوحیان التوحیدی کی کتاب ہوگی،

۳۔ غزالی نے احیاء العلوم میں نہایت ضعیف اور موضوع حدیثیں نقل کی ہیں،

۴۔ غزالی جابجا تصریح کرتے ہیں، کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں، جنکو کتاب میں درج نہیں کرنا چاہئے" لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، وہ مسائل اگر غلط ہیں، تو ضرور اس قابل ہیں لیکن اگر صحیح ہیں جیسا کہ غزالی کا خیال ہے تو کیوں نہ ظاہر کئے جائیں"

علامہ سبکی نے ان اعتراضات کے جوابات دینا چاہے ہیں، لیکن بقول مولانا مرحوم یہ توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ ہے،

علاوہ ازیں امام مازری نے امام غزالی پر صرف رائے زنی نہیں کی ہے، جیسا کہ طبقات الشافعیہ سے مترشح ہوتا ہے، کہ اوسکی وجہ سے یہ سمجھا جاسکے، کہ امام مازری کو علوم عقلیہ سے مناسبت نہ تھی اسلئے محض محدثانہ نقطہ نظر سے ان پر جرح کردی، بلکہ انھیں علم کلام پر کامل عبور تھا، اور اس فن میں اون کی دو مستقل کتابیں ہیں، جو امام غزالی کے رد میں لکھی گئی ہیں، چنانچہ مقری صاحب نفح الطیب نے ان کی دو اور کتابوں کشف الغطاء عن لبس الخطاء، اور النکتۃ القطعیہ فی الرد علی الحشویہ کے نام لکھے ہیں، جو امام غزالی کے رد میں ہیں۔[1]

---

[1] ازہار الریاض فی اخبار عیاض نسخہ قلمی کتبخانہ پیرس دریا دکھاری جلد ۲ ص ۴۹،

حقیقت یہ ہے کہ امام غزالی وہ سب سے پہلے شخص ہین جنھون نے فلسفہ کے خلاف علم اٹھایا، اور تردید کرنی چاہی لیکن اس مین شبہ نہین کہ یہ پہلا اقدام تھا، توازن مین پیدا کی نہ آسکی، علامہ ابن تیمیہ نے اسی نقش اوّل پر بنا کی اور بے مرعوبی سے عمارت کھڑی کی، اور کامیاب ہوئے، لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں، یہان صرف یہ دکھانا ہے، کہ امام مازری ہی وہ پہلے شخص ہین جنھون نے امام غزالی کی غلطیان محسوس کین، اور پھر قاضی عیاض مصنف الشفا، محدث ابن صلاح اور ابن جوزی وغیرہ نے انھی کے نقشِ قدم کی پیروی کی،

امام مازری کی علم کلام میں ایک اور تصنیف نظم الفرائد فی علم العقائد بھی ہے، ابن فرحون نے تذکرہ کیا ہے[1]

علم تصوف

صقلیہ کے مختصر اسلامی دور میں بعض باکمال صوفیہ بھی اسکی خاک سے اُٹھے، اور اپنی تصنیفات و اسوۂ عمل سے مسلمانانِ صقلیہ کی روحانی تسکین کا ذریعہ بنے اور مسلمانون اور اسلامی حکومت نے بھی اون بزرگون کے مقاصد کی تکمیل میں سہولتیں بہم پہنچائین، اور رباط تعمیر کرا کر قیمتی جاگیرین وقف کین، لیکن بدقسمتی سے یہ خانقاہیں اور جاگیرون کے اوقاف مفاسد کا ذریعہ بن گئے، اور ان پر نااہلون اور خود غرضون کا تسلط ہو گیا، ابن حوقل نے ان خانقاہوں کے رازِ درون کا پردہ چاک کیا ہے، اور ان پر سخت حملے کئے ہین، چنانچہ لکھتا ہے، :-

"یہان دریا کے کنارے بہت سی خانقاہین ہین، جو شہدون، بدکارون، اور بدمعاشون سے جنہیں بوڑھے جوان سب ہی شامل ہیں، بھری ہوئی ہین، اونھون نے صدقہ لینے اور پاکدامن عورتون پر تہمت لگانے کیلئے اپنے چہرے پر سجدے کے نشانات بنائے ہین،

[1] دیباج المذہب ص ۲۸۰،

افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے ہیں، چونکہ وہ لوگ سخت اپاہج اور ذلیل ہیں، اور ان کے رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں، اسلئے یہاں قیام کر لیا ہے،"[۵۱]

مگر صقلیہ کا سنجیدہ خیال طبقہ خدع وفریب کے ان مظاہر سے متاثر نہ تھا، وہ تصوف کی حقیقی منزلت سے آگاہ تھا، اسی دور کے ایک معزز عہدہ دار ابوعبداللہ محمد بن حسن بن طوبی صاحب دیوان الرسائل والانشاء نے اپنے ایک قطعہ میں اس قسم کے متصوفین پر نکتہ چینی کر کے تصوف کی حقیقت بیان کی ہے، وہ کہتا ہے:۔

"تصوف پشمینہ پوشی کا نام نہیں، اور نہ شور وشغب، رقص وطرب اور کھلم کھلا ایسی برائی کرنے کا نام ہے، کہ گویا تم مجنون ہوگئے ہو، بلکہ تصوف نام ہے، اخلاص وتصفیۂ قلب کا، اور علم حق، قرآن اور دین کے اتباع کا، اور خدا سے ترساں رہنے، اور گناہوں پر نادم اور ہمیشہ غمگین رہنے کا نام ہے"[۵۲]

نیز اس عہد میں صقلیہ، تصوف کے حقیقی عاملین سے بھی خالی نہ تھا، جنھیں عہد سلف میں "الزاہد" و"المتعبد" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور وہ لوگ اپنے زہد وورع، تقدس اور اخلاص واحسان سے مقبول انام تھے، اور اس عہد کے مشہور برگزیدہ صوفیہ شیخ ابوالحسن سری سقطی شیخ الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی، اور شیخ ابوہارون اندلسی وغیرہم رحمہم اللہ کے حلقۂ ارادت سے فیضیاب ہوئے تھے، پھر صقلیہ کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں تصوف واخلاق وموعظت کی مستند کتابیں بھی مقبول تھیں، اور بار بار پڑھی جاتی تھیں، مثلاً شیخ یحییٰ بن عمر سوسی کی مشہور کتاب تحدید الایمان وشرائع الاسلام جسے شیخ ابوجعفر احمد بن محمد بن عبدالرحیم بن سعید تیمی معروف بہ قصری متوفی ۳۲۲ھ جیسے برگزیدہ زاہد نے اپنی قمیص بیچکر خریدی تھی، وہ کتاب صقلیہ میں عام طور پر پڑھی پڑھائی جاتی

---

[۵۱] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵ [۵۲] خریدۃ القصر در امارسی ص ۵۹۰،

تھی، ابو جعفر بن لطیف کا بیان ہے، کہ اونھوں نے یہ کتاب متعدد مرتبہ صقلیہ اور افریقہ میں پڑھی

صقلیہ کے مشہور صوفیہ کرام حسب ذیل ہیں، :-

شیخ ابو القاسم بکری صقلی، شیخ ابو القاسم بکری صقلیہ کے مشہور صوفیہ مین تھے، صاحب معالم نے انھیں "شیخ عارف محقق امام حقیقت و شیخ اہل طریقت" کے خطاب سے یاد کیا ہے، اور پھر لکھا ہے،

"علم حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف، صلاح و تقوی و زہد و ورع کے جامع تھے"

شریعت و طریقت کی اس جامعیت کا یہ اثر تھا، کہ تصوف میں ان کا مسلک ہندوستان کے سرچشمہ معارف حضرت مجدد الف ثانی سے مشابہ تھا، چنانچہ صاحب معالم کا بیان ہے،

"انھون نے تصوف کی بنیاد کتاب و سنت اور سلف اوّل کے مسلک پر قائم کی، اور آرار و استحسان کو ترک کیا"

تصنیفات علم تصوف میں انکی چند کتابیں ہین، ایک کتاب جواہر الالفاظ وظہور الانوار المعروف بہ **انوار صقلی** ہے، اس کا ایک نسخہ کتبخانہ لیڈن مین موجود ہے،

اس مین متبعین اسلام کے اوصاف بتا کر "عرفان حق" "معرفت دین" "معرفت دشمنان دین" اور "معرفت دنیا و اہل زمانہ" کو اصل تصوف قرار دیا ہے،

دوسری کتاب صفۃ الاولیاء ومراتب احوال الاصفیاء ہے، اور تیسری کتاب کرامات اولیاء المتبعین من الصحابۃ والتابعین ومن تبعھم باحسن ہے، ان میں سے اول الذکر مین اولیاء و صوفیہ کے حالات و تراجم ہین، اور دوسری میں فقہار کی جماعت کو خطاب کرکے کرامات اولیاء کے ممکن الوقوع ہونے کے دلائل سمجھائے ہین[1]،

شیخ ابو بکر محمد بن احمد المعلم صقلی، شیخ ابو بکر محمد بن احمد بن ابراہیم المعلم معروف بہ صقلی صوفی شیخ ابو یونس

[1] معالم الایمان جلد ۳ ص ۱۰۱ تا ۱۰۳ و اقتباس کتاب جواہر الالفاظ وظہور الانوار در اماری ص ۶۹۰ تا ۶۹۹

نصیر المتعبد (سنہ ۳۰۰ھ) کے حلقہ بگوشوں میں تھے، جنکا قیام قصر الطوب میں تھا، شبانہ روز انہی کی خدمت میں حاضر رہکر خدمت گذاری کرتے، اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔[1]

ابو عبد السلام مفرج، شیخ ابو عبد السلام مفرج شیخ ابو الحسن الصقلی کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، انکے شیخ نے انکے متعلق فرمایا،

"وہ ایک عبادت گذار فاضل شخص ہے، جو ریاضت و اذکار میں معروف رہتا ہے"،

ان میں صحیح للّٰہیت تھی، سارا وقت عبادت و ریاضت میں گذارتے، مگر جب جہاد کا موقع آتا، تو خانقاہ کے حجرے سے باہر نکل آتے، اور جوش و خروش سے لڑائیوں میں شریک ہوتے، ایک مرتبہ صقلیہ کی کسی جنگ میں شرکت کی، اسمیں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی، بہت سے مسلمان شہید ہوگئے، اور مفرج بھی سخت زخمی ہو کر بیہوش ہوگئے، بیہوشی کے عالم میں اون کے تصور نے ایک عجیب نظارہ کیا، وہ دیکھتے ہیں، کہ زمین سے آسمان تک کی ساری فضا، نور سے معمور اور سبزہ سے سرسبز ہے، خوبصورت حوریں پرے کے پرے جمائے آسمان سے اُتر رہی ہیں، ان کے ہاتھوں میں ایک ایک سبز رومال ہے، ان میں سے ایک ایک بڑے اشتیاق سے ایک ایک شہید کی لاش پر آئی، اور بڑی محبت سے اس کا خون آلود سر گود میں اٹھا لیا، پھر اپنے آسمانی رومال سے خون صاف کیا، اور اس کے بعد اس رومال کو لیکر آسمان کی طرف اڑ کر چلی گئی، اس سلسلہ میں خلد بریں کی ایک دوشیزہ کا قرعۂ فال مفرج کے نام بھی نکلا تھا، وہ بھی بڑے اشتیاق سے ان کے پاس آئی، مگر ان کا تار دم نہ ٹوٹا تھا، یہ دیکھکر وہ اپنی قسمت کی محرومی پر غمگین ہوئی، اور ہم چشم سہیلیوں میں شرم سے گردن جھکالی،

مفرج کا یہ خواب ہو یا عالم بیہوشی کے ذہنی تاثرات، لیکن یہی نظارہ ان کی زندگی

[1] ریاض النفوس در امار ی، ص ۱۹۱،

پر ایسا اثر انداز ہوا کہ اس کے بعد وہ تمام دنیاوی علائق سے کنارہ کش ہو کر عزلت گزین ہو گئے" اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو کر موت کا بےچینی سے انتظار کرنے لگے، آخر اس واقعہ کے چھ سال کے بعد واصل بحق ہوئے[1]

ابو الحسن علی صقلی حریری۔ شیخ ابو الحسن علی صقلی حریری بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے، سارا وقت ورد و اذکار میں گذارتے، شیخ ابو الحسن سری سقطی متوفی ۲۵۳ھ کی صحبت کے تربیت یافتہ تھے، ابو سلیمان ربیع القطان کا بیان ہے کہ

"یہ بہترین لوگوں میں سے تھے سوائے ذکر الٰہی کے کوئی بات زبان سے نہ نکالتے"

ذوق نماز۔ یہ نمازیں بڑے ذوق و کیف سے پڑھتے تھے، جب اقامت کی تکبیر سنتے تو عالم وجد طاری ہو جاتا، اور لبیک کہتے ہوئے دوڑتے،

وفات۔ شیخ ابو الحسن حریری نے طویل عمر پا کر ۳۱۹ھ میں وفات پائی[2]

ابو علی طبنی۔ شیخ ابو علی طبنی صوفی منش بزرگ تھے، ابو سلیمان ربیع القطان نے ان کے احوال بیان کئے ہیں[3]

ابو القاسم عتیق بن محمد بن حاکم۔ شیخ ابو القاسم عتیق بن محمد حاکم تمیمی صقلی خیر و صلاح، زہد و تقوی، اور تقدس و ورع میں عام شہرت رکھتے ہیں، سمعانی لکھتا ہے،

"یہ شیخ صالح و زاہد دنیا سے رو گرداں اور آخرت کی طرف بڑھنے والے تھے، اللہ کے صالح بندوں میں تھے، میں نے لوگوں کی زبانیں ان کی تعریف و توصیف میں، اور انھیں خیر و صلاح سے متصف کرنے میں متفق پائیں"

صقلیہ سے ہجرت کر کے بغداد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، واقدی کے ملنے والوں میں

---

[1] ریاض النفوس دراماری ص ۱۹۴ [2] ص ۱۰۶، ۱۹۲ [3] ص ۱۹۴

تھے، اوس نے اپنی فتوح الشام میں ایک سلسلہ میں ان کا نام لیا ہے، اور ان کو زاہد کے لقب سے یاد کیا ہے،

وفات | ۲۲۲ھ میں وفات پائی، اور وہیں مدفون ہوئے[۱]

شیخ ابو الحسن علی بن صقلی، | شیخ ابو الحسن علی بن حمزہ صقلی شیخ ابو طاہر محمد بن علی بن محمد بن محمد بن القاسم شافعی بغدادی کے تلامذہ میں تھے، تصوف کا خاص ذوق تھا، ۴۴۲ھ سے پہلے اندلس گئے، اور شاید وہیں بود و باش اختیار کر لی[۲]

شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم صقلی، | شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن موسیٰ تمیمی صقلی ان فضلائے صقلیہ میں تھے، جو صقلیہ سے باہر نکلے، ایک طرف محدثین سے علم حدیث کی روایتیں لیں، اور دوسری طرف مشائخ و صوفیۂ کرام سے علم تصوف کے فیوض و برکات جمع کئے، حضرت شیخ الطائفہ جنید بغدادی رح اور شیخ ابو الحسن نوری جیسے مشائخ کی صحبت میں رہے، اور فیوض و برکات سے مالامال ہوئے، ان مشائخ کی معیت میں مجلس سماع میں بھی شرکت کی تھی[۳]

شیخ ابوبکر عتیق بن علی سمنطاری، | شیخ ابوبکر عتیق بن علی ابن داؤد سمنطاری متوفی ۴۶۴ھ جامع شریعت و طریقت تھے، ان کا تذکرہ ابن القطاع نے کیا ہے، وہ کہتا ہے،

"یہ جزیرہ کے اون جفاکش عابدون اور اہل علم زاہدون میں تھے جنھون نے طلب آخرت کیلئے دنیا کو چھوڑا، اور اسکی طلب میں جانفشانی کی"

تصنیفات | انھون نے مشرق و مغرب کے طویل سفر کئے، مختلف ممالک کے صوفیہ و صلحا و علماء سے ملے، صقلیہ واپس آکر تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری کیا، مختلف فنون کے ماسوا ایک کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب پر اپنے حالات سفر جمع کئے جس میں مختلف ممالک کے چشمدید اور بزرگون

---

[۱] کتاب الانساب سمعانی ص ۳۵۲ و فتوح الشام واقدی در اماری ص ۱۹۰ [۲] جزوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس فی اسماء رواۃ الحدیث در اماری ص ۵۶۸
[۳] کتاب المقفی در اماری ص ۶۶۲

سے سُنے ہوئے حالات جمع کئے، اور بخصوصیت سے صوفیہ وصلحار کے احوال لکھے،

اس کے علاوہ تصوف میں ان کی ایک دوسری کتاب کا پتہ چلتا ہے، جو دس جلدون سے زیادہ میں تھی، ابن القطاع نے اوس کی توصیف کی ہے، کہ اس سے پہلے اس قسم کی بہتر کتاب نہیں لکھی گئی،[۵۱]

شیخ ابو محمد عبداللہ بن مبارک صقلی، شیخ ابو محمد عبداللہ بن مبارک صقلی کو صقلیہ کے متقدمین صوفیہ و زہاد میں شمار کیا گیا ہے،[۵۲]

شیخ ابو بکر احمد بن محمد بن ابی یحییٰ صقلی، شیخ ابو بکر احمد بن محمد بن ابی یحییٰ قرشی صقلی بھی المتعبد کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، شیخ ابو ہارون الاندلسی رح کی صحبت کے تربیت یافتہ تھے، ان کے والد کو شیخ ابو ہارون الاندلسی رح سے خاص عقیدت تھی، وہ ان کی خدمت مین حاضر رہتے، اور اسی تقریب سے یہ بھی اون کے حلقہ مین داخل ہوئے، انکے مختلف واقعات وملفوظات بالواسطہ وبلاواسطہ ان سے منقول ہین،[۵۳]

---

[۵۱] معجم البلدان جلد ۵ ص ۱۳۱، ۱۳۲، (ذکر سمنطار) [۵۲] کتاب الالحان المسلیہ در یادگاری مضامین جلد ۱ ص ۲۹،

[۵۳] ریاض النفوس در اماری ص ۱۰۰، اماری نے مشہور مغربی صوفی شیخ ابو عثمان سعید بن سلام معروف بہ مغربی متوفی ۳۷۳ھ بہ نیشاپور کو بھی صقلیہ کے صوفیہ میں شمار کیا ہے، کیونکہ ان کا مولد مقام "کرکنت" ہے، اماری نے انھین اسی مناسبت سے صقلی خیال کیا، کیونکہ مختلف عرب جغرافیہ نویس ادریسی اور یاقوت وغیرہ صقلیہ کے شہر جرجنت کو کرکنت بھی لکھتے ہین،

لیکن ابو عثمان مغربی کے غیر صقلی ہونے پر سب سے پہلے سی یولڈ کو اشتباہ ہوا کیونکہ ابن خمیس کی کتاب مناقب الاسرار فی محاسن الاخیار مین ابو عثمان المغربی کے ترجمہ میں "من القیروان من قریۃ یقال لہا کرکنت" (یعنی یہ قیروان کے ایک گاؤن کرکنت کے رہنے والے ہین) مذکور ہے، پھر سی یولڈ کو اس کی تائید میں لب اللباب کی روایت ملی جس مین کرکنت کو قیروان کا ایک گاؤن بتایا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود سی یولڈ ابو عثمان مغربی کے

علم تاریخ

علم تاریخ میں صقلی اہل علم کی صرف چند کتابیں معلوم ہیں،

تاریخ ممالک، تاریخ ممالک میں اولاً ابن القطاع صقلی متوفی ۵۱۵ھ اور ابو علی حسن بن یحییٰ کی دو کتابیں ہیں، اور دونوں صقلیہ کی تاریخ پر ہیں، اور تاریخ صقلیہ کے نام سے موسوم ہیں،

تاریخ صقلیہ ابو علی حسن بن یحییٰ الفقیہ کا تذکرہ قزوینی (۶۸۲ھ) اور یاقوت (۶۲۶ھ) نے کیا ہے، قزوینی نے اپنی کتابوں آثار البلاد واخبار العباد اور عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں، اور یاقوت نے اپنی معجم البلدان میں اسکے حوالہ سے صقلیہ کے حالات درج کیے ہیں،

ابن القطاع صقلی کی تاریخ صقلیہ کا ذکر اولاً معجم الادباء وغیرہ میں ابن القطاع کے حالات زندگی میں آیا ہے، علاوہ ازیں یاقوت نے اس کتاب سے بھی بعض مقامات پر معلومات اخذ کئے ہیں، اسکے ایک نسخہ کا پتہ حسن حسنی عبد الوہاب (جامع ٹیونس) کے پاس چلا ہے[1]

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۲) قیروانی یا صقلی ہونے پر کوئی قطعی رائے قائم نہ کرسکا،

مجھے بھی پہلے سی بولڈ کی تحقیق پر اطمینان نہیں ہوا، اور اسے ان مصنفین کی لغزش سمجھا جنھوں نے کرکنت کو قیروان کا قریہ بتایا ہے، اسی بنا پر ابو عثمان مغربی کے حالات کی مزید جستجو کی، اور متعدد ایسے ماخذ ملے، جو اماری وغیرہ کی نظر سے نہیں گذرے تھے، چنانچہ تذکرۃ الاولیا، شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الشعراء دولت شاہ اور سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ میں مغربی کے حالات موجود ہیں، لیکن ان میں سے کسی سے اُن کے صقلی یا قیروانی ہونے کی تعیین نہ ہوسکی، بالآخر کتاب الانساب سمعانی پر نظر پڑی اور اسی قدیم ماخذ سے انکے قیروانی ہونے کا فیصلہ ہوا کیونکہ اُس نے بھی کرکنت من قری القیروان کے ذیل میں ان کے حالات شرح وبسط سے لکھے ہیں، سمعانی کی اس شہادت کے بعد اماری کی غلط فہمی تسلیم کرلینی پڑی، [1] روم کے کتب خانہ میں قلمی

تاریخ ممالک میں تیسری کتاب ابن حمدیس صقلی متوفی ۵۲۷ھ کی تاریخ جزیرۃ الخضراء ہے، جو اندلس کے کسی عہد کی تاریخ ہے، حاجی خلیفہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے،

اسی طرح ابن رشیق قیروانی کی تاریخ القیروان بھی لائق ذکر ہے، کہ وہ سسلی ہی میں تالیف پائی، جیسا کہ معارف کے ایک مقالہ میں بہ تفصیل دکھایا جاچکا ہے،

سیرت وطبقات، سیرۃ وطبقات میں ابن ظفر صقلی کی چند کتابیں ہیں جنمیں ایک کتاب خیر البشر بخیر البشر ہے، (حاجی خلیفہ نے خبر البشر لکھا ہے) اسمیں آنحضرت صلعم کے متعلق صحف سماوی کی پیشینگوئیاں درج ہیں، اس کا تذکرہ ابن ظفر نے اپنے ضمیمہ سلوان المطاع اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے، اسکے چند نسخے ہیں، ایک کتبخانہ پیرس میں ہے، جس سے اماری نے اپنی ببلوتھیکا میں اس کا دیباچہ نقل کیا ہے، دوسرا مدینہ منورہ کے کتب خانہ عارف حکمت بک میں دستیاب ہوا جس کا تذکرہ مولینا سید سلیمان ندوی نے اپنے مقالہ حجاز کے کتب خانے میں فرمایا ہے[1]، اور ایک اور نسخہ کتبخانہ خدیویہ مصر میں ہے، اور پھر ۱۲۸۰ھ میں مصر سے شائع بھی ہوچکی ہے،

مصنف نے یہ کتاب اپنے ایک ہمعصر صاحب علم رئیس ابوالرضی احمد بن ھبۃ اللہ کے نام سے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۳) غیر معلوم الاسم مصنف کی ایک کتاب "تاریخ جزیرۃ صقلیۃ من حین دخلہا المسلمون واخبار جری فیہا من الحروب وتبدیل الامراء وغیر ذالک" کے چند اوراق محفوظ ہیں، اور وہ ۱۷۶۳ء میں ایک لاطینی زبان کی کتاب کے ضمیمہ کے طور پر شائع بھی ہوچکے ہیں، اور اسے اماری نے اپنے مجموعہ میں ص ۱۶۵ سے ۱۷۰ تک میں نقل کیا ہے، لیکن ان اوراق کو تاریخ کہنے کے بجائے سنہ وار مختصر تعلیقات کہہ سکتے ہیں، اور جہاں تک بظاہر سمجھا جاسکتا ہے یہ ابو علی حسن بن یحیٰی یا ابن القطاع کی تالیف نہیں ہے، اس میں جس سنہ کے اعتبار سے حوادث جمع کئے گئے ہیں، وہ مسلمانوں میں رائج نہ تھا،

[1] معارف جلد ۲۳، ۲۴، نمبر ۱ تا ۳

معنون کی ہے، کتاب چار ابواب میں تقسیم ہے، پہلے باب میں صحف آسمانی کی بشارتیں درج کی ہیں، دوسرے میں وہ بشارتیں ہیں، جو احبار سے منقول ہیں، تیسرے میں کہان اور چوتھے میں جنوں کی بشارتیں درج کی گئی ہیں،

ابن ظفر کی دوسری کتاب اعلام النبوۃ ہے، یہ بھی سیرت میں ہے، اور حاجی خلیفہ نے تذکرہ کیا ہے،

تیسری کتاب انباء نجباء الابناء ہے، جو طبقات میں ہے، اوس کے بھی دو نسخے پیرس اور کتبخانہ عارف حکمت بک مدینہ منورہ میں موجود ہیں، نیز برلن اور گوٹا میں اسکا ایک مختصر ہے، پھر مصر میں چھپ بھی چکی ہے،

کتاب آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ سے شروع ہوتی ہے، پھر بہ ترتیب صحابہ کرام، ابنائے صحابہ، مشاہیر رجال عرب جاہلیت اور شاہان فارس کے تراجم و سوانح حیات درج کئے ہیں، طبقات میں ابو بکر عتیق کی دو کتابوں اخبار العلما، اور اخبار الصالحین کا تذکرہ تصوف کے بیان میں اوپر گذر چکا ہے، موخر الذکر کو یاقوت نے دس جلدوں سے زیادہ میں بتایا ہے[۱]

تذکرۂ شعرا، تذکرہ شعرا میں ابن القطاع صقلی متوفی ۵۱۵ھ کی دو کتابیں ہیں جن میں ایک الدرۃ الخطیرۃ فی المختار من شعراء الجزیرۃ ہے، جو جزیرۂ صقلیہ کے شعرا کے ذکر میں ہے، اسمیں ۱۷۰ شعرائے صقلیہ کے حالات اور تقریباً ان کے ۲۰ ہزار اشعار تھے، یاقوت ابن خلکان، اصفہانی، اور حاجی خلیفہ وغیرہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے، کسی کتبخانہ میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں اصفہانی نے اپنی خریدۃ القصر و جریدۃ العصر میں اور ابن سعید نے کتاب المغرب کے ایک ٹکڑے الالحان المسلیۃ فی حلی جزیرۃ صقلیۃ میں اقتباسات درج کئے ہیں، جو برٹش میوزیم اور پیرس

---

[۱] معجم البلدان ذکر سمنطار،

کے کتب خانوں میں ہیں، اور امارؔی کے مجموعہ اور اوس کے مجموعہ بیادگار صد سالہ میں اس کے اقتباسات شائع ہوئے ہیں، لیکن ابن سعید نے نقل میں احتیاط نہیں کی ہزولر نے غلطیاں دکھائی ہیں، خریدۃ القصر کے حصے مصر سے شائع ہو رہے ہیں، اور اب الدرۃ الخطیرہ کے ایک "مختصر" کا پتہ اختصار المنتخل من الدرۃ الخطیرہ لاسحاق بن اغلب کے نام سے کتب خانہ تیموریہ مصر میں چلا ہے، حاجی خلیفہ وغیرہ نے اس اختصار المنتخل کا تذکرہ نہیں کیا ہے،

دوسری کتاب لمح الملح ہے، یہ الدرۃ الخطیرہ کے طرز پر شعرائے اندلس کے حالات میں ہے، افسوس کہ اس کا نہ کہیں سراغ ملا، اور نہ کسی کتاب میں اس کا کوئی اقتباس نظر سے گذرا صرف ابن القطاع کے سوانح حیات اور کشف الظنون میں اسکا تذکرہ آیا ہے[1]

تذکرۂ شعراء و ادباء میں ایک اور کتاب ابن بشرون صقلی کی المختار فی النظم والنثر لافاضل اهل العصر ہے، جس میں اوس نے اپنے ہمعصر شعراء و ادباء کے حالات و نمونۂ کلام درج کیے ہیں، حاجی خلیفہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اور ابن خلکان اور عماد الدین کے ماخذ میں ہے،

علم ادب

(صرف، نحو، لغت، انشاء، عروض، اور شاعری)

صقلیہ کی علمی ترقیوں میں علم ادب کو نمایاں جگہ حاصل ہے، تمام اصناف ادب، شعر و شاعری انشاء پردازی، اور ان کے متعلقہ علوم عروض و قوافی اور نحو و لغت میں سینکڑوں باکمال شعراء انشاء پرداز، اور فن لغت و نحو و دیگر علوم کے ماہرین پیدا ہوئے،

[1] الدرۃ الخطیرہ کا نام ابن خلکان، یاقوت، اصفہانی، ابن سعید اور حاجی خلیفہ وغیرہ نے مختلف الفاظ کی ترکیبوں کے ساتھ درج کیا ہے لیکن ضبط الفاظ میں کتاب کے مذکورہ بالا الفاظ سب میں مشترک ہیں، یہ نام اصفہانی کی ماخوذ ہے

شاہی خانوادوں کا ذوقِ ادب، اس علمی ترقی کا سب سے بڑا سبب وہی یہاں کے حکمران طبقہ کا ذوقِ ادب تھا، فرمانروایانِ صقلیہ، عہدہ دارانِ حکومت اور امرا و رؤسا خود علم ادب پر عبور رکھتے اور ارباب ادب کی قدر دانی کرتے تھے، اور اس سے ملک میں ادبی مذاق کو ترقی ہوتی، دوسرے ممالک کے شعراء حکمران طبقہ کی داد و دہش کے افسانے سن کر صقلیہ آتے، اور یہاں کی بزم علمی کی رونق بڑھاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صقلیہ کے علوم دینیہ کے حاملین سے ارباب ادب کی تعداد کہیں زیادہ ہے،

یہ صرف اسلامی دور پر موقوف نہیں، نارمن عہدِ حکومت میں بھی راجر اول کے تعصب آمیز زمانہ کو خارج کر کے نارمن فرمانروایان صقلیہ اسلامی تہذیب و تمدن سے اسقدر مانوس ہو گئے کہ ان کے دربار مشرقی سلاطین کے درباروں کے مثل بن گئے، اور یہی صورتِ حال جرمن عہد میں بھی قائم رہی، انھوں نے مسلمان سلاطین کی طرح خود بھی اسمیں کمال پیدا کیا، ادبا و شعراء کی قدر کی، قصائد پر ہمت افزائی کی، اسلئے ان دوروں میں بھی بڑے بڑے باکمال مسلمان شعراء و ادبا پیدا ہوئے، اور ان کے اثر سے ہر پڑھے لکھے نے شعر گوئی شروع کر دی، اور شعرائے صقلیہ کی ایک کثیر تعداد ہو گئی،

خانوادۂ اغالبہ کی شاعری، چنانچہ اغلبی عہد کے فرمانرواؤں میں عبد اللہ بن محمد، ابو الاغلب، اور اغلبی شاہزادہ مجبر بن ابراہیم بن سفیان، صقلیہ کے ممتاز شعراء میں ہیں،

مجبر بن ابراہیم اغلبی، مجبر بن ابراہیم خفاجہ والی صقلیہ کا حقیقی بھتیجا تھا، وہ پہلے اربس کا والی پھر مسینا و جنوبی اٹلی کی فوج کا افسرِ اعلیٰ تھا، وہ اتفاقاً جنوبی اٹلی کے ایک بحری سفر میں رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قسطنطنیہ بھیج دیا گیا، اور وہیں قید خانہ میں ڈال دیا گیا،

ان دنوں قسطنطنیہ اور افریقہ کے تعلقات ایسے خوشگوار نہ تھے، کہ اس کی رہائی کی

کوئی صورت نکلتی، بذاتِ خود دام اسیری سے چھوٹنے کی بہتیری کوششیں کین، مگر ناکام رہا، اور بالآخر قفس سے طائرِ روح پرواز کرگیا،

وطن کی یاد میں اوسکی ایک پر درد اور الم انگیز نظم قید خانہ کی سلاخون سے نکل کر باہر پھیلی اور نقل ہوتی ہوئی افریقہ و صقلیہ تک پہنچی، اصفہانی نے یہ نظم نقل کی ہے، اسکے چند شعر یہ ہین،

الا لیت شعری بالذی فعل الدھر باخواننایا قیروان و یا قصر

اے قیروان اور اے قصر کاش میں جانتا کہ زمانے نے ہمارے بھائیوں کے ساتھ کیا،

ونحن فانا طحطحتنا رحی النوی باعین خطب فی ملاحظہا شزر

اور ہمکو جدائی کی چکی نے ایسی مصیبتوں کی آنکھوں سے پیس ڈالا جو ہمکو چتونوں سے دیکھ رہی تھیں

آخر میں کہتا ہے،

لعل الذی نجامن الجب یوسفا وفرج عن ایوب اذ مسّہ الضر

جس نے کنوئیں سے یوسف کو نکالا اور ایوب جب بیمار ہوئے تو انکی مصیبت کو دور کیا

وخلص ابراھیم من نار قومہ واعلا عصی موسی فذلّ لہ السحر

اور ابراہیم کو انکی قوم کی آگ سے بچایا اور موسیٰ کے عصا کو بلند کیا اور جادو انکے سامنے جھک گیا،

یصبر اھل الاسر فی طول اسرھم علی معضلات الامر اویملم الاسر[۱]

شاید وہ قیدیوں کو زمانہ قید تک قید کی مصیبتوں پر صبر عطا فرمائے اور قید باقی نہ رہے،

خانوادہ کلبیہ میں شاعری، اسی طرح خانوادہ کلبیہ میں ایسے کم فرمانروا گذرے ہیں، جو خود شاعر نہ ہون، اور بعض کلبی شاہزادے بھی ممتاز شعرا میں تھے، اصفہانی وغیرہ نے انکی شاعری کی ستائش کی ہے، اور نمونہ کلام درج کیا ہے، اور انکے شعر و شاعری کی قدر دانی کو سراہا ہے،

[۱] خریدۃ القصر اصفہانی در لماری ص ۵۹۲،

امیر ابوالحسین احمد، امیر ابوالحسن احمد بن حسین کلبی والی صقلیہ (۳۴۳ھ ۔ ۳۵۸ھ) شاعری کا اچھا مذاق رکھتا تھا، ابن فضل اللہ دمشقی نے نمونۂ کلام درج کیا ہے۔

امیر ثقۃ الدولہ، امیر ثقۃ الدولہ والی صقلیہ (۳۷۹ھ ۔ ۳۸۸ھ) خود شاعری کرتا، اور شعراء کا بیحد قدر دان تھا، ان کے قصائد پر اپنی داد و دہش سے انکی حوصلہ افزائی کرتا، اصفہانی نے ابن القطاع کے حوالہ سے اس کا نمونۂ کلام درج کیا ہے،

امیر تاج الدولہ، اسی طرح امیر تاج الدولہ (۳۸۸ھ ۔ ۴۱۰ھ) کو اصفہانی نے اس کے ہمعصر شعراء میں نمایاں جگہ دی ہے، ابن خلکان نے بھی اس کا ایک قطعہ نقل کیا ہے جسمیں دو خوبصورت غلاموں کے سرخ و سیاہ لباس کی تعریف کیگئی ہے، کہتا ہے :-

ارى بدرين قد طلعا ، على غصنين فى نسق ،

میں دو بدر کو دیکھتا ہوں، جو دو شاخوں پر ایک خاص ترتیب سے طلوع ہوتے ہیں،

وفى ثوبين قد صبغا صباغ الخد والحدق ،

وہ دو لباسوں میں ملبوس ہیں جو گال اور پتلی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں،

فهذا الشمس فى شفق ، وهذا البدر فى غسق ،

پس ایک شفق میں سورج ہے، اور ایک تاریکی میں چاند،

امیر ابو محمد عمار بن منصور کلبی، امیر ابو محمد عمار کلبی مختلف علوم میں دستگاہ رکھنے کے علاوہ شاعری کا مذاق بھی رکھتا تھا، ابن القطاع نے نمونۂ کلام درج کیا ہے، کہتا ہے،

تقول لقد رأيت رجال نجد وما ابصرت مثلك من يمان

وہ کہتی ہے کہ میں نے نجد کے آدمی دیکھے ہیں لیکن یمن کے لوگوں میں تیرا مثل نہیں دیکھا،

الفت وقائع الغمرات حتى كأنك من رجاها فى امان[1]

[1] خریدۃ القصر در آثار ص ۵۹۶ و ۶۰۱ ابن خلکان جلد ۳ ص ۱۰۵ ترجمہ یحیٰی بن اکثم،

تو لڑائی کا خوگر ہے، گویا تو لڑائی کی ہلاکت سے محفوظ ہے،

ابوالقاسم عبداللہ بن سلیمان کلبی، ابوالقاسم عبداللہ بن سلیمان کلبی جو ممتاز امرائے کلبیین میں تھا، کہتا ہے:۔

تحنوا علی المکرمات نوازعا فکانّی للمکرمات حمیم،

مفاخر میری طرف محبت آمیز اشتیاق ظاہر کرتے ہیں، گویا میں بزرگیوں کا قرابتدار ہوں

وَاصلتھن کانّھن حبائب وحمیتھن کانّھن حریم[۱]

میں نے ان کو ملایا گویا وہ میرے دوست تھیں میں نے انکی حفاظت کی گویا وہ پردہ نشین عورتیں تھیں

ان کے علاوہ خانوادۂ کلبیہ کے اور بہت سے ایسے معززین ہیں جنھیں شعر وشاعری کا مذاق تھا، اور اپنے ذوق سے یہ لوگ علم ادب کے ترقی دینے میں معاون بنے، ابن القطاع نے اپنی الدرۃ الخطیرہ میں انھیں نام بنام گنایا ہے، اور نمونۂ کلام درج کیا ہے، اوران میں سے امیر مستخلص الدولہ عبدالرحمٰن بن حسن کلبی، امیر ابومحمد قاسم بن نزار کلبی اور امیر ابومحمد جعفر بن الطیب کلبی، اور ابوالقاسم عبداللہ بن سلیمان کلبی وغیرہ کا تذکرہ اصفہانی نے اپنی خریدۃ القصر میں کیا ہے،[۲]

عہدہ داران حکومت میں ذوق ادب اور عہدہ دار شعراء: اسی طرح ذیل کے اکابر عہدہ دار اسلامی اور نارمن دوروں میں یہاں کے ممتاز شعراء میں تھے، اور ارباب ادب وشعر کے قدر دان تھے، ابن القطاع اور اصفہانی نے توصیف کے ساتھ نمونۂ کلام درج کیا ہے، ان میں القائد سند الدولہ ابوالفتوح بن قائد بدیر المکلاتی، حاجب سلطان، ابوالفضل احمد بن علی الفہری صاحب الشرطہ، القائد ابومحمد حسن بن عمر بن منکود اور امیر شیخ الدولہ عبدالرحمٰن اللولو، ابوعبداللہ حسن

[۱] مسالک الابصار ابن فضل اللہ در اماری ص ۱۵۴ [۲] خریدۃ القصر در اماری ص ۵۹،۵۴ وغیرہ،

ابن القائد، ابو عبد الحسن علی بن المعلم صاحب دیوان الصناعۃ اور ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن الطوی صاحب دیوان الانشاء والرسائل ہیں، ان کے نمونہ کلام میں کسی کے اشعار نیلو فر کی تعریف میں ہیں اور کسی نے گھوڑے کی تعریف کی ہے، اور اسی طرح کسی نے بے تکلفی سے صنعت طباق برتی ہے[۱]

کتاب و وزراء، اسی طرح صقلیہ کے کتاب و وزراء میں سے ایسے بیس[۲] وزراء و کتاب کے نام ملے ہیں، جو بلند پایہ انشاء پرداز تھے، اور شاعری میں کمال رکھتے تھے، نیز کوئی نہ کوئی ان کی امتیازی خصوصیت تھی، مثلاً کوئی فن نحو کا امام تھا کسی کو لغت پر عبور تھا، کوئی فن انشاء کے کمال کے ساتھ معمہ سازی و چیتان نویسی میں مشہور تھا، کوئی مختلف قسم کی صنعتوں کے استعمال پر قادر تھا، اور انہی میں بعض صاحب تصانیف و مقالات بھی تھے، جن کو مورخین نے بیان کیا ہے، انکے اسماء حسب ذیل ہیں:-

عبد الرحمن بن ابو العباس الکاتب الاطرابنشی[۱] ابو علی احمد بن محمد بن القاف الکاتب، ابو علی[۳] بن حسین بن خالد الکاتب، ابو بکر[۴] محمد بن سہل الکاتب المعروف بالرزیق، عبد الجبار[۵] بن عبد الرحمن ابن سرعین الکاتب، ابو الفتح[۶] محمد بن حسین بن القرقودی الکاتب، ابو القاسم[۷] ہاشم بن یونس الکاتب[۸] ابو حفص[۹] عمر بن حسن بن قونی الکاتب، ابو حفص[۱۰] عمر بن عبد اللہ الکاتب، قاضی[۱۱] ابو عبد اللہ محمد بن قاسم بن زید اللخمی الکاتب[۱۲]، ابو عبد اللہ[۱۳] محمد بن عطار الکاتب، ابو عبد اللہ[۱۴] محمد بن علی بن صباغ الکاتب ابو سلیمان[۱۵] ہبۃ اللہ الکاتب، ابو عبد اللہ[۱۶] محمد بن سدس الکاتب النحوی، ابو علی[۱۷] حسن بن محمد الکاتب، ابو اسحاق[۱۸] ابراہیم محمد بن حنیف الکاتب، الوزیر[۱۹] ابو الفضل بن احمد بن واثق الکاتب، ابو القاسم[۲۰] عبد الرحمن بن حسن الکاتب، ابو محمد[۲۱] عبد العزیز بن عبد الرحمن الانصاری الکاتب[۲۲] ابو الحسن علی

---

[۱] خریدۃ القصر در اماری ص ۵۹۹، ۵۹۵، ۵۹۶، ۶۰۴ و مختصر انباہ الرواۃ، در اماری

ابن عبدالرحمن الکاتب،

نمونۂ کلام، ابن القطاع، ابن سعید، عماد الدین الکاتب، اور ابن فضل اللہ دمشقی وغیرہ نے ان کتاب کے ادب مین کمال رکھنے کو سراہا ہے، اور اون کے کلام کے نمونے درج کئے ہین، لیکن افسوس ہو کہ یہان طوالت کی وجہ سے درج نہیں کیا جاسکتا، صرف بطور مثال مختلف شعراء کے چند شعر بغیر انتخاب ذیل میں پیش ہین،

ابو القاسم ہاشم بن یونس الکاتب،:۔

رب لیل سواد، کسواد الذوائب

بہت سی راتیں جو بالون کی طرح سیاہ تھیں

سرت فیہ کانّنی بعض زھر الکواکب،

میں اون میں چلا گویا کہ ستارہ ہون،

ابن الصباغ الکاتب،:۔

قومی الذین اذا السنابک انشأت دون السحاب سمایامن عثیر

میری قوم وہ ہے کہ جب گھوڑون کی ٹاپین، گرد وغبار کا بادل اوٹھالی ہیں،

برقت صوارمھم وامطرت الطلی علقا کثر نار الحیا المتفجّر

تو اون کی تلوارین چمکتی ہیں، اور گردنین خون کا مینہ برسانے لگتی ہین،

الواترین فلا یقاد و یترھم والفاتکین بحمیر و بقیصر

وہ انتقام لینے والے ہیں، اور اُن سے انتقام نہیں لیا جاتا، اور حمیر اور قیصر پر حملہ کرنے والے ہین،

والمانعین حماھم ان ترتعی والحاسمین لکلّ داءٍ یعتری

اپنی چراگاہون کو چرنے سے محفوظ رکھتے ہین، اور ہر مرض کا انسداد کرتے ہین،

عبدالرحمن بن ابی العباس کاتب اطرابنشی نے صقلیہ کی ایک نزہت گاہ "معتزیہ" پر ایک نظم لکھی تھی، یہ پورا قطعہ اصفہانی نے نقل کیا ہے،

ابن دابق الوزیر، نرگس کے متعلق کہتا ہے،

کف من الفضۃ مبسوطۃ فی وسطہا نثر من العسجد

چاندی کی ایک ہتھیلی پھیلی ہوئی ہے، جس کے بیچ میں سونے کے ذرّے ہیں،

ابوالقاسم عبدالرحمن بن حسن کاتب،:-

اغری جفونی بالسہاد المقلق لمعان ہذا البارق المتألق

اس چمکدار بجلی کی چمک نے میری آنکھوں کو بیدار کر دیا،

باتت لوامعہ تسل صوارما بالغرب ثم شیمہا بالمشرق

اسکی چمک رات بھر تلوارین کھینچتی رہی، جو مغرب میں کھینچی جاتی تھیں اور مشرق میں میان میں کیجاتی تھین،

فکانھن سہام نار مزقت ثوب الدجا بصرامھن المحرق[1]

گویا وہ آتشیں تیر تھیں جو اپنی جلانے والی تیزی سے تاریکی کا پردہ چاک کر دیتی تھین،

شعرائے دربار | اسلامی فرمانروایان صقلیہ کے ذوق ادب اور اہل علم وشعرا کی قدر دانی کے باعث صقلیہ وبیرون صقلیہ کے بڑے بڑے باکمال شعرا، دربار صقلیہ سے وابستہ تھے، جہان وہ منہ مانگی مراد پاتے، اکثر مورخین نے اسکا تذکرہ کیا ہے، مثلاً تاج الدولہ کے متعلق ہے،:-

"یہ سخی اور مہربان فرمانروا تھا، علما، وشعرا ہر جگہ سے اسکے پاس آتے، انکی قدر ومنزلت کرتا، اور بخششون سے مالامال کرتا"[2]

---

[1] کتاب الالحان المسلیہ در یادگاری جلد ا ص ۲۹۵، ۲۹۶، خریدۃ القصر در اماری ص از ۵۸۹ تا ۵۹۰ و ۶۱۰ وغیرہ بحوالہ الدرۃ الخطیرہ ابن القطاع، کتاب انباۃ الرواۃ در اماری ص ۶۱۲ [2] الالحان المسلیہ دریادگاری جلد ا ص ۲۹۳،

تقریباً اسی قسم کی تصریحین ثقۃ الدولہ وغیرہ کے متعلق بھی کی گئی ہین، لیکن کون کون شعراء ان کے دربار سے وابستہ تھے، اس تصریح کے ساتھ صرف چند ہی نام مل سکے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:۔

ابومحمد عبداللہ بن محمد تنوخی، ابو محمد عبداللہ بن محمد تنوخی معروف بابن قاضی میلہ چوتھی صدی کے باکمال شعرائے مغرب میں تھا، یہ ثقۃ الدولہ یوسف کے دربار سے وابستہ تھا، ابن خلکان نے اس کا ایک قصیدہ جو ثقۃ الدولہ کی شان میں ہے، ذیل کے توصیفی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے،

"یہ ایک نایاب قصیدہ ہے، جو تمام وکمال لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے، میں نے اتفاقاً ایک کتاب کی پشت پر لکھا ہوا اُسے پالیا، میرے پاس اس کے صرف یہی چند شعر ہین اور دوسرون سے بھی میں نے اسی قدر سُنا، اس لئے اس کے حُسن وخوبی اور ندرت کے باعث اسے ذیل میں پورا نقل کرتا ہون"

یہ قصیدہ عید کی مبارکباد میں پیش کیا گیا تھا، کل ۵۹ اشعار ہیں، اون میں کے دو شعر یہ ہین:۔

فیا ثقۃ الملک الذی الملک سهمه یراش لاکباد الاعادی ویرصف

اے ملک کے قابلِ اعتماد وجود جس کے تیر کو ملک دشمنون کیلئے تراشتا ہے،

هنیئاً لک العید الذی منک حسنه یروق ومن اوصافک الغر یوصف[1]

تجھکو عید مبارک ہو وہ عید جس کا حسن تیری وجہ سے خوشنما ہوجاتا ہے اور تیری عزت کے اوصاف سے اوس کو متصف کیا جاتا ہے،

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۰۲ تا ۱۰۵، ترجمہ یحیٰی بن اکثم،

محمد بن عبدون سوسی | محمد بن عبدون سوسی جو مغرب کے باکمال شعراء میں تھا، ثقۃ الدولہ کے عہد میں صقلیہ آیا، اور ایک مدحیہ قصیدہ اسکی شان میں پیش کیا، اوس نے اس کی پوری قدر کی، اور صقلیہ میں اوس کے مستقل قیام کا سامان کرکے اپنے لڑکے تاج الدولہ کے مصاحبین خاص میں داخل کردیا،

تاج الدولہ بھی اپنے باپ کی طرح جوہر شناس تھا، اوس نے اوسکی قدر و منزلت کی، اور ہر موقع پر حوصلہ افزائی کرتا، اور اوس کے ایک ایک شعر پر زر و جواہر نثار کرتا،

ابن عبدون کچھ دنوں کے قیام کے بعد وطن جانے کا خواستگار ہوا، اور ایک قصیدہ میں وطن کی پرشوق یاد کا تذکرہ کرکے تاج الدولہ سے رخصت کا طلبگار ہوا لیکن وہ اوسے اپنی رفاقت سے جدا کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، اس کے بعد اوس نے ثقۃ الدولہ کی خدمت میں قصیدہ لکھکر درخواست پیش کی، مگر اوس نے بھی اوس کے جواب میں دنیار کی تھیلی بھیج دی، اوس کے بعد وہ بار بار نئے نئے مضامین کے ساتھ اسی موضوع پر قصائد لکھتا، اور تاج الدولہ اوس کا نام اٹھاتا، تھیلیوں پر تھیلیاں اوس کے سپرد کرتا،

تاج الدولہ جعفر کی شان میں اسکے ایک قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں:۔

ولما رایت البدر رمت مسلما علیہ واظہرت الخضوع الیہ

جب میں نے چاند کو دیکھا، تو کھڑے ہو کر اسکو سلام کیا، اور اوس کے سامنے جھک گیا،

نقلت لہ ان الامیر ابن یوسف شبیہک قد عز الوصول الیہ

پھر میں نے اوس سے کہا کہ امیر ابن یوسف تیری ہی جیسا ہے اسلئے اس تک رسائی دشوار ہے،

فکن لی شفیقاً عندہ ومذکراً اذا جئتہ بتغی السلام الیہ[1]

---

[1] رحلۃ التیجانی در اماری ص ۳۷۹،

توجب تو اوس کے پاس سلام کے لئے حاضر ہو، تو اوس کو مجھے یاد دلا دے،

ابن المؤدب قیروانی، عبد اللہ بن ابراہیم بن مثنی طوسی قیروانی معروف بابن المؤدب قیروان کا ایک مشہور شاعر تھا، اور سیر و سیاحت کا دلدادہ تھا، اس کے ساتھ اوسے کیمیا بنانے کا بھی خبط تھا، اور اپنے اس شوق کے پیچھے ہمیشہ تہی دست و پریشان حال رہتا، اور جو کچھ ہاتھ آتا فوراً اوڑا پڑا دیتا،

ثقۃ الدولہ کے عہد میں یہ ایک مرتبہ صقلیہ کے ارادے سے روانہ ہوا، لیکن ان دنون رومیون اور حکومت صقلیہ مین جنگ تھی، اتفاق سے یہ سمندر میں رومیون کے ہاتھون گرفتار ہو گیا، اور ایک طویل زمانہ اسیری میں گذر گیا، یہانتک کہ ثقۃ الدولہ اور رومیون سے صلح ہوئی، اور صلحنامہ کے روسے قیدیون سے تبادلہ ہوا، اسی سلسلہ مین ابن المؤدب بھی رہا ہو کر صقلیہ پہنچا، اور یہان آتے ہی ثقۃ الدولہ کے سامنے اس احسان کے شکریہ میں ایک قصیدہ پیش کیا،

ابن المودب ثقۃ الدولہ کی داد و دہش کے افسانے سُن چکا تھا، اسلئے وہ اپنے اس قصیدہ پر بڑی امیدین لگائے بیٹھا تھا، لیکن ثقۃ الدولہ سے اوسکو جو کچھ ملا وہ اسکی توقع کے مطابق نہ تھا، اسلئے دوبارہ زیادہ اصرار سے دست طلب دراز کیا، اور ناکام ہونے پر ایک سخت ہجو لکھ ڈالی اور پھر اسکے خوف سے اپنے ہم پیشہ کیمیا سازون کے یہاں روپوش ہو گیا،

اس کے بعد وہ ایک دن شراب کے نشہ میں بدمست بازار میں گزک خریدنے کے لئے سرراہ نکل آیا، پولیس اوسکی تلاش میں تھی، اسے دیکھتے ہی گرفتار کر لیا، اور کشان کشان ثقۃ الدولہ کے حضور میں پیش کیا،

ثقۃ الدولہ اس سے سخت برہم تھا، اسکے سامنے جاتے ہی اس سے بازپرس کی، اُس نے جرم سے انکار کیا، اس پر ثقۃ الدولہ نے متنبی کا یہ مصرع پڑھا، :-

ع فالحر ممتحن باولاد الزنا

شریف آدمی حرامیوں کی آزمایش میں پڑجاتا ہے،

ابن المؤدب بھی نشہ میں بدمست تھا، شوخی سے فوراً جواب دیا، کہ یہ بھی تو اوسی

کا مصرع ہے،:۔ ع

وعداوة الشعراء بئس المقتنی شاعرون کی عداوت مول لینا برا ہے،

ثقۃ الدولہ یہ گستاخانہ جواب سُن کر کچھ دیر کبیدہ خاطر ہوا، پھراس کے حرکات سے درگذر

کرنے کا فیصلہ کیا، اور سو دینار رخصتانہ مرحمت فرماکر صقلیہ سے نکل جانے کا حکم دیا،[1]

ابوالحسن ابن الخیاط، ابوالحسن علی بن محمد بن علی معروف بابن الخیاط ربعی صقلیہ کے ممتاز شعراء کی

صفِ اوّل میں تھا، ابن القطاع اور ابنِ سعید نے اس کے شعر و ادب کی تعریف کرکے اسکو

"احد اعلام الشعراء" کے الفاظ سے یاد کیا ہے،

یہ بھی فرمانروایانِ دولتِ کلبیہ کا درباری شاعر تھا، اور اکثر فرمان رواؤن کی

شان میں قصیدے لکھے، خصوصاً تاج الدولہ کے دربار میں نمایان رسوخ پیدا کیا، اسکی شان

میں اسکے متعدد مدحیہ قصائد ہیں،[2]

بلکہ اسے اپنے عہد کا "شاعر صقلیہ" کہا جاسکتا ہے، تاج الدولہ کے علاوہ مختلف امرائے کلبیین

امیر مستخلص الدولہ، انتصار الدولہ، تائید الدولہ اور صمصام الدولہ کی شان مین بہ کثرت قصائد لکھے ہین ابوطاہر

اسمٰعیل بن احمد تجیبی برقی صاحب شرح المختار من شعر بشار، ابن خیاط کا معاصر تھا، اوس نے اپنی

کتاب میں بشار کے اشعار کی شرح میں جابجا اس کے اشعار، استشہاد و مثال کے طور پر پیش کئے

ہین، اور اسے مشہور شعرائے عرب نابغہ، متنبی، اور ابن معتز وغیرہ کے پہلو میں جگہ دی ہے،

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ ترجمہ یحیی بن اکثم [2] الاسحان المسلیہ در یادگاری جلد ۱ ص ۲۹۸،

تائید الدولہ کی شان میں اسکے جو قصائد تھے، ان میں کے چند شعر یہ ہیں جنہیں اوس نے اسکے پر آشوب دور حکومت پر اُسے تسلی و تشفی دی ہے،

لا تفرحن ولا تحزن لنائبۃ — علیك بالخیر او بالشر لم یدم

کسی پیش آنے والی بات پر نہ خوش ہو نہ رنجیدہ کیونکہ بھلائی یا برائی ہمیشہ باقی نہ رہے گی،

فی کل امر وان طالت نجاحتہ — حکم التعاقب فی الانوار والظلم

ہر چیز گو وہ مدت تک قائم رہے، روشنی اور تاریکی کی طرح آنے جانے والی ہے،

اریٰ کل شئ لہ دولۃ — لحکم التعاقب فیھا عمل

میرے خیال میں ہر چیز انقلاب پذیر ہے، اور انقلاب کا عمل اوس پر جاری ہے،

ولا تفرحن ولا تحزنن — لشئ اذا ما تناھی انتقل

کسی چیز پر نہ خوش ہو نہ رنجیدہ، جب اوس کا وقت ختم ہو جائے گا، تو وہ چلی جائیگی،

ابن خیاط نے صقلیہ کے آخری کلبی تاجدار صمصام الدولہ حسین اور اوس کے بھائی مؤید الدولہ (تائید الدولہ) کی شان میں بھی ان کی شاہزادگی کے زمانہ میں قصائد کہے تھے ایک قصیدہ مین ان دونوں کا اجتماعی ذکر کس خوبی سے کرتا ہے،

علاھما زین اخوہ بہ، — کما یزین الفرقد الفرقد

دونوں بھائی ایک دوسرے کی زینت ہیں جس طرح ستارہ فرقد، فرقد کو زینت دیتا ہے،

من ترہ منفرداً منھما — فی مجلس قلت ھو السید

ان دونوں میں سے جس کو کسی مجلس میں تنہا پاؤ گے، کہو گے کہ یہی سردار ہے،

امیر مستخلص اللہ کلبی کی شان مین اس کے کئی قصیدے ہین، ایک قصیدہ مین اسے اور اس کے لڑکے انتصار الدولہ دونوں کو مخاطب کیا ہے:۔

وکانما الحدثان خلف زجاجۃ   ترَیانہ خلل الغیوب شفیفا

گویا حوادث زمانہ ایک شیشے کی آڑ میں ہیں جنکو تم دونوں غیب کے پردے سے صاف دیکھتے ہو

وکأنّ اسرار الوجوہ تصوّرت   لکما باسرار القلوب حروفا

گویا چہروں کی علامتیں حروف کی صورت میں دل کے بھید ونکو تمہارے سامنے نمایاں کر دیتی ہیں

فاذا انطوی یوماً لبغیٍ نیّۃ   نُشرت فاصبح سترھا مکشوفا[۱]

اگر نیت میں کوئی کھوٹ ہوگا، تو وہ کھل جائے گا، ؛

خَفّض علیك مساءۃ ومسرّۃ   تلقاھما فلکل شیءٍ آخرُ[۲]

رنج و مصیبت جو تمکو پہونچیں ان کے معاملے کو آسان سمجھو کیونکہ ہر چیز کی انتہا ہے،

پھر اوس کی وفات پر اوس کا مرثیہ بھی لکھا، جس میں بنو حسین کو اوس نے مخاطب کیا ہے:-

لیُسلکُم أن الجزیرۃ بعدکم   کما قیل فی الامثال لحم علی وضم

تمکو تسلی ہو کہ جزیرہ تمہارے بعد جیسا کہ امثال میں کہا گیا ہے (قصائی کے) تختہ کا گوشت ہے،

ترکتکم بقایا حسنکم فی خرابھا   کما ذبل النوّار فی خَلَل الحُمَمُ

تم نے اپنے حسن کی یادگار اوسکے کھنڈر میں چھوڑ دی ہے جسطرح کلی بنکھڑیوں میں مرجھا جاتی ہے،

وجوہ کانّ اللہ قال لمائھا   ترقرقی حیاءً وامزج الحسن بالکرم

ایسے چہرے ہیں جن کی آبرو سے خدا نے کہا کہ حیا سے چمک جا، اور کرم سے مل جا،

کانھم فوق الاسرّۃ انجمُ   سعود وفی الھیجا ضراغمۃ بُھَمُ[۳]

گویا وہ لوگ تخت پر سوار ستارے ہیں، اور لڑائی میں شیر ہیں،

---

[۱] شرح المختار من شعر بشار ص ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ص ۲۶۵، ص ۲۸۷،

امیر انتصار الدولہ بن امیر مستخلص الدولہ کی شان میں اوس کے متعدد قصائد کے اشعار برقی نے شرح المختار میں درج کئے ہیں، چنانچہ اوس کے ایک قصیدہ میں جنگ اور لشکر کے مناظر بیان کرتے ہوئے تلوار کی تعریف میں کہتا ہے:-

ومہندات کالعقائق ماؤھا   مترقرق ولھیبہا متاجج

اور ہندی تلواریں جن کا پانی عقیق کی طرح چمک رہا تھا، اور اسکا شعلہ بھڑک رہا تھا،

لا تستقر العین فوق متونھا   فکانما ھی زئبق متدحرج[1]

آنکھیں اوس کے اوپر نہیں ٹھہرتی تھیں، گویا وہ سیال پارہ تھیں،

ایک دوسرے قصیدہ میں حسن طلب ملاحظہ ہو،

اللہ الطف صنعًا حین یسّرلی   من لطف صنعک تیسیرًا لما عسرا

خدا بڑا مہربان ہے کہ اُس نے تیری مہربانی سے میری مشکل کو آسان کر دیا،

وقائل قال ابشر بمنجحۃ   ان الامیر کریم قال فانتصرا

اور ایک کہنے والے نے مجھ سے کہا کہ تجھکو حاجت براری کی بشارت ہو کیونکہ امیر فیاض ہے جب کہیگا

ما حاجۃ ھی اولی ان تفوز بھا   من حاجۃ قد ومنحتہا عینہ نظرا

جس ضرورت پر اوس نے نگاہ ڈال لی اس سے بڑھکر کوئی ضرورت پوری ہونیوالی نہیں،

إذا ابن مستخلص الاسلام قام بھا   فاقعد فانک قد لبیتھا الظفرا[2]

جب مستخلص الاسلام کا لڑکا اوس کے پورا کرنے کے لئے تیار ہو گیا، تو تو بیٹھ جا کہ وہ پوری ہے،

ایک دوسرے قصیدے کے دو شعر یہ ہیں:-

ولو استطعت علی النجوم نظمتہا   عقدًا علیک فہل الیہا معرج

---

[1] شرح المختار من شعر بشار ص ۲۵۲ [2] ص ۲۵۳

اگر مجھ کو ستارون پر قدرت ہوتی، تو میں تیرے لئے اوس کا ہار گوندھ لیتا،

کیا ستارون تک چڑھا جا سکتا ہے،

وإذا امتدحتك من ثنای نتیجة فعن المنائح من نوالك تنتج

اگر میں نے تیری مدح کی ہے، تو یہ تیری فیاضیوں کا نتیجہ ہے،

لك عندی صنیعة قلدتنی نعمة عفوها یقصر جهدی

تیرا مجھ پر ایک احسان ہے، جس کے شکریہ کی مجھ میں طاقت نہیں،

فاذا ما اضاء حولك نور من ثنائی فانت قادح زندی

تو جب تیرے گرد میری مدح کا نور چمکے، تو تو ہی میرے چقماق کا روشن کرنیوالا ہے

وإن أولی نبات ان تثمره صنیعة انت مولاها ومولیها

بہترین زراعت جسکو تو ثمردار بنائے، احسان ہے جسکا تو مالک ہے اور جسکو تو کرنیوالا ہے

فربها إنها سبع سنابلها فی حبة بارك الرحمن لی فیها

اسکی پرورش کر کہ ایک دانے میں اسکی سات بالیان ہونگی خدا مجھکو اسمیں برکت دے

أودعتها فی ثری جعد فانبتها مستارضا ارضها خضرا اعالیها

تونے اسکو زرخیز زمین میں بویا، اور زمین نے جسکے اوپر کا حصہ سرسبز ہے، اسکو اگایا،

فابعث ولیا الی ومیمها مددا إن الكتائب منصور توالیها[1]

پے درپے اوس کو بڑھاتا رہا، کہ جو فوج پے درپے آتی ہے وہ ظفریاب ہوتی ہے،

ابن خیاط نے اپنے بعض قصائد میں صقلیہ کے پرآشوب سیاسی حالات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، :-

[1] شرح المختار من شعر بشار ص ۱۱۶،

حَسبيَ مما فاتني كله بقيةٌ من أمل في يدي

سب کچھ کھونے کے بعد امید کا جو حصہ میرے ہاتھ میں رہ گیا ہے، وہ کافی ہے،

فكم كثير بلغ المنتهى كان قليلاً في يد المبتدي

بہت سی چیزیں جو کثرت میں انتہا درجے کو پہنچ گئی ابتدا کرنیوالے ہاتھ میں تھوڑی تھیں

ورُبَّما استدرك فوت الغنى واُسعِف الناشد بالمنشد[1]

دولت کے گم ہوجانیکا اکثر تدارک کرلیا گیا ہے، اور تلاش کرنے والے کو گم شدہ چیز ملگئی ہے،

کلبین کے زوال کے بعد اُس نے ابن تمنہ کی شان میں بھی قصائد لکھے[2]

ارباب علم و ادب و شعر، صقلیہ کے ارباب علم ادب و شعر کے تین دور سہولت کے لئے قائم کئے جا سکتے ہیں، یعنی دورِ اول[1] عہد اسلامی، دور ثانی[2] عہد نارمنی اور دور ثالث[3] عہد متاخرین، اور پھر ہر دور میں دو قسم کے ارباب ادب لائے جاسکتے ہیں، یعنی وہ ادبا، جو اصناف ادب و متعلقات مثلاً انشا، نحو، لغت اور عروض وغیرہ میں صاحب کمال ہیں، عام ازیں کہ وہ شاعری بھی کرتے ہوں اور دوسرے وہ ارباب ذوق ہیں جنھیں مورخین نے صرف شاعری کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اسی تقسیم کے رو سے ذیل میں انکے حالات پیش ہیں،

دورِ اوّل

(عہد اسلامی کے ادبا،)

پہلے دور کے ادبا کی تعداد مذکورۂ بالا ارباب علم کو چھوڑ کر ۲۰ ہوتی ہے جنھیں مورخین نے علم ادب کے ماہرین کی حیثیت سے جگہ دی ہے، کسی کو ماہر لغت کسی کو امام علم ادب کسی کو علم نحو میں یکتائے زمانہ اور کسی کو ماہر فن عروض کا خطاب دیا ہے، اور ارباب ادب میں

---

[1] شرح المختار من شعر بشار ص ۲۷، [2] الامحان المسیلہ در یادگاری جلد ا ص ۲۹۰،

چند صاحب تالیفات بھی تھے، یہ ادبا، بہ ترتیب زمانہ حسب ذیل ہیں :-

ابو علی حسن بن صقلی، شیخ ابو علی حسن بن علی صقلی محدث متوفی ۳۹۱؁ھ کو علم نحو میں بھی دستگاہ حاصل تھی، شاعری بھی فرماتے تھے، ابن عساکر نے انکے اشعار نقل کئے ہیں، اشعار میں زہد وورع کی تلقین کی گئی ہے[1]،

ابو العلاء صاعد بن حسن بغدادی، ابو العلاء صاعد بن حسن بن عیسیٰ ربعی لغوی اصل میں موصل کا باشندہ تھا، بغداد میں تعلیم وتربیت پائی، ابو علی فارسی، ابو سعید سیرانی اور ابو سلیمان خطابی جیسے ماہرین فنون اس کے اساتذہ میں ہیں، علوم لغت وادب میں کمال پیدا کیا، اور معاصرین میں تفوق حاصل کیا،

۳۸۰؁ھ میں مشرق سے اندلس پہنچا، اور منصور عامری کے دامن سے وابستہ ہوگیا اور اوس کی خدمت میں اپنی مشہور کتاب الفصوص پیش کی، جو علی القاری کی امالی کے طرز پر ہے اور اسکے صلہ میں ۵ ہزار دینار پائے،

کچھ دنون کے بعد جب اندلس مین فتنہ وفساد نے سر اوٹھایا، اور علمی مجلس درہم برہم ہوتی نظر آئی، تو صاعد نے رخت سفر باندھا، اور اندلس سے **صقلیہ** آیا، اور یہیں توطن پذیر ہوگیا، صقلیہ کی آب وہوا سازگار نکلی، یہیں اپنے علمی مشاغل جاری کردیئے، اور آخر عمر تک یہیں قیام پذیر رہا،

وفات بالآخر یہیں بہ روایت صحیح ۴۱۷؁ھ میں وفات پائی[2]،

دمعہ صقلی، ابو محمد صقلی معروف بہ دمعہ علما سے نحو میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، صقلیہ کے کسی

---

[1] تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۲۹۵ [2] اسکے مفصل حالات ابن خلکان مختصر انباء الرواۃ، بغیۃ الوعاۃ ص ۲۶۷ اور الوافی بالوفیات وغیرہ میں ہیں،

مدرسہ میں صدر اساتذہ کے عہدہ پر مامور تھا[۱]

شہاب الدین عبد الحق صقلی، شہاب الدین عبد الحق علم نحو میں شہرت رکھتا تھا، ابن ابی اصیبعہ صاحب کتاب عیون الانبار نے ایک سلسلہ میں اسکا تذکرہ کیا ہے[۲]

ابو حفص عمر بن حسن صقلی ابو حفص عمر بن حسن نحوی صقلی نحو و لغت میں درک رکھتا تھا، اصفہانی اور قفطی نے پر شوکت الفاظ میں اس کے علوم کی مہارت کا تذکرہ کیا ہے اور خود شاعری بھی کرتا تھا قفطی نے نمونۂ کلام درج کیا ہے

یہ ہمیشہ صقلیہ میں قیام پذیر رہا لیکن دولت اسلامی کے زوال کے بعد جب نارمنون نے صقلیہ پر قبضہ کیا، تو وہ راجر اول کی متعصبانہ حکمت عملی کا شکار ہو گیا، اور کسی سلسلہ میں قید خانہ میں ڈالدیا گیا، پھر اسی تقریب سے راجر کا قصیدہ خواں بن گیا، اور قید سے رہائی کی کوششوں میں اُس کی شان میں ایک طول طویل قصیدہ لکھا، مگر شاید رہائی نصیب نہیں ہوئی، اصفہانی نے اس قصیدہ کے جستہ جستہ اشعار نقل کئے ہیں[۳]

ابو یعقوب یوسف بن دباغ، ابو یعقوب یوسف بن احمد دباغ صقلی کا خاص فن علم نحو تھا، اور اس فن میں اپنے ہمعصروں پر سبقت رکھتا تھا، اسے متقدمین کی کتابیں ازبر یاد تھیں، اور نحو کے اکثر مسائل نظم کئے تھے[۴]

طاہر بن محمد بن رقبانی، طاہر بن محمد بن رقبانی عہد اسلامی کے ممتاز ترین ادبار میں تھا، اس نے تمام عمر صقلیہ ہی میں بسر کی، علم لغت پر عبور کامل تھا قفطی کہتا ہے:-

اُس کے زمانہ میں لغت عرب اور عربی کلام نظم و نثر کا واقف کار اس سے زیادہ کوئی

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ ص ۱۳۶ و مختصر انباہ الرواۃ در اماری ص ۶۰۴، [۲] عیون الانبار فی طبقات الاطبا جلد ۱ صفحہ ۱۰۹
[۳] خریدۃ القصر در اماری ص ۵۸۰، و مختصر کتاب انباء الرواۃ ذہبی در اماری صفحہ ۶۴۳ [۴] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۲۲

دوسرا نہ تھا"

علمی مرتبت کی شہرت ہر طرف پھیل گئی تھی، اطراف عالم کے طلبہ و اہل علم درس واستفادہ کیلئے سفر کر کے یہاں پہنچتے، اور اسکی مسند درس سے فیضیاب ہوتے،

شاعری بھی کرتا تھا قفطی نے چند شعر بطور نمونہ درج کئے ہیں[۱]

ابوالفضل علی بن طاہر بن رقبانی، ابوالفضل علی بن طاہر بن رقبانی، لغوی صقلی، لغت اور شعر جاہلی کا بہت بڑا حافظ تھا، دیگر اصناف ادب پر بھی عبور رکھتا تھا، شاعری بھی کرتا تھا قفطی نے نمونہ کلام درج کیا ہے[۲]

ابوطاہر اسمٰعیل بن خلف ابوطاہر اسمٰعیل بن خلف مقری صقلی متوفی ۴۵۵ھ علوم قرآن کے علاوہ علم ادب کے بھی امام سمجھے جاتے تھے، ابن خلکان نے "کان اماما فی علوم الاداب" (علوم آداب میں امام تھے۔) کے الفاظ سے توصیف کی ہے، اور تذکرہ نگار مقری کیساتھ نحوی کا لقب بھی دیتے ہیں[۳]

عثمان بن علی سرقوسی، ابوعمرو عثمان بن علی بن عمر سرقوسی علوم قرآن کے علاوہ علم نحو واَدَب میں درک رکھتے تھے سلفی نے عالم نحو ولغت لکھا ہے، اور سیوطی نے علم نحو وعروض میں ان کی تالیفات کا تذکرہ کیا ہے، عبداللہ بن بری بن عبدالجبار بن بری کی نحوی (مولود ۴۹۹ھ) نے جو علم لغت و ادب میں خاص پایا رکھتا تھا، علم ادب کی تحصیل انہی سے کی تھی[۴]

عمر بن خلف، ابوحفص عمر بن خلف بن مکی صقلی کے حالات فقہائے صقلیہ کے ضمن میں گذر چکے ہیں، انھیں فن انشاء وخطابت میں ملکہ حاصل تھا، تونس کے عہدۂ قضاء کے فرائض کے ساتھ

---

[۱] کتاب انباء الرواۃ علی انباء النحاۃ درامادی ص ۶۴۵، [۲] مختصر انباء الرواۃ درامادی ص ۶۴۶، [۳] ابن خلکان جلد اص ۴۳، [۴] بغیۃ الوعاۃ ص ۳۲۳ وکتاب المقفی مقریزی درامادی ص ۶۶۳؛

ہر جمعہ کو خطبہ بھی دیتے تھے، ان کے خطبات مدوّن ہوئے تھے قفطی نے ابن نباتہ متوفی ۳۵۵ھ جیسے بلند پایہ ادیب وخطیب پر انھیں ترجیح دی ہے چنانچہ لکھتا ہے،

"یہ اپنی انشاء پردازی میں ابن نباتہ پر تفوق رکھتے ہیں"

عماد الدین کاتب اصفہانی لکھتا ہے:۔

"ان کا فضل وکمال تمام مقامات پر زبان زد خاص وعام ہے اور ان کے خطبات ابن نباتہ کے خطبات سے کم نہیں ہیں"

شاعری کا بھی ذوق تھا، عماد الدین کاتب نے ان کے ذوقِ شعری کی تعریف کی ہے سیوطی نے بھی بغیۃ الوعاۃ میں دو شعر نقل کئے ہیں،

تصنیفات، ان کے مجموعہ خطبات کے علاوہ فن لغت میں انکی ایک کتاب تثقیف اللسان ہے، فیروز آبادی صاحب قاموس متوفی ۸۱۷ھ نے اس سے استشہاد کیا ہے، اور اوس کی توصیف کی ہے، اسی طرح امام نووی کی کتاب تہذیب الاسماء کے ماخذوں میں ہے کشف الظنون میں اسکا نام سقیف اللسان چھپ گیا ہے[۱]

محمد بن علی، ابو بکر محمد بن علی بن حسن بن عبد البر صقلی محدث عَلَم نحو ولغت میں بلند پایہ رکھتے تھے، منذری نے ان کا تذکرہ کیا ہے، ابن القطاع صقلی ان کے تلامذہ میں تھا، ابن دحیہ نے اپنی کتاب المطرب میں ان کے اقوال سے استناد کیا ہے[۲]

ابو موسیٰ عیسیٰ بن عبد المنعم صقلی، ابو موسیٰ عیسیٰ بن عبد المنعم صقلی کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف

---

[۱] مختصر انباء الرواۃ ورامارمی ص ۴۷، خریدۃ القصر اصفہانی ایضاً ص، ۵۹ تہذیب الاسماء نووی ج ۱ ق ۱ ص ۹۰ بغیۃ الوعاۃ سیوطی ص ۲۶۱، کشف الظنون جلد ۲ ص ۲۸۰، [۲] مختصر کتاب انباء الرواۃ علی انباء الرواۃ، درامارمی ص ۴۸، وبغیۃ الوعاۃ ص ۷۵،

عماد الدین اصفہانی نے پرزور ستایشی الفاظ میں کیا ہے، اور کلام کا نمونہ درج کیا ہے،

تالیفات، اسے انشاپردازی کا خاص ذوق تھا، اس نے ایک رسالہ اس صنعت کے ساتھ لکھا تھا، کہ پورے رسالہ میں حروف الف ولام ایک جگہ بھی نہیں آئے، حالانکہ عربی زبان میں بغیر الف ولام کے چند سطروں کا لکھنا دشوار ہے، اوس نے ایک دوسرا رسالہ محاسن خط کی تشریح میں لکھا تھا[1]،

سعید بن فتحون بن مکرم، سعید بن فتحون بن مکرم قرطبی اندلس میں مقیم تھا، کہ منصور عامری کے عتاب میں آگیا، اور قید خانہ میں ڈالدیا گیا جب رہائی حاصل ہوئی، تو صقلیہ پہنچا، اور یہیں توطن اختیار کرلیا، علوم لسانیہ مین ماہر تھا، اور علم عروض میں مختصر و مطول دو کتابیں تالیف کین،

وفات آخر عمر تک صقلیہ مین قیام پذیر رہا، اور یہیں وفات پائی[2]

ابو الحسن ابن البشائر الصقلی، ابو الحسن علی بن عبد الرحمن بن ابی البشائر صقلی کاتب صقلیہ کے ایک مقام بلنونہ کا باشندہ تھا، اسکندریہ میں بود و باش اختیار کرلی تھی، اور وہان امام نحو تسلیم کیا جاتا تھا، مختلف اصناف ادب نحو، عروض، اور شعر و شاعری میں کمال حاصل تھا، قفطی کہتا ہے:-

"علم نحو و عروض کا عالم و ماہر تھا، اور تمام انواع ادبیہ مین مناسبت رکھتا تھا، اور ان علوم کے افادہ کا سرچشمہ تھا"

تلامذہ کی صف میں عمر بن یعیش جیسے اکابر تھے،

شاعری، شاعری میں نمایاں شہرت حاصل کی، ابو الصلت متوفی ۵۲۵ھ اور منصور والی حماۃ صاحب اخبار الملوک و نزہتہ الممالک والملوک نے اوس کی شاعری اور بلاغت کلام

---

[1] خریدۃ القصر در اماری ص ۵۰۶، [2] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۵۶

کی توصیف کی ہے،

اسکی چند نظمیں اہل علم کے درمیان شہرت رکھتی ہین، چنانچہ اوس کے ہمعصر ابوالصلت نے اوس کی ایک نظم کو خصوصیت سے سراہا ہے، جو یہودیون کے ایک تہوار مہرجان میں دریائے نیل کی تعریف میں کہی تھی،

مجموعہ کلام، | اوس کے کلام کا ایک مختصر مجموعہ خزرجی نے ۵۱۳ھ میں اوس سے حاصل کر کے مرتب کیا تھا، جسے کسی نے ایک مجلد میں مختلف شعراء کے مجموعہ ہاے کلام کیساتھ اُسے بھی نقل کیا تھا، وہ مجموعہ اسکوریال کے کتب خانہ میں محفوظ ہے[1]،

ابن کلاعی، | ابوالعباس احمد بن محمد بن کلاعی صقلی فقیہ علم ادب اور شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے، قاضی عیاض فرماتے ہیں،،۔

"یہ ادیب، شاعر، اور ظریف تھے"[2]

ابن فحام صقلی، | ابن فحام صقلی مقری کو علم نحو میں بھی دستگاہ حاصل تھی، علم نحو کی تکمیل صقلیہ ہی مین ابن ناساد سے کی تھی، نحو میں انکی تالیفات بھی تھین[3]،

ابوعمران موسیٰ بن اصبغ قرطبی، | ابوعمران موسیٰ بن اصبغ مرادی قرطبی اندلس سے مشرق آیا، اور پھر صقلیہ میں وطن اختیار کرلیا،

یہ علوم ادب کا ماہر تھا خصوصًا لغت و اعراب میں دستگاہ حاصل تھی، آٹھ ہزار اشعار کے مجموعہ میں نحو کے مسائل مبتدیون کے لئے منضبط کئے تھے[4]،

ابن رشیق قیروانی، | ابوعلی حسن بن رشیق قیروانی صاحب کتاب العمدہ نے آخر عمر میں صقلیہ

---

[1] خریدۃ القصر در اماری ص ۵۶۹، ۵۸۰، مختصر کتاب انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ ۲۶۴ و اخبار الملوک و نزہۃ المالک والملوک در اماری ص ۱۲ [2] معجم البلدان ذکر بلنونہ [3] ترتیب المدارک دریادگاری جلد ۳ ص ۲۶۲ [4] مختصر کتاب انباہ الرواۃ در اماری ۵۴ [5] بغیۃ الوعاۃ ص ۴۰۰

صقلیہ میں توطن اختیار کر لیا تھا،

وہ افریقہ کے علم دوست فرمانروا معز بن بادیس کے دامن سے وابستہ تھا، ۴۴۳ھ میں قیروان پر عربون کے مشہور حملہ میں المعز کی بزم علمی بھی درہم برہم ہو گئی، اور افریقہ کے مختلف اہل علم وشعراء نے مختلف ملکون کی راہ لی، اسی سلسلہ میں مختلف اہل علم صقلیہ بھی پہنچے، جن میں ابن رشیق قیروانی بھی تھا،

ابن رشیق کے ورود صقلیہ کا صحیح زمانہ متعین کرنا دشوار ہے، بہرحال مختلف روایتوں کی بنیاد پر وہ ۴۴۳ھ سے ۴۴۹ھ تک کسی درمیانی سال میں صقلیہ پہنچا، اگرچہ یہی وہ زمانہ ہے جب صقلیہ میں بھی نارمنون کے حملے جاری تھے، اور وہ مختلف شہرون پر قابض ہو چکے تھے لیکن جیسا کہ اسلامی حکومت کے زوال کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے، کہ صقلیہ میں نارمنون کے حملہ سے کوئی ایسا عام انتشار پیدا نہیں ہوا تھا کہ اس کے اثرات بیک وقت سارے جزیرے پر پڑتے، اسلئے صقلیہ کے وہ تمام مقامات جو ابھی تک نارمنون کے زیر اثر نہیں آئے تھے، اپنے اپنے خود مختار فرمانرواؤن کے ماتحت امن وامان سے تھے،

چنانچہ وہ صقلیہ کے ساحلی شہر مازر مین قیام پذیر ہو گیا، یہان سے اُسے اندلس جانے پر آمادہ کیا گیا، مگر وہ راضی نہین ہوا اسکے ورود صقلیہ کا خاص سبب یہان کے اہل علم سے اس کے دیرینہ مراسم تھے چنانچہ صقلیہ کے اہل علم مین سے ابوعبداللہ محمد بن علی بن دباغ کاتب سے اس کی مکاتبت قائم تھی[1] ورود صقلیہ کے بعد اس نے سب سے پہلے اسی کو ایک نظم مین صقلیہ مین اپنے آنیکی اطلاع دی، اسکے بعد اُس نے یہیں مستقل توطن اختیار کر لیا، اور اسوقت سے وفات تک تقریبًا ۱۵، ۱۶ برس اپنے علمی خدمات میں مصروف رہا، اور مختلف کتابیں اور بلند پایہ نظمیں لکھیں جنھیں اسکے قیام صقلیہ کی یادگار کہا جاسکتا ہے،

تالیفات زمانۂ قیام صقلیہ | یوں کسی مصنف کی تالیفات کے مقام تالیف کو خود مصنف کی تعیین کے بغیر متعین کرنا دشوار ہے، لیکن اتفاق سے ابن رشیق پر ایک طویل بحث و تمحیص کے سلسلہ میں یہ امر کسی قدر صاف ہو گیا ہے، اور اس سے کسی حد تک اسکی تالیفات کے مقام تالیف کی تصریح ہو گئی ہے،

چنانچہ اس کی تالیفات میں سے اوس کی شاہکار کتاب العمدہ کے متعلق یہ تصریح معلوم ہے، کہ وہ اسکے صقلیہ آنے سے پہلے ۴۲۰ھ سے بھی قبل تالیف ہو چکی تھی،

کتاب العمدہ کے علاوہ اس کی جو تالیفات ہیں ان میں سے صرف ایک کتاب قراضۃ الذہب کے متعلق ضمنی قیاسات سے پتہ چلتا ہے، کہ اس کی تالیف کی ابتدا قیروان میں ہوئی، اور ممکن ہو کہ اس کی تکمیل صقلیہ میں آکر ہوئی ہو،

اس کے علاوہ اسکی حسب ذیل کتابیں وہ ہیں، جن کے متعلق غالب گمان ہے کہ انکا مقام تالیف صقلیہ ہے،

۱۔ کتاب الشذور فی اللغۃ

۲۔ میزان العمل،

۳۔ الروضۃ الموشیۃ،

۴۔ کتاب المساوی،

۵۔ مختصر الموطار،

۶۔ انموذج اللغۃ،

۷۔ تاریخ قیروان،

۸۔ دیوان ابن رشیق،

نظم و قصائد | اگرچہ کسی شاعر کے کلام کے متعلق بھی بغیر کسی تصریح کے یہ بتانا دشوار ہے، کہ وہ

کہاں نظم کیا گیا لیکن اوسکی چند نظموں اور قصیدوں کے متعلق تاریخی شہادتوں کی بنیاد پر جو ان نظموں کے سرنامہ کے طور پر مکتوب ہیں، یہ پتہ چلتا ہے، کہ صقلیہ میں لکھی گئی ہیں، اس سلسلہ میں اوسکی پہلی نظم وہ پیش کی جاسکتی ہے جسکو اُس نے صقلیہ آتے ہوے جہاز ہی پر لکھا تھا،

اس کے بعد اوس نے صقلیہ پہنچ کر مازر سے اپنے قدیم صقلی دوست ابوعبداللہ محمد بن علی بن صباغ کاتب کو اپنے ورود صقلیہ کی منظوم اطلاع بھیجی، یہ نظم عماد الدین نے اپنی خریدہ میں نقل کی ہے،

اس نے صقلیہ کی مدح میں بھی ایک نظم لکھی تھی، جسکے دو شعر ابن شباط سے ملسکے ہیں اور جنھیں لفظ صقلیہ کی تشریح میں کتاب کے شروع میں درج کیا جاچکا ہے،

اسی طرح جب صقلیہ میں اُسے ۴۵۳ھ میں معز بن بادیس کی وفات کی خبر ملی تو ایک مرثیہ لکھا، جسے ابن اثیر نے نقل کیا ہے،

اسی طرح اس کی ایک نظم ہے، جس میں عہد پیری پر ماتم معاصی کی یاد اور قیامت میں ان کی پرسش کا خوف وغیرہ کے خیالات ادا کئے گئے ہیں، اور صاحب بساط کی تصریح کے مطابق اسکا مقام نظم صقلیہ ہے، اسکے دو شعر یہ ہیں،

ولم اجد فی کتابی غیر سیئة   تسؤنی وعسی الاسلام یسلم لی

"یعنی میں اپنے نامۂ اعمال میں بجز برائیوں کے اور کچھ نہیں پاتا، جو میرے لئے نقصان رسان ہیں، شاید اسلام مجھے اپنی پناہ میں لیلے"

رجوت رحمة ربی وهی واسعة   ورحمة الله ارجی لی من العمل،

"میں اپنے پروردگار کی رحمت کا خواستگار ہوں، جو سب کے لئے وسیع ہے، اور اللہ کی رحمت تو اعمال سے زیادہ پر امید ہے"

اسی طرح اسکی مختلف نظمین "مرثیہ قیروان"، نونیہ، ہجو المعز، اور اندلس نہ جانے پر اظہار معذرت کے قطعہ کے متعلق بہ تعیین معلوم ہے، کہ وہ صقلیہ مین لکھی گئیں،

وفات، | ابن رشیق نے مازر مین ۱۱ سال قیام کے بعد اس پر نارمن حملہ سے پہلے ۴۶۳ھ مین وفات پائی،" اور وہین مدفون ہوا[۱]،

ابوطاہر اسمٰعیل بن احمد برقی، | ابو طاہر اسمٰعیل بن احمد بن زیادۃ اللہ تجیبی برقی قیروان کے مشہور علماے ادب مین سے تھا، ابن آبار نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اور اوس کے ذوق ادب وشعر کی ستایش کی ہے، مہدیہ مین قیام پذیر تھا، وہان سے ۴۰۰ھ کے بعد اندلس گیا، پھر اندلس سے مصر پہنچا، اور اسکندریہ مین مقیم ہوا، اور پھر وہان سے صقلیہ چلا آیا، جہان ۴۳۰ھ کے بعد تک مقیم رہا، یہ زمانہ دولت کلبیہ کے زوال کا تھا، ابن خیاط ربعی جوان دنون شاعر صقلیہ تھا، اس کے علمی وادبی تعلقات قائم تھے،

ابن آبار نے اسے صاحب تالیف لکھا ہے، اور اسکی کتابون کی تحسین کی ہے، اسکی ایک کتاب شرح المختار من شعر بشار اختیار الخالدین، مولوی بدرالدین علوی لکچرر مسلم یونیورسٹی کی تصحیح وتحشیہ کی مساعی سے ۱۹۳۵ء مین شائع ہوئی ہے، بشار کے دیوان کا انتخاب ابوبکر محمد و ابوعثمان سعید ابنا خالد نے المختار من شعر بشار کے نام سے کیا تھا، برقی نے اسی انتخاب کی شرح

[۱] ابن رشیق کے قیام صقلیہ اور یہان اس کے علمی خدمات انجام دینے پر مولف اوراق ہذا اور مولف حیات ابن رشیق والنتف من شعر ابن رشیق (مولانا میمن عبدالعزیز راجکوٹی، پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) سے ایک ایک طویل بحث وتمحیص ہوئی ہے، جو معارف ج ۳۲ نمبر ۴ وج ۲۴ نمبر ۲ و ۳ مین شائع ہوئی ہے، یہ اوراق انہی مباحث سے ماخوذ ہین، اس لئے اون کے ماخذ کے لئے معارف کے انہی نمبرون کی طرف رجوع کیا جائے جنہین تفصیل سے تمام حوالے درج ہین،

لکھی ہے، اس میں اس نے بشار کے اشعار کی توضیح و تمثیل میں صقلی شاعر ابن خیاط ربعی کا بہ کثرت کلام بھی پیش کیا ہے، پروفیسر مہین عبدالعزیز کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب ۴۲۱ھ کے بعد لکھی گئی اور یہی زمانہ اس کے قیام صقلیہ کا ہے، اس لئے اس کتاب کی تالیف کا مقام صقلیہ قرار پاتا ہے،

وفات، برقی نے آخر عمر میں صقلیہ میں توطن اختیار کیا تھا، اور پانچویں صدی میں اس نے وفات پائی، سال و مقام وفات معلوم نہیں، عجب کیا کہ اپنے اسی آخری موطن میں سپرد خاک کیا گیا ہو[۱]

علی بن عبدالرحمن صقلی، علی بن عبدالرحمن صقلی کو علم نحو و عروض میں شہرت حاصل تھی، و دیگر اصناف ادب و شعر و شاعری سے بھی مناسبت رکھتا تھا، صقلیہ سے اسکندریہ آیا، اور وہیں قیام پذیر ہوا[۲]

عمر بن علی بن عمر سرقوسی، عمر بن علی بن عمر سرقوسی صقلی مقری کو علم نحو و لغت اور عروض میں دستگاہ حاصل تھی، قفطی نے ان فنون میں ان کی چند تالیفات کا تذکرہ کیا ہے[۳]

ابو بکر محمد بن عبداللہ صقلی، ابو بکر محمد بن عبداللہ مقری صقلی علم لغت میں شہرت رکھتے تھے[۴]

ابو حفص عمر بن سارہ لواتی، ابو حفص عمر بن سارہ لواتی فقیہ کو علم ادب اور شاعری کا بھی ذوق تھا، قاضی عیاض نے نمونہ کلام درج کیا ہے[۵]

ابو المصیب عبداللہ بن ابو مالک قیسی، ابو المصیب عبداللہ بن ابی مالک قیسی علم لغت کا ماہر تھا، علم عروض و قوافی میں بھی شہرت رکھتا تھا، صفدی نے اسکے اس امتیاز کا تذکرہ کیا ہے، اور خود شاعری بھی کرتا، سیوطی نے نمونہ کلام درج کیا ہے[۶]

۱؎ مقدمہ شرح المختار من شعر بشار، ۲؎ مختصر انباہ الرواۃ در اماری ص ۶۴۶، ۳؎ ایضاً ص ۶۴۸، ۴؎ ایضاً،
۵؎ ترتیب المدارک در یادگاری جلد ا ص ۳۰۷، ۶؎ بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۵،

ابو الحسن علی بن حسن بن حبیب لغوی، ابو الحسن وابو الفضل علی بن حسن بن حبیب لغوی صقلی علمائے لغت وادب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، صاحب معجم الادبا، ابن القطاع کے حوالہ سے لکھتا ہے :۔

"معدودے چند علمائے لغت میں سے ایک ہے، اور وہاں (صقلیہ) کے ممتاز و ماہرین علماء میں ہے، جو اپنے ذہن رسا سے دور دور کی چیزیں حاصل کرتا ہے، اور اپنے علم کی روشنی سے مبہمات کا پردہ چاک کرتا ہے، اور شعر و معانی کی تنقید میں ماہر اور دقیق لغت اور اصول لغت کا حامل تھا"

یاقوت نے نمونہ کلام بھی درج کیا ہے، [۵۱]

عمر بن صقلی عمر بن صقلی قیروان میں مقیم تھا، علم ادب کا مذاق رکھتا تھا، ابو الفضل یوسف معروف با بن نحوی کا ہمعصر تھا، [۵۲]

ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ، ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ بن عبد المنعم ہندس کو شعر و شاعری اور انشار پردازی کا بھی مذاق تھا، عماد الدین نے اسکی توصیف کی ہے، [۵۳]

ابن القطاع صقلی، ادبائے متقدمین کا خاتمہ ابن القطاع صقلی لغوی ادیب پر ہوتا ہے، جس نے اپنی تالیف سے جزیرہ کے بہ کثرت شعراء کو زندہ جاوید بنا دیا،

نام و نسب، خاندان ابو القاسم محمد بن علی معروف با بن القطاع صقلی، صقلیہ کے ماہرین علم نحو و لغت کا امام کہا جا سکتا ہے جس نے اپنی علمی خدمات سے عربی علم ادب میں نمایاں جگہ حاصل کی، اس کا شجرۂ نسب یہ ہے، محمد بن علی بن جعفر بن علی بن محمد بن عبد اللہ بن حسین بن احمد بن محمد بن

---

۵۱ معجم الادبا، جلد ۵ ص ۱۱۵، بغیۃ الوعاۃ ص ۳۳۲، مختصر کتاب انباء الرواۃ درامار ی ص ۶۰۴، انباء الرواۃ میں "علی بن حسن بن حبیب" کے بجائے صرف "علی بن حبیب" مکتوب ہے، ۵۲ خریدۃ القصر درامار ی ص ۶۱۳، ۵۳ ایضاً

زیادۃ اللہ بن محمد الاغلب السعدی بن ابراہیم بن الاغلب ابن سالم تمیمی،

ابن القطاع کا یہ نسب نامہ ابن خلکان کو اُس کے مسودات میں ملا، مگر پھر وہ یہ یاد نہ رکھ سکا کہ اُس نے اسکو کہاں سے نقل کیا تھا، اور اسلئے اسکی نگاہ میں یہ مشکوک ہو گیا لیکن پھر اسکو خود ابن القطاع کے ہاتھ کی ایک تحریر ملی جسمیں "حسین" تک مسلسل نام موجود تھے، اور اسکے بعد اجمالاً بیان کیا گیا تھا کہ "یہ سلسلہ سعد بن زید مناۃ بن تمیم تک پہنچتا ہے"[۱]،

یہ افریقیہ کے مشہور فاتح و فرمانروا خانوادۂ اغالبہ کا چشم و چراغ تھا، جو نہ صرف صقلیہ کا فاتح خاندان تھا، بلکہ اُس کے ارکان امارت، ولایت، و دیگر حیثیات سے صقلیہ سے ہمیشہ وابستہ رہے، اور اس خاندان کو صقلیہ سے ایسا گہرا تعلق رہا، کہ اسکی ایک بڑی جماعت افریقیہ سے صقلیہ میں آکر سکونت پذیر ہو گئی، مگر یہ عجیب اتفاق ہے، کہ ابن القطاع کے آبار و اجداد میں سے جو لوگ صقلیہ میں سکونت پذیر ہوئے، وہ افریقیہ کے بجائے اندلس سے آئے تھے، کیونکہ ابن القطاع کے قلم سے جو نسب نامہ منقول ہے، اُس میں حُسین کو "شنتری" لکھا گیا ہے، یہ نسبت اندلس کے ایک قریہ شنتریہ کی طرف ہے،

خانوادۂ اغالبہ کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، کہ ۲۶۱ھ میں جب خلیفہ معتضد باللہ نے ابراہیم والی افریقیہ کے بجائے محمد بن زیادۃ اللہ کے نام فرمان تقرر بھیجا، تو ابراہیم نے محمد بن زیادۃ اللہ کو قتل کرا دیا، اور اسی دار و گیر میں غالباً احمد بن محمد افریقیہ سے اندلس چلا آیا، اور حسین اسی احمد کا لڑکا تھا اور پھر یہ خاندان اندلس سے منتقل ہو کر صقلیہ پہنچا، تاریخ صقلیہ میں اس خاندان کے جس رکن کا ذکر سب سے پہلے ملتا ہے، وہ ابن القطاع کا جد، علی بن محمد ہے، جو حسین بن احمد شنتری کا پوتا تھا،

خانوادۂ اغالبہ اپنی حکمرانی و فرمانروائی کے ساتھ اس عہد میں اپنے علم و فضل میں بھی ممتاز

---

[۱] ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۰،

سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ابن القطاع کے خاندان میں بھی پشتہا پشت سے علم وفضل خصوصاً علم ادب اور شعر و شاعری کا چرچا موجود تھا،

ابن القطاع کے جد امجد ابوالحسن علی بن محمد بن القطاع صقلیہ کے متقدمین علماء میں تھے اور شعر و شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے، وہ حاکم بامر اللہ (۴۱۱ھ) کے دربار میں بارسوخ تھے، اور اسکی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا ہے،

اسی طرح اوس کے باپ ابو محمد جعفر بن علی بن محمد بن القطاع پانچویں صدی کے علمائے صقلیہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، قفطی نے ان کے علم وفضل کی تعریف کی ہے، اور ابن القطاع نے بھی ان کے علم ادب میں دستگاہ رکھنے اور شعر و شاعری کا ذوق رکھنے کا تذکرہ کیا ہے،

ابن الابار کا بیان ہے، کہ یہ پانچویں صدی کے وسط تک صقلیہ مین موجود تھے، اور یہین مقیم رہے، اور یہیں وفات پائی،[۱]

ولادت ابن القطاع ۱۰ صفر ۴۳۳ھ کو سرزمین صقلیہ میں پیدا ہوا، اور اسی علمی گہوارہ میں ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی،

اساتذہ سن شعور کے بعد علوم عالیہ کی طرف متوجہ ہوا، اس وقت صقلیہ میں علم ادب کا اچھا خاصہ چرچا تھا، ادب کی تحصیل صقلیہ کے مشہور ادیب ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبد البر لغوی و دیگر فضلاے صقلیہ سے کی، اور تمام اصناف ادب خصوصاً علم لغت ونحو میں کمال پیدا کیا،

کتاب الصحاح کی روایت، ابن القطاع نے اپنے استاذ ابوبکر محمد بن علی لغوی سے لغت

[۱] کتاب الامتحان المسلیۃ در یادگاری جلد ا ص ۲۹۷، و حاشیہ پروفیسر برن ہارڈ مورتس بر ابن القطاع در یادگاری جلد ا ص ۳۰۳

میں جوہری کی مشہور کتاب صحاح پڑھی، کتاب الصحاح اس کے استاذ کے پاس اسکی عام اشاعت سے پہلے پہنچ گئی تھی، اور ابن القطاع کے لئے یہ باعث فخر سمجھا جاتا ہے، کہ کتاب الصحاح کی عام اشاعت بعد میں اسی کے تلامذہ کے ذریعہ ہوئی[1]

علم و فضل، ابن خلکان اسکی فضیلت علمی کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے،:-

"یہ ائمۂ ادب خصوصاً اہل لغت میں سے ایک تھا، اور علم نحو میں غایت درجہ بلند رتبہ رکھتا تھا"

یاقوت لکھتا ہے:-

"یہ اپنے وطن اور مصر میں علم عربی و فنون ادب کا اپنے وقت میں امام تھا"

اسی طرح قفطی و دیگر ناقدین فن نے اس کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے،

شعر و شاعری، وہ شعر و شاعری کا موروثی ذوق رکھتا تھا، بچپن ہی سے شعر گوئی شروع کر دی تھی، جس کا تذکرہ اس کی کتاب الدرۃ الخطیرہ میں کسی موقع پر آیا ہے، چنانچہ اصفہانی اس کے حوالہ سے لکھتا ہے، کہ اوس نے ۴۴۶ھ سے جب اس کی عمر صرف ۱۳ برس کی تھی، شعر کہنا شروع کیا، لیکن وہ علم ادب میں جس بلند مرتبہ پر پہنچا اسکے لحاظ سے شعر گوئی میں وہ مرتبۂ کمال حاصل نہ کر سکا، اسلئے یاقوت کو کہنا پڑا کہ،

"اور ابن القطاع کے اشعار بھی ہیں، لیکن وہ اس کے مرتبہ سے فروتر ہیں"

اس کے بعد یاقوت نے اسکے چند شعر منتخب کر کے نقل کئے ہیں،

بہرحال ابن القطاع کی شاعری اگر صقلیہ کے اکابر شعرا، ابن خیاط و مصعب اور ابن حمدیس وغیرہ کے مرتبہ پر نہیں تو کم از کم اس عہد کے دوسرے ممتاز شعرائے فروتر بھی نہیں ہے، البتہ یہ

---

[1] معجم الادباء جلد ۵ ص ۱۰۷

تعجب انگیز ضرور ہے، کہ یہ عرب شاعر جس کو عجمی تمدن سے اختلاط کا کم اتفاق ہوا، ایک اپنی صفت نوخیز حمزہ نامی غلام کے زلف گرہ گیر کا گرفتار ہو گیا، اور اسکو مخاطب کرکے قطعہ لکھا،

اس کے کلام کے اور بھی نمونے موجود ہین، ابن خلکان نے کسی الشیخ کے متعلق اس کے دو شعر نقل کئے ہین، پھر کسی قصیدہ کے بھی چند اشعار ہیں، جو شاید وزیر مصر افضل بن امیر الجیوش کی شان میں ہو جسکا تذکرہ اصفہانی نے اسکی کتاب الدرۃ الخطیرہ کے حوالہ سے کیا ہے، سیوطی کو بھی اسکے دس گیارہ شعر کہیں سے ملگئے ہیں[۱]

صقلیہ سے ہجرت اور ورود مصر، ابن القطاع اپنے وطن میں علمی وادبی خدمات میں مصروف تھا کہ دفعتہً نارمنی گھٹا اٹھی، اور یہ اسی طوفان میں اپنے عزیز وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوا، صقلیہ سے غالبًا افریقیہ پہنچا، اور پھر پانچوین صدی کے اواخر میں مصر مین داخل ہوا، اس کی علمی وادبی شہرت صقلیہ سے نکلنے کے پہلے ہی عربی دنیا میں پھیل چکی تھی، اس لئے اہل مصر نے اپنے اس معزز مہمان کا پرتپاک خیر مقدم کیا،

وزیر مصر کے یہان ملازمت، اسوقت مصر کے عہدۂ وزارت پر الآمر باحکام اللہ (۴۹۵ھ تا ۵۲۴ھ) کے دور مین افضل بن امیر الجیوش بدر الجمالی سرفراز تھا، اُس نے اسکی آمد مصر کو مغتنم سمجھا، اور اپنے لڑکے کی تعلیم و تربیت کی خدمت اسکے سپرد کردی،[۲]

تلامذہ اس کے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد ہے جن مین سے کچھ لوگ صقلیہ کے ہیں، اور کچھ لوگون نے مصر مین شرف تلمذ حاصل کیا، مصری تلامذہ میں سے ابو البرکات اسعد بن علی بن معمر جوانی عبید نحوی[۳] اور اسمٰعیل بن علی بن ابی المعشر نحوی زیادہ شہرت رکھتے ہین مؤخر الذکر جامع عتیق میں مسند درس پر متمکن تھے[۴]

---

[۱] ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۰، معجم الادبا جلد ۵ ص ۱۰۷، خریدۃ القصر در اماری ص ۵۰۹، بغیۃ الوعاۃ ص ۳۳۲ [۲] ۳۳۲ [۳] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۳۲ [۴] ،، ص ۱۹۲

لیکن ابن القطاع کے ورودِ مصر پر اس کے حلقۂ درس میں آکر شریک ہوئے، اور پھر اسی کی طرف منسوب ہو کر شہرت حاصل کی،[۱] ابو الحسن علی بن عبد الجبار بن سلامہ بن عبدون ہذلی لغوی (مولود ۴۲۳ھ متوفی ۵۱۹ھ) بھی اوس کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور بقول حافظ سلفی اپنے وقت میں لغت کے حافظ و امام تھے،[۲]

صحاح جوہری کی روایت کا شاخسانہ | جب ابن القطاع ابتداءً مصر پہنچا، تو لوگون نے اسکی اس خصوصیت کے باعث بھی اس کی طرف رجوع کیا، کہ یہ علم لغت کی مشہور کتاب الصحاح کا سندیافتہ راوی تھا، اسی کے ساتھ وہ اپنی اسی خصوصیت کے باعث مصری نحویون اور لغویون کا محسود بنا، اور اس کی سند اجازت و روایت پر چہ میگوئیان شروع ہوگئیں جن کی جانب ابن خلکان نے اشارہ کیا ہے، اسی بنیاد پر مشہور مؤرخ صلاح الدین صفدی متوفی ۷۶۴ھ نے ایک بڑی عمارت کھڑی کرلی، چنانچہ سیوطی اسکے حوالہ سے لکھتا ہے:-

"مصری نقاد اس کو تساہل روایت سے منسوب کرتے ہیں، کہ جب یہ مصر میں وارد ہوا، اور لوگوں نے پہلے اس سے صحاح کی بابت دریافت کیا، تو اوس نے کہا، کہ یہ کتاب اس تک نہیں پہنچی، مگر جب بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ اہلِ مصر کو اس کتاب سے خاص شغف ہے، تو جھوٹی جھوٹی روایتیں گڑھ کر سند تیار کرلی، اور صحاح کو پڑھنے پڑھانے لگا"[۳]

گویا صفدی کے نزدیک ابوبکر محمد بن البر سے کتاب صحاح کا درس اور اسکی روایت سب بے اصل باتیں ہیں، مگر صفدی سے ایک صدی سے بھی زیادہ پیشتر یاقوت متوفی ۶۲۶ھ کا یہ تصریح بیان موجود

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ ص ۳۴۴، بغیۃ الوعاۃ کا مطبوعہ نسخہ اس کے برعکس ہے، قلمی نسخہ منقولہ دار المعارف میں "صحب ابن القطاع وانتسب الیہ واشتہر بہ" کے الفاظ ہیں، اور مطبوعہ نسخہ میں "صحبہ ابن القطاع" ہے، لیکن خود مطبوعہ نسخہ کی مابعد عبارت سے اسکی تصحیح ہوجاتی ہے، دیکھو [۲] ۱۹۷، [۳] ۵۲، ص ۳۴۰، [۳] ایضاً ص ۳۳۱،

ہے، جو اس سے پہلے گذر چکا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"ابو بکر محمد بن البر صقلی لغوی سے تعلیم حاصل کی، اور اسی سے کتاب الصحاح اسمٰعیل بن حماد جوہری کو روایت کیا، اور اسی کے ذریعہ سے اس کتاب کی روایت تمام آفاق میں مشہور ہوئی،"

یاقوت کوئی غیر محتاط اہل قلم نہیں، ابن خلکان کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ وہ کسی شخص کو اُس کے حقیقی مرتبہ سے زیادہ کسی لقب سے ملقب نہیں کرتا، اور یہ اوس کے حزم و احتیاط و صحت روایت کی مشہور خصوصیت ہے، اس کے بعد یاقوت کے حزم و احتیاط کا یوں اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ اسی ابن القطاع کو ابن خلکان "کان احد ائمۃ الادب" (ائمۂ ادب میں سے ایک ہے) لکھتا ہے، یاقوت بھی اس کو "امام" کا لقب دیتا ہے، مگر اس اضافہ کے ساتھ "ببلدہ و بمصر" (اپنے وطن اور مصر میں)

اسلئے اس موقع پر ابن القطاع کے سلسلہ میں یاقوت کی روایت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، خصوصًا اسلئے کہ ابن القطاع سے یاقوت کا زمانہ صفدی کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے،

تصنیفات، اس کی تصنیفات تمام تر علم ادب ہی کے مختلف اصناف میں ہیں، صرف جزیرہ صقلیہ سے شرف انتساب رکھنے کے باعث اس کے قلم سے اس کی یاد میں بھی چند اوراق نکل گئے ہیں، ورنہ تمام کتابیں یا تو علم لغت و نحو میں ہیں، یا شعر و شاعری میں، اوس کی تصنیفات کی فہرست حسب ذیل ہے،

۱۔ حواشی صحاح جوہری، صحاح جوہری پر یوں تو سب سے پہلے ابو القاسم فضل بن محمد نحوی متوفی ۴۴۴ھ نے قلم اٹھایا[1]، مگر ابن القطاع کے حواشی کی یہ خصوصیت ہے، کہ اسی کے حواشی و تعلیقات

---

[1] معجم الادبا جلد ۶ ص ۱۴۲

صحاح کے مشہور محشی ابن بری کے حواشی کا مبنیٰ واساس ہین، یاقوت لکھتا ہی:-

"کتاب صحاح پر اس کے نفیس حواشی ہین، ابو محمد بن بری نحوی مصری نے صحاح پر جو کچھ لکھا ہوا ہیں اوس نے اسی کے حواشی پر بھروسہ کر کے لکھا ہی"[1]

ابن بری متوفی ۵۸۲ھ اپنے حواشی صرف "دب ش" تک لکھ سکا تھا، اسکی تکمیل شیخ عبد اللہ ابن محمد بسطی نے کی[2]

۲- کتاب الافعال علم لغت مین اسکی یہ معرکۃ الآرا مشہور تصنیف ہی، جو تین جلدون مین ختم ہوئی ہی اسکو اس نے ابن القوطیہ متوفی ۳۶۷ھ اور ابن طریف کی کتاب الافعال مین اصلاح و تہذیب کے بعد مرتب کیا تھا، ابن خلکان اسکے متعلق لکھتا ہی:-

"اسکی مفید تصانیف ہیں جن میں سے ایک کتاب الافعال ہے، جس کو اس نے بہتر سے بہتر طریقہ سے تالیف کیا ہے، اور یہ ابن القوطیہ کی کتاب الافعال سے زیادہ اچھی ہی اگرچہ وہ اس کا پیشرو ہے"[3]

ابن القوطیہ کی کتاب الافعال ۱۸۹۴ء مین لیڈن سے شائع ہو چکی ہے، اہل ادب اس کی قدر و منزلت سے آگاہ ہین، اسلئے ابن خلکان کے مذکورۂ بالا تبصرہ کے بعد ابن القطاع کی کتاب الافعال کے متعلق بھی رائے قائم کیجا سکتی ہی،

خوش قسمتی سے اس کے متعدد قلمی نسخے بھی جابجا پائے جاتے ہیں، جن مین سے ایک سرزمین ہند مین رامپور کے کتب خانہ مین ابنیۃ الافعال والاسماء والمصادر کے نام سے موجود ہے، یہ ۵۱۸ھ کا مکتوب ہے، کاتب کا نام احمد بن عبد اللطیف الشرجی اور اوراق کی تعداد ۳۰۸ ہے، دوسرا نسخہ اسکوریال میں، اور تیسرا میلان (اٹلی) کے کتب خانہ

---

[1] معجم الادبا جلد ۵ ص ۱۰۰، [2] کشف الظنون جلد ۲ ص ۵۰، [3] ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۳،

میں پایا جاتا ہے۔[۵]

موخر الذکر نسخہ گریفینی کی نظر سے گذرا ہے، اس نسخہ کی ترتیب جعفر بن عبد الرحمٰن بن عمرو سلمی کی طرف منسوب ہے، کاتب نسخہ کا نام احمد بن ابراہیم بن محمد بن ادریس بن باجوک ہے، تاریخ کتابت یوم سہ شنبہ ۲۰ ذی القعدہ ۶۱۱ھ ہے، گریفینی نے اس نسخہ کے چند اقتباسات مجموعۂ مضامین بیادگار صد سالہ اماری میں نقل کئے ہیں، جن سے ابن القوطیہ کی کتاب میں اصلاح و تہذیب کے بعد کتاب کی ترتیب و تدوین کے حالات، اور اسی سلسلہ میں سبب تالیف اور کتاب کے اہم خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے،

لیکن میلان کا نسخہ جو جعفر بن عبد الرحمٰن سلمی کا مرتبہ ہے، ابن القطاع کے اصل نسخہ سے کسی قدر مختلف ہو گیا ہے، مثلاً ابن القطاع نے ابن القوطیہ کی کتاب الافعال سے جو افعال نقل کئے تھے، انھیں اپنے جمع کردہ افعال سے "ق یعنی ابن قوطیہ" اور "ع یعنی ابن قطاع" کی علامتوں سے ممتاز کر دیا تھا، لیکن سلمی نے جس نسخہ سے نقل کیا تھا، اس میں یہ علامتیں کم موجود تھیں، علاوہ ازیں ابن القطاع نے افعال کی ترتیب صرف فا، کلمہ یعنی لفظ کے صرف پہلے حرف پر رکھی تھی، سلمی نے بہ ترتیب حروف تہجی الفاظ کے تمام حروف پر نگاہ ڈالی، اور سب کو حروف تہجی کے اعتبار سے نقل کیا، نیز ابن القطاع کے اصل نسخہ میں بعض الفاظ مکرر لکھ لئے گئے تھے، سلمی نے انھیں حذف کر دیا ہے،

آغاز کتاب ان الفاظ سے ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ وحدہ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وسلم الحمد للہ ذی العزۃ والسلطان والقدرۃ والبرھان، الخ

---

[۵] فہرست کتبخانہ رامپور ص ۵۰۰، و مقالہ گریفینی در یادگاری مضامین جلد ۱ ص ۴۴۲، رامپور کے نسخہ کی نقل جامعہ ملیہ کے کتبخانہ میں بھی آئی ہے،

ذیل میں کتاب کا ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے، جس سے ابن القطاع کے اسلوب بیان طریق تحقیق و تفحص اور اسکی اور ابن القوطیہ کی تالیف کا فرق واضح ہوگا،

الھمزۃ من الثلاثی، علی فعَل وأفعَل مع الباء، أبَّ أبًّا وأبابا وأبابۃ تھیّأ للذھاب وللشئ مثلہ والی سیفہ ردّ یدہ لیاخذہ والشی أبابۃ تھیّأ وایضًا نزع الی وطنہٖ ق وابت الیوم ابًّا اشتد غمہ ع وأبت أبًّا کن الت وایضًا أمرُ والرجل من شراب انتفخ، الخ

۲- کتاب الاسماء، لغت مین یہ دوسری کتاب ہے، جس کا تذکرہ یاقوت اور ابن خلکان وغیرہ نے کیا ہے، یاقوت کہتا ہے "اسمیں اسماء کے اوزان اور ابنیۃ جمع کئے ہین" ابن خلکان کہتا ہے "اس میں اسماء جمع کئے ہیں، اور ان کا حق ادا کیا ہے، اور اس سے اس کی کثرت معلومات کا ثبوت ملتا ہے[۱]

۴- کتاب الابنیۃ، حاجی خلیفہ نے اس نام سے اس کی ایک تالیف کا ذکر کیا ہے جس میں افعال و اسماء، دونوں کے اوزان مشترک طور پر درج کئے گئے ہیں[۲] عجب کیا ہے کہ مذکورۂ بالا دونون کتابون کا یہ مجموعہ ہو، اور رام پور کے کتب خانہ میں یہی مجموعہ موجود ہو، نام سے اشتباہ ہوتا ہے،

۵- کتاب السیف، اسمیں تلوار کے اسماء وصفات بیان کئے گئے ہیں[۳]

۶- کتاب القصار واسمائھم وصفاتھم، بہ ترتیب حروف اس میں دھوبیوں کے اسماء وصفات درج ہیں[۴]

---

[۱] معجم الادباء، جلد ۵ ص ۱۰۷، ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۰، [۲] کشف الظنون جلد ۲ ص ۲۸۳، [۳] ر ص ۲۹۵،
[۴] معجم الادباء، جلد ۵ ص ۱۰۴،

۷۔ کتاب العروض والقوافی، یہ علم عروض میں ایک مفید کتاب ہے،

۸۔ کتاب فوائد الشذور و قلائد النحور، یہ شعر و شاعری میں ہے،

تاریخ میں اس کی دو کتابیں ہیں، اور دونوں تذکرۂ شعرا ہیں، ان میں سے ایک صقلیہ کے شعرا کے حالات میں ہے، اور دوسری شعرائے اندلس کے حالات میں جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے،

وفات ابن القطاع نے ماہ صفر ۵۱۵ھ میں بمقام قاہرہ وفات پائی،[۱] اور امام شافعی کے پہلو میں سپرد خاک ہوا،[۲] ضریح شافعی کے پاس اوس کا مقبرہ بھی آج تک معلوم و مشہور ہے[۳]

عہد اسلامی کے شعرا

عہد اسلامی کے شعرا کے ۷۲ نام ایسے معلوم ہو سکے ہیں، جن کے شعر و شاعری کی ارباب تذکرہ نے مدح سرائی کی ہے، اور کلام کا نمونہ درج کیا ہے، اور جو شعرا اصناف شاعری میں سے کسی خاص صنف میں شہرت رکھتے تھے، یا اونھیں کوئی خاص کمال حاصل تھا، اس کا بھی تذکرہ کیا ہے،

چند شعرائے متقدمین اس دور کے شعرا میں سے ذیل کے چند شعرا کا تذکرہ ابن القطاع کی الدرۃ الخطیرہ اور ایک مہدوی صاحب علم کی تصنیف کے حوالہ سے عماد الدین نے خریدۃ القصر میں اور ابن سعید نے الالحان المسلیہ میں اور قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں کیا ہے، اور انکی شاعری کی توصیف تقریبًا ایک ہی قسم کے الفاظ میں کی ہے، اور اکثر شعرا کے کلام کے نمونے درج کئے ہیں،

---

[۱] ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۰۵، [۲] بغیۃ الوعاۃ ص ۳۳۳ [۳] رسالہ الزاہرا مصر،

ابو علی حسن بن داود معروف بہ غادن صقلی، ابو محمد عبد العزیز بن حاکم عمر بن عبد العزیز معافری، ابو علی حسن بن عبد اللہ اطرابنشی، ابو محمد قاسم بن عبد اللہ تمیمی صقلی، ابو محمد عبد المعطی سرقوسی، ابو محمد عبد الحق صقلی، انھون نے اپنے لڑکے عمران کا ایک پر درد مرثیہ لکھا تھا، ابو سلیمان ہبۃ اللہ صقلی اسکی ابن ابی البشائر صقلی سے منظوم مراسلت ہوئی تھی، ابو القاسم احمد بن ابراہیم ودانی صقلی، ابو الحسن علی بن اسحاق ابراہیم بن ودانی صقلی، اسکی ابن رشیق سے منظوم مراسلت جاری تھی، ابو القاسم بن طلحہ صقلی، ابو عبد اللہ بن حسن بن طوبی صقلی، اس نے منصور بن عبد المومن کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا تھا، عبد الحلیم بن عبد الواحد صقلی، ابو حفص عمر بن رحیق صقلی، ابو الحسن علی بن عبد الجبار صقلی ودانی، موخر الذکر تین شعرا نارمنون کے حملۂ صقلیہ کے زمانہ میں تھے، اور صقلیہ کا پر درد مرثیہ لکھا ہے، ابو الفضل مشرف ابن راشد اسنے صنعتِ طباق کیساتھ ایک طویل نظم لکھی تھی، ابو العباس ابن محمد بن قاف، قاضی ابو الفضل حسن بن ابراہیم شالی کنانی، ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن شالی، ابو بکر محمد بن علی بن عبد الجبار کمونی، ابو محمد عبد اللہ بن مخلوف فافا، ابو حفص عمر بن حسن بن حسن بن سطرق، یہ عابد و زاہد تھے، اور اسی مذاق کی شاعری کرتے تھے، ابو سعید عثمان بن عتیق، اس کا ایک قصیدہ امیر معتصم یحیٰ بن محمد بن معن بن صمادح کی شان میں ہے، ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد الغنی، مقری واعظ، فقیہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن ابو بکر سرقوسی، عبد الوہاب بن عبد اللہ بن مبارک، ابو الفتح احمد بن علی شالی،[۱]

ان کے علاوہ اس دور کے حسب ذیل شعرا ہیں،

ابو الحسن علی بن حسن بن طوبی، | ابو الحسن علی بن حسن بن طوبی صقلی، صقلیہ سے مشرق کی طرف چلا آیا، معز بن بادیس کے زمانہ مین اس کا عنفوان شباب تھا، اس کی شان مین ایک قصیدہ لکھا ہے، اور

---

[۱] خریدۃ القصر عماد ی از ص ۵۰۱ تا ۶۱۰، ترتیب المدارک دریادگاری جلد ا ص ۳۷۹، ۳۸۲، والالحان المسلیہ دریادگاری جلد ا ص ۲۹۷ تا ۳۰۳،

دیگر سلاطین کی خدمت مین بھی باریاب رہا، ابن القطاع نے اس کو "امام بلغاء و تمام شعراء" کا لقب دیا ہے، اور نمونۂ کلام درج کیا ہے،

دیوان	صاحب دیوان شاعر تھا، اور اپنا دیوان خود مرتب کیا تھا، جو مختلف اصناف شاعری پر مشتمل تھا[۵۱]

ابن[۲۸] السوسی	عثمان بن عبد الرحمن معروف بہ ابن السوسی مالٹا مین پیدا ہوا، اور وہین تعلیم و تربیت

پائی، علم ادب کی تحصیل اپنے والد عبد الرحمن سے کی پھر بلرم چلا آیا اور یہین سکونت پذیر رہا ستر سال کی عمر مین وفات پائی شعر و شاعری کا اچھا مذاق تھا، عماد الدین نے اسکی ستایش کی ہے، اپنی وفات سے کچھ دنون پیشتر کسی مسلمان رئیس صقلیہ کا مرثیہ لکھا تھا، جو بہت مقبول ہوا،[۵۲]

سلیمان بن محمد طرابنشی[۲۹]	سلیمان بن محمد طرابنشی فضلائے صقلیہ مین شمار کیا گیا ہے، ابن القطاع اور

شہاب الدین عمری نے بلند پایہ الفاظ مین توصیف کی ہے، یہ صقلیہ سے افریقہ پہونچا، سوسہ مین کسی زلف گرہ گیر کا اسیر ہوا، اور ۴۸۴ھ کے بعد وہان سے اندلس چلا گیا، جہان صاحب ثروت طبقہ نے اسکی قدر و منزلت کی اور وہین سکونت پذیر ہو گیا، ابن القطاع نے کلام کا نمونہ درج کیا ہے، یاقوت نے بھی معجم البلدان میں طرابنش کے ذکر میں اس کا تذکرہ کرکے نمونۂ کلام دیا ہے،[۵۳]

محمد بن[۳۰] ابی بکر صقلی	محمد بن ابو بکر صقلی کا تذکرہ کسی دوسری جگہ عزت و احترام سے گذرا ہے، لیکن ابن القطاع

نے ان کی زندگی کا ایک دوسرا رخ بھی پیش کیا ہے، کہ وہ کسی نوخیز امرد کی محبت مین گرفتار ہو گئے تھے، لیکن کبھی کوئی حرف مدعا زبان پر نہین لائے، حالانکہ آتش شوق سے بیقرار رہتے تھے، صرف کبھی کبھی زبان شاعری مین کچھ کہہ جاتے، اور وہی ان کے جذبات کی غمازی کر جاتے تھے،

---

۵۱ کتاب الامکان المسلیۃ در یادگاری ج ا ص ۲۹۹، و ۳۰۳، ۵۲ خریدۃ القصر ص ۵۰۹، ۵۳ الامکان المسلیۃ در یادگاری ج ا ص ۳۹۹ و حاشیہ نمبر ۱۴، ص ۳۰۴، اصفہانی کی خریدہ میں طرابنشی کے بجائے طرابلسی چھپ گیا ہے و معجم البلدان جلد ۶ ص ۳۶،

ان کا کلام درد واثر میں ڈوبا ہوتا تھا،[۵۰]

ابومحمد ابن صمنہ [۳۱] | ابومحمد بن صمنہ صقلی کے کلام میں شوخی وظرافت کی چاشنی ہوتی تھی، وہ خود فقیہ تھے، اور اپنے ہمعصر شعراء سے ان کی چشمک رہتی تھی، فقیہ عیسیٰ بن عبدالمنعم صقلی سے نوک جھونک رہتی تھی، اور دونوں نظم میں ایک دوسرے کی چٹکیاں لیتے تھے،[۵۱]

ابوالفضل جعفر بن برون صقلی [۳۲] | ابوالفضل جعفر بن برون صقلی کی شاعری زیادہ تر خمریات میں ہے، عمادالدین کاتب کے کسی ہمعصر نے صدیہ کے اہل علم کے تذکرہ میں کوئی کتاب لکھی تھی، جس میں صقلیہ کے اہل علم وشعراء کو بھی جگہ دی تھی، عمادالدین کا بیان ہے، کہ جعفر بن برون کے کلام کا جو انتخاب کیا گیا تھا، وہ زیادہ تر خمریات پر مشتمل تھا،[۵۲]

ابوالعرب مصعب قرشی صقلی [۳۳] | ابوالعرب مصعب بن محمد بن ابوالفرات قرشی صقلیہ کا مشہور صاحب دیوان شاعر ہے ۴۲۳ھ میں بلرم میں پیدا ہوا یہیں تعلیم وتربیت پائی، صقلیہ میں اس کے دم سے شعروشاعری کا بازار گرم تھا، اور اس نے یہاں کے نوجوان شعراء میں ادب وشعر کا مذاق پیدا کیا، اسکی شاعری کی شہرت دور دور پہنچی، المعتمد فرمانروائے اشبیلیہ (اندلس) اسکے قدردانوں میں تھا، اُس نے اسے پانسو بھیج کر اشبیلیہ بلایا، مگر یہ وطن چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا، معذرت میں ایک قطعہ لکھ بھیجا، جسکے دو شعر یہ ہیں :-

لا تعجبن لرأسی کیف شاب اسی ۔۔۔۔ واعجب لاسود عینی کیف لم یشب

اس پر تعجب نہ کرو، کہ غم سے میرے بال کیوں سفید ہوگئے، اس پر تعجب کرو، کہ میری سیاہ آنکھیں کیوں نہیں سفید ہوگئیں،

البحر للروم لا یجری السفن بہ ۔۔۔۔ الا علی غرر والبر للعرب

---

۵۰ خریدۃ القصر ورقہ ماری ص ۳۰۴، ۵۲ رر ص ۵۸۱، ۵۳ ایضاً

سمندر رومیوں کا ہے، اس میں کشتیاں بلا خوف و خطر نہیں چل سکتیں، اور خشکی عربوں کی ہے"
لیکن جب خود اوس کا وطن "رومیون" کے خوف و خطر میں گھر گیا، تو بالآخر ۴۶۵ھ مین نارمنی فتنہ سے گھبرا کر وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوا، اور اشبیلیہ پہنچکر المعتمد کے دربار سے وابستہ ہو گیا، المعتمد کی خدمت مین جو پہلا قصیدہ پیش کیا، اسکے چند اشعار یہ ہین،

الا م اتبّاعی للامانی الکواذب ۔۔۔ وھذا طریق المجد بادی المذاھب

مین جھوٹی خواہشون کے پیچھے کیون پڑون، حالانکہ بزرگی کا راستہ کھلا ہوا ہے،

پھر اُسی قصیدہ میں اپنے اجڑے وطن صقلیہ کو یاد کرکے آنسو بہاتا ہے اور مصائب سے ہلکان نہ ہونے کا عزم اس جوانانہ انداز سے کرتا ہے،

ویا وطنی ان بت عنّی فاننی ۔۔۔ سا وطن اکوار العتاق النجائب

اے میرے وطن اگر تو میرے موافق نہیں ہے، تو میں عمدہ اونٹنیوں کے کجاوے کو اپنا وطن بنا لون گا،

اذا کان اصلی من تراب فکلّھا ۔۔۔ بلادی وکل العالمین اقاربی

جب کہ میری اصل خاک ہے، تو پوری زمین میرا ملک ہے اور تمام دنیا میری اقربا ہے،

وما ضاق عنّی فی البسیطۃ جانب ۔۔۔ وان جلّ الا اعتقبت منہ بجانب

"دنیا کا کوئی گوشہ گو وہ کتنا ہی بڑا ہو، جب میرے لئے تنگ ہو گا، تو میں اس کے عوض دوسرا گوشہ اختیار کر لوں گا"

المعتمد اپنی شاہانہ داد و دہش سے ہمیشہ اسکی ہمت افزائی کرتا رہا، اور اس کے وجود سے دربار مین شاعرانہ لطائف و ظرائف پیش آتے، مثلاً ایک مرتبہ اسکے دربار میں دینار کی بہت سی تھیلیاں آئیں، اتفاق سے وہیں پر عنبر کی بنی ہوئی چند طلاکار مورتیان بھی رکھی تھیں، جن مین

ایک اونٹ کی خوبصورت مورتی بھی تھی، المعتمد نے ابو العرب سے دینار کی دو تھیلیاں اٹھا لینے کا اشارہ کیا، اس نے برجستہ کہا، ان دیناروں کو اونٹ کے سوا کون اٹھا سکتا ہے، المعتمد نے مسکرا کر اونٹ کی مورتی بھی اٹھا لینے کو کہا، ابو العرب نے شکریہ میں فی البدیہہ دو شعر نذر کئے،

ابو العرب المعتمد کی حکومت کے زوال اور اس کے اشبیلیہ سے جلا وطن ہونے کے بعد بھی اشبیلیہ ہی میں قیام پذیر رہا،

وفات، سال وفات معلوم نہیں، البتہ عماد الدین نے ابو القاسم علی بن منجب اور ابن خلکان نے ابن الصیرفی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ وہ ۵۰۶ھ تک اندلس میں موجود تھا،

دیوان، اس کے کلام کا مجموعہ جمع ہو چکا تھا، حاجی خلیفہ نے "دیوان مصعب" کے نام سے اس کا تذکرہ کیا ہے[۱]

ابن حمدیس سرقوسی،[۲] صقلیہ کے اسلامی دور کے شعراء کا خاتمہ یہاں کے مشہور شاعر ابن حمدیس سرقوسی، ابو محمد عبد الجبار بن ابو بکر بن محمد بن حمدیس ازدی پر کیا جا سکتا ہے، وہ عربی علم ادب و شعر میں پانچویں صدی کے ممتاز و باکمال اساتذہ میں گذرا ہے، جس کی شاعری کا غلغلہ مغرب سے مشرق تک بلند ہوا، اور اوس کے ہمعصر ناقدین فن نے فن شعر میں اوس کی فضیلت و برتری کا اعتراف کیا،

ولادت تعلیم و تربیت، ابن حمدیس تخمیناً ۴۴۷ھ میں سرقوسہ میں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم و تربیت

---

[۱] کتاب مسالک الابصار فی ممالک الامصار شہاب الدین العمری در اماری ص ۶۵۵، ۶۵۶، ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۰۰، ترجمہ ابی الحسن الحصری، خریدۃ القصر در اماری ص ۶۰۰، کتاب الالحان المسلیہ در یادگاری جلد ۱ ص ۲۹۹، نفح الطیب و کشف الظنون جلد ۱ ص ۵۲۳، کشف الظنون میں اس کا سال وفات ۴۴۰ھ ہے، جو صحیح نہیں ہے،

صقلیہ مین حاصل کی، اور بچپن ہی سے شعر کہنے لگا،[51] رفتہ رفتہ اوس کی شاعری کا چرچا صقلیہ سے نکلکر دوسرے مقامات تک پہنچا، اور افریقہ، اندلس اور مصر کے علمی و ادبی حلقون میں وہ روشناس ہو گیا،

صقلیہ سے روانگی، اور ورودِ افریقہ، لیکن جب ابن حمدیس کا آفتابِ کمال طلوع ہوا، تو اسلامی صقلیہ اُجڑ چکا تھا، اسلئے اپنے بوڑھے باپ کو صقلیہ مین چھوڑ کر وہان سے تقریباً ۲۴، ۲۵ سال کی عمر مین سنہ ۴۷۱ھ میں افریقہ پہنچا، خوش قسمتی سے یہان اسے اپنے عربی علم ادب کو ترقی دینے کے بعض بہتر مواقع ہاتھ آگئے،

چنانچہ یہان بعض ایسے عرب خانوادون سے اس کا میل جول ہوا، جن کے فیض صحبت سے اس نے عربی زبان پر قدرت حاصل کی، اس کا تذکرہ اس نے اپنے ایک قصیدہ میں کیا ہے،[52]

ورودِ اندلس، اس کے بعد وہ اسی سال سنہ ۴۷۱ھ میں اندلس چلا گیا، پہلے یہان کے مختلف فرمان رواؤن کے دربار میں گیا، پھر المعتمد تک رسائی حاصل ہوئی، اور اوسی کے دامن سے وابستہ ہو گیا،[53]

المعتمد محمد بن عباد شاہ اشبیلیہ (سنہ ۴۶۱ھ ۱۰۶۹ء - سنہ ۴۸۴ھ ۱۰۹۱ء) خود ایک بلند پایہ شاعر تھا، اور اسلئے باکمال شعراء کا دل سے قدردان تھا،

اس کے دربار میں ابن زیدون، ابن وہبون، ابن عمار، اور ابن ہانی جیسے اس عہد کے باکمال شعراء اور ابوبکر بن عطار یابسی، ابوالحسن مکفوف حصری، ابومحمد مصری، ابن شرف قیروانی، ابومحمد بن طلا مہدوی، ابوبکر بن حسن مرادی، اور ابن المقابلہ بستی وغیرہ جیسے صاحبِ علم و فضل جمع تھے، اسی طرح صقلیہ کے اہل علم مین سے ابوعبداللہ بن صباغ صقلی، سلیمان بن محمد صقلی، اور

---

[51] کتاب الاسحان المسلیہ در یادگاری جلد ۱ ص ۲۹۹، [52] انتخاب دیوان ابن حمدیس در اماری ص ۵۶۱

[53] التکملہ ابن آبار ص ۱۶۳۷

ابو العرب صقلی وغیرہ بھی صقلیہ کی اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد یہیں پہنچ گئے تھے[۱]

اسلئے ابن حمدیس کے لئے اس نئے مقام مین کوئی اجنبیت باقی نہیں تھی، بلکہ یہاں کی فضا اسکے لئے ایسی سازگار ثابت ہوئی، کہ چند ہی دنون مین اُس نے المعتمد کے دربار میں رسوخ حاصل کر لیا، اور جبتک المعتمد کے بخت نے یاوری کی، وہ اس کے دامن سے وابستہ رہا، اور رفتہ رفتہ اسقدر رسوخ حاصل کر لیا، کہ اسکی خلوت و جلوت کے محرمانِ راز میں داخل ہو گیا، یہانتک کہ کتاب و شعراء کے سامنے المعتمد کا جو قلمدانِ وزارت رکھا جاتا تھا، وہ شاید اسکے سامنے بھی پیش کیا گیا چنانچہ المنصور والی حماۃ نے اوسے ذوالوزارتین کے خطاب سے یاد کیا ہے[۱]

اشبیلیہ کے زمانہ قیام کے قصائد و قطعات

ابن حمدیس کی شاعری کا زمانہ شباب اشبیلیہ ہی میں گذرا، وہ کبھی المعتمد کی شان میں مدحیہ قصائد سُناتا، کبھی تبریک و تہنیت کے موقعون پر مبارکباد پیش کرتا، کبھی دشمنون سے لڑنے کا سماں کھینچتا، اور قصیدہ میں جنگ کا پورا واقعہ قلمبند کرتا، کبھی کسی نئے محل کی تعریف میں قطعہ لکھتا، کبھی المعتمد کے لڑکون کی شان میں قصائد پڑھتا، کبھی کسی دریا کے کنارے بے تکلف ہمعصر شعراء کے ساتھ سیر کے لئے نکل جاتا، اور شاعرانہ صحبتوں میں شریک رہتا، چنانچہ اس کے عہد کا سارا کلام اسی قسم کے موضوعوں پر ہے،

المعتمد کی شان میں قصائد،

المعتمد کی شان میں اس کے چند مدحیہ قصائد دالیہ، رائیہ، اور لامیہ ہیں[۱] ان کے علاوہ جو قصائد تبریک و تہنیت کے موقعوں پر پیش کئے، ان میں زیادہ تر عیسائی، فرمانروائے قشتالہ سے لڑائیون میں اسکی فتحمندی کے موقعون پر کئے تھے، چنانچہ ۴۷۹ھ کی ایک معرکۃ الآرا فیصلہ

---

[۱] المعجب مراکشی ص ۱۰۱ تا ۱۰۴، کتاب الذخیرہ ابن بسام در مجموعہ تاریخ بنی عباد، جلد ۲ ص ۴۵، [۲] ایضاً ص ۴، واخبار الملوک و نزہۃ المالک و المملوک در اماری ص ۴۱۲ و [۳] انتخاب دیوان ابن حمدیس در اماری ص ۵۵۴، ۵۶۹،

جنگ مین ظفریاب ہونے پر اوس نے ایک میمیہ قصیدہ پیش کیا جس میں اسلامی لشکر کے پر شجاعت کارناموں اور دشمنوں کی بزدلی اور مغلوبی کا نقشہ کھینچا ہے، پھر انہی لڑائیون میں ایک قلعہ لبیط کی مشہور جنگ پر ایک رائیہ قصیدہ پڑھا،

المعتمد ان قصائد سے بہت خوش ہوتا، بلکہ جب لڑائیون میں کوئی اہم واقعہ پیش آتا، تو وہ اسکی پوری روداد قلمبند کراکر ابن حمدیس کے پاس بھیج دیتا، اور وہ اس پر اپنا قصیدہ مرتب کرتا، چنانچہ اس قسم کے موقع پر اس نے ایک والیہ قصیدہ لکھا ہے[1]

اسی طرح ایک مرتبہ المعتمد ایک لڑائی میں عملاً میدان جنگ میں اترا، اور دست بدست لڑائی کی نوبت آگئی، جسمیں اگرچہ نتیجہ کے اعتبار سے المعتمد کو کامیابی ہوئی، لیکن وہ خود بری طرح زخمی ہوا، کئی گھوڑے اسکی ران کے نیچے کام آئے، اور بڑی مشکلون سے اسکی جان بچی، اس جنگ کی فتحمندی پر ابن حمدیس نے جو قصیدہ لکھا، اس میں یہ نازک مرحلہ پیش آیا، کہ اگر جنگ کی تفصیلات بیان کرتا ہے، تو اسکے ممدوح کی کسرشان کا احتمال ہے، اور اگر اس واقعہ کو نظرانداز کردیتا ہے تو سلسلۂ جنگ کی ایک اہم کڑی چھوٹ جاتی ہے، آخر اوس نے یہ مرحلہ بڑی خوبصورتی سے طے کیا، یعنی المعتمد کے زخمی ہونے کا واقعہ خود اسی کی زبان سے اسکے ایک لاڈلے بیٹے ابوہاشم کو مخاطب کرکے سنایا، چنانچہ کہتا ہے:-

اباهاشم هشمتني الشفار   فلله صبري لذاك الاوار

اے ابوہاشم مجھ کو تلواروں کی دھاروں نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا، میں اس شعلہ باری پر خدا کے لئے صبر کرتا ہون،

تذكرت شيخصت تحت العجاج   فلم يثنني ذكره للفرار

[1] انتخاب دیوان ابن حمدیس ص ۵۰۰،

میں نے تیری ذات کو غبار کے نیچے یاد کیا، اور اس یاد نے مجھ کو فرار پر مائل نہیں کیا،

اس طریقۂ ادا سے ابن حمدیس کا یہ قصیدہ بیحد مقبول ہوا، یہان تک کہ لوگون نے ان دونون شعرون کو المعتمد ہی کی طرف منسوب کر دیا، چنانچہ ابن بسام نے کتاب الذخیرہ میں لکھا کہ المعتمد نے اشبیلیہ واپس اکر ابو ہاشم کو وہ شعر سنائے، اور مقری نے یہان تک لکھدیا کہ "یہ اشعار عین حالت جنگ مین اس کی زبان سے نکل گئے"[۵۱]

اسی طرح ایک مرتبہ المعتمد کا لشکر مغیرہ کی سرکردگی مین عیسوی سرحد عبور کرکے عیسوی حدود حکومت مین حملہ آور ہوا، روانگی کے وقت آسمان پر گھنگھور گھٹائین چھائی ہوئی تھین، اور زمین کا سبزہ برف سے ڈھکا ہوا تھا، ابن حمدیس نے اس فوج کی کامیاب واپسی پر قطعہ لکھا جس مین ان مناظر کا نقشہ کھینچا ہے۔[۵۲]

ابن حمدیس کے ایک قصیدہ سے ایک باغی گورنر کی جان بخشی

ایک مرتبہ المعتمد اشبیلیہ سے قرطبہ آیا، ابن حمدیس بھی اس کے ہمرکاب تھا، اتفاق سے اسی وقت اندلس کا مشہور شاعر ابوبکر بن عمار[۵۳] پابجولان دربار مین لایا گیا، ابن حمدیس اپنے ہمعصر کی یہ مصیبت دیکھکر متاثر ہوا، اس کی رہائی کی تدبیر سوچی، لیکن اسکا جرم اسقدر سنگین تھا کہ ابن حمدیس المعتمد کے سامنے اسکے متعلق لب کشائی کی جرأت نہ کرسکا، اس لئے المعتمد سے اجازت چاہ کر قرطبہ سے اشبیلیہ چلا آیا، اور یہان سے پرزور قطعہ لکھکر اُس کی خدمت مین روانہ کیا، جس مین اسے آزاد کردینے یا کم سے کم موت کی سزا نہ دینے کی سفارش کی، اس قطعہ کے آخری شعر مین قرآن مجید کی آیت فامسکوھن او سرحوھن، کی طرف اشارہ کیا تھا، المعتمد اس قطعہ

---

۵۱ انتخاب دیوان ابن حمدیس درامادی ص ۵۶۹، کتاب الذخیرہ ابن بسام در مجموعہ تاریخ بنی عباد ڈوزی ج اص ۳۱۷ نفح الطیب ج ۲ ص ۵۳، مذکورہ بالا تینون ماخذون مین ان دونون شعرون کے بعض الفاظ مین اختلاف ہے۔

۵۲ انتخاب دیوان ابن حمدیس درامادی ص ۵۶۹، ۵۳ ابن عمار اندلس کا بلند پایہ شاعر تھا، المعتمد کی شاہزادگی

کو پڑھکر محظوظ ہوا، اور اسی پر "بل تمسک بمعرف (اپکا اپنا احسان کیا تم ذکر لو) کے الفاظ میں اس کے عفو کا فرمان لکھدیا، اور ابن حمدیس کے شریفانہ جذبہ کی قدر کرکے سو دینار اس کے پاس بھجوا دیئے، [1]

چند دیگر قصائد و قطعات | اسی طرح ابن حمدیس نے المعتمد کے لڑکون کی شان مین قصائد لکھے، اور کسی موقع پر اسکا مرثیہ کہا، اور بعض محلون کی تعمیر پر طویل قطعے لکھے تھے، بعض قطعے مقری نے بھی نفح الطیب مین نقل کیے ہین، [2]

اس کی ایک نظم کے چند شعر جو اشبیلیہ کے زمانہ قیام میں کہی گئی تھی، حسب ذیل ہین:۔

قضت فی الصبا النفس اوطارھا　　وابلغھا الشیب انذارھا

نفس نے بچپن میں اپنی ضرورتیں پوری کرلیں، اور بڑھاپے نے اپنی دھمکی اس تک پہنچا دی،

وما غرس الدھر فی تربۃ　　غراسا ولم یجن اثمارھا،

زمانے نے کسی زمین میں ایسا درخت نہیں لگایا، جس کا پھل اوس نے نہیں توڑا،

نعم واجیلت قداح الھوی　　علیھا فقسمن اعشارھا

بے شبہہ خواہش نفسانی کے تیرون نے اسکے گرد گردش کی، اور اپنے حصے تقسیم کرلئے

فاقنیت فی الحرب الاتھا،　　واعددت للسلم اوزارھا

میں نے جنگ میں جنگ کے آلات ختم کر دئے، اور صلح کے لئے صلح کے ہتھیار تیار کئے،

وساقیۃ زردت کفھا　　علی عنق الظبی ازرارھا

اور ایک ساقیہ جس کی ہتھیلی نے،　　ہرن کی گردن میں بٹن لگائے،

تدیر بیاقوتۃ درۃ،　　مغمس فی مائھا نارھا،

---

[1] انتخاب دیوان ابن حمدیس در امار ی ص ۵۷۲، [2] انتخاب دیوان ابن حمدیس ص ۵۶، ۵۷۰ و نفح الطیب جلد ا ص ۲۲۹،

وہ یاقوت سے موتی کو گردش دیتی ہے، تو اسکی آب میں اوسکی آگ ڈوب جاتی ہے،

وفتیان صدق کزهر النجو ۔ م کواهر البحار احرارها

بہت سے مخلص دوست جو ستاروں کی طرح روشن ہیں، اور شریف ہیں،

یدیرون راحا یفیض الکوس ۔ علی ظلم اللیل انوارها،

جو شراب کا دور چلاتے ہیں، اور پیالے رات کی تاریکی میں اسکی روشنی پھیلاتے ہیں،

احباب کی بے تکلف مجلسیں ابن حمدیس ان درباری مشاغل کے علاوہ شعر و شاعری کی بزموں میں شریک رہتا تھا، المعتمد کے دربار میں جو شعراء جمع تھے، ان میں آپس میں خوشگوار تعلقات قائم تھے، اور باہمی لطف و مسرت کی زندگی گذارتے تھے، ایک مرتبہ یہ لوگ اپنے بے تکلف احباب کے ساتھ کسی نزہتگاہ میں سیر کیلئے گئے، بارہ گھنٹے تک یہ صحبت قائم رہی، کسی وقت باکمال مغنیوں کی موسیقی سے محفل گرم رہی، کبھی شعر و شاعری کا چرچا چھڑا اور شاعرانہ لطائف و ظرائف میں وقت گذرا، اس وقت ہوا کے تیز جھونکے چل رہے تھے نشستگاہ کے سامنے نہر رواں تھی، ہوا کے جھوکوں سے پانی میں لہریں اٹھتیں، اور موجوں سے پانی میں شکن پڑجاتی، ابن حمدیس نے یہ منظر دیکھ کر ایک برجستہ مصرع پڑھا، اور بزم کے شرکاء کو طبع آزمائی کا موقع دیا، ابن حمدیس کا مصرع یہ تھا، ع ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۴) کے زمانہ سے معزز درباریوں میں شمار کیا جاتا تھا، اس کے باپ المعتضد نے اسے شلب کا والی بنایا تھا، پھر اُس نے اسے اشبیلیہ بلاکر قلمدانِ وزارت اس کے سپرد کیا، پھر مرسیہ کا والی بنایا، یہاں کچھ دنوں کے بعد اس نے غداری کرکے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا، لیکن ایک دوسرے نامی قائد ابن رشیق نے اس پر حملہ کرکے اُسے شکست دی، اور اسے شہر بدر ہونا پڑا، دربدر مارے پھرنے کے بعد ابن مبارک کے قلعہ شقورہ میں آیا، یہاں اعزاز کے ساتھ اس کی خاطر مدارات کی گئی، لیکن المعتمد کو یہاں اسکے موجود ہونے کی خبر لگ گئی، اور اوسے گرفتار کرا لیا، (المعجب مراکشی ص ۱۰۹،۰)

جاکت الریح من امواج فی زرد ہوا نے موجوں سے پانی پر زرہ کی شکل بنا دی،

اس پر مختلف شعراء نے طبع آزمائی کی، آخر میں ابو تمام نے یہ مصرع لگایا،

ای درع لقتال لو جمد اگر وہ جم جائے تو لڑائی کیلئے بہترین زرہ ہو جائے

یہ مصرع لوگوں کو اس قدر پسند آیا کہ بقول ابن حمدیس اسوقت ہر شخص اپنا اپنا مصرع فراموش کر گیا، پھر اوس نے اسی سلسلے میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس مصرع کو المعتمد کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن میں نے اس سوا اسکو نہیں سنا ہی،

ابن حمدیس ابو تمام کے مصرعہ کو بچانا چاہتا ہے، لیکن اس کو کیا خبر تھی، کہ آیندہ خود اوس کا مصرعہ بھی اوس سے چھین لیا جائے گا، چنانچہ مقری نے نفح الطیب میں المعتمد اور اس کی کنیز رمیکیہ کے ایک واقعہ کے سلسلہ میں ابن حمدیس کے مصرع کو المعتمد کی طرف منسوب کر دیا ہی[۵۱]

زمانہ قیام اشبیلیہ میں صقلیہ سے تعلقات

ابن حمدیس اشبیلیہ میں جب تک قیام پذیر رہا، اوس کے روابط صقلیہ سے قائم رہے، یہاں اوس کا بوڑھا باپ ابو بکر بن محمد بقید حیات تھا، اور دونوں میں رسل و رسائل کا سلسلہ قائم تھا، اوس کا باپ اوسے پند و نصیحت لکھ کر بھیجتا، اور یہ اوس کے جواب میں قطعے لکھ کر وطن کی پر شوق یاد تازہ کرتا، اور باپ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کرتا،[۵۲]

المعتمد کی حکومت کا زوال اور ابن حمدیس

اندلس میں ابن حمدیس کے یہی لیل و نہار تھے، کہ ۴۸۳ھ میں مغرب سے مرابطین کا طوفان اٹھا، اور اوس کے آقائے ولی نعمت المعتمد کی کشتی منجدھار میں پڑ گئی، اور آخر دولت عبادیہ کا آفتاب اقبال غروب ہوا، اور المعتمد گرفتار ہو کر

---

[۵۱] انتخاب دیوان ابن حمدیس در اماری ص ۵۶۸، نفح الطیب جلد ۲ ص ۱۵۴، وغیرہ [۵۲] انتخاب دیوان ابن حمدیس در اماری،

۴۸۴ھ میں طنجہ اور پھر وہان سے اغمات (مراکش) کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا[۵۱]،

دولت عبادیہ کے زوال کے ساتھ ہی اندلس کی بزم علمی کا شیرازہ بھی بکھر گیا مختلف شعرا نے مختلف ملکون کی راہ لی، اور مختلف فرمانرواؤن کے دامن دولت سے وابستہ ہوگئے لیکن ابن حمدیس کا یہ شریفانہ جذبہ قابل قدر ہے، کہ جب تک المعتمد زندہ رہا، اوس نے کسی کو اپنا ممدوح نہین بنایا، بلکہ اُس نے اسکے بعد بھی جو قصائد لکھے وہ اپنے محسن و ممدوح المعتمد ہی کی شان میں ہین چنانچہ المعتمد کے قلعہ اغمات میں پہنچنے کے چند دنون بعد ابن حمدیس نے اوس کی خدمت میں ایک پُردرد قصیدہ لکھ بھیجا[۵۲]،

المعتمد نے ابن حمدیس کی غمگساری کی قدر کی، اور اوس کے جواب میں ایک قطعہ لکھا جس مین اشبیلیہ سے اغمات تک کے سفر کی روداد قلمبند کی، اور بعض جواب طلب امور بھی لکھے، پورا قطعہ ابن اثیر نے درج کیا ہے[۵۳]،

قیام اغمات، اسکے بعد ابن حمدیس نے اندلس سے کوچ کا سامان کیا، اور غالباً اسی سال ۴۸۴ھ میں وہ وہان سے افریقیہ چلا آیا لیکن وہ ایسا احسان فراموش نہ تھا کہ بعض دوسرے شعرار کی طرح یہان اپنے آقاے ولی نعمت کے دشمن مرابطین کے دربار مین پہنچکر دریوزہ گری کرتا، بلکہ وہ یہان بھی اسی مقصد سے آیا، کہ اپنی وفاداری کا ثبوت دیکر اپنے مصیبت زدہ محسن کا کچھ غم اپنی خوش فکری سے غلط کرے لیکن حصری اور ابن اللبانہ جیسے شعرار کی حرص پسند طبیعت کی وجہ سے جو المعتمد سے اوسکی ان مصیبت کے دنون میں بھی داد و دہش کے طالب ہوئے تھے، المعتمد سے شعرار کے ملنے پر پابندیان عائد کر دی گئی تھین، چنانچہ اس حکم کے بموجب ابن حمدیس کو بھی قلعہ کے دروازہ سے بے نیل مرام

۵۱ المعجب ص ۱۰۱ وغیرہ، ۵۲ انتخاب دیوان ابن حمدیس در اماری ص ۱۰۵، ۵۳ ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۱۲۵ و ابن خلکان جلد ۱ ص ۵۴۲ وغیرہا،

واپس آنا پڑا، حالانکہ ابن الآبار وغیرہ کی تصریح ہے، کہ وہ محض خلوص نیت سے اظہار ہمدردی کرنے کے لئے گیا تھا،

ابن حمدیس نے واپس آکرایک قطعہ میں واقعہ کی تفصیل المعتمد کو لکھ بھیجدی، اُسے یہ سُن کر افسوس ہوا، خدام کو تنبیہ کی، پھر ایک نظم میں ابن حمدیس سے معذرت کی، جس کا پہلا مصرع یہ تھا؎

حجبت فلا واللہ ماذاك عن امری

مین تم سے حجاب میں رہا، مگر واللہ یہ میرے اختیار سے نہ تھا،

ابن حمدیس نے فوراً نظم مین جواب دیا، اور اسکی معذرت پر اپنی شرمساری ظاہر کی،[1]

اس کے بعد ابن حمدیس نے اپنا مستقل قیام اغمات میں اختیار کر لیا، اور شعر و شاعری کا مشغلہ جاری رکھا، یہانتک کہ ۴۸۸ھ میں المعتمد نے وفات پائی، اس وقت اُس نے بھی اغمات کو خیرباد کہا،

دولتِ صنہاجیہ سے وابستگی، اس کے بعد ابن حمدیس دولتِ صنہاجیہ افریقہ سے وابستہ ہوا، اور یہان کے ادیب شاعر اور علم دوست فرمانروا یحییٰ بن تمیم (۵۰۱ھ تا ۵۰۹ھ) کی مدح سرائی کی، اسکی شان میں اوس کے بائیہ اور میمیہ دو تین قصیدے انتخاب دیوان میں موجود ہین،[2]

پھر اوس کا جانشین علی بن یحییٰ (۵۰۹ھ تا ۵۱۵ھ) اس کا ممدوح بنا، اسکی شان میں جو پہلا قصیدہ لکھا، اوس میں پہلے یحییٰ کی وفات پر مرثیہ لکھا، پھر علی کی تخت نشینی پر مبارکباد دی، اس قصیدہ کے چند شعر ابن اثیر نے نقل کئے ہیں،[3]

اس کے بعد آخری صنہاجی تاجدار حسن بن علی (۵۱۵ھ تا ۵۱۶ھ) کو بھی بوڑھے ابن حمدیس

---

[1] انتخاب دیوان ابن حمدیس در اماری ۱، ۵، والتکملۃ ابن الآبار ص ۳۰، [2] انتخاب دیوان در اماری ۵۶۲
[3] ابن اثیر جلد ۱ ص ۲۶،

کے مدحیہ قصائد سننے کا موقع مل گیا، ابن الآبار نے اوس کی شان میں اوس کے قصیدہ کا تذکرہ کیا ہے[۵۱]

بجایہ میں قیام، پھر جب ۵۱۶ھ میں نارمنون نے افریقیہ کی صنہاجی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا، تو ابن حمدیس بجایہ چلا گیا، یہاں بھی خانوادۂ صنہاجیہ کی ایک دوسری شاخ حکمران تھی[۵۲]، اُس نے بھی ابن حمدیس کی قدر دانی کی، اور اوسکی بعض نظمیں یہاں کے قیام کی یادگار باقی ہیں چنانچہ المنصور فرمانروائے بجایہ نے ایک محل تعمیر کرایا تھا، ابن حمدیس نے اسکی تعریف میں ۴۰ اشعار سے زیادہ کا ایک قصیدہ لکھا تھا، جس میں اس محل کا پورا نقشہ کھینچا ہے خصوصاً اُس محل کے ایک حوض کی تعریف کی ہے، جس میں سونے اور چاندی کے درخت نصب کئے گئے تھے، مقری نے نفح الطیب میں اُسے توصیفی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہی، کہتا ہی:-

"میں نے اس قصیدہ کی کوئی نظیر اوس کے معانی کی پختگی اور اس کے الفاظ کی شیرینی میں نہیں دیکھی، جس کے کہنے والے نے نہایت مستعدی کے ساتھ اوس میں جودت پیدا کی ہے، البتہ میرے نزدیک اوس میں صرف ایک عیب ہے، یعنی یہ کہ اوس کو لفظ "تدمیر" پر ختم کیا ہے، بہرحال خوبی عبد الجبار بن حمدیس کی غلام ہے، بالخصوص عمارتوں اور تالابوں کے وصف میں، اور اس نے اپنے سوا کسی دوسرے کے لئے اس میں حُسن کو نہیں چھوڑا ہے"،

مقری نے اسی قسم کی تعریف کے ساتھ اس کا ایک دوسرا قصیدہ بھی درج کیا ہی[۵۳]

[۵۱] التکملہ ابن الابار ص ۶۲۰، [۵۲] یہ حکومت اگرچہ دولتِ صنہاجیہ مہدیہ سے بغاوت کر کے قائم ہوئی تھی، لیکن آخر میں دونوں کے تعلقات صاف ہو گئے تھے، چنانچہ ۵۰۹ھ میں امیر یحیی نے اپنی لڑکی بدر الدجی کی شادی والی بجایہ سے کی تھی، معجم الادبار جلد ۲ ص ۶۲، و تاریخ مغرب ص ۲۲۰،

[۵۳] نفح الطیب جلد ۱ ص ۲۲۹ تا ۲۳۱،

بجایہ میں اسکے بعض ہم مذاق احباب بھی مل گئے تھے، جن کی صحبت میں شعر و سخن کا مشغلہ جاری رہتا تھا،[۵۱]

مرثیے، | ابن حمدیس نے قصائد، قطعات، اور نظمون کے علاوہ مرثیے بھی لکھے ہیں، یون تو اشبیلیہ کے زمانۂ قیام میں بھی ایک دو مرثیہ کہنے کا اتفاق ہوا تھا، لیکن مرثیہ میں اصل سوز و گداز المعتمد کے زوال کے بعد پیدا ہوا، چنانچہ اس سلسلہ میں اوس نے بعض پر درد نظمیں لکھیں، پھر بجایہ میں بھی اوس نے چند مرثیے لکھے، ابوالحسن بن حمدون وزیر (بجایہ) قائد ابو محمد میمون (بجایہ) اور قائد ابوالفضل اور فقیہ ابوعبداللہ کے مراثی اسکے دیوان میں موجود ہین،[۵۲]

عہدِ پیری اور پریشان حالی | ابن حمدیس اب چراغِ سحری ہو رہا تھا، اُس نے بچپن سے عہدِ پیری کے آغاز تک بڑے عیش و عشرت سے زندگی گذاری تھی، لیکن اس کے بوڑھاپے کا زمانہ جو درحقیقت اس کے آرام لینے کا وقت تھا، بڑی عُسرت اور پریشان حالی میں بسر ہوا، یون تو اُسے اپنی پیری کا احساس پچپن برس کی عمر سے ہو چلا تھا، چنانچہ ایک شعر میں اس کا تذکرہ کیا ہے،[۵۳] لیکن اُسے اُس کے حقیقی مصائب کا اندازہ اسوقت ہوا، جب زمانہ کے آلام کے ساتھ اُس کی آنکھون کی بینائی بھی جاتی رہی، اوس زمانہ میں وہ اپنے متعدد قطعات مین زمانہ کے حوادث و آلام اور ضعفِ بصارت' اور پھر نابینائی کا رونا رویا ہے، اور اون میں بھی اپنی تمثیلات سے اپنے شاعرانہ کمالات دکھائے ہیں،[۵۴]

وطن کی یاد، | اس کے عہدِ پیری میں اُسے سب سے زیادہ جس نے ستایا وہ اس کے عزیز وطن صقلیہ کی یاد ہے، یون تو اُسے اپنے وطن سے اُنس و محبت اسکی زندگی کے ہر دور میں قائم رہی، لیکن اس

---

۵۱ انتخاب دیوان دراماری ص ۵۰۶ ۵۲ ایضاً ص ۵۰۲، ۵۳ انتخاب دیوان ابن حمدیس درامارى ص ۵۰۶ ۵۴ ایضاً ص ۵۰۲، ۵۰۳،

عہد میں اُس نے جس اشتیاق سے صقلیہ کو یاد کیا، اس کا یہ اثر ہے، کہ اس کے تذکرہ نگاروں میں مشکل سے کوئی ایسا ہوگا جس نے وطن کے لئے اسکی بے قراری کا تذکرہ نہ کیا ہو، اسکے دیوان میں وطن کی محبت سے مملو بہ کثرت اشعار ہیں، مثلاً ایک نظم میں صقلیہ کے متعلق کہتا ہے:-

بلد أعارتها الحمامة طوقها وكساها حُلّة ريشة الطاؤس

ایسا شہر جس کو کبوتر نے اپنے گلے کا طوق دیا، اور مور کے پر نے اوس کو حلہ پہنایا،

وكأنّ هاتيك الشقائق قهوة وكأنّ ساحات الديار كؤوس[1]

اور گویا یہ لالے شراب ہیں، اور گویا شہر کی فضائیں پیالے ہیں،

اسی طرح ایک طویل قصیدہ میں عہد پیری پر ماتم کرتے ہوئے صقلیہ کو پُرشوق جذبات کیسا تھ یاد کیا ہے، بڑھاپے کے متعلق کہتا ہے:-

نفى همّ شيبي سرور الشباب لقد اظلم الشيب لما اضاء

بڑھاپے کے غم نے جوانی کی خوشی کو دور کردیا، جب بڑھاپا چمکا تو تاریک ہوگیا،

أأكسو المشيب سواد الخضاب فاجعل للصبح ليلاء غطاء

کیا میں بڑھاپے کو خضاب کی سیاہی کا جامہ پہنا دوں، اور صبح کو رات کا پردہ اوڑھاؤں

وكيف ارجي وفاء الخضاب اذا لم يجد لشبابي وفاء

میں خضاب کی وفاداری کی کیا توقع رکھوں، جب کہ خود شباب ہی میں وفا نہیں پایا

صقلیہ کی یاد اُسے یوں ستاتی ہے:-

ديار تمشت اليها الخطوب كما تمشى الذئاب الضراء

ایسا ملک جس میں حوادثِ زمانہ اس طرح چلیں جیسے چیرنے پھاڑنے والے بھیڑیے چلتے ہیں

[1] مسالک الابصار فی ممالک الامصار، درامارى، ص ۱۵۱

صحبت بھانی الغیاض الاسود وزرت بھانی الکناس الظبیاء

میں نے اوس کی جھاڑیون میں شیرون کی صحبت کی، اور اس میں ہر فون سے ملا

ورائک یا بحر لی جنة، لبست النعم بھا لا الشقاء

تیرے پیچھے اے سمندر میری ایک جنت ہے جس میں مجھ کو نعمت ملے گی بدبختی نہ ملیگی

ولو انی کنت اعطی المنا اذا منع البحر من اللقاء،

اور جب کہ سمندر مجھے اوس سے روک رکھتا ہے، اگر میری آرزوئیں پوری ہون،

رکبت الھلال بہ زورقا الی ان اعانق فیھا ذکاء،[1]

تو میں ہلال کو کشتی بنا کر سوار ہون، یہان تک کہ اسمین سورج سے معانقہ کرون

ورودِ میورقہ، لیکن اسکی دلی آرزوون کے باوجود اسے لوٹ کر صقلیہ جانا نصیب نہیں ہوا، اب اس کا کاروانِ عمر ۸۰ سال کی منزل میں پہنچ چکا تھا، وہ بجایہ سے جزیرہ میورقہ پہنچا، اُسوقت یہان باکمال شعرا ابن اللبانہ وغیرہ موجود تھے، جو اندلس کے قیام کے زمانہ میں اسکے ساتھ المعتمد کے دربار میں رہ چکے تھے، اور اسوقت یہان کے فرمانروا الناصر مبشر عامری کے دامن سے وابستہ تھے، اسلئے گو چراغِ سحری تھا لیکن میورقہ کی شہرت سُنکر یہان چلا آیا، کہ شاید چند دن خوشحالی میں گذر جائین،

وفات، لیکن درحقیقت اُسے یہان اوس کا خمیر کھینچ کر لایا تھا، چنانچہ ۵۲۷ھ میں اُس نے اس دارِ محن سے نجات حاصل کی، موت گو غربت میں آئی تھی، لیکن جس گوشۂ لحد میں سپرد خاک کیا گیا، اوسی کے پہلو میں اوس کا ہم مذاق شاعر اور قدیم رفیق ابن اللبانہ چند دن پہلے لٹایا جا چکا تھا،[2]

---

[1] انتخاب دیوان ابن حمدیس در اماری ص ۵۵۲، [2] ابن خلکان جلد ا ص ۳۴۳، المعجب مراکشی معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۷۳،

دیوان ابن حمدیس کی زندگی کی سرگذشت گذر چکی، اسکی تمام عمر شعر وشاعری میں بسر ہوئی، اسلئے اسکے کلام کا اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہوا، اُس نے اپنا دیوان خود مرتب کیا تھا جو اتبک دو مرتبہ شائع ہو چکا ہے اسے پہلی مرتبہ صقلیہ کے محسن اماری نے ۱۸۸۳ئہ میں پلرمو (بلرم) سے شائع کیا، پھر شیاریلی (SCHIA BARELLI) نے ۱۸۹۷ئہ میں روم سے اس کا دوسرا اڈیشن نئی ترتیب و تدوین کیساتھ چھاپا۔[1]

ابن حمدیس کی شاعری پر ناقدین ادب کی رائیں، عربی ادب کے ناقدین ابن حمدیس کی شاعری میں اس کے خیالات کی بلندی، معانی کی وسعت، کلام کے زور، عربی زبان پر قدرت، الفاظ کے شکوہ، فقروں میں در و بست، بندش کی دلفریب چستی، تشبیہات کی ندرت اور استعارات کی لطافت سے اس کی طرف متوجہ ہوئے، اور جب اوس کی شاعری پر نقد کرنے لگے، اور کلام کے نمونے سامنے آئے، تو ناقدینِ ادب کی تنقیدیں بھی شاعرانہ طرز ادا، ندرتِ تشبیہ، اور لطفِ استعارات کیساتھ قلمبند ہوئیں، المنصور شاہ حماۃ لکھتا ہے:-

"وہ یگانہ دہر تھا، علمی گھوڑ دوڑ، اور بزم ورزم کے میدان میں اس کا مقابلہ ممکن نہیں، علم وحکمت کی اشاعت میں کوئی اسکی گرد کو نہیں پہنچا، علماء اور فضلاء کے درمیان بہت مشہور تھا، کیونکہ وہ بہترین قادر الکلام شاعر تھا۔"[2]

شہاب الدین عمری کا بیان ہے:-

وہ ایک ایسی صبح ہے، جس کو تاریکیاں زنگ آلود نہیں کرتیں، اور ایسا خالص پانی ہے، جس کو گندگیاں گدلا نہیں کرتیں، وہ ایسا اسپ اصیل ہے جسکے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا، آف اسلام تذکرہ ابن حمدیس در یادگاری مضامین جلد ۱ ص ۳۰۴، ۵۲ اخبار

[2] الملوک ونزہتہ المالک والملوک در اماری ص ۶۱۲،

پاس بھی آگے بڑھنے والے گھوڑے نہیں پھٹک سکتے، ایک ایسا بادل ہے، جسکو بجلیاں حرکت میں نہیں لاسکتیں، اسکی بارآور شاخ ٹوٹ نہیں سکتی، اوس کی شب ماہ اندھیری نہیں ہوسکتی، اس کے راستہ پر بہت کم لوگ چلے ہیں، اس کے آسمان پر جن لوگوں نے اپنے روشن چاند منور کئے، وہ شاذ ہیں"

اس کے بعد وہ ابن بسام اندلسی کی کتاب الذخیرہ سے اس کے متعلق ذیل کی رائے نقل کرتا ہے:-

"وہ ایک ایسا ماہر شاعر ہے، جو نادر معانی کی چاند ماری پر نشانہ لگاتا ہے، نہایت مناسب تشبیہات کے استعمال پر قادر ہے، اور الفاظ کے دریا میں غوطہ لگا کر نادر معانی کے موتی رولتا ہے"[1]

اسی طرح ابن خلکان اور ابن الآبار وغیرہ نے بھی اس کی شاعری پر تقریباً اسی قسم کے ستایشی خیالات ظاہر کئے ہیں[2]

دور ثانی

شعرائے متوسطین،

(عیسوی عہد)

صقلیہ میں دولت اسلامی کے خاتمہ کے بعد راجر اول کے عہد حکومت میں اس کے مظالم سے مسلمانان صقلیہ عام دور ابتلا میں گرفتار رہے، اور ادبار و شعرا بھی اس کے پنجۂ ظلم سے نہ بچ سکے،

[1] کتاب مسالک الابصار در اماری ص ۶۵۲، [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۸۱، و التکملہ ابن الآبار ص ۴۶۰،

ابو حفص عمر بن حسن صقلی اسی عہد مین قید خانہ مین ڈالدیا گیا، اوس نے اس کے پاس چند قصائد بھیجے، مگر وہ ان لطافتون سے آگاہ نہ تھا، اُسے رہائی نصیب نہیں ہوئی[۱]، لیکن پھر چند ہی سال گذرنے کے بعد مسلمانانِ صقلیہ کے تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی جلوہ آرائیون سے یہان قلب ماہیت ہوئی، اور مفتوح فاتح اور محکوم حاکم بنتے نظر آئے، اور دیکھنے والوں کو فاتح و حاکم نارمنون کے مسلمان ہونے کا دھوکہ ہونے لگا، حالت کے اس بدلنے مین راجر دوم (۱۱۰۵ء سے ۱۱۵۴ء) کے ہاتھون کو بڑا دخل تھا،

عیسائی فرمانرواؤن کا ذوق عربی علم ادب،

اسکی پرورش صقلیہ کی اسلامی آب و ہوا مین ہوئی، اور اسلامی تہذیب و تمدن کا دلدادہ بنا، عربی زبان پر کامل قدرت حاصل کی، دفتری زبان، سکہ کے نقوش، اور شاہی القاب و خطابات عربی رکھے تھے، اور طرز معاشرت اور طریق حکومت مین مسلمان سلاطین کے نمونہ پر چلا، اسلئے قدرتی طور پر عرب شعرا کی قدردانی کا وقت بھی آپہنچا جس کا سلسلہ کچھ نہ کچھ جرمن فرمان روا مینفریڈ (۱۲۶۶ء) تک قائم رہا، ان میں سے خصوصًا راجر دوم، ولیم اور فریڈریک نے عربی ادب و اسلامی علوم عقلیات کی ناقابلِ فراموش ایسی خدمات انجام دین کہ پاپائے روما اور بعض یورپین مورخین کی اصطلاح میں بعض حیثیات سے یہ پورا عیسائی دور بھی گویا صقلیہ کا اسلامی دور تھا[۲]،

مدحیہ قصیدہ پر قید سے رہائی،

اسی کا اثر تھا کہ اگر راجر اول نے ایک عرب شاعر کو قید خانہ مین ڈالدیا تو راجر دوم ایک دوسرے شاعر کو صرف ایک قصیدہ کے صلہ مین نہ صرف قید سے رہا کرتا ہے، بلکہ انعام و اکرام سے سرفراز کرتا ہے، افریقہ کی اسلامی حکومتوں سے اسکی لڑائیون کا سلسلہ جاری تھا، ایک مرتبہ

---

[۱] خریدۃ القصر در اماری ص ۵۰۰ و مختصر ابناء الرواۃ در اماری ص ۵۴۰، [۲] ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۹ و انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، جلد ۲۰ ص ۱۷۰، ۱۰۲۶ (ولیم) و ص ۲۰۲ و جلد ۱۱ ص ۸۰۴ (طبع یازدہم)

بنو واحد کی جو اسکے دشمنوں میں تھے، ایک جماعت بحر روم میں ایک جہاز پر کسی طرف جا رہی تھی اس جہاز کو صقلیہ کے نارمنی بیڑے نے گرفتار کر لیا، انہی میں ایک خوش گو شاعر بھی تھا، وہ راجر کے عربی ادب کے ذوق سے آگاہ تھا، اسنے ایک مدحیہ قصیدہ میں اپنی سرگذشت بیان کی، جس کے صلہ میں وہ انعام واکرام سے مالا مال کیا گیا، اور حکومت کی طرف سے ایک خاص جہاز پر سوار کر کے وطن واپس بھیجا گیا،

ابن فضل اللہ عمری نے اس قصیدے کے چند شعر درج کئے ہیں[1]

دشمن کے مداح شاعر کا قتل، اس کے بعد جب سیاسی حالات کے بدلنے سے راجر دوم کی نگاہ التفات بھی مسلمانوں کی طرف سے پھر گئی، تو اس عہد میں بھی نفس قصیدہ گوئی اس درجہ موثر تسلیم کی گئی کہ جب دشمنوں کا کوئی مداح شاعر قبضہ میں آگیا تو اسکی سزائے قتل کے لئے اوس کا صرف یہ جرم کافی سمجھا گیا، کہ وہ نارمنی حکومت کے بعض دشمنوں کا مدح سرا رہ چکا ہے،

یحیٰی بن تیفاشی، یحیٰی بن تیفاشی قفصی، جو شہر قفصہ قیروان کا باشندہ تھا، افریقہ کے شعراء میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا، قفصہ سے قابس آیا، یہاں اس زمانہ میں بنو ہلال حکمران تھے، اس نے انکی شان میں مدحیہ قصائد لکھے، اسکے بعد اُسے صقلیہ آنے کا اتفاق ہوا، جب نارمن فرمانرواکو اسکی آمد کی خبر ملی، تو اُسے محض نارمن حکومت کے دشمن بنو ہلال کی ثنا خوانی کے جرم کی بنیاد پر گرفتار کر کے بے رحمی سے تہ تیغ کر دیا گیا، عماد الدین لکھتا ہی:-

اُس نے بنو ہلال کی مدح کی تھی، اس بنا پر فرنگیوں نے صقلیہ میں ۵۵۰ھ کے بعد جب وہ مسلمانوں پر مظالم کر رہے تھے، اوسے قتل کر دیا،[2]

نارمنی دربار کے شعراء، چنانچہ نارمنی دربار میں بھی شعر و شاعری کا وہی غلغلہ سُنائی دیا، جو اس سے چند دن پہلے بلرم کے قصر میں بلند تھا، اور جس کی آواز بازگشت بھی ابھی خاموش نہیں ہوئی تھی،

---

[1] کتاب مسالک الابصار فی ممالک الامصار در اماری ص ۱۵۲ [2] خریدۃ القصر در اماری ص ۵۹۹،

اورجس طرح نارمن فرمان رواؤں نے مشرقی سلاطین کی تہذیب اختیار کرلی تھی، اسی طرح عرب شعرار نے مشرق کے ممدوح سلاطین کے مثل ان کی خدمت میں بھی قصائد پیش کئے، نارمن دربار کے چند شعرا حسب ذیل ہیں:۔

عبدالرحمٰن بن محمد بن عمر بثیری،[۱] عبدالرحمٰن بن محمد بن عمر بثیری صقلی نارمنون کے مشہور مداح شعرا مین ہو، قصیدہ گوئی میں کمال رکھتا تھا، عماد الدین اصفہانی نے اسکی بندش اور تخیل آرائی کی تعریف کی ہو، راجر دوم کی شان میں اسکے متعدد قصائد ہین، اصفہانی نے ان میں سے ایک قصیدہ کے چند شعر نقل کئے ہیں[۱]

ابن[۲] بشرون صقلی، ابن بشرون صقلی علم آدب وانشار میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، اور شعرگوئی میں بھی خاصی مناسبت تھی، یہ نارمنون کے عہد میں دیوان الرسائل والانشا کا افسر اعلیٰ تھا، اور اسی مناسبت سے نارمن عہد کے شعرائے دربار میں بھی شمار کیا جاتا ہو،

یہ بثیری کا ہمعصر تھا، اور دونوں میں روابط قائم تھے، بثیری نے اپنے ایک قصیدہ پر جو راجر دوم کی مدح میں تھا، اُسے طبع آزمائی کی دعوت دی، چنانچہ اوس نے بھی چند شعر اسی وزن پر اسی ردیف وقافیہ میں لکھے[۲]

قاضی[۳] عبدالرحمٰن بن رمضان، قاضی عبدالرحمان بن رمضان صقلیہ کے ذی علم شعرا میں تھے، راجر دوم ان کا بیحد قدردان تھا، اس کے باوجود وہ یہان سے ہجرت کرنا چاہتے تھے لیکن راجر انھیں جانے دینے پر آمادہ نہ ہوتا، یہ بار بار قصائد لکھکر عرض مدعا کرتے، مگر وہ یہ لطائف الحیل امید وبیم میں رکھتا، شاید انھیں صقلیہ سے نکلنا نصیب نہیں ہوا، ممدوحی صاحب تذکرہ نے ان کے ان قصائد کی تعریف کی ہے[۳]

ابو[۴] الضوء سراج، ابوالضوء سراج بن احمد بن رجا صقلی نارمنی دور کے معززین میں شمار کیا جاتا تھا

۱؎ خریدۃ القصر ورامارای ص ۸۲، ۲؎ ایضاً ص ۵۰۳، ۳؎ خریدۃ القصر اصفہانی درامارای ص ۵۰۵

فقیہ عیسیٰ بن عبد المنعم اور ابو الصلت امیہ بن عبد العزیز اندلسی کا معاصر تھا، اور ان لوگون سے اوس کے معاصرانہ روابط قائم تھے، اور کبھی کبھی منظوم مراسلت ہوتی تھی، ابو الصلت نے اسکو اپنا دیوان بھی ہدیۃً بھیجا تھا،

ابن بشرون نے المختار فی النظم والنثر لافاضل اہل العصر مین اس کی شاعرانہ استعداد قوت تصور اور صدق تخیل کی تعریف کی ہے، اور اوسکی شاعرانہ خوبیان گنائی ہین، اصفہانی نے ابن بشرون کے حوالہ سے اس کی چند نظمین درج کی ہین جن مین راجر دوم کے لڑکے کی موت پر اس کے ایک مرثیہ کے چند اشعار بھی ہین،[۱]

احمد بن مفرج صقلی، احمد بن مفرج صقلی مہندس، ابن سابق صقلی کے تلامذہ مین تھا، یہ صقلیہ سے مصر چلا آیا تھا، اور خلیفہ فاطمی الحافظ لدین اللہ (۵۲۴ھ سے ۵۴۴ھ) کے دامن دولت سے وابستہ ہوا، الحافظ کے دربار مین شعراء کا جمگھٹ لگا رہتا تھا، اوس نے حکم دیا، کہ قصائد چھوٹے لکھے جائین، اس پر ابن مفرج نے لطیف انداز مین دو شعر پیش کئے، جن مین اس کے حکم کے واپس لینے کی استدعا کی، چنانچہ الحافظ نے انہی دو شعرون پر اپنا حکم واپس لے لیا،[۲]

ابو الحسین بن صبان مہدوی، ابو الحسین بن صبان مہدوی نارمنون کے عہد مین صقلیہ مین قیام پذیر تھا، شعر و شاعری کا اچھا مذاق تھا، صقلیہ کے کسی میکدہ کے فرنگی بچہ سے فروش پر ایک نظم لکھی تھی جس کے چند شعر یہ ہین:۔

ومزنر عقد الصلیب بنحرہ وادار حول وشاحہ انجیلا

ایک شخص جس نے صلیب کا ہار جنیو کی طرح اپنے سینے پر لٹکایا تھا اور اس ہار کے گرد انجیل لٹکی ہوئی تھی

خدمت بجنح اللیل جرۃ نارہ فاقام خمرۃ دنہ قندیلا

---

[۱] خریدۃ القصر در اماری ص ۶۰۱، ۶۰۰ [۲] حسن المحاضرہ جلد ص

آدھی رات کے بعد انکی آگ کی چنگاری بجھ گئی تو اس نے اپنے سبو کی شرب کو اسکی جگہ قندیل بنایا،

متطلع لذوی السری من کاسہ نجم یکون الی الصباح دلیلا[۵]

اوس کے پیالے سے رات کے مسافر کے لئے ایسا ستارہ طلوع ہوا جو صبح کی دلیل تھا،

ادبائے متوسطین

ذکی صقلی | ابو عبداللہ محمد بن ابو الفرج کنانی صقلی معروف بہ ذکی متوفی ۵۱۰ھ کے مغرب سے مشرق آنے کا تذکرہ گذر چکا ہے، یہاں اونھون نے علوم ادب میں کمال حاصل کیا، اگرچہ سیوطی کا یہ بھی بیان ہے کہ "وہ مغرب سے نکلنے سے پہلے فقہ ونحو میں امام ہو چکے تھے"،

مغرب میں انھون نے علم لغت ابن یونس، اور علم نحو ابو علی حیونی جیسے یکتائے روزگار علما سے حاصل کیا تھا، اس کے بعد جب مشرق آئے تو ان علوم میں مزید وسعت نظر پیدا کی، قاضی عیاض لکھتے ہین،:-

"اور مشرق میں علم نحو ولسان عرب میں سرداری حاصل کی"،

انباری صاحب نزہتہ الالبا فی طبقات الادبا کہتا ہے،

"وہ لغت، نحو، اور علوم ادب کے عالم تھے"،

سیوطی نے لکھا:-

"علم نحو ولغت اور دوسرے تمام فنون ادب کے عالم تھے"،

درس کے چند نکات، | ابو نصر بن فضل بن حسین طرانی ان کے تلامذہ میں تھا، اس نے ان کے درس کے چند نکات بیان کئے ہیں، جن کو انباری نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے،

[۵] خریدۃ القصر درا ماری ص ۵۹۹،

وہ کہتا ہے :-

میں ذکی مغربی سے ابو عبد اللہ قضاعی کی کتاب الشہاب پڑھ رہا تھا انھوں نے آنحضرت صلعم کی اس حدیث میں کہ

من لعب بالنرد شیر فکانما غمس — جو نردشیر کھیلا گویا اس نے اپنا ہاتھ سور کے

یدہ فی لحم الخنزیر ودمہ — گوشت وخون میں ڈبویا،

کہا کہ یہ اصل میں "نرد" ہے، اُسے "نردشیر" اسلئے کہا گیا، کہ اُسے پہلی مرتبہ اردشیر کھیلا تھا، اسی کی طرف اسکی نسبت دی گئی،

پھر ایک حدیث آئی جس میں علیك بذات الدین کے بعد تربت یداك کا فقرہ ہے،

اس کے متعلق اونھوں نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "تو کسی خیر کو نہ پہنچے"، اور یہ اگرچہ بددعا کا فقرہ ہے، لیکن جیسا کہ ابو عبید نے کہا ہے، آنحضرت صلعم کی مراد اس سے بددعا دینا نہ تھی بلکہ یہ کلمہ عرب کی زبان پر جاری تھا، وہ اگرچہ یہ زبان سے کہتے ہیں، مگر اس کے معنی مراد نہیں لیتے[1]

خلف بن عبد اللہ صقلی، | خلف بن عبد اللہ صقلی چھٹی صدی میں گذرا ہے، پروفیسر حسن حسنی عبد الوہاب ٹیونسی نے شمالی افریقہ میں اسکے مقبرہ کا پتہ چلایا ہی،

پروفیسر موصوف کا خیال ہے، کہ یہ خلف بن عبد اللہ صقلی دراصل "خلوف بن عبد اللہ برقی نحوی" ہے، اس کا اصل وطن برقہ تھا، اور صقلیہ میں توطن اختیار کر لیا تھا، اور اسی مناسبت سے صقلی کہلایا، اسکو علم نحو میں شہرت حاصل تھی،

وفات ومقبرہ، | مقبرہ پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے جس سے سال وفات ۵۲۲ھ معلوم ہوتا ہے،

---

[1] نزہتہ الالبا، فی طبقات الادبا، ص ۴۹۹، و ترتیب المدارک دریادگاری جلد ۱ ص ۱۸۱ و بغیۃ الوعاۃ ص ۹۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صلی اللہ	بسم اللہ الخ، یہ خلف ابن عبد اللہ
علی النبی محمد وآلہ وسلم ھذا	بن .... صقلی
قبر خلف ابن عبد اللہ بن	کی قبر ہے، جس نے یوم سہ شنبہ
الصقلی توفی یوم الثلثاء فی العشر الاول	عشرا اول ماہ رمضان ۵۲۲ھ میں
من رمضان سنۃ اثنتین وعشرین وخمسمائۃ[1]	وفات پائی،

ابن المعلم، ابو الحسن علی بن ابراہیم بن علی صقلی معروف بابن المعلم کو علم نحو ولغت میں دستگاہ حاصل تھی، اور تعبیر رویا میں بھی حظ وافر پایا تھا،

وفات، ۵۳۲ھ میں وفات پائی،[2]

امام مازری، ابن خلکان نے امام مازری متوفی ۵۳۶ھ کی چند کتابوں کو علم ادب میں بتایا ہے، افسوس ہو کہ انکے نام معلوم نہ ہو سکے[3]

نصرون بن فتوح، نصرون بن حسین خزری صقلی ابن القطاع کے تلامذہ میں تھا، علم لغت پر عبور تھا[4]

یعقوب بن علی، یعقوب بن علی بندی صقلی کو بھی علم لغت میں مناسبت حاصل تھی،[5]

ابن ظفر صقلی، ابن ظفر صقلی متوفی ۵۶۵ھ علم ادب ونحو ولغت میں بلند پایہ رکھتے تھے، اور چھٹی صدی کے باکمال ادیبوں میں شمار کئے گئے ہیں، شاعری کا بھی مذاق تھا، صفدی نے کلام کا نمونہ دیا ہے، مثلاً دو شعر یہ ہیں:-

حملتك فی قلبی فھل انت عالم … بانك محمول وانت مقیم

میں نے تجھکو اپنے دل میں رکھ لیا، تو کیا تو یہ جانتا ہے، کہ تو میرے دل میں مقیم ہے،

---

[1] مقالہ حسن حسنی عبد الوہاب دریادگاری جلد ۲ ص ۴۹۲، [2] مختصر ابناء الرواۃ قفطی در اماری ص ۶۴۵،
[3] ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۰، [4] مختصر ابناء الرواۃ در اماری ص ۶۴۵،

الا اِنّ شخصا فی فؤادی محلہ واشتاقہ شخص علی کریم

تو جس شخص کا گھر میرے دل میں ہے، اور میں اس کا مشتاق ہوں وہ میرے نزدیک بڑا معزز ہے

نحو و لغت کے بعض مسائل میں مناظرہ | ایک مرتبہ شیخ تاج الدین کندی سے نحو و لغت کے بعض مسائل پر ان سے مناظرہ ہوا، شیخ کندی ان پر بازی لے گئے، اونھوں نے آخر میں کہا،

"شیخ تاج الدین مجھ سے نحو میں زیادہ عالم ہیں، اور میں ان سے علم لغت زیادہ جانتا ہوں"

مگر شیخ نے حریف کا یہ فیصلہ یہ کہہ کر رد کر دیا، کہ

"پہلی بات مسلّم اور دوسری سُنی سُنائی ہے"،

تصنیفات، | ادب و نحو و لغت میں انکی متعدد کتابیں شہرت رکھتی ہیں،

۱- سلوان المطاع فی عدوان الطباع، یہ ان کا مشہور ادبی شاہکار ہے، جو ۵۵۴ھ میں ایک صقلی مسلمان قائد ابو عبد اللہ محمد بن ابو القاسم بن علی بن علوی قرشی کے تعمیل حکم میں لکھا گیا، اور اسی کے نام سے معنون کیا گیا،

نسخے | اس کتاب کے نسخے پیرس اور آکسفورڈ میں موجود ہیں لیکن دونوں میں کسی قدر فرق ہے، نسخوں کے اس فرق کا تذکرہ مقریزی نے بھی کتاب المقفیٰ میں کیا ہے، کہ ابو الحسن علی بن عبد اللہ قرطبی نے مکہ معظمہ میں اس کا ایک نسخہ دیکھا جو دوسرے نسخوں سے حجم میں دو چند تھا، اماری نے پیرس کے کتب خانہ سے کتاب کے اقتباسات درج کئے ہیں، اور دیباچہ کا کچھ حصہ آکسفورڈ کے نسخہ سے بھی نقل کیا ہی،

حمد و نعت کے بعد قائد ابو عبد اللہ محمد بن ابو القاسم کے اوصاف و محامد بیان کرکے اس کے نام سے کتاب معنون کی ہے، اس کے بعد کتاب کی خوبیاں گنائی ہیں، پھر کتاب کی ترتیب و تبویب

۵۴ الوافی بالوفیات جلد ۱ ص ۱۴۱،

وغیرہ کو بیان کیا ہے،

آکسفورڈ کے نسخہ میں پیشکش کی وہ عبارت موجود نہین ہے، جو قائد ابو عبداللہ کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے، اس کے بجائے دوسرے الفاظ میں کتاب کا سبب تالیف بیان کیا گیا ہے، کہ کسی فرمانروا نے آداب وحکم میں ایک کتاب تالیف کرنے کی خواہش کی اور اسی کی تعمیل میں یہ مجموعہ تیار کیا گیا ہے، نسخوں کے اس فرق سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابن ظفر نے بعد مین اس کے دیباچہ میں کچھ رد وبدل کیا، پیرس والا نسخہ اصل میں اوس نسخہ کی نقل ہے، جو صقلیہ میں اس کے ممدوح کے سامنے پیش کیا گیا تھا، اور آکسفورڈ کا نسخہ وہ ہے، جس میں ابن ظفر نے بعد مین رد وبدل کیا ہے، اور شاید ابو الحسن علی بن عبداللہ قرطبی نے مکہ میں اس کا جو نسخہ دیکھا، وہ آکسفورڈ کے نسخہ کے مطابق ہو، اگر یہ صورت ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ابن ظفر نے پھر اصل کتاب میں بھی کچھ حصے بڑھائے ہین،

سلوان المطاع کا طرز تحریر مقامات حریری کے طرز پر ہے، اور طرز بیان و واقعات کلیلہ دمنہ کے طرز پر ہیں، جسمیں چرند وپرند کی زبان سے بادشاہون کے قصے دلکش انداز میں بیان کئے ہین اور اخلاق وحکمت کے نکتے سکھائے ہین، ابن ظفر نے کلیلہ دمنہ کے طرز پر اسے لکھنے کا تذکرہ دیباچہ میں بھی کیا ہے، مصنف نے اس کے آخر میں دو جزوں کا ایک ضمیمہ بھی منسلک کیا ہے، جسمیں اپنی کتابوں کی فہرست اور ان کا موضوع بیان کیا ہے،

کتاب کی مقبولیت اور مختلف زبانوں میں ترجمے

صقلیہ کا یہ علمی تحفہ عالم اسلامی میں مقبول ہوا، اولاً تاج الدین ابو عبداللہ بن سنجاری متوفی ۶۹۹ھ نے اسکو عربی نظم مین منتقل کیا، پھر ایک دوسرے اہل علم نے اس کی حکایتوں کو کسی قدر مقدم وموخر کرکے فارسی میں "ریاض الملوک فی ریاض السلوک" کے نام سے موسوم کیا، نیز سلطان اویس جلایری کے بعض واقعات اضافہ کئے، پھر شیخ الاسلام محمد امین آفندی بن خلیل اسود معروف بہ بقرہ خلیل آفندی زادہ متوفی ۱۱۶۶ھ نے ترکی مین ترجمہ کیا،

میکائیل اماری نے ایطالوی ترجمہ ۱۸۵۱ء میں فلورنزا سے شائع کیا، اس کے بعد یہ دلچسپی سے سنا جائیگا کہ صقلی عالم کی یہ تصنیف ہندوستانی زبان (اردو) میں بھی منتقل ہوئی، جسے مولوی ذوالفقار احمد صاحب تقضار الارب من ذکر علماء النحو والادب نے تشنیف الاسماع بسلوان المطاع کے نام سے ہندوستانی میں ترجمہ کیا ہے، اصل کتاب کا پہلا اڈیشن ۱۲۷۸ھ میں مصر سے پھر ۱۲۷۹ھ میں ٹیونس سے اور آخر میں بیروت سے شائع ہوا،

دیگر تصنیفات ابن ظفر کی چند اور ادبی و اخلاقی کتابیں ہیں، جن کے موضوع و مبحث کی تفصیل انھوں نے خود الگ الگ بیان کی ہے، وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:-

۲- ملح اللغۃ، اس میں بہ ترتیب حروف تہجی ان الفاظ کو جمع کیا گیا ہے، جو باعتبار لفظ متحد با عتبار معنی مختلف ہیں،

۳- کتاب السفو، یہ رسالہ نامانوس اور غریب الفاظ اور ضرب الامثال کی تشریح میں ہی،

۴- کتاب التنقیب، یہ مقامات حریری کی شرح ہے، مصنف نے اس کی دو شرحیں لکھیں، ایک چھوٹی اور ایک بڑی،

۵- کتاب اوہام الغواص فی اوہام الخواص یہ ابو محمد حریری کی تالیف درۃ الغواص فی اوہام الخواص کی شرح ہی جسمین مصنف کی غلطیاں بھی بتائی ہیں،

۶- کتاب الاشتراک اللغوی والاستنباط المعنوی، یہ لغت میں ہی،

۷- کتاب الاشارۃ الی علم العبارۃ، معانی و بیان میں ہی،

۸- کتاب القواعد والبیان، نحو میں ہے،

غالباً مواعظ و اخلاق میں انکے ذیل کے رسائل ہین،

۹- کتاب نصائح الذکری،

۱۰۔ کتاب ریاض الذکری،

۱۱۔ کتاب الحُرُز الواقیہ والعوذ الراقیہ،

۱۲۔ کتاب الجود والعواقب،

۱۳۔ کتاب مالک الاذکار فی مسالک الافکار،

انشاء پردازی، ابن ظفر ایک قادر الکلام انشاء پرداز تھے، عربی لغت وادب پر وسیع نگاہ تھی، اوراس دور میں عربی ادب میں جو مقفیٰ ومسجع عبارت آرائی تھی، اوس میں باکمال سمجھے جاتے تھے، اسلوب بیان، طرز تحریر اور طریق انشا وہی ہے، جو چھٹی صدی میں عام بلند پایہ عرب ادبا کے درمیان رائج تھا، [له]

شریف ادریسی، ابوعبداللہ محمد بن محمد بن ادریس معروف بہ شریف ادریسی راجر دوم کے دربار سے وابستہ تھا، اگرچہ اسکی شہرت علم جغرافیہ میں ہے، مگر وہ مخصوص طرز انشاء کا مالک بھی سمجھا جاتا ہے، نزہتہ المشتاق طرز انشاء کے لحاظ سے بھی بہترین کتاب ہے، شاعری کا بھی ذوق تھا، ابن بشرون نے اس کی انشاء وشاعری پر تبصرہ کرکے ستایش کی ہے، اصفہانی نے چند شعر نقل کئے ہیں، [۲]

صلاح الدین صفدی نے بھی تذکرہ کیا ہے، اوراس کے ادبی وشعری ذوق کی ستایش کی ہے، اور کلام کا نمونہ دیا ہے، ذیل کے چند شعرون سے اس کی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے، کہتا ہے، ؎

لیت شعری این قبری ضاع فی الغربۃ عمری

[له] الوافی بالوفیات جلد ۱ ص ۲۴۲، واقتباس سلوان المطاع در اماری ص ۶۰۹، تا ۶۹۱، کتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۶۶۶، ۶۷، کشف الظنون جلد ۲ ص ۱۳، الکتفاء القنوع ص ۲۰۸، قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب ص ۲۳۵ مطبوعہ ۱۳۱۶ھ مطبع مفید عام آگرہ، [۲] خریدۃ القصر در اماری ص ۶۱۱،

کاش میں جانتا کہ میری قبر کہاں ہوگی، سفر میں میری عمر ضائع ہوگئی،

لم ادع للعین ماتشتاق فی برّ و بحر،

آنکھ جس چیز کی مشتاق تھی، میں نے اس کو خشکی و تری میں نہیں چھوڑا (بلکہ سب کو دیکھ لیا)

وخبرت الناس والارض لدی خیر وشر

برائی بھلائی کے وقت لوگوں کو اور دنیا کو آزما لیا،

لم اجد جارا ولا دارا کما فی طیّ صدری

لیکن دل کی خواہش کے مطابق ہمسایہ اور گھر نہیں پایا،

فکانی لم اسر الا بمیت او بقفر،

گویا میں نے بنجر اور بے آب و گیاہ زمین میں سفر کیا،

ولیل کصدر اخی غمہ قطعناہ حتی بلغنا النجاح،

اور بہت سی راتیں جو ایک پریشان قلب شخص کے دل کی طرح تھیں، ہم نے سفر میں بسر کیں، تب مقصود کو پہنچے،

وبدر السماء بدا فی النجوم کما لاح فی الناس بدر السماح[۵]

اور آسمان کا چاند ستاروں میں اس طرح نمایاں ہوا جس طرح انسانوں میں فیاضی کا

ابن قلاقس[۶]، ابوالفتوح نصر اللہ بن عبد اللہ بن مخلوف معروف بہ بن قلاقس مصر کا باشندہ اور عربی علم ادب کا مشہور ماہر اور بلند پایہ شاعر تھا، ماہ شعبان ۵۶۳ھ میں صقلیہ پہنچا، اور یہاں ایک معزز مسلمان عہدیدار قائد ابوالقاسم بن الحجر کے دامن سے وابستہ ہوا، ابوالقاسم نے اوسکی شایان شان قدردانی کی،

---

[۵] الوافی بالوفیات جلد ا ص ۱۲۴،

صقلیہ کے قیام کی یادگار، صقلیہ میں اوس نے ایک کتاب الزہر الباسم فی اوصاف ابی القاسم تالیف کی، اور اوس کو اپنے ممدوح کی خدمت میں پیش کیا، ابن خلکان نے اس کتاب کی تعریف کی ہے، شاید یہ کتاب اس صقلی قائد کے اوصاف ومحامد میں ہو،

ابن قلاقس نے صقلیہ کے مختلف شہروں کی سیاحت کی، اور اوس کے سفر کا یہ نمایاں امتیاز ہے کہ جس شہر میں گیا نظم میں اس کے حالات قلمبند کئے، چنانچہ صقلیہ کے اکثر شہروں، بلرم، قصریانہ، مسینا، اطرابنش، اور طبرمین وغیرہ پر اسکی مستقل نظمیں ہیں جن کے چند چند شعر، یاقوت نے معجم البلدان میں ان شہروں کے حالات کے ضمن میں درج کئے ہیں، اسکی کتاب اور یہ نظمیں اس کے صقلیہ کے قیام کی یادگار ہیں،

صقلیہ سے واپسی اور دوبارہ ورود، صقلیہ میں تقریباً دو سال کے قیام کے بعد مصر واپس جانے لگا، حکومت کا ایک سفیر بھی اس کا ہمسفر تھا، اتفاق سے سمندر کی ہوا مخالف ہوئی، اور اس کا جہاز دوبارہ صقلیہ لوٹ آیا، اور اسے ساحل پر اوتر جانا پڑا، صقلیہ لوٹ آنے پر اس نے ایک نظم لکھی، اور اسی سفیر کی معرفت اپنے ممدوح ابوالقاسم کے پاس بھیج دی،

صقلیہ سے روانگی اور وفات، اس کے بعد دوبارہ روانہ ہوا، ۵۶۵ھ میں اپنے سابق ممدوح کی خدمت میں یمن پہنچا، اور ۳ شوال ۵۶۷ھ کو مقام عیذاب (نزد جدہ) میں وفات پائی، اور وہیں سپرد خاک کیا گیا،[1]

دور ثالث

متاخرین شعرا وادبا،

قاضی رشید احمد بن قاسم صقلی،[1] قاضی رشید احمد بن قاسم صقلی افضل کے زمانہ میں مصر کے قاضی القضاۃ تھے

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ ص۳۹۶ میں اسکے مفصل حالات ہیں، اسکی کتاب کا نام کشف الظنون (جلد ۲ ص۹) میں الزہر الباسم فی اوصاف القاسم چھپ گیا ہے،

شاعری، ادنھیں فی البدیہ اشعار کہنے کا خاص ملکہ حاصل تھا، ایک دفعہ افضل کے دربار میں پہنچے، وہاں ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ایک دوات رکھی تھی جس پر مونگے جڑے ہوئے تھے، اسے دیکھتے ہی دو شعر کہے، اور افضل کو محظوظ کیا[۱]،

ابن الحجری صقلی، [۲] ابن الحجری صقلی جو ساتویں صدی میں بجایہ میں ذی علم فقیہ تھے، علم نحو ولغت میں کامل تبحر رکھتے تھے،

بجایہ میں شاہی فرامین ودستاویزات اور قضاۃ کے فیصلے انشاء وادب کی نظر ثانی کیلئے ان کے سامنے پیش کئے جاتے تھے[۲]،

ابو مسعود سلیمان بن محمود، [۳] ابو مسعود سلیمان بن محمود بن ابو الحسن بن محفوظ قرشی محدث متوفی ۶۲۳ھ کو شاعری کا بھی مذاق تھا، صلاح الدین صفدی نے ان کے تذکرہ میں نمونہ کلام درج کیا ہے[۳]،

ابو القاسم صقلی، [۴] ابو القاسم صقلی ساتوین صدی مین گذرا ہے مصر میں قیام پذیر تھا، سیوطی نے اسکے تین شعر نقل کئے ہیں[۴]،

مجبر بن محمد صقلی، [۵] مجبر بن محمد بن مجبر صقلی کا خاندان مصر میں اقامت گزین ہو گیا تھا، اسلئے مصری بھی کہلایا، اوسکو مصری شعراء مین ممتاز جگہ حاصل تھی، ابن زبیر نے اپنے مجموعہ میں اسکی شاعری کی مدح وتوصیف کی ہے، اور اس کے منتخب اشعار نقل کئے ہیں، اصفہانی نے اوسی سے اس کے بعض اشعار اور قصیدے نقل کئے ہین جن میں ایک قصیدہ قائد ابو عبداللہ ملقب بہ مامون کی شان میں ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:-

لیس الفراق بمستطاع ، فدعیه من ذکر الوداع[۵]

---

[۱] خریدۃ القصر در اماری ص ۴۰، [۲] عنوان الدرایہ ص ۱۳۱، ۱۶۹، [۳] کتاب الوافی بالوفیات در اماری ص ۶۵۹، [۴] حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۲۲۲، [۵] خریدۃ القصر در اماری ص ۶۰۶،

جدائی برداشت کے قابل نہیں اسلئے اوس کی رخصت کے ذکر کو چھوڑ دو،

عبداللہ بن جبر صقلی، عبداللہ بن جبر صقلی ساتویں صدی میں گذرا ہے، اور دولت موحدیہ کے فرمانروا ابو یعقوب بن محمد کے عہد (۶۱۰ھ-۶۲۰ھ) میں موجود تھا، ابن سعید نے کلام کا نمونہ درج کیا ہے، مثلاً چند شعر یہ ہیں:-

لو رام یحلف ان الشمس ما غربت فی فیه کذّبه من خده الشفق

اگر وہ قسم کھانے کا قصد کرے کہ سورج اوس کے منہ میں نہیں ڈوبا تو اوس کے گال کی شفق (یعنی اسکی سرخی) اسکی تکذیب کر دیگی،

شمع کی تعریف میں کہتا ہے،

وصعدة لبست سربال مشتهر بالحب منغمس فی الدمع والحرق

اور ایک نیزہ جس نے ایک بدنام محبت کا جو آنسو اور سوز دل میں ڈوبا ہوا تھا، کرتہ پہن لیا،

ما زال یطعن صدر اللیل لهزمها حتی غدا سائلاً منه دم الشفق[۱]

اوس کا چھرا رات کے سینے کو کوچتا رہا، یہاں تک کہ اوس سے شفق کا خون بہ گیا،

علوم عقلیات ریاضیات وطبیعیات،

علوم وفنون کے بیان کی ابتدا میں اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ مسلمانان صقلیہ علوم عقلیہ کی طرف پوری توجہ بھی نہ کرنے پائے تھے، کہ صقلیہ کی اسلامی سلطنت کی شمع حیات گل ہو گئی، یہی وجہ ہے کہ صقلیہ کے عقلی علوم میں سے بجز علم طب کے اور کسی میں وہ رونق نظر نہیں آتی، جو ابھی ہم اسلامی وادبی علوم وفنون میں دیکھ آئے ہیں، اور نہ فلاسفہ اور ریاضی دانوں کی وہ کثرت ہی جو ابھی فقہا اور شعراء کی صف میں نظر آئی ہے، تاہم ہمیں صقلیہ کے عقلی علوم کے نشانات بھی کچھ نہ کچھ مل گئے

[۱] کتاب الالحان المسلیۃ در یاد گاری، جلد ا ص ۳۰۰،

ہین، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:-

"مسلمانانِ صقلیہ اور نارمن حکمرانون نے سائنس جیسے لطیف اور معراج ترقی پر پہنچانے والے علم سے غفلت نہیں کی، جغرافیہ، ہیئت، کیمیا، اور طب کی نہایت شوق اور کامیابی کے ساتھ تحصیل کی[۱]"

علمِ طب

مسلمانون نے صدر اول کے خاتمہ یعنی اسلامی علوم کی تدوین کے بعد سب سے پہلے علم طب پر توجہ کی، شامی محقق علامہ کرد علی لکھتے ہین،

"صدر اول میں مسلمانون نے علمِ دین کے بعد علمِ طب پر توجہ کی[۲]"

یہی وجہ ہے، کہ صقلیہ کے اہلِ علم نے بھی علمِ طب کی کچھ خدمتیں انجام دی ہیں، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین:-

"صقلیہ کے عربی طبیب اپنے اندلسی بھائیون کی طرح یورپ بھر میں سب سے بڑے حاذق سمجھے جاتے تھے، اور فی الحقیقت انھیں فنِ طب وجراحی میں دستگاہ کامل حاصل تھی"،

صقلیہ کے اسلامی عہدِ حکومت میں مسلمانون کے علاوہ یہودی اطبا بھی اپنے فن میں شہرت رکھتے تھے، اور بغیر تفریق مذہب و ملت مسلمانون کے ہر طبقہ میں وہ مقبول تھے، خصوصاً صقلیہ کے اسلامی دربار میں یہود و عرب دونون قومون کے اطبا کی قدردانی کیجاتی تھی، اور مسلمان فرمان روایانِ صقلیہ اپنی داد و دہش سے ملک میں علم کی ترقی کے مواقع بہم پہنچاتے تھے[۳]، پھر نارمنون نے بھی مسلمانون اور یہودیون دونون کے علم کی قدردانی کی، مشہور سیاح ابن جبیر نارمن فرمانروا کے متعلق لکھتا ہے:-

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۷۰، [۲] خطط الشام جلد ۴، ص ۴۹ [۳] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۷۱،

"اور اس کے دربار میں اطبا اور ہئیت دان ہیں، اور ان کے ساتھ بہت زیادہ اعتنار کرتا ہے، اور ان کا بیحد مشتاق رہتا ہے، یہاں تک کہ اگر اوسے معلوم ہوتا ہے، کہ کوئی طبیب یا منجم اس کے ملک میں آیا ہوا ہے، تو اس کو روک لیتا ہے، اور اسکی معیشت کا ایسا سامان کر دیتا ہے، کہ وہ اپنے وطن سے بے نیاز ہو جاتا ہے"[۱]

یورپ کے ایک عجائب خانہ میں ولیم ثانی کی ایک تصویر ہے، جس میں ایک عرب طبیب ولیم کے بستر موت کے سامنے اپنے آلات رکھے عمل جراحی کر رہا ہے، یہ تصویر الہلال والمقتطف میں نظر آئی تھی،

صقلیہ کے اطبا نے طب کی جو خدمتیں انجام دین، ان میں عبد الرحمن الناصر (۳۰۰ھ - ۳۵۰ھ) کے عہد میں ابن جلجل ابو داؤد سلیمان کی نگرانی میں ایک طبی ادارہ میں بعض طبی خدمات انجام دیا ہین اطبا، کی ایک جماعت اس ادارہ میں طبی تحقیقات میں مصروف تھی، اور طب یونانی کی اصطلاحون اور دواؤں کے نام عربی میں منتقل کر رہی تھی، قیصر روم کی طرف سے یونانی اور لاطینی زبان میں طبی کتابون کے چند نادر نسخے الناصر کو ہدیۃً بھیجے گئے تھے، ان میں مشہور یونانی طبیب دیسقوریدس کا ایک مصور رسالہ اغریقی زبان میں بھی تھا، یہ سب کتابیں بھی اس مجلس کے سپرد کی گئی تھین، اور اس نے اہتمام سے ان پر کام کیا تھا،

اس ادارہ میں ایک صقلی طبیب ابو عبد اللہ بھی تھا، جو عبد الرحمن الناصر کے وقت سے المستنصر کے زمانہ تک اس سے وابستہ رہا،[۲]

صقلیہ کے اطباء، اور اون کی تصنیفات، صقلیہ کے چند نامی اطبار اور ان کی کتابیں حسب ذیل ہین:-

---

[۱] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۵ [۲] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد ۲ ص ۴۶،

ابو سعید بن ابراہیم صقلی، ابو سعید بن ابراہیم طبیب صقلی کی ایک کتاب المنجح فی التداوی من صنوف الامراض والشکاوی، کے دو نسخے بولڈین اور پیرس کے کتب خانون میں ہیں، امارتی نے اپنے مجموعہ میں کچھ اقتباسات نقل کئے ہیں، مصنف کے زمانہ کا پتہ نہیں تاہم اس کی اس کتاب کے دیباچہ کی نوعیت سے اس کا زمانہ قدیم معلوم ہوتا ہے، کیونکہ مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے کی جسقدر کتابیں طب میں ہین، ان میں یا تو مفرد دواؤن کے خواص ہین، یا ایسی کتابیں ہیں جن میں مختلف امراض کا علاج مفردات سے بتایا گیا تھا، اور مصنف اپنے بیان کے مطابق وہ پہلا شخص ہے، جس نے ان دونون امور کو اس تالیف میں جمع کیا، چنانچہ لکھتا ہے،:-

مین نے کسی مصنف کو نہیں پایا جس نے ان دونوں باتون کو ایک کتاب میں جمع کیا ہو، بلکہ بعض لوگ ایسے ہیں جنھون نے صرف مفرد دواؤن اور اون کی قوتوں اور اون کے فائدون کا ذکر کیا ہے، اور بعضوں نے مفرد دواؤن سے امراض کے علاج کا طریقہ بتایا ہے، لیکن یہ دونون چیزین ایک ہی ہیں، صرف ترتیب میں فرق ہے، کیونکہ پہلی صورت میں ایک دوا کا ذکر ہوتا ہے، جو بہت سے امراض کے لئے مفید ہوتی ہے، اور دوسری صورت میں بہت سی دواؤن کا ذکر ہوتا ہے، جو ایک ہی مرض میں مفید ہوتی ہیں، اسلئے میں نے ایک مختصر اور جامع کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا، جو دونون باتوں کو شامل ہو، اس سے میرا مقصد مشکلات ومطالب کو آسان کرنا ہو،

اس کے لئے میں نے کتاب میں جدولیں بنائی ہیں، اور اون میں سے طول میں ہر جدول کی چھ قسمیں کیں، پہلی جدول کی ہر سطر میں عنوان قائم کیا، اور بقیہ پانچ جدولون میں حروف معجم کی ترتیب کے موافق پانچ دوائین لکھین، پھر عرض میں سولہ قسمیں کین،

پہلی قسم میں ادویہ مفردہ کے نام بتائے، دوسری قسم میں ......"[۱]

امام مازری،[۲] صقلیہ کے مشہور محدث امام مازری علم طب میں بھی حاذق سمجھے جاتے تھے، جسے انھون نے صقلیہ میں دینی علوم کی تکمیل اور دینی پیشوائی کے مرتبہ پر فائز ہونے کے بعد حاصل کیا، انکے علم طب کی تحصیل کا واقعہ دلچسپ ہے۔

یہ ایک مرتبہ صقلیہ میں بیمار پڑے، اور وہان کے کسی نامور یہودی طبیب کے زیر علاج آئے، وہ امام صاحب کی علمی فضیلت کا مقام شناس تھا اوس نے ان سے ایک دن مزاح سے کہا کہ "مولائی! مجھ جیسا بے مایہ شخص آپ جیسے امام وقت کا اس وقت معالج ہے، اگر اس موقع کو مغتنم سمجھ کر میں مسلمانون کو آپ کی بابرکت ہستی سے محروم کر دون تو اپنے دین کی کتنی بڑی خدمت انجام دون"،

امام صاحب کے لئے یہودی طبیب کا یہ مزاح علم طب کی تحصیل کا محرک ثابت ہوا اسی کے بعد اوھون نے اس فن کو حاصل کرنا شروع کیا، اور کمال پیدا کر کے بہت جلد صقلیہ کے ممتاز اطباء کی صف میں داخل ہو گئے، ابن فرحون لکھتا ہے،

"جس طرح لوگ فقہ میں ان کی طرف رجوع کرتے، اوسی طرح یہ علم طب میں بھی خلائق کا مرجوعہ تھے"،[۳]

شیخ ابوبکر صقلی،[۳] شیخ ابوبکر صقلی طبیب کیلئے یہ لائق فخر ہے کہ شیخ عزالدین بن سویدی جو بیمارستان نوری دمشق کے طبیب حاذق تھے، اور ابن ابی اصیبعہ جو عیون الانباء فی طبقات الاطباء کا فاضل مصنف ہے، یہ دونون ان کے تلامذہ میں تھے، ابن ابی اصیبعہ عزالدین کے حال میں لکھتا ہے:-

---

[۱] انتخاب کتاب المنج در اماری صفحہ ۴۹۹، [۲] دیباج المذہب ص ۲۸۰،

"میں اور عزالدین دونوں شیخ ابوبکر صقلی رحمہ اللہ کے درس میں شریک تھے، اور اسی قدیم زمانہ سے ہم دونوں سے رشتہ محبت قائم تھا"[1]

اطبائے صقلیہ کا ایک خاندان افریقہ میں، اسی طرح اطباے صقلیہ کا ایک خاندان صقلیہ سے ہجرت کرکے افریقہ آیا، اور مراکش کے فرمانروا ابوالفارس عبدالعزیز بن ابوالحسن کے دربار سے وابستہ ہوگیا، اس خاندان میں حاذق اطبار گذرے ہیں، جو گویا خاندانی اطبار تھے، اور علم طب میں اپنی پائدار یادگاریں چھوڑی ہیں،

ابو محمد عبدالسلام بن ابراہیم صقلی، ابو محمد عبدالسلام بن ابراہیم صقلی طبیب وہ پہلے طبیب ہیں، جو اس دربار سے وابستہ ہوئے،

تصنیف، طب میں ان کی ایک گران قدر تصنیف فن جراحت میں ہے جس کا ایک نسخہ جامع زیتون ٹیونس میں موجود ہے،

وفات، انھوں نے مراکش میں ۵ جمادی الاولی ۸۲۲ھ کو وفات پائی، اور وہیں مدفون ہوئے، قبر پر نام اور تاریخ وفات کا کتبہ کندہ ہے، جو آجتک محفوظ ہے،

ابوالعباس احمد بن عبدالسلام شریف صقلی، ابوالعباس احمد شریف صقلی کو افریقہ میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، گر لفینی کا بیان ہے، کہ ان کی حذاقت کی حکایتیں اس زمانہ میں بھی ٹیونس کے عوام میں مشہور رہیں،

تصنیفات، طب میں ان کی دو کتابیں مشہور ہیں،

۱- شرح ارجوزہ، یہ ابن سینا کی ارجوزہ کی شرح ہے، اس کا ایک نسخہ مدرسہ صادقیہ ٹیونس کے طلباے قدیم کی ایسوسی ایشن میں محفوظ ہے، کتابت کا ۱۱۷۲ھ ہے، اسکے کچھ

[1] عیون الانبار فی طبقات الاطبار، جلد۲ ص ۲۶۶،

اقتباسات یادگاری مضامین میں پروفیسر عبدالوہاب نے شائع کئے ہین، انداز بیان کیلئے دیباچہ کی چند سطرین ملاحظہ ہون، کہتے ہین،

"طب کے دو مفہوم ہین، ایک لغوی اور دوسرے اصطلاحی لغت میں طب کا اطلاق علم، فہم، اور سحر وغیرہ پر ہوتا ہے، اور اصطلاح میں تو اس کی کثیر تعریف ہے........ ان میں ایک یہ بھی ہے، کہ طب کو تم علم صناعی کہہ سکتے ہو، کہ اس کا موضوع جسم انسانی اور اسکی قیمت کا برقرار رکھنا، اور امراض کا ازالہ کرنا ہے، اس تعریف میں جسم انسانی کی قید سے علم بیطرہ و بیزرہ نکل گئے، جو حیوان اور پرندون کے لئے ہین،...... انسان کی تین حالتیں ہیں صحت، مرض، اور نہ صحت اور نہ مرض" [۵۱]

۲- کتاب الاطباء (فی) الامراض من الفرق الی القدم، اس میں سر سے پیر تک کے ایک ایک عضو کے امراض اور انکا علاج جدا جدا بیان کیا گیا ہے،

اسکے دو نسخے دستیاب ہوئے ہیں، ایک لیڈن میں ہے، اور دوسرا ٹونس میں لیڈن کے نسخے کے کچھ اقتباسات اماری نے درج کئے ہین،

دیباچہ مین کتاب کا موضوع اور ترتیب وغیرہ کا بہ تفصیل تذکرہ کیا ہے:-

"اس کتاب میں سر سے پیر تک کے امراض کا مفرد دواؤن سے علاج بتایا گیا ہے کیونکہ ادویہ کی ترکیب دشوار ہوتی ہے،.... یہ کتاب بیس ابواب مین منقسم ہے" اس کے بعد ابواب کی فہرست درج کی ہے، جس میں ہر عضو بدن کے امراض اور اونکے علاج کا علیحدہ علیحدہ بیان ہے۔ [۵۲]

---

۵۱ مقالہ پروفیسر عبدالوہاب در یادگاری مضامین جلد ۲ ص ۴۰۶، ۴۰۸، و مقالہ گریفینی در جلد ۱ ص ۴۴۵،

۵۲ کتاب الاطباء فی الامراض من الفرق الی القدم مقتبس در اماری ص ۶۹۰،

ابو عبداللہ محمد بن عثمان صقلی، ابو عبداللہ محمد بن عثمان طبیب صقلی بھی اس دربار سے وابستہ تھے، ان کی فن طب میں دو کتابوں کا پتہ چلا ہے،

۱۔ المختصر الفارسی، یہ علم طب پر ایک مختصر اور جامع تالیف ہے، اس مین پہلے طب کو دو قسمون علمی و عملی یعنی علم بالکلیات اور عمل بالمعالجات مین تقسیم کیا ہے، پھر پہلی قسم علم بالکلیات کو تین مقالون اور دوسری قسم عمل بالمعالجات کو سات مقالون مین تقسیم کرکے کتاب ختم کی ہے، اس کا نام امام رازی کی المنصوری کے اتباع میں جو ابو جعفر منصور کے لئے لکھی تھی ابوالفارس کے نام پر المختصر الفارسی رکھا ہے، کتاب کی ترتیب کے متعلق دیباچہ میں لکھتے ہین:۔

۱۔ "پہلا مقالہ ساتون طبیعیات میں، یعنی عناصر، مزاج، اخلاط، اعضاء، قوی، ارواح اور افعال میں،

۲۔ "دوسرا مقالہ چھ ضروریات میں یعنی ہوا، کھانا، پینا، حرکت، سکون، نیند، بیداری، پاخانہ، پیشاب، اور نفسانی خیالات میں،

۳۔ تیسرا مقالہ ان چیزون میں جو قدرتی مجری سے باہر ہون یعنی مرض سبب، عرض

۴۔ چوتھا مقالہ حفظان صحت اور اوس کے متعلقات میں یعنی مسافر، بچے، اور بوڑھون کی تدبیر میں،

۵۔ پانچوان مقالہ اون مفرد دواؤن میں جن کا استعمال ہمارے ملک میں بہت ہے، اور انکے علاوہ مسہل دوائین،

۶۔ چھٹا مقالہ تمام امراض اونکے اسباب، اعراض اور انکے اقسام کے مطابق اون کے علاج کے بیان میں،

۷۔ ساتوان مقالہ پھیپھڑے اور زہریلی ہواؤن کے علاج مین،

۸۔ آٹھواں مقالہ بخاروں کے اقسام و انواع میں،

۹۔ نواں مقالہ ان امراض میں جن کا علاج ہاتھ سے کیا جاتا ہے،

۱۰۔ دسواں مقالہ مرکب دواؤں میں اور بعض خواص میں اور اوس کے علاوہ چارپایوں کے بعض امراض میں، اور بعض کیڑوں کے نکالنے مین ہے[۵۱]

اس کتاب کے چھ قلمی نسخے مختلف کتب خانوں جامع زیتون ٹیونس وغیرہ مین موجود ہیں

۲۔کتاب "منعاج الدکان" کے سرورق پر حسب ذیل عبارت ہے،

"یہ کتاب منہاج الدکان فقیہ ابوعبد اللہ محمد بن عثمان شریف حسنی، بہ اعتبار نسب تونسی، باعتبار مولد اور صقلی بہ اعتبار شہرت، کی تصنیف ہے"

اغراض و ترتیب کتاب کا بیان حسب ذیل ہے،

"اما بعد میں نے ایک ایسا مجموعہ تیار کرنا چاہا، جو میرے تمام اسباب کا جامع ہو اور ایک ایسے شخص کی ضروریات کے لئے کافی ہو، جو اپنے مقصود میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہو، گو اوسکو ایسے مرشد کی ضرورت نہ ہو، جو اس کے جزئیات میں اس کی ہدایت کرے، اور میں نے منہاج الدکان اوس کا نام رکھا، پہلا باب اس چیز کے بیان میں ہے جس کی ضرورت اوس شخص کو ہوتی ہے، جو ان مرکبات کے بنانے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے، تاکہ اس کو اعتماد، احتراز اور خوف پہلے خدا سے حاصل ہو ا پھر انسانوں سے . . . . ."[۵۲]

اس کتاب کا ایک نسخہ جامع زیتون ٹیونس کے کتب خانہ میں ۱۱۶۲ھ کا لکھا ہوا محفوظ ہے

---

[۵۱] اقتباس المختصر الفارسی در یادگاری ج ۲ ص ۴۹۱، [۵۲] مقالہ پروفیسر عبد الوہاب التونسی در یادگاری جلد ۲ ص ۴۸۹،

علم جغرافیہ

علمِ جغرافیہ سے صقلیہ کا خاص تعلق رہا، اس علم سے بیان کے اہلِ علم کی دلچسپی کا اندازہ ان روایتون سے ہوتا ہے، جو صقلی اہلِ علم جغرافیہ نویسون سے صقلیہ کے متعلق جغرافی حالات بیان کرتے تھے، اوران کے حوالے جغرافیہ کی بعض کتابون میں درج ہین، مثلاً صاحبِ کتاب تحفۃ الالباب ونخبۃ الاعجاب ایک جگہ لکھتا ہے:۔

تجھ سے شیخ امام عالم علامہ زاہد ابوالقاسم بن حاکم صقلی نے بغداد میں میرے سوال کے جواب میں (کوہِ آتش کی) آگ کے متعلق بیان کیا کہ ....[1]

اسی طرح صاحبِ کتاب الاشارات فی معرفۃ الزیارات ایک جگہ صقلیہ کے بعض حالات کے سلسلہ میں بیان کے ایک اہلِ علم کی ایک روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

تجھ سے اس ملک کے علماء میں سے ایک صاحب نے بیان کیا کہ ....[2]"

اسی طرح یہ بھی معلوم ہے، کہ اس وقت تک علمِ جغرافیہ میں جو کتابیں تالیف ہوئی تھین، وہ سب صقلیہ کے اہلِ علم میں متداول تھیں، ادریسی نے صقلیہ میں ان کے موجود ہونے کا تذکرہ نام بنام کیا ہے[3]،

صقلیہ کے بعض اہلِ علم نے اپنے سفرنامے بھی لکھے، مثلاً شیخ ابوبکر عتیق بن علی بن داؤد سمنطاری کا تذکرہ علم تصوّف میں گذرچکا ہے، انھون نے حجاز، یمن، شام، ایران، اور خراسان کا سفر کیا، اور اپنے مختلف علمی خدمات کے ساتھ اپنا ایک سفرنامہ بھی حروفِ تہجی پر مرتب کیا،

---

[1] تحفۃ الالباب درامار ی ص ۴۷، [2] کتاب الاشارات، درامار ی ص ۷۵،

[3] نزہتہ المشتاق ص ۵،

یاقوت لکھتا ہے،:-

"ان کی ایک کتاب حروف تہجی کی ترتیب پر ممالک کے سفر اور اہلِ علم کی ملاقاتون کے حالات میں ہے[۱]"

مشہور عرب سیاح صقلیہ میں، مشہور عرب سیاحوں میں سے ابنِ حوقل اور ابنِ جبیر صقلیہ آئے، اور یہان سے انھون نے اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا،

ابنِ حوقل، ابو القاسم محمد بن علی معروف بہ ابنِ حوقل موصلی بغدادی، چوتھی صدی کے مشہور سیاحون میں ہے، بغداد میں پیدا ہوا، اور یہیں نشو و نما پائی، علوم کی تحصیل کے بعد تجارت کا پیشہ اختیار کیا، اور دنیا کی سیاحت کے لئے چل کھڑا ہوا، اوس نے مسلسل اٹھارہ برس سیر و سیاحت میں گذارے، وہ یہان ۳۶۲ھ میں بلرم میں موجود تھا، سیاحت ختم کرنے کے بعد ۳۶۶ھ میں اُس نے اپنا مشہور سفرنامہ کتاب المسالک والممالک لکھا، اوس نے صقلیہ کے حالات سے خاص طور پر اعتنا کیا، اولاً کتاب المسالک والممالک میں اسکے حالات لکھے، اس کے علاوہ اس نے بلرم کے حالات ایک علٰحدہ رسالہ میں لکھے، جو ۱۸۴۵ء میں پیرس سے طبع ہو چکا ہے[۲] نیز اسکے ایک رسالہ کا تذکرہ "محاسن اہلِ صقلیہ" کے نام سے یاقوت نے معجم البلدان میں کیا ہے، اور اوس کی ذیل کی عبارت نقل کی ہے،:-

"مین نے ان لوگون کے اوصاف، حکایات اور صقلیہ کے اوصاف اور یہان کے باشندون کے فضائل ایک کتاب میں لکھکر انکا حق ادا کیا ہے، اور اوس کو "محاسن اہلِ صقلیہ" کے نام سے موسوم کیا ہے، پھر ان کی بداخلاقیان بیان کی ہیں[۳]"

شاید وہ مطبوعہ نسخہ یہی ہو، جو افسوس ہے، کہ میری نظر سے نہیں گذرا

---

[۱] معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۳۲ [۲] اکتفاء القنوع بما ہو المطبوع ، [۳] معجم البلدان جلد ۵ ص ۴۷۷،

ابن حوقل کی کتاب المسالک کا پہلا نسخہ ۱۸۰۰ء میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ لندن سے چھپا، پھر ۱۸۷۳ء میں لیڈن سے شائع ہوا، پھر افریقہ سے متعلق اس کا ایک حصہ ۱۸۴۲ء میں پیرس سے اور عراق سے متعلق حصہ ۱۸۲۲ء میں فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا،

ابن حوقل کی کتاب المسالک میں صقلیہ کے متعلق جو مختصر حالات تھے، اور یاقوت نے اسکے حوالہ سے جو کچھ لکھا تھا، وہ پچھلے اوراق میں گذر چکا ہے،

ابن جبیر، ابوالحسن محمد بن احمد بن جبیر بن سعید کنانی بلنسی، اندلسی چھٹی صدی کے مشہور مسلمان سیاحوں میں ہے، یہ ۵۳۹ھ میں بلنسیہ میں پیدا ہوا یہیں تعلیم و تربیت پائی، اور اپنے زمانہ کا مشہور صاحب علم و فضل، محدث، فقیہ، ادیب اور شاعر سمجھا گیا،

یہ اپنے زمانہ کے مشہور سیاحوں میں تھا، اس نے تین سیاحتیں کین، اور اپنا یادگار سفرنامہ لکھا، اس نے پہلا سفر شوال ۵۷۸ھ میں کیا، اور مشرق و مغرب کو چھان مارا، اور اسی سفر میں صقلیہ آیا، پھر دوسری مرتبہ صلاح الدین ایوبی کی فتح بیت المقدس کی خبر سن کر ۵۸۵ھ میں بیت المقدس گیا، پھر اس نے مختلف مقامات میں قیام اختیار کیا، پھر تیسری مرتبہ ساتویں صدی کے آغاز میں روانہ ہوا، اور یہی اس کا سفر آخرت ثابت ہوا، ۶۱۴ھ میں مصر میں وفات پائی،

ابن جبیر ۵۸۰ھ میں صقلیہ آیا تھا، اور دو مہینوں سے زیادہ یہاں مقیم رہا، اور صقلیہ کے مسلمانوں سے اسکے مراسم قائم ہوئے،

اس کے سفرنامہ کا سب سے پہلا حصہ صقلیہ ہی کے متعلق ۱۸۴۶ء میں فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا، پھر پورا سفرنامہ ۱۸۵۲ء پھر ۱۸۹۶ء اور آخر میں ۱۹۰۷ء میں گب میموریل سے چھپا، حافظ احمد علی خان شوق رامپوری نے اسے اردو میں بھی ترجمہ کیا ہے جو ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا،

ابن جبیر نے اپنے عہد کے صقلیہ کے متعلق جو کچھ مشاہدات و تاثرات لکھے ہیں، انھیں اس سے پہلے پیش کیا جا چکا ہے، ذیل میں صقلیہ میں اسکے ورود قیام نقل و حرکت اور یہاں سے اسکی روانگی کا ذکر اسی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے وہ لکھتا ہے:-

"بحری سفر کے عجائب میں یہ بھی ہے کہ ہم نے سمندر کی گود ہی میں تین مہینوں، رجب، شعبان، اور رمضان (۵۸۰ھ) کے چاند دیکھے، اور جس شام کو رمضان کا چاند نکلا، اوسی صبح کو ہم نے جزیرۂ صقلیہ کے مشہور کوہ آتش فشاں اور جبل البرکان کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا،... .... یہاں تک کہ ہم آبنائے میں داخل ہوئے، اس وقت شب کی تاریکی چھا چکی تھی، .....اب ارض کبیرہ (جنوبی اٹلی) کا ساحل ہماری دائیں طرف اور صقلیہ کی سرزمین بائیں طرف تھی، یہان تک کہ جب یوم یکشنبہ ۲ رمضان کی نصف شب کو ہم جزیرہ کے شہر مسینا کے پاس پہنچے، تو سمندر میں سخت طوفان آیا، جہاز کے رستے یکے بعد دیگرے ٹوٹنے لگے، رومی اور مسلمان مسافرون اور عورتون اور بچوں کے شور و واویلا سے ایک قیامت برپا ہو گئی، ہر شخص کے سر پر موت کھڑی دکھائی دی، یہان تک کہ ستارۂ صبح طلوع ہوا، اور ہم نے تعجب سے دیکھا کہ ہم شہر مسینا سے تقریباً نصف میل کے فاصلہ پر ہیں، آخر خدا خدا کر کے اسی امید و بیم کی حالت میں .... ہم ساحل مسینا پہنچے، .... ہم یہان کے ہوٹلوں میں سے ایک ہوٹل میں ٹھہرے تھے، جہان ہم نو دن ٹھہرے اور شب سہ شنبہ ۱۲ رمضان میں ۱۰ دسمبر کو کشتی پر سوار ہو کر المدینہ (بلرم) روانہ ہو گئے، ...... اور یوم چہار شنبہ کو شہر شفلودی کے بندر پر پہنچے، .... یہان سے نصف شب کو روانہ ہوئے، اور یوم پنجشنبہ بوقت چاشت شہر ثرمہ پہنچے، .... یہان ہم یوم پنجشنبہ ۱۴ ماہ رمضان کو رہے، .... اور پھر یہان سے بلارمہ .... روانہ ہوئے، .... جو ۲۵ میل پر یہان سے آباد ہے، سمندر کی تلاطم خیزی کے سبب سے خشکی کا راستہ اختیار کیا، .... یہان تک کہ ہم قصر سعد پہنچے، جو شہر بلرم سے ایک

فرسخ پر واقع ہے، رات ہم نے اسی قصر میں گذاری،.... صبح کی نماز پڑھ کر ہم شہر (بلرم) روانہ ہوئے،.... اور یہاں کے ایک ہوٹل میں یوم شنبہ ۱۶ ر رمضان مطابق ۲۲ ر دسمبر کو اوس میں اترے،.... اس شہر میں ہمارا قیام سات دن رہا،.... وہاں سے ہم یوم جمعہ ۲۲ ر رمضان مطابق ۲۸ ر دسمبر کو صبح کے وقت اطرابنش روانہ ہوئے،.... کیونکہ یہاں سے دو جہاز چھوٹنے والے ہیں، ایک اندلس جانے والا ہے، اور دوسرا سبتہ روانہ ہونے والا ہے،.... راستہ میں ہم نے ایک شب ایک شہر معروف بہ علقمہ میں گذاری، جو خالص اسلامی شہر ہے،.... علقمہ میں ہم یوم شنبہ ۲۳ ر رمضان ۲۹ دسمبر کے وقت سحر تک ٹھہرے، اور وہاں سے روانہ ہو کر اوسی کے قریب ایک قلعہ حصن حمہ میں اوترے،.... اور وہاں سے اسی دن روانہ ہو کر عصر کے وقت اطرابنش پہنچے،.... ہم اپنے سفر کا اہتمام اندلس جانے والے ایک جہاز سے کر چکے تھے،.... کہ شاہ صقلیہ کا حکم پہنچا کہ تمام ساحلوں کے جہازوں کی روانگی شاہی بیڑے کی روانگی سے پہلے روک دیجائے .... ماہ ذی القعدہ کا چاند یوم دوشنبہ ۴ ر فروری کو نکلا، اور ہم لوگ ابھی تک اسی شہر اطرابنش میں موجود ہیں، اور جاڑوں کے موسم اور جنوبی جہاز کے لنگر اوٹھانے کا انتظار کر رہے ہیں، جس سے ہم لوگ اندلس جانے والے ہیں،.... ماہ ذی الحجہ کا چاند مطلع کے غبار آلود ہونے کے باعث روپوش رہا، ہم نے ماہ ذی القعدہ کو شب چہارشنبہ ۶ ر مارچ پر ختم کر دیا، ابھی تک ہم اسی شہر اطرابنش میں قیام پذیر ہیں،.... چوتھی کی شب کو چاند نظر آیا، جو بڑا تھا، اور اس سے معلوم ہوا کہ وہ شب سہ شنبہ ہی کو نکلا تھا، چنانچہ اسی حساب سے تاریخ متعین کر لی، اور اس طرح یوم چہارشنبہ ۹ ر ذی الحجہ مطابق ۱۳ ر مارچ کو یوم عرفہ پڑا، اور اسی یوم عرفہ کو ہم جہاز پر سوار ہو گئے، اور یوم عید الضحیٰ کی صبح عشرۂ جہاز پر طلوع ہوئی، ہم لوگ جہاز پر پچاس مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔"[1]

---

[1] رحلۃ ابن جبیر دیباچہ از ص ۳۲۰ تا ۳۴۴،

شریف ادریسی | ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد اللہ معروف بہ شریف ادریسی کا نام اسلامی علم جغرافیہ کی تاریخ میں زریں حروف میں لکھا جائے گا، اس کے تمام جغرافی کارنامے سرزمین صقلیہ ہی میں انجام پائے،

وہ افریقہ کے سادات کے شاہی خاندان ادریسی کا چشم و چراغ تھا، اس کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

محمد بن محمد بن عبد اللہ ابن ادریس بن یحییٰ ابن علی بن حمود بن میمون بن احمد بن علی بن عبید اللہ ابن عمر بن ادریس بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ،

شریف ادریسی ۴۹۳ھ میں سبتہ میں پیدا ہوا، علوم کی تحصیل کے لئے قرطبہ گیا، اور اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کی خصوصاً ادب اور علوم عقلیہ میں کامل دستگاہ حاصل کی، اسے سیاحت کا طبعی شوق تھا، پھر ان دنوں ادریسی شاہزادوں میں حصول سلطنت کے لئے رقابتیں تھیں اور لوگ ایک دوسرے سے خائف رہتے تھے، اسلئے شریف ادریسی نے ہوش سنبھالتے ہی سیر و سیاحت شروع کی، اس اثنا رمیں اس کے علم و فضل کے چرچے پھیلے، تو راجر دوم نے اُسے صقلیہ آنے کی دعوت دی، اور اوس کے علم و فضل اور خاندانی اعزاز کے مطابق اس کا اعزاز و اکرام کیا، صفدی راجر دوم کے متعلق لکھتا ہے:-

"وہ فلسفیوں سے محبت رکھتا تھا، اور اوسی نے شریف ادریسی کو طلب کیا، اور جب وہ اوس کی خدمت میں پہنچا، تو نہایت عزت کے ساتھ اس کی مہمانداری اور تعظیم و توقیر کی[1]"

دنیا کا نقرئی کرہ | راجر نے ادریسی کے علم و ہنر سے فائدہ اٹھانا چاہا، اور پہلے اس سے ایک ایسا کرہ تیار کرنے کے لئے کہا، جس سے زمین کی ہیئت و صورت کا صحیح اندازہ ہو سکے، اور

---

[1] الوافی بالوفیات صفدی جلد ۱ ص ۱۶۳، [2] درامارمی ص ۶۵۸،

اس کے لئے راجر نے ۴ لاکھ درہم کے وزن کی ایک نقرئی اینٹ اس کے حوالہ کردی،

ادریسی نے چاندی پگھلا کر قدیم اصول ہیئت کے مطابق آسمان کی شکل کے لئے چند دائرے بنائے، اور انھیں طبق در طبق بہ پیوست کرکے کرہ کی شکل میں تیار کرایا، جو گویا مختلف طبق افلاک تھے، پھر زمین کے لئے ایک دوسرا مدور کرہ تیار کیا گیا، اس کے بعد آسمان کے دوائر میں مختلف افلاک ستارے، اور سیارے دکھائے گئے، اور زمین کے عظیم الشان سانچہ پر دنیا کے تمام شہروں پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں، وادیوں اور ان کے نشیب و فراز کی تصویر اتاری گئی، اسکے بنانے والے صقلی اہل علم ادریسی کے دست راست تھے[1] اسکا قطر تقریباً چھ فٹ اور وزن تقریباً ساڑھے پانچ من تھا،[2]

کرہ بنانے کا صلہ، جب یہ عظیم الشان کرہ تیاری کے بعد راجر کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو وہ ادریسی کا صناعانہ کمال دیکھکر محو حیرت رہ گیا، اور اسے دل کھول کر اس کا صلہ دیا چنانچہ اولاً کرہ بنانے کے بعد ایک تہائی سے زیادہ مقدار میں جو چاندی بچ گئی تھی، اور جو تقریباً ڈیڑھ لاکھ درہم کے ہم وزن ہوئی، وہ بخش دی، اس کے بعد اس نے شاہی خزانہ سے ایک لاکھ درہم عطا کیا، پھر ان ہی دنوں برشلونہ سے انواع و اقسام کے رومی مصنوعات سے لدی ہوئی کشتی راجر کی خدمت میں کسی نے نذر بھیجی، اور اس نے وہ کشتی مع تمام سامانوں کے ادریسی کے حوالہ کردی،

صقلیہ میں مستقل توطن، اس کے بعد ادریسی نے وطن کی واپسی کا قصد کیا، لیکن راجر نے اسے معقول بہانہ سے صقلیہ میں مستقل قیام کرنے پر آمادہ کرلیا، اور اس سے کہا کہ "تم خاندان خلافت کے رکن ہو، اگر مسلمانوں کے درمیان رہے، تو معلوم نہیں کس وقت کس قسم کے سیاسی حالات میں گھر جاؤ اور تمہیں قتل و خونریزی کا سامنا کرنا پڑے، اسلئے تمہیں وطن میں سکون میسر نہ آئیگا، مناسب ہو کہ فراغ بالی سے میری معیت میں زندگی بسر کردو، میں تمھاری ہر قسم کی حفاظت کرنے اور آرام و

---

[1] نزہتہ المشتاق ص ۵، [2] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۵۰۰،

آسایش پہنچانے کا ذمہ دار ہون" ادریسی کے دل میں یہ بات اوتر گئی، اور اوس نے یہان مستقل توطن اختیار کر لیا،

شاہانہ طرز زندگی، اس کے بعد راجر نے اس کے مستقل بود و باش کا انتظام کیا، چنانچہ اس کے قیام کے لئے ایک آراستہ محل منتخب کیا، اور بیش قرار ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا، کہ وہ شاہزادگی کے لوازم قائم رکھکر زندگی گذار سکے، اور اس کے لئے مختلف قسم کے شاہانہ اعزاز و مراتب قائم کئے، یہان تک کہ جب وہ اُس کے دربار میں اس سے ملنے کے لئے جاتا، تو وہ خود شاہی تخت سے اوتر کر اس کا استقبال کرتا، اور اپنے ساتھ لا کر اعزاز سے اپنے پہلو میں بٹھاتا،

علمی سفر، اس کے بعد راجر نے ادریسی سے اس نقرئی کرہ کی تشریح کے لئے ایک ایسی کتاب تالیف کرنے کی خواہش ظاہر کی، جس کے سارے بیانات چشمدید حالات پر مبنی ہون، چنانچہ وہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے صاحب علم جغرافیہ دانوں اور باکمال مصوروں کی ایک جماعت ساتھ لیکر سیاحت کے لئے روانہ ہوا، اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی خاک چھان ماری، وہ جن جن مقامات سے گذرا، ان کے نام اپنے خریطے میں ثبت کرتا گیا، اور اہم عمارات، مناظر اور اشیار کی تصویرین اوترواتا گیا، یہان تک کہ یہ علمی سفر کامل پندرہ برس میں ختم کر کے صقلیہ واپس آیا،

نزہتہ المشتاق، پھر واپسی کے بعد انہی معلومات کی بنیاد پر اپنی شہرۂ آفاق کتاب نزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق لکھ کر راجر کے نام معنون کر کے اس کے سامنے پیش کی[۱]، اور یہ ادریسی کا ایسا اہم علمی کارنامہ انجام پایا، جو علم جغرافیہ میں ہمیشہ کے لئے یادگار باقی رہ گیا،

ذیل مین نزہتہ المشتاق کے دیباچہ کے ایک حصہ کا ترجمہ درج ہے، اس سے کتاب کی

---

[۱] کتاب الوافی بالوفیات صفدی، در اماری ص ۶۵۷، خریدۃ القصر در اماری ص ۶۵۰ و نزہتہ المشتاق

تالیف اور اس کے مباحث کا اندازہ ہوگا، لکھتا ہے:۔

"شاہ راجر المعتز باللہ المقتدر، بقدرتہ شاہ صقلیہ و ایطالیہ وانکردہ وقلوریہ۔۔۔ (راجر کے مفصل القاب و محامد) کی حکومت کو جب وسعت حاصل ہوئی تو اس نے اپنے ممالک کی کیفیت ان کے اشکال و حدود اور خشکی و تری کے مقامات کو معلوم کرنا چاہا، اس غرض سے اوس نے وہ کتابیں منگوائین، جو جغرافیہ اور اقلیم پر لکھی گئی تھیں،۔۔۔۔۔۔ (یہاں اون کتابوں کے نام گنائے ہین، جو اس وقت تک علم جغرافیہ میں لکھی گئی تھیں،) لیکن ان میں اسکو یہ حالات تشریح و تفصیل کے ساتھ نہیں ملے، اس لئے اوس نے اس فن کے علمار کو طلب کیا، اور ان سے بحث کی لیکن جو کچھ کتابوں میں تھا، اس سے زیادہ علم ان کے پاس بھی نہ تھا، اب اوس نے تمام ملکوں کے علمار کو بلوایا، ان سے سوالات کئے، اور بحثیں کین، اور جس چیز پر ان سب نے اتفاق کیا، اور وہ اسکو صحیح معلوم ہوئے، اس کو قائم رکھا، اور جس چیز میں ان علمار نے اختلاف کیا، اوس کو ۱۵ سال تک زیر غور رکھا جب ہر چیز پوری ہوگئی، تو یہ حکم دیا، کہ اوس کے لئے خالص چاندی کا ایک بڑا کرہ ڈھالا جائے، جس کا وزن چارسو رطل رومی ہو، اور اوس کے ہر رطل میں ۱۱۲ درہم ہون، پھر کاریگرون کو حکم دیا کہ اوس پر ہفت اقلیم کی شکل مع اون کے ملکوں، ان کے طولوں، قطروں، راستوں، کھیتوں، خلیجون، سمندرون، نالون، بڑے بڑے دریاؤن، بنجر اور آباد زمینون کے بنائین، اور ہر شہر کے درمیان جو راستے، مسافتین، میل اور مشہور بندرگاہیں ہون، ان کو بھی نہ چھوڑین، پھر حکم دیا، کہ ان اشکال و صور کے مطابق ایک کتاب تالیف کرین جس کو اس دائرہ پر یہ مزیت حاصل ہو کہ اس میں ملکوں اور زمینون کی پیدایش و تکوین اونکے

مقامات، سمندرون، پہاڑوں، مسافتوں، اون کے پیشے، ان کے بیانات کے اقسام اور ان حرفتون کا جو وہان لوگون مین رائج ہیں، اور ان صنعتوں کا جو وہان خوبی کے ساتھ بنائی جاتی ہین، اور اون تجارتی سامانون کا جو وہان سے بھیجے جاتے ہیں، اور ان عجائب کا جو وہان قابلِ ذکر ہیں، ذکر ہو، اسی کے ساتھ ان کے باشندوں اون کے طور و طریقہ اون کے مذاہب، وضع و لباس اور زبان کا بھی تذکرہ ہو اور اس کا نام نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق رکھا جائے"

یہ واقعہ دسمبر مطابق شوال ۵۴۸ھ کے پہلے عشرہ میں ہوا، میں نے ان احکام کی تعمیل کی، اور نقشہ بنایا اور زمین کی صورت سے جس کا نام جغرافیہ ہے، ابتدا کی[1]

نزہتہ المشتاق ادریسی کے متعلق مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:۔

"ادریسی نے اپنی قابلِ قدر کتاب راجر ثانی کے زمانہ میں لکھی تھی... یہ کتاب مصنف کے روشن دماغ مصنف کے تجربات، مصنف کی محنت اور مصنف کی تنقید کی غیر فانی شہادت ہے، اوس نے جو کچھ لکھا اوس میں سے زیادہ حصہ خود دیکھکر اور جانچ کر لکھا، اس کی اس کتاب کی صحت کے لئے یہ امر کافی ضمانت ہے، کہ مصنف سائنس کا بہت بڑا ماہر تھا، اس کتاب نے اس بادشاہ کے نام کو بھی روشن کر دیا، جس کی درخواست پر یہ کتاب لکھنی شروع ہوئی اور کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی.... قرون متوسطہ کے جغرافیہ دان ہزار شہرت پائے ہون مگر کسی کا چراغ ادریسی کی شہرت کے آفتاب کے سامنے نہ جل سکا.... وضاحت بیان، صحت تفصیلات اور صحیح تخمینہ مسافت میں اس کتاب کو قرون وسطیٰ کی تصانیف میں درجۂ اولیت حاصل ہے،.... ادریسی کی تصانیف نے دنیائے سائنس میں ایک جدید دور کی بنیاد ڈالی"[2]

---

[1] نزہتہ المشتاق ص ۳، [2] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۱۰، و ۴۷، او جلد ۳ ص ۵۰۰

نزہتہ المشتاق سے استفادہ، نزہتہ المشتاق جغرافیہ کی ان کتابوں میں ہے، جو اس کے بعد کی تمام جغرافی کتابوں کا ماخذ بنی، ادریسی کے بعد کے مشہور مسلمان جغرافیہ نویس مثلاً ابن سعید صاحب کتاب المغرب، مقدسی صاحب احسن التقاسیم ابن فضل اللہ عمری صاحب کتاب المسالک و والممالک اور ابوالفدا، صاحب تقویم البلدان وغیرہ نے اپنی کتابوں کی تالیف میں اوس سے فائدہ اوٹھایا[1]

نزہتہ المشتاق کا ایک عربی مختصر ارمنی اہل علم کے قلم سے

دوسری طرف نزہتہ المشتاق یورپ کے مشہور جغرافیہ نویسون اور سیاحوں کا ماخذ مدت ہائے دراز تک رہی ہے، بلکہ اگر کہا جائے کہ یورپ نے جغرافیہ کا علم نزہتہ المشتاق ہی سے سیکھا، تو یہ کہنا بڑی حد تک صحیح ہوگا، اہل یورپ اس سے اس زمانہ سے فائدہ اوٹھاتے رہے ہیں، جب ان میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہ تھا، اس کا اندازہ اسی زمانہ کے ایک ارمنی عیسائی اہل علم کی تصنیف سے ہوگا، اس کے دوستوں نے علم جغرافیہ میں ایک مختصر کتاب لکھنے کی خواہش کی، تو اوس نے نزہتہ المشتاق ہی کا اختصار کرکے اپنی کتاب تیار کی، اور اوس کا نام "کتاب الحکرا فیہ الکلیہ" رکھا، یہ کتاب عربی زبان میں ہے، اس کتاب کا دیباچہ گریفینی نے یادگاری مضامین میں شائع کیا ہے، کتاب کا سرنامہ یہ ہے:-

کتاب الحکرافیہ الکلیۃ ای صورۃ	کتاب حکرافیہ کلیہ، یعنی زمین اور اس
الارض وما فیہا قد التقطہا من کتاب	کے موجودات کی شکل وصورت فقیر
نزھۃ المشتاق الفقیر مکردیج الکسیح	مکردیج کسیح ارمنی نے اسے نزہتہ المشتاق
الارمنی.	سے چن کر تیار کیا،

اسکے بعد دیباچہ کا آغاز ان الفاظ میں دیکھئے:-

[1] ان کتابون کے دیباچون اوراندرونی عبارتون میں مختلف مقامات پر ادریسی کے حوالے اور نزہتہ المشتاق کے اقتباسات آئے ہین،

بسم الاب والابن والروح القدس الاله الواحد امین الحمد للہ العلیم العلام الذی ابدع السموات والارض فی احسن نظام[۵۱]

علم جغرافیہ کی تاریخ میں ادریسی کا امتیاز

دنیا کے علم جغرافیہ کی تاریخ میں ادریسی کا جو امتیاز ہے، اسے مصر کے مشہور عیسائی اہل قلم ڈاکٹر صروف صاحب المقتطف کی زبان سے سنئے، اس میں ادریسی کا صحیح مقام دکھایا گیا ہے :-

"ادریسی کا امتیاز یہ ہے وہ جغرافیۂ اسلام اور جغرافیۂ یورپ کے درمیان نقطۂ اتصال کی حیثیت رکھتا ہے، اسکی کتاب پہلی مرتبہ لاطینی زبان میں ۱۶۹۴ء میں ترجمہ کی گئی، جسے دو اہل علم جبرئیل صیہونی متوفی ۱۶۴۸ء اور یوحنا حصرونی نے ترجمہ کیا تھا، یہ فن جغرافیہ کی پہلی کتاب تھی، جو اہل یورپ میں متداول ہوئی[۵۲]"

اسی طرح مشہور عیسائی مورخ سلیمان بستانی لکھتا ہے :-

"ادریسی پرتگالیون کے جغرافی اکتشافات سے پہلے پندرھویں صدی کے قبل تک یورپ کے جغرافیہ نویسوں کا واحد ماخذ تھا[۵۳]"

نزہتہ المشتاق کے یورپی ترجمے

یورپی زبانوں میں نزہتہ المشتاق کا پہلا ترجمہ وہی لاطینی زبان میں ۱۶۹۴ء میں کیا گیا جس کا تذکرہ اوپر گذرا، اس کے بعد جوبیر نے ۱۸۳۶ء میں فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، جو ۱۸۴۰ء میں شائع ہوا، اس کے بعد مختلف ملکون اسپین، اٹلی، سسلی، مغرب، سوڈان، مصر، شام اور فلسطین سے متعلق اس کے مختلف حصوں کے ترجمے مختلف یورپی زبانون، اسپینی، ایطالوی، اور فرانسیسی میں شائع ہوئے، جن کا تذکرہ آگے آتا ہے[۵۴]

[۵۱] مقالہ گریفینی جلد اص ۲۵ ، [۵۲] مقالہ جغرافیۃ الاسلام در الرواد مجموعہ مضامین المقتطف ص ۴۸ مطبوعہ ۱۹۳۷ء

[۵۳] دائرۃ المعارف جلد ۲ ص ۴۷ ، [۵۴] آداب اللغۃ العربیہ جلد ۳ ص ۸۰ والرواد ص ۴۰ ،

نزہتہ المشتاق کے نقشے، ادریسی نے مختلف قسم کے ۷۹ نقشے بھی اپنی کتاب میں منسلک کئے تھے جو انہی نقرئی دوائراور راوس کے علمی سفر سے ماخوذ تھے، ان نقشوں سے بھی اہل یورپ نے پورا فائدہ اوٹھایا، اور وہ یورپ کی مختلف زبانون میں ترجمہ کرکے چھاپے گئے، مشہور عیسائی مورخ جرجی زیدان لکھتا ہے:۔

"ادریسی کا جغرافیہ اہل یورپ کے لئے کئی صدیون تک ممالک خصوصًا مشرق کے جغرافی حالات کے لئے مدار بنا رہا، ان لوگون نے اس کے نقشے اپنی زبانون میں ترجمہ کئے، اس کے ایک نقشہ سے جو فرانس کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے، یہ پتہ چلتا ہے، کہ دریائے نیل کے منبع کا جو سراغ پچھلی صدی میں اہل یورپ نے لگایا ہے" ادریسی صدیون پہلے اس سے واقف تھا، اس نقشہ میں اوس نے نیل کا صحیح دہانہ دکھایا ہے[1]"

اسی طرح مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین:۔

"تین سو برس کامل تمام جغرافیہ دان ادریسی ہی کے نقشون کو بلا تغیر و تبدل کے نقل کرتے رہے، جن جھیلون سے مل کر دریائے نیل بنا ہے، ان کی جائے وقوع جو ادریسی نے بتائی ہے، وہ بیکر اور اسٹانلی کے ثابت کردہ مقامات سے کچھ زیادہ مختلف نہین، حالانکہ ان دونون مصنفین کے درمیان سات صدیان ہین[2]"

نزہتہ المشتاق کے نسخے اس وقت تک نزہتہ المشتاق کا کوئی مکمل نسخہ شائع نہیں ہوا ہے، اس کے متعدد نسخے یورپ کے مختلف کتب خانون، پیرس، آکسفورڈ، روم اور قسطنطنیہ وغیرہ مین محفوظ ہین، اس کے شائع شدہ حصص میں اولاً ۱۵۹۲ء میں اس کا ایک عربی اختصار

[1] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، جلد ۳ ص ۱۰۰، [2] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۵۰۸،

روم سے نکلا، یہ مختصر نزہتہ المشتاق کے مذکورۂ بالا لاطینی زبان کے سابق الذکر مترجمون جبریل سیونیٹا (GABYIEL SIONITA) اور جانس ہسرونیٹا (JOONNES HESRONITA)

نے تیار کیا تھا، اس اصل کی اشاعت کے بعد ان کا لاطینی ترجمہ ۱۶۱۹ء میں شائع ہوا، جو سی بولڈ کے بیان کے مطابق اغلاط سے لبریز ہے، پھر مختلف مستشرقین کے اہتمام میں اس کے مختلف حصے مختلف وقتوں میں شائع ہوئے، جو حسب ذیل ہیں،

۱۔ اندلس سے متعلق اس کا ترجمہ کوندی نے کیا تھا، جسے اوس نے مع اصل کے میڈرڈ سے ۱۷۹۹ء میں چھاپا،

۲۔ شام و فلسطین سے متعلق اس کا حصہ ۱۸۲۸ء میں روزن ملر نے لائی بازخ سے شائع کیا،

۳۔ مغرب، سوڈان، مصر اور اندلس کے حصہ کو ڈوزی نے ۱۸۶۴ء میں مطبع بریل لیڈن سے چھاپا، اس حصہ کا فرانسیسی ترجمہ بھی کتاب میں منسلک ہے،

۴۔ ایطالیہ و صقلیہ سے متعلق حصہ ۱۸۸۵ء میں ایطالوی ترجمہ کے ساتھ اماری نے روم سے شائع کیا، اسی حصہ سے ان اوراق کی ترتیب میں مدد لیگئی ہے،

۵۔ اسی طرح جغرافیہ کے ان مختلف مجموعوں میں جو کسی ملک یا قوم پر مختلف مستشرقین نے تیار کئے ہیں، ان میں نزہتہ المشتاق کے اقتباسات بھی شائع کئے ہیں، مثلاً اخبار امم المجوس من الارمان ورنک والروس کے نام سے ایک مجموعۂ اقتباسات الکزنڈر سائی پل نے ۱۸۹۳ء میں شائع کیا ہے، اس میں نزہتہ المشتاق کے اقتباس اور اس کے بعض نقشے چھاپے گئے ہیں،

مذکورۂ بالا حصون میں سے چند میری نظر سے گذرے ہین،

ادریسی ولیم دوم کے عہد میں، شریف ادریسی راجر دوم کی وفات کے بعد یہیں مقیم رہا، ولیم اول (۱۱۵۴ء - ۱۱۶۶ء) نے بھی اسکی قدر کی، اور اسکے نام پر بھی جغرافیہ میں ایک کتاب لکھی،

روض الانس، ادریسی کی یہ دوسری کتاب روض الانس ونزھۃ النفس یا کتاب الممالک والمسالک ہے، جو اصفہانی کے بیان کے مطابق نزہتہ المشتاق سے زیادہ ضخیم تھی[۱]، ابو الفداء کے ماخذوں میں یہ بھی رہی ہے، اور اوس نے اسے کتاب الممالک کے نام سے موسوم کیا ہے[۲]، چند سال پہلے تک اس کے وجود کا پتہ نہیں چلا تھا، ڈاکٹر صروف نے پیرس کے کتب خانہ مین موجود ہونے کا شبہہ ظاہر کیا ہے[۳]، مگر کتب خانہ پیرس کی فہرست میں اس کا ذکر موجود نہیں، البتہ کچھ دن گذرے، اس کے ایک مختصر حصہ کا پتہ جے ہروٹز (J.HOROVITZ) نے قسطنطنیہ کے ایک کتب خانہ کے مخطوطات پر نظر ڈالتے ہوئے چلایا ہے، یہ حصہ حکیم اوغلو علی پاشا کے کتبخانہ مین اقسطنطنیہ مین موجود ہے، سی بولڈ نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اس کا تذکرہ کیا ہے[۴]،

سال وفات، شریف ادریسی کا سال وفات قدیم ماخذوں میں دستیاب نہیں ہوا، البتہ کتب خانہ خدیویہ مصر کے فہرست نگار نے نزہتہ المشتاق کے ذکر میں ادریسی کا سال وفات سنہ ۵۶۰ھ ۱۱۶۶ء لکھا ہے[۵]، اور سی بولڈ نے یہ روایت قبول کرلی ہے[۶]،

مدفن، قدیم ماخذوں میں سال وفات کا تذکرہ نہ ملنے سے اس کے مدفن کا پتہ بھی نہ چل سکا، اسی سے شبہہ ہوتا ہے کہ شاید سسلی کی سرزمین ہی میں یہ آفتاب کمال غروب ہوا ہو، بہرحال ولیم کے عہد ۵۴۶ھ سے ۵۶۱ھ کے اثنار میں یقینی طور پر وہ صقلیہ میں موجود تھا، اگر اس کے بعد اس نے صقلیہ سے ہجرت کی ہوتی اور کسی اسلامی ملک میں اس نے قیام کیا ہوتا، تو یہ ممکن نہ تھا کہ اسکی علمی شہرت اس کی موت کو چھپائے رکھتی، اور وہاں کے اہل علم کی روایتیں یا کتب تراجم میں درج نہ ہوتین، اس لئے تعجب نہیں کہ اوس نے ۵۶۰ھ ہی میں صقلیہ میں وفات

---

[۱] خریدۃ القصر در اماری ص ۶۱۱، [۲] تقویم البلدان ابو الفداء، [۳] الرواد ص ۴۰۸ [۴] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ترجمہ ادریسی، [۵] فہرست کتبخانہ خدیویہ جلد ۵ ص ۱۶۶ [۶] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ترجمہ ادریسی

پائی ہو، اور وہیں سپرد خاک کیا گیا ہو، اور اسلامی ملکون میں اس کا سال وفات اور مدفن شہرت نہ پاسکا ہو،

علم ہیئت و ریاضیات،

علم ہیئت عربون کا محبوب فن رہا ہے، جہان رہے وہان فلک پیمائی کرتے نظر آئے، صقلیہ میں بلرم اور مسینا میں رصدگاہیں قائم تھین، اور ہیئت کے عملی تجربے کئے جاتے تھے، صقلیہ کے منجمین کا علم محض کرون کے دائرون تک محدود نہ تھا، وہ اس سے مذہبی امور میں عملی فائدے اٹھاتے تھے، نماز کے اوقات کی اس سے تعیین کرتے، مسجدون کے منارون پر رصدگاہیں قائم کرتے، یہان تک کہ عوام میں ہیئت و نجوم سے ایسی دلچسپی بڑھی، کہ نجومیون کے رزق کا سامان پیدا ہو گیا، لوگ ستارون کی چال سے تقدیر کا نوشتہ معلوم کرتے اور جنم پتریان بنواتے، مسٹر اسکاٹ مسلمانان صقلیہ کے علم ہیئت پر دلچسپ انداز بیان میں لکھتے ہین،:-

"جدا ہل .... اور ان آلات کے ذریعہ سے جو اسی زمانہ مین ... قرطبہ وغیرہ مین ایجاد ہوئے تھے، عربی ہیئت دان مساجد بلرم کے منارون پر سے سیارون کی حرکات اور کسوف وخسوف کے اوقات، فضائے آسمان میں ستارون کی تقسیم، اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں انکے مقامات کا مطالعہ کیا کرتے تھے، اور اسی طرح مسلمان اپنی مقدس عبادتگاہون کے منارون تک کو سائنٹفک تحقیقات کے کامون میں لاتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ کے کلیساؤن سے ایسے اصول واحکام اختراع ہوتے تھے، جنکے مطابق وہ لوگ پادریون کے بے انتہا مورد عتاب بنتے تھے، ....."

اسی طرح ریاضیات میں انکی ترقیون کا تذکرہ کرتے ہین، :-

"ریاضیات میں صقلیہ کے عربون نے وہ کمال حاصل کیا کہ جب سے اسکندریہ کے فلسفیون کا

مذہب قائم ہوا ہے، اس وقت سے لیکر ان کے زمانہ تک کی کوئی قوم ان کی گرد تک نہیں پہنچ سکی، سچ یون ہے کہ انھوں نے کتب خانہ اسکندریہ کے علوم کے بڑے حصے کو جو نسلاً مابعد کو وراثۃً پہنچے، خود حاصل کیا، اور اسکو جذب کر کے بیٹھ رہے، صقلیہ کے عربی ہندسون نے تجربی ہندسہ سے پانی کے آلات کو ترقی دی، آلاتِ جنگ کو بنایا، اور ان کو زیادہ قوت دی، علوم ہیئت کو ترقی دی جن سے محققین کو بحری سفر میں آسانیاں ہوگئین، اور اسکے علاوہ اور ہزارون اختراعین اور ایجادین ایسی کر دین جن سے کاروبار زندگی میں آسانیان اور لطافتیں پیدا ہوگئین"[1]

ریاضیات کے عملی نتائج میں مختلف صنعتی وحرفتی کامون کے لئے آلات اور مشینون کا بنانا بھی داخل ہے،

مسلمانانِ صقلیہ علم الآلات کی ترقیون میں اپنے عہد کے باکمالون میں شمار کئے گئے، انھون نے اپنی ذہنی وعملی کوششوں سے بعض قابلِ قدر چیزین ایجاد کین، اور اون سے اپنے نظامِ معاشرت میں مدد لی،

پانی کے آلات اور کارخانے پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے اور بلندی پر چڑھانے کے طریقون کو بڑی خوبی سے استعمال کیا، اور اس کے لئے نئے آلات تیار کئے، یہان جس کثرت سے دریا اور چشمے تھے، اوسی کثرت سے انھون نے پانی کے لئے کارخانے قائم کئے، اور ہر جگہ بڑی تعداد میں پنچکیان نصب کیں، چنانچہ ادریسی اکثر دریاؤن نہرون اور چشموں کے متعلق لکھتا ہے:-

"اور اس میں بہ کثرت پنچکیان ہین"

بلکہ بعض چشمے جو کبھی کبھی کسی خاص موسم میں بہتے تھے، اس میں بھی پنچکیان قائم کی تھین،

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۷۰، ۷۱، ۷۵،

جس زمانہ میں اس میں پانی آتا، وہ اپنی پچکیوں کے ذریعہ سے اس کا پانی قریب کی وادیوں میں بھر لیتے تھے، چنانچہ ادریسی لکھتا ہے :۔

"یہاں ایک نہر ہے، جس کا عجیب و غریب حال ہے، وہ کسی کسی سال میں بہتی ہے، اور جب بہتی ہے، تو دریا بنا دیتی ہے، اس وقت اس میں پچکیاں قائم کر دی جاتی ہیں، اور ان سے وادیوں کو بھر لیا جاتا ہے"[۱]

عین الاوقات صقلیہ میں مسلمانوں نے پانی کی مدد سے ایک آبی گھڑی (CLEPSYDRA) تیار کی تھی، جو ایک چشمہ میں لگی ہوئی تھی، اور شہر کے مسلمانوں کو نماز کے اوقات سے مطلع کرتی تھی، وہ جس چشمہ میں تھی، اسے عین الاوقات کہتے تھے، ادریسی اور ابن فضل اللہ عمری نے اس کا تذکرہ کیا ہے، ادریسی کہتا ہے :۔

"یہاں ایک چشمہ ہے، جسے عین الاوقات کہا جاتا ہے، اسکی عجیب بات یہ ہے کہ یہ نماز کے وقت جاری ہوتا ہے، اور دوسرے وقتوں میں خشک رہتا ہے"[۲]

صقلیہ کی بنی ہوئی آبی گھڑی آج تک موجود ہے، جو راجر دوم کے عہد میں تیار ہوئی تھی، اور اس پر اس کا نام کندہ ہے، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں :۔

ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ وقت کا اندازہ لگانے اور ناپنے کے آلات میں بھی انھوں (مسلمانان صقلیہ) نے اختراعیں کی تھیں، اور اس خصوصیت میں سب سے آگے بڑھ گئے تھے، ایک پن گھڑی راجر ثانی کی یادگار باقی رہ گئی ہے، اس پر اس کا نام کندہ ہے، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ صنعت اور صحیح وقت بتانے میں وہ اس گھڑی کے برابر تھی، جو ہارون رشید نے

---

[۱] نزہتہ المشتاق ص ۲۴، ۲۵، ۲۶، وغیرہ۔ [۲] نزہتہ المشتاق ادریسی، مسالک الابصار ابن فضل اللہ عمری دمامارمی:

شاہِ پیمن کو تحفۃً بھیجی تھی، اس میں کسی اندرونی طاقت کی حرکت سے خود بخود گھنٹے بجتے تھے،

ترکیب یہ تھی کہ جتنے گھنٹے بجانے ہوتے تھے، اتنی ہی گولیاں ایک برتن میں تھوڑے وقفہ کے

بعد گرتی تھیں، اور اس سے آواز نکلتی تھی، اگر اس گھڑی کو زمانہ حال کی گھڑیوں کا مورثِ اعلیٰ

کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا"[۱]

علم ہیئت کے آلات، ادریسی نے راجر کے لئے جو کرہ بنایا تھا، وہ بھی یہاں لائقِ ذکر ہے، نیز صقلیہ کے

بنے ہوئے چند اصطرلاب آجتک یورپ کے عجائب خانہ میں موجود ہیں،

فنِ تعمیر کے آلات، فنِ تعمیر کے آلات بھی صقلیہ میں تیار کئے جاتے تھے، اور انہی کی مدد سے بہترین

طرزِ تعمیر کی عمارتیں تیار ہوتی تھیں، جنکا تذکرہ اس سے پہلے گذر چکا ہے،

فنِ پارچہ بافی کے آلات، فنِ پارچہ بافی کے تمام آلات بھی صقلیہ ہی میں تیار کئے جاتے تھے،

فنِ جنگ کے آلات فنِ جنگ کے آلات کا تذکرہ بھی پہلے گذر چکا ہے، یہ سب بھی یہیں

بنائے جاتے تھے،

ہیئت دان و ریاضی دان صقلیہ کے ہیئت دانوں اور ریاضی دانوں کے چند نام معلوم ہو سکے ہیں،

وہ ابو حفص عمر بن حسن بن قوفی کاتب صقلی منجم، ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ صقلی منجم، احمد بن مفرج صقلی

مہندس، ابو محمد عبد الکریم صقلی منجم، ابو محمد عبد المعطی بن محمد سرقوسی ہیں، اور اسی طرح وہ مہندسین

بھی اسی زمرہ میں داخل ہیں جن کا تذکرہ اس سے پہلے گذر چکا، مورخین نے ان میں سے بعض

کے علومِ عقلیہ میں ماہر ہونے کی ستایش کی ہے، مثلاً ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ کے متعلق قفطی لکھتا ہے،

"اصحابِ علم میں تھا، علمِ ہندسہ و نجوم میں ماہر تھا، اور ان علوم میں حکما، اس پر اعتماد

کرتے تھے،"

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۷۲،

احمد بن مفرج مصر کے رصد خانہ کے بنانے والوں میں سے تھا، اس کے متعلق ابن میسر لکھتا ہے :۔

"وہ فاضل، ہوشمند، اور مختلف فنون میں دستگاہ رکھتا تھا"

عبد المعطی کے متعلق ابن القطاع کا بیان ہے :۔

"وہ ریاضیات میں ماہر تھا"[1]

فنِ کیمیا سازی (کیمسٹری)

اس زمانہ میں معمولی دھاتوں میں تغیر و تبدل اور آمیزش کر کے اسے سونے اور چاندی میں منتقل کرنے کا امکان تصور کیا جاتا تھا، اس کیمیا گری کا شوق صقلیہ کے بے فکروں میں بھی موجود تھا، ابن مودب شاعر کے متعلق اس سے پہلے گذر چکا ہے، کہ اسے بھی کیمیا گری کا خبط تھا، اور جب وہ جرم کی پاداش کے خوف سے روپوش ہوا، تو چند اپنے ہی ہم مشرب دوستوں کے یہاں پناہ لی، جو مخفی مکانوں میں بیٹھے، دھاتوں کو الٹ پھیر کر کے کیمیاگری کی دُھن میں لگے رہتے تھے،[2]

لیکن اسکے ماسوا مسلمانوں کی توجہ کیمیا سازی پر بھی مبذول تھی، اس موضوع پر ان کی دو کتابوں کا پتہ چلا ہے،

کتاب سر الکیمیا، یہ ابن بشرون صقلی کی ہے، اس کا نسخہ ٹیونس میں محفوظ ہے،

کتاب عمل الاصباغ والمداد والحبر، یہ کسی نامعلوم صقلی مصنف کی ہے، اس کا بھی ایک نسخہ ٹیونس میں محفوظ ہے، اس میں رنگسازی اور روشنائی بنانے کے طریقے درج ہیں گربیفنی نے کچھ اقتباس شائع کیا ہے جس میں فصول کی ترتیب کے بعد روشنائی کی مختلف قسمیں اور ان کے

---

[1] اخبار العلما، باخبار الحکما ص ۱۰۹، خریدۃ القصر و العماری ص ۵۹۶، اخبار مصر ابن میسر جلد ۲ ص ۴، ۵۶، یادگاری مضامین جلد ا ص ۲۹۷، [2] ابن خلکان ترجمہ یحییٰ بن اکثم،

مختلف نسخے اور بنانے کی مختلف ترکیبیں بیان کی گئی ہیں[51]

فلسفہ و منطق کا ذوق صقلیہ کے مسلمانوں کو عہدِ اسلامی کے اخیر میں پیدا ہوا، اور فلسفہ و طبعیات کی کتابیں علماء کے زیر مطالعہ آئیں، اور پھر بلرم و مسینا کی درسگاہوں میں یہ کتابیں داخل کی گئیں اور طلبۂ فلسفہ کو سبقاً سبقاً پڑھنے لگے، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں :-

"سلاطین شرقیین کے زمانہ میں علمائے قدیم کی فلسفہ وطبیعیات کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا، مسلمانانِ قرونِ وسطیٰ نے ارسطو کے اصول کی طرف قابلِ ذکر میلان دکھایا تھا، صقلیہ میں بھی یہ تصنیفات علماء کے زیر مطالعہ رہتی تھیں، اور ان سے ان کو بڑا شغف تھا،... علوم کے وہ عجیب و غریب خزانے جو اسکندریہ کے مذہب کے فلسفوں نے جمع کئے تھے، مصر کے یونانی الاصل بادشاہوں کے الطافِ خسروی سے صقلیہ میں بھی پہنچ گئے تھے، یہاں کے کتبخانے ان سے مالا مال تھے، اور علمائے صقلیہ کے دماغوں کو منور کر چکے تھے، ہیرو، ایراٹاس، تھی نیس، اقلیدس، اور بطلیموس کی کتابیں ان طالب علموں میں متداول تھیں، جو بلرم اور مسینا کی یونیورسٹیوں میں پڑھتے تھے،....."[52]

لیکن دراصل صقلیہ میں ان علوم کا رواج اسلامی حکومت کے زوال کے بعد عیسوی عہد میں مسلمان اہلِ علم کے ہاتھوں ہوا، ورنہ صقلیہ کے عہدِ اسلامی میں ان فنون کے ماہرین میں بجز ایک دو ناموں سعید بن فتحون قرطبی اور ابو محمد عبد المعطی بن محمد سرقوسی کے دوسروں کے نام معلوم نہ ہو سکے،

سعید بن فتحون القرطبی، سعید بن فتحون القرطبی کے صقلیہ میں توطن پذیر ہونے کا تذکرہ گذر چکا ہے، اندلس سے اس کی ہجرت کا سبب اس کے بعض فلسفیانہ میلان ہی تھے، المنصور بن ابی عامر

---

[51] مقالہ گریفینی، دریادگاری جلد ا ص ۴۴۵ [52] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۲۳

(۳۶۶ھ - ۳۹۷ھ) نے اسی جرم میں قید و بند میں ڈالا، اور رہائی پا کر اس نے صقلیہ کو اپنا مامن بنایا اور یہاں اپنے مشاغل میں مصروف رہا[۱]

تصنیفات فلسفہ میں اسکی دو کتابیں معلوم ہیں، ایک شجرۃ الحکمۃ ہے جس میں علوم فلسفہ کے مبادی و مقدمات بیان کئے ہیں، اور دوسرا رسالہ تعدیل علوم پر ہے، جس میں جوہر و عرض کے انقسام کے بعد علوم کے تدریج وجود پذیر ہونے تک بحث کی ہے[۲]

ابو محمد عبد المعطی بن محمد السرقوسی ابو محمد عبد المعطی بن محمد سرقوسی کا تذکرہ بھی اوپر گذر چکا ہے، وہ علم منطق میں دستگاہ رکھتا تھا[۳]

نارمن اور جرمن دوروں میں علوم فلسفہ اگرچہ صقلیہ کے اسلامی دورِ حکومت میں ان علوم کی ترویج کا کچھ زیادہ نشان نہیں ملتا، لیکن یہاں کے نارمن اور جرمن دوروں میں مسلمانانِ صقلیہ ہی یونانی فلسفہ کے علمبردار تھے، اور کلیسا کے پادری اسلام سے منجملہ دیگر مذہبی اختلافات کے مسلمانوں کے اس ذوقِ فلسفہ کے باعث بھی بیزار تھے،

کیونکہ مسلمانوں کے اثر سے عیسائیوں کے مختلف طبقوں خصوصاً فرمانروا خاندان میں ان علوم کو مقبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ راجر دوم (۵۰۹ھ - ۵۴۸ھ / ۱۱۰۵ء - ۱۱۵۴ء) کو ادریسی، ابن فضل اللہ دمشقی، اور صفدی نے عقلی اور فلسفیانہ علوم کا دوست اور فلاسفہ اور ماہرینِ علومِ عقلیہ کا قدردان بتایا ہے[۴]

اسی طرح فریڈریک (۵۹۵ھ - ۶۴۸ھ / ۱۱۹۸ء - ۱۲۵۰ء) فرمانروائے صقلیہ عربی زبان اور عربی علوم کا قدردان تھا، اس کے بچپن کے زمانہ میں پوپ اسکی حکومت کا نگران اور اس کا اتالیق تھا، اس کے باوجود اسے ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم تمام و کمال مسلمان اساتذہ ہی نے دی، البتہ پوپ نے اسکے

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۵۶، [۲] طبقات الامم صفحہ ۶۰ [۳] یادگاری مضامین جلد اصفحہ ۲۹۷ [۴] الوافی بالوفیات و نزہۃ المشتاق وغیرہ

اثنائے تعلیم میں ایک پادری کو اس کا نگران مقرر کر دیا تھا، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:-

"فریڈریک ثانی..... کی صحبت ابتدائے عمر سے ایسے لوگوں سے رہی جو اس زمانہ کے بہترین عالم تھے،..... اسے مسلمان معلموں نے ایک پادری کی نگرانی میں تعلیم دی،..... شدہ شدہ وہ ہر علم و فن میں ماہر ہوتا گیا، خاص کر ان میں جو اس قابل ذکر قوم کے تھے، جن کی قابلیت و محنت سے حکمران قوم مرعوب تھی[۱]،

اس نے خصوصاً علم منطق و فلسفہ صقلیہ میں مسلمان اہل علم سے سبقاً سبقاً حاصل کئے، یہانتک کہ جب وہ اسلامی ممالک پر چڑھائیوں میں جاتا، تو یہ اہل علم بھی اس کے ساتھ ہوتے، سبط ابن جوزی نے بیت المقدس کا واقعہ لکھا ہے، کہ

"جب ظہر کا وقت آیا، اور موذن نے اذان دی، تو سب کے سب فراش، خدام، اور استاذ اس کے پاس سے اُٹھ گئے، یہ اوستاذ اوس کے ساتھ صقلیہ سے آیا تھا، جو اوس کو منطق و فلسفہ کا درس دیتا تھا[۲]،"

فریڈریک نے ان علوم کا اس کثرت سے مطالعہ کیا، کہ رفتہ رفتہ عیسائیت سے برگشتہ ہو کر لامذہب ہو گیا، صاحب جامع التواریخ کا بیان ہے کہ

"اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ دہری ہے، چنانچہ وہ نصرانیت کا مذاق اڑایا کرتا ہے[۳]،"

اسلئے فریڈریک نے اگرچہ عالم عیسائیت میں مسلمانوں کے خلاف مذہبی آواز اٹھا کر اسلامی ممالک پر مسلسل مذہبی حملے کئے، لیکن یہ دلچسپ حقیقت ہو کہ وہ خود قطعاً لامذہب ہو چکا تھا، اور اسکی یہ تمام حرکتیں تمامتر سیاسی حکمت عملی پر مبنی تھین،

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۴۳، [۲] مرآۃ الزمان ذرامارس ص ۶۳۶، [۳] جامع التواریخ درامارس ص ۵۱۵ و ۵۱۶،

ورنہ درحقیقت اس میں نہ کوئی مذہبی تعصب تھا اور نہ عیسائیت کیلئے وہ کوشش کرتا تھا اس وقت وہ یورپ کی سب سے بڑی طاقت کا مالک تھا، یورپ جہل وجمود کی تاریکیوں میں پڑا ہوا تھا، وہاں کوئی تحریک اس وقت تک قابلِ قبول نہ تھی، جب تک عیسائیت کے نام پر پیش نہ کیجاتی، اسلئے اوس نے محض اپنے ذاتی اثر واقتدار کے لئے یورپ میں مذہبی جذبات برانگیختہ کئے اور یورپ کی ٹڈی دل فوج اسلامی ممالک کے خلاف میدان میں لے آیا، اور اس کو وہ نجی گفتگوؤں میں مسلمانوں سے بیان بھی کر دیتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ الکامل کے سفیر امیر فخر الدین سے دورانِ گفتگو میں اوس نے کھلے الفاظ میں اس کا اقرار کیا تھا۔[۱]

مسٹر اسکاٹ بھی اس کی ان تمام حرکتوں کے تذکرہ کے باوجود وہ مسیحیت سے اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے کیا کرتا ہے، یہ لکھتے ہیں:-

"اس کو فلسفہ نے مذہب کی طرف سے بالکل بے پروا کر دیا تھا..... یہ بھی اقتضائے تدبیر تھا کہ اس نے کلیسا سے تعلق باقی رکھا، ورنہ اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے، کہ وہ لامذہب تھا بلکہ شاید ملحد ہی ہو تخلیہ میں وہ مذہب کا خوب مذاق اڑایا کرتا تھا"

چنانچہ پاپائے روما نے بھی یہ الزام رکھکر کہ وہ دینِ اسلام سے خارج ہو کر مسلمانوں کی طرف مائل ہے، چار مرتبہ اسکے قتل کا فتوی صادر کیا۔[۲]

فرڈریک نے علوم عقلیہ کی مزاولت سے کامل دستگاہ حاصل کی، اور اہلِ علم میں شمار کیا گیا، مقریزی اور ابوالفدار وغیرہ نے اس کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے، مقریزی لکھتا ہے:-

"یہ بادشاہ اہل علم میں ہے، اور علوم ہندسہ، حساب، اور ریاضیات میں تجرد کمتا ہے"[۳]

ابوالفدار نے شیخ جمال الدین کا جو سفیر بنکر فرڈرک کے پاس گئے تھے، یہ بیان نقل کیا ہے

[۱] کتاب السلوک لمعرفۃ دول الملوک در اماری ص ۵۲۰، [۲] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۳۱۲، [۳] کتاب المقفی مقریزی در اماری

"یہ شہنشاہ عیسائی بادشاہوں میں صاحب فضل ہے، علوم فلسفہ، منطق، اور طب کو دوست رکھتا ہے، مسلمانوں کی طرف مائل ہے، اس لئے کہ اس کی جائے نشو ونما صقلیہ ہے، اور اسکے باشندوں میں غالب تعداد مسلمانوں کی ہے"[1]

تاریخ پیرس میں ہے :-

"یہ شہنشاہ ممتاز بادشاہ ہے، اہل علم میں ہے، حکمت منطق اور طب کا قدرداں ہے"[2]

فریڈریک کی علمی دلچسپیوں میں صلیبی لڑائیوں سے اور زیادہ اضافہ ہوا، وہاں سے واپس آکر اس نے صقلیہ میں فلسفہ عرب اور اسلامی علوم وفنون کی علانیہ حمایت شروع کی، صقلیہ میں کتب خانہ قائم کیا، ارسطو اور بطلیموس وغیرہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرائیں، نیپلز میں ایک درسگاہ قائم کی، اور اس میں مسلمان فضلا، کو جمع کیا، اور اسی طرح سلرنو کی طبی درسگاہ کی بھی سرپرستی قبول کی اور اس میں بھی اسلامی عنصر داخل کیا،

فریڈریک اپنے علمی شکوک وشبہات میں اپنے ہمعصر مسلمان سلاطین الکامل وغیرہ سے استمداد کرتا، چنانچہ ایک مرتبہ علم ریاضی، حکمت اور ہندسہ کے مشکل مسائل قلمبند کرکے اسکے پاس استفسار کے طور پر بھیجے، الکامل کی طرف سے شیخ علم الدین معروف بہ تعاسیف نے تسلی بخش جوابات بھیج دئے، اسی طرح اہل علم مسلمان سفرا سے بھی رجوع کرتا، الکامل کے سفیر امیر فخر الدین اور فریڈریک میں دقیق علمی مباحث زیر بحث رہتے، ایک دوسرے سفیر شیخ جمال الدین متوفی ۶۹۷ھ سے بھی جو ملک الظاہر کے سفیر تھے، اس نے علمی شکوک رفع کئے، انھوں نے علم منطق میں ایک رسالہ اسی کے نام معنون کرکے "انبروریہ (انبرور یعنی امپرر) لکھکر اسے دیدیا تھا"[3]

---

[1] ابو الفدار جلد ۳ ص ۱۴۱ [2] تاریخ پیرس در امادی، [3] کتاب السلوک لمعرفۃ دول الملوک در امادی ص ۵۴۲، ابو الفدار جلد ۴ ص ۳۸،

کتاب مسائل صقلیہ | اسی سلسلہ مین فریڈریک کی ایک اہم یادگار ابن سبعین متوفی ۶۶۹ھ کی کتاب

کتاب مسائل صقلیہ یا الفوائد الصقلیات ہے، جو فریڈریک کے چند اہم فلسفیانہ سوالات کے جواب مین ہے،

فریڈریک نے سوالات اسلامی دنیا کے ممتاز اہلِ علم کے پاس روانہ کئے تھے، چنانچہ مشرقی ممالک میں سے مصر، شام، عراق اور یمن سے اوسکے جوابات موصول ہوئے لیکن اسکو تسکین نہ ہوسکی پھر افریقہ کی طرف اس نے رجوع کیا، اس کے بعد اندلس پر نگاہ گئی، اور اس عہد کے موحدی فرمانروا الرشید کے پاس سوالات بھیجے، جس نے ابن خلاص والی سبتہ کے ذریعہ سے ابن سبعین کے پاس بھیجا جوان دنون علوم عقلیہ کے ماہرین میں سے تھے[1] ابن سبعین نے سوالون کے جوابات لکھے، جو کتاب مسائل صقلیہ کے نام سے موسوم ہوئے، فریڈریک نے سوالوں کے ساتھ جوابون کیلئے معقول معاوضہ بھی بھیجا تھا لیکن ابن سبعین نے معاوضہ قبول کرنے سے انکار کردیا، جو فریڈریک کو واپس کیا گیا اس کتاب کے دو نسخے کتبخانہ بوڈلین اور آکسفورڈ میں ہیں، اماری نے کچھ اقتباسات شائع کئے ہین کتاب کی ابتدا ان الفاظ سے ہے:-

"بسم اللہ الخ قال الشیخ ... فی جواب مسائل ملک الروم الامبراطور صاحب صقلیۃ"[2]

فریڈریک کے سوالات قدامتِ عالم، علم الٰہی اور ماہیتِ روح کے متعلق تھے، اس کا بیان ہے کہ اس رسالہ سے ان مسائل مین اوسکی پوری تشفی ہوگئی، ڈریپر اس کے متعلق لکھتا ہے:-

"فریڈریک ثانی نے ..... اپنی کتاب سسلین کوئسچنس (مسائل صقلیہ) میں ابدیت عالم اور ماہیت روح پر بحث کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان مسائل کے متعلق اس کے تمام شکوک ابن سبعین کے جوابات سے رفع ہوگئے"[3]

---

[1] ابن سبعین کے حالات کے لئے دیکھو، عنوان الدرایہ ص۱۳۹ نیل الابتہاج ص۱۱۸ و یادگاری مضامین اماری و غیرہ ص۵۰۳ اماری

[2] معرکۂ مذہب و سائنس ص ۲۱۱،

صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن

پر

ایک اجمالی نظر

مسلمانانِ صقلیہ کے بلند معیارِ تہذیب و تمدن کے تقریباً تمام خط و خال آپ کی نگاہوں سے گذر چکے، انھوں نے تمدن کے ہر شعبہ کی داغ بیل ڈالی، اور اوسے ترقی کے کنگرے تک پہنچایا، اعلیٰ نظامِ حکومت قائم کیا، معیشت کے وافر وسائل جمع کرکے خوش باش زندگی گذاری، زراعت، صنعت، حرفت، تعمیر، اور تجارت میں ایسے کارنامے انجام دیے، جو دنیا کے تمدن کی تاریخ میں کبھی فراموش نہ ہون گے، اور علوم و فنون کی خدمات بجا لانے میں وہ، وہ نقطۂ اتصال ہیں، جہان علوم و فنون کے قدیم و جدید دورون کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں، مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ اگر سسلی میں اسلامی تہذیب کی تاسیس نہ ہوتی، اور صرف ایک یورپین فرمانروا، فریڈرک دوم سسلی میں بیٹھکر اسلامی علوم و فنون سے اپنا دماغ روشن نہ کرتا، اور پھر اس کے ہاتھون یورپ میں علوم و فنون کی روشنی نہ پھیلتی، تو یورپ کی موجودہ علمی ترقیان سینکڑون برس کے لئے پیچھے رہ جاتیں، فریڈرک نہ صرف صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کا حامل تھا، بلکہ اس نے دوسرے اسلامی ملکون خصوصاً اندلس کے اسلامی علوم و فنون بھی یورپ میں منتقل کئے، اور وہ یورپ کے اس دور کا حقیقی بانی ہوا، جسے "نشأۃ ثانیہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگرچہ سسلی کے اسلامی تہذیب و تمدن کے محاسن اور یورپ پر اس کے اثرات کو ایک مدت تک چھپانے کی کوشش کی گئی، لیکن جب جہل و تعصب کی تاریکیان چھٹ گئیں، تو مشہور

عیسائی مورخین و مستشرقین کی حقیقت بین نگاہوں نے ان کا نظارہ کیا، اور فراخ دلی سے پرزور الفاظ میں ان کا اعتراف کیا، موسیو لیبان صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن کے متعلق لکھتے ہیں:

"عربوں کے زمانہ میں صقلیہ کی علمی، حرفتی، اور اخلاقی حالت اس سے زیادہ عروج پر تھی، جو ان کے جانے کے بعد رہ گئی، تمدن کی عمدگی کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے، کہ اس سے غیر اقوام کو کیا فائدہ پہنچا، اور جب ہم صقلیہ کے عربی تمدن کو اس نظر سے دیکھیں، تو اسکی قدر معلوم ہوتی ہے، ..... جو امور عام معاشرت سے متعلق تھے، مثلاً معاملات جائداد و وراثت وغیرہ ان کو عربوں نے رسم و رواج ملک کے مطابق ٹھہرادیا تھا، کہ نارمن بھی بالالتزام انہی قواعد کی پابندی کرتے رہتے۔ عربوں کی علمی اور صنعتی، اور حرفتی خوبیاں ایسی مسلم تھیں کہ نارمن بادشاہوں نے انہیں ہر طرح کا امن اور چین دے رکھا تھا، خود راہب ان کے عقل و شعور کی قدر کرتے، اگرچہ وہ ان کی ایجادوں اور کاریگریوں کو شیطان کی طرف منسوب کرتے تھے، منجملہ بہت سے عجیب بیانات کے جو عربوں کے متعلق لاطینی تاریخوں میں لکھے گئے ہیں، ہم مندرجہ ذیل واقعہ کو نقل کرتے ہیں جس سے عیسائیوں کی رائے اپنے مذہبی دشمنوں کی بابت ظاہر ہوگی مورخ لکھتا ہے:-

رابرٹ وسکارڈ کو اپنی فوجکشی کے زمانہ میں ایک مورت ملی، جو سنگ مرمر کے ستون پر نصب تھی، اور اس کے سر پر کانسی کا حلقہ تھا، جس پر یہ الفاظ کندہ تھے، (یکم مئی کو غروب آفتاب کے وقت میرے سر پر سونے کا تاج ہوگا) کوئی شخص ان الفاظ کے معنی نہ سمجھ سکا، لیکن صقلیہ کے ایک مسلمان نے جو قید تھا، اور مثل کل اولاد حضرت ہاجرہ کے سحر و طلسمات کے علوم سے واقف تھا، رابرٹ سے کہا کہ میں ان الفاظ کے معنی سمجھ گیا ہوں، اگر تو مجھے قید سے رہا کرے تو میں بتا دوں، جب رابرٹ نے اسے صقلیہ پہنچاکر چھوڑ دینے کا وعدہ کیا، تو اس نے کہا کہ یکم مئی کو غروب آفتاب کے وقت اس مورت کا سایہ جہاں تک پہنچے، اس مقام پر کھودا جائے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور ایک بہت بڑا دفینہ رابرٹ کے ہاتھ لگا۔"[1]

اسی طرح مسٹر اسکاٹ نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا ملخص درج ذیل ہے:۔

"پلرمو کے تکلفات بہت ہی بڑھے ہوئے تھے۔..... جرمنی، اٹلی، فرانس اور انگلستان کی خانگی اور تمدنی حالت کا اندازہ مسلمانانِ صقلیہ سے کیا جائے، تو مقدم الذکر نہایت پست حالت میں تھے، انہی چیزوں سے کسی قوم کی ترقی، خوش حالی اور خوش دلی کا اندازہ لگ سکتا ہے۔..... صقلیہ کی تہذیب کا نارمنوں پر جو اثر پڑا، وہ بالکل ویسا ہی تھا، جیسا کہ روم کا اثر دوسری ناتراشیدہ اور وحشی قوموں پر پڑا تھا۔..... نارمن اپنی مسلمان رعایا سے ہر طرح سبق لینے پر نہ صرف تیار ہی تھے، بلکہ سخت منتظر تھے، یہ لوگ تہذیب کے لطف و فوائد سے واقف ہو چکے تھے، اور ان کی قدر کرتے تھے، مگر اب تک خود ان سے مستفید نہیں ہوئے تھے۔..... نارمن گو فاتح تھے تاہم مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کو تفوق حاصل رہا۔..... جو اصول حکمرانی مسلمان امرا نے قائم کیا تھا، اسی کو نارمنوں نے قائم رکھا، وزرا، وحکام دیوانی و فوجداری سب مسلمان ہوتے تھے، یہی محکمہ مال وخزانہ کے مہتمم تھے، اور یہی عدل و انصاف کے ناظر، یہ تسلیم کر لیا گیا تھا، کہ تمام لوگوں کی زبان عربی رہے، اسی کو وہ بولیں اور اسی میں رسل و رسائل کریں، قانون و دستور العمل جتنے نکلتے تھے، وہ زبان عربی میں ہوتے تھے۔..... اصطلاحاتِ قانونی وزبانِ عدالت بھی عربی ہی تھی۔..... لباس، رسوم، درباروں کے آداب آپس کے میل جول کے اخلاق سب ایشیائی تھے۔..... شاہی خاندان کے تمام رسوم امراے صقلیہ کے رسوم کے سانچے میں ڈھلے ہوتے تھے۔..... ولائل و براہین، کے زور سے یا کفار (مسلمانوں) کے عادات و اخلاق و تہذیب کے اثر سے عیسائی اکثر مسلمان ہوتے رہتے تھے۔..... اس ناتمام خاکہ سے ناظرین

---

[1] تمدنِ عرب ص ۲۸۱ تا ۲۸۴۔

بہرحال ایک ایسی تہذیب کا اندازہ لگا سکتے ہیں، جو اپنی ہمعصر تہذیبوں سے باستثناء صرف اندلس کی ایک تہذیب اسلامی کے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی، اس تہذیب نے ان خیالات و آراء کو بالکل بدل ڈالا، جن کو ایک زمانہ بعید سے سریع الاعتقاد اور دیندار (عیسائی) صحیح تسلیم کرتے چلے آتے تھے۔"[1]

رابرٹ برنالٹ اپنی کتاب "ارتقاء انسانی" میں لکھتا ہے:-

"صقلیہ کا معاملہ ایسا ہی تھا، بارھویں صدی کے وسط تک یہ جزیرہ اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا، مسلمانوں کے عہد حکومت کے بعد یہاں عیسائی حکمران ایک عرصہ تک اسلامی طور و طریق اختیار کئے رہے، بڑے بڑے معزز اور بااختیار عہدوں پر مسلمانوں کو متعین کیا، صقلیہ کا طرز حکومت تمام یورپ کے لئے ایک نمونہ تھا، نارمن چونکہ بیک وقت صقلیہ اور انگلستان پر حکمران تھے، اور ان کا آپس میں میل جول بھی رہتا تھا، اسلئے تمدن اسلامی کے بہت سے اثرات براہ راست صقلیہ سے جزائر برطانیہ تک پہنچ گئے۔"[2]

مسلمانوں کی خانہ جنگیوں کا اثر تمدنی ترقیوں پر،

اسی کے ساتھ صقلیہ کے مسلمانوں کی تمدنی ترقی کے متعلق بعض یورپین اہل علم، اور مورخین نے بعض ایسے خیالات ظاہر کئے ہیں، جو حقیقت سے دور ہیں، مثلاً:-

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار موسیو لیبان اور مسٹر اسکاٹ نے صقلیہ کے اسلامی دور حکومت پر یہ الزام لگایا ہے، کہ مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ان کی تمدنی ترقی میں مانع ہوئیں[3] لیکن صقلیہ کی پوری اسلامی سیاسی تاریخ گذر چکی، اس میں دیکھا جا سکتا ہے، کہ صقلیہ میں جو کچھ سیاسی اضطرابات ہوئے، وہ ایک

---

[1] اخبار اندلس جلد ۲ ص ۴۰ تا ۴۱، [2] تلخیص از روزنامہ زمیندار مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۲۳ء، [3] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۲۵ ص ۳۲، تمدن عرب لیبان، اخبار الاندلس جلد ۲، اسکاٹ۔

مختصر زمانہ کو علحدہ کر کے وہان کی عیسائی رعایا کی وجہ سے پیدا ہوئی، یا وہ مسلمانوں کی خانہ جنگیوں کے اثرات تھے، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اگر مسلمانون کو وہان مزید سکون واطمینان سے فرمانروائی کا موقع ملتا، تو مدنیت کو مزید ترقی حاصل ہوتی،

مسلمانوں کی قوت خود ان کے دورِ حکومت میں ایک حد تک ضرور امن وامان قائم کرنے میں صرف ہوئی، اسی لئے جب اسلامی حکومت کے زوال کے بعد ملک میں قیام امن کی ذمہ داری ان کے سر سے اٹھ گئی، تو ان کو اپنی استعداد کے بروئے کار لانے کا پورا موقع ملا، اور انھون نے نارمن دورِ حکومت میں تہذیب وتمدن کو انتہائی عروج پر پہنچا یا، کہ گویا نارمن حکومت عیسائی قالب میں اسلامی روح کے مانند تھی،

کیا صقلیہ کا اسلامی تمدن نارمنون کے ہاتھون فروغ پایا؟

مگر انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا کا مقالہ نگار اس حقیقت کو ایک دوسرے لباس میں پیش کرتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ

"صقلیہ میں نارمنون ہی نے اسلامی تمدن کو بام عروج پر پہنچا یا، انھی علوم وفنون کو ترقی دی اور اسلامی تہذیب و تمدن کو معراج کمال پر پہنچایا"[1]

یہ صحیح نہین کہ صقلیہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کو نارمن عہد ہی میں فروغ حاصل ہوا، اسی لئے ہم نظامِ حکومت، معیشت اور علوم وفنون کے ابواب میں زمانہ کے اعتبار سے مختلف دور قائم کرکے ہر ایک کو دوسرے سے علحدہ دکھا چکے ہین، ان ابواب پر ایک نظر ڈالنے سے بآسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے، کہ اسلامی اور نارمنی دورون میں سے کس دور میں نظام حکومت، زراعت، صنعت، حرفت، تعمیر، تجارت، اور علوم وفنون وغیرہ کو ترقی حاصل رہی ہے، بلاشبہ نارمنی دور میں بھی اسلامی تہذیب و تمدن کو فروغ حاصل رہا لیکن اس دور کا امتیازی وصف یہ تھا، کہ اس میں بیشتر مسلمانون کا اتباع کیا گیا،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا جلد ۲۵ ص ۲۲،

نہ یہ کہ یہ دور اپنی تمدنی ترقیوں میں اپنے پچھلے دور سے بھی بازی لے گیا،

نارمنی دور میں عقیدہ، زبان اور معاشرت کی آزادی

یورپین مورخین نارمنی دور میں اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ پانے کا سبب بتاتے ہیں، کہ اس میں ہر قوم کو عقیدہ، معاشرت، اور زبان کی آزادی دیدی گئی تھی[1] لیکن سوال یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو ان کے مفتوح ہونے کے باوجود یہ آزادیاں دی گئیں، تو خود فاتح قوم نارمنوں کی آزادی کیوں سلب کر لی گئی؟ انھیں بہر حال بدرجۂ اولیٰ آزادی حاصل تھی لیکن اسکے باوجود انھوں نے اپنے عقیدہ اور زبان کو ایک حد تک اور تہذیب و معاشرت کو تمام و کمال کیوں چھوڑ کر اسلامی عقیدہ، زبان، تہذیب اور معاشرت قبول کر لی، اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے، کہ مفتوح قوم کے عقیدہ، زبان، معاشرت، اور تہذیب ہی میں ایسی کشش موجود تھی، کہ فاتح قوم اپ سے آپ اُدھر کھنچ گئی، ورنہ جہان تک آزادی دینے کا تعلق ہے، نارمنوں کو جب استیلا ہوا تھا، اسوقت اونھوں نے مسلمانوں کے عقیدہ، زبان اور معاشرت کی آزادی سلب کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، عرب مورخین کا یہ بیان جلد اول مین گذر چکا ہے، کہ محافظ مذہب عیسوی راجر اول نے ابتدائً صقلیہ میں یورپین قوموں کو لا کر آباد کیا اور مسلمانوں کی زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت پر پورا قبضہ کر لیا، اور انھیں اپنے مذہب اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی بھی قانوناً ممانعت کر دی[2]

اس لئے امر واقعہ یہ ہے، کہ نارمنوں نے پہلے مسلمانوں کے عقیدہ و معاشرت اور تہذیب و تمدن پر ہر قسم کی پابندیاں عائد کین لیکن جب وہ اس میں عملاً کامیاب نہ ہو سکے، تو سپر ڈال کر خود اسلامی تہذیب و تمدن کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے،

قدیم نارمنی تمدن،

اس مسئلہ پر مزید روشنی اس سے پڑتی ہے، کہ دراصل نارمن خود کسی تہذیب کے حامل نہ تھے، صقلیہ میں آنے سے پیشتر ان میں تہذیب و تمدن کی جو کچھ خو بو بھی آئی تھی، وہ بالواسطہ اسلامی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، تذکرۂ نارمن، [2] نہایۃ الارب نویری و ابن اثیر و ابو الفداء،

تہذیب ہی کی رہین منت تھی،

تاریخ میں حکومت نارمنڈی کی ابتدا ۹۱۲ء سے ہوتی ہے، اس کے چند سال کے بعد ہم دیکھتے ہیں، کہ برین کا ایک نارمن نائٹ ہرلوین دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک چھوٹی سی وادی میں چشمہ بک کے کنارے ایک کٹیا ڈال لیتا ہے، اور اسی سے مدرسۂ بک کی ابتدا ہوتی ہے، ہرلیون اور اس کے مشہور تلامذہ لیفرینک اور انسیلم اس مدرسہ کے ممتاز اساتذہ تھے، اور یہ تینوں اساتذہ نارمنڈی میں مسیحی و روحانی تعلیمات کے علمبردار تھے، جان رچرڈ گرین لکھتا ہے:-

بک چند برسوں میں ممالک عیسوی کا مشہور مدرسہ بن گیا، درحقیقت دینی تحریک کی یہ پہلی رو تھی، جو ایطالیہ سے نکل کر مغرب کے جاہل ملکوں میں پھیلی، ...... مذہبی قانون اور زمانۂ وسطیٰ کے تمام علمی کارناموں اور فلسفیانہ تشکیک اور موشگافیوں کی آخری منزل بک کا مدرسہ ہی قرار پاتا ہے، ..... عیسائی مفکرین میں سے انسیلم نے پہلی مرتبہ خدا کے تصور کو عقل انسانی کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کی[1]"

پھر دوسری طرف یورپین اہل علم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نارمنوں کے قدیم تہذیب و تمدن پر نارمنڈی کے یہود اہل علم کے گہرے اثرات پڑے تھے، اور یہ یہود اسلامی ممالک خصوصاً اندلس کے اسلامی مدارس کے تربیت یافتہ تھے، اور نارمنڈی میں آکر آباد ہو گئے تھے، پھر یہی لوگ ولیم فاتح کے اشارہ سے انگلستان پہنچے، اور ان سے وہاں علوم کی ترویج ہوئی، جان رچرڈ گرین ہی کا بیان ہے کہ

"لیکن اور سنٹ اڈمنزبری میں اب تک بہت سی عمارتیں "یہود کی قیام گاہ" کے نام سے مشہور ہیں یہی وہ پتھر کے مکان تھے، جو انگریزوں کے ذلیل مکانوں کے بجائے تعمیر ہوئے، یہود کا اثر صرف تجارت ہی پر نہیں تھا، بلکہ اسپین اور مشرق کے یہودی مدارس سے تعلق رکھنے کی وجہ سے

---

[1] تاریخ انگلستان، جلد اص ۱۵۶ تا ۱۶۰،

انھون نے علم طبعیات کی اشاعت کا نیا راستہ کھول دیا، اور غالباً آکسفورڈ میں یہودیون کا طبی مدرسہ بھی موجود تھا[1]

اسلئے نارمنون کا قدیم سے قدیم تمدن بھی اسلامی تمدن سے بالواسطہ اثر پذیر ہو چکا تھا، بلکہ اگر انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار کا یہ بیان بھی تسلیم کر لیا جائے کہ نارمن تمام تر فرانسیسی تہذیب سے متاثر تھے، تو بھی یہ سمجھا جا سکتا ہے، کہ وہ اسلامی تہذیب ہی کے بالواسطہ اثرات تھے، کہ مفکرین یورپ فرانس کی تہذیب کو جنوبی فرانس کے راستہ سے اس زمانہ کی اسلامی تہذیب کا پرتو تسلیم کر چکے ہیں،

نارمنی عہد میں اسلامی تمدن، اسی لئے انھون نے صقلیہ میں اسلامی تہذیب کو بہت جلد قبول کر لیا، جسے ہم جلد اول کے آخری باب میں تفصیل سے دکھا آئے ہیں، اس لئے یہان ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں، یہان پر صرف مسٹر اسکاٹ کے بیانات کا ایک اجمالی خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"جو لوگ از روے نسل و عقائد مسلمانون کے جانی دشمن تھے، ان میں مسلمانون کے قوانین، مسلمانون کے مدارس و علوم اور مسلمانون کی راہ و رسوم صدیون تک باقی رہیں،..... نارمن سلطنت کی جب صقلیہ میں باری آئی، تو وہ بھی ایک زمانہ مدید تک قائم رہ کر ختم ہو گئی، اس کے قیام میں مسلمان باجگذارون نے کچھ کم مدد نہیں دی تھی،..... ان ملکی اور اخلاقی انقلابون میں..... عربی عنصر نے صنعت و حرفت تجارت اور علم مختصر یہ کہ سوا فن حرب کے ہر چیز میں اپنا تفوق قائم رکھا، اور نیم وحشی فاتحین ـــــ نارمن ـــــ نے... پہلی ہی نظر میں یہ تاڑ لیا تھا کہ ان کے مفتوحین ـ مسلمان ـ اگر قائم رہے ہیں، تو محض اپنے قواے عقلی کی وجہ سے اور انھون نے تجارت و سیاست میں مسیحی اٹلی کے ارباب سیاست پر

---

[1] تاریخ اہل انگلستان جلد اص ۱۰۹،

اگر فروغ پایا ہے، تو بالکلیہ اپنی ذہانت کے سبب سے ..... نارمنون کے جوہر دماغی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ہر نئی سوسائٹی اور ہر جدید سیاست کے قبول کرلینے کا مادہ تھا، ان کی صلاح و فلاح و عظمت و جلال کا اصل باعث یہی مادۂ قبولیت تھا، ان کی عظمت اس وقت تک ظاہر نہیں ہوئی، جبتک انھون نے ..... صقلیہ کا تخت نہ چھین لیا ..... تین سو برس کی بنی بنائی قومی ترقی و تہذیب مفتوحین نے اپنے اجنبی فاتحین کو تفویض کردی، اس بنی بنائی چیز کو فاتحین نے سر آنکھوں پر رکھا ..... یہ بھی قدرت کا ایک عجیب تماشا ہے، کہ تہذیب و ترقی کی وہ قوم قدر کرتی ہے، جو زمانہ قدیم سے سوائے لوٹ مار کے اور کچھ جانتی ہی نہ تھی ..... نارمنی صقلیہ کی صورت یہ ..... تھی، کہ ..... مسلمانون کے حسن تدبیر ان کی قابلیت اور ان کی محنت و مشقت کا اثر ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا ..... اس جزیرہ کے تمام بحری فوائد مسلمانون کے ہاتھ میں تھے، انہی کے ہاتھ میں اس جزیرہ کے مال و خزانہ کی کنجیان تھین، انہی کے ہاتھ میں عدالتیں تھین، وہی حکام دیوانی و فوجداری تھے، وہی ممالک غیر سے معاہدے کرتے تھے، وہی نوجوانوں کو تعلیم دیتے تھے، ان کی دیانتداری کو ان کے حریف بھی تسلیم کرتے تھے ..... نارمنون کے دربار کے متعلق ہمعصر مؤرخین لکھتے ہیں، کہ وہ شان و شوکت اور تہذیب کے لحاظ سے قاہرہ اور بغداد کے دربارون کے برابر تھا ..... گویہ انتہا درجہ کی تعریف ہے، مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ایشیائی اثر بہت زیادہ تھا ..... بااین ہمہ نارمن فاتحین کی وحشت بہت سی باتوں میں نمایان تھی، جو ان کو اپنے اجداد کی وہمیات اور جہالت سے میراث میں پہنچی تھی ..... شروع شروع میں تو انھون نے اس کو بالکلیہ نہیں چھوڑا، مگر رفتہ رفتہ وہ اس طرح غائب ہوئی، کہ گویا کبھی تھی ہی نہیں ..... نارمنون کی فتح سے مسلمانون کی تہذیب کی روشنی ماند نہیں پڑی، بلکہ روشن تر ہوگئی تھی ....

بندرگاہوں نے بہت جلد وسعت اور دولت و حشمت میں ترقی کی بہت سے محل اور پائین باغ نہایت وسیع ویسے ہی خوبصورت بن گئے، جیسے مسلمانوں کے ہوتے تھے،....

....جس طرح یونانی اور اسلامی سلطنت کے زمانہ میں پلرمو کی حالت تھی، اب پھر اس میں انتہا درجہ کی تہذیب و علم کی ترقی معلوم ہوتی تھی،..... مشہور ہے کہ کاونٹ راجر کا ایک دارالعلوم تھا، مگر یہ کہانی ہی کہانی ہے،.... عوام الناس کی ترقی تعلیم کے لئے کوئی خاص انتظام نہ تھا، بہرکیف یہود اور مسلمانوں کے مدارس تو موجود ہی تھے جنکو شاہی خزانہ سے مدد ملتی تھی، ان مدارس سے جو عیسائی چاہتے، فیضیاب ہوتے تھے،....

(الغرض) نارمنوں کی صلاح و فلاح اور تہذیب میں ان کی مفتوح قوم کا بہت بڑا اور اصلی حصہ تھا، بلکہ وہی اس کے بنانے والے تھے، اس تہذیب میں عربوں کے اثرات بالکل غیر منفک رہے، اصل یہ ہے، کہ عرب کی تہذیب کی بنیاد سالہا سال کے فہم و فراست و تجربات پر مبنی تھی، نارمنی تہذیب پر اس کا اثر اگر نہ پڑتا، تو تعجب کی بات تھی،..... عربی خصوصیات کے انوار.... حتیٰ کہ مذہب پر منعکس ہوئے...

(بلکہ) مسلمانوں کے نظام اور قانون کا اثر کچھ ایسا قوی تھا کہ اس کا غلبہ نارمنوں کی تمام سلطنت پر تھا، یہان تک کہ اپولیا اور کلبریا میں بھی جو اس خاندان کے دارالسلطنت تھے، یہی کیفیت تھی، پاپائی اختیارات اور نیز دیگر سلطنتوں کے مرکز جو اس کے حدود اختیار میں واقع تھے، مسلمانوں کے اثرات سے محفوظ نہ رہے تھے،..... (بہرحال) وہ اخلاقی اور ذہنی تبدیلیاں جنھوں نے یورپ بھر کے تمدن پر اثر ڈالا اور نارمنوں کے ذریعہ سے براعظم یورپ کے سیاسیات اور مذہبی زندگی کو بدل دیا، بہت آہستہ مسلسل، غیر معین اور نامعلوم مگر نہایت سخت اور نہ رکنے والی تھیں،.....

(اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۱۶۷ تا ۲۹)

نارمنون اور صقلیہ کے اسلامی تمدن میں جو رشتہ قائم تھا، اس کا اندازہ مسٹر اسکاٹ کے ان اعترافات بالا سے بخوبی ہوجاتا ہے کہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار کے بقول صقلیہ میں اونکے ہاتھون اسلامی تہذیب کو عروج حاصل نہین ہوا، بلکہ صقلیہ میں اسلامی تہذیب کا پودا مسلمانون کے ہاتھون نصب ہوا، اور پھر انہی کے ہاتھون پھل پھول کر اس قدر بارآور ہوا کہ ان کے جانشین نارمنون نے اس سے فائدہ اوٹھایا، اور پھر ان کے اور ان کے جانشین جرمنون کے توسط سے صقلیہ کی اسلامی تہذیب کی روشنی یورپ کے مختلف ممالک تک پہنچی،

صقلیہ کی اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات یورپ پر

صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن کے لئے یہ امر باعثِ فخر ہے، کہ وہ یورپ کی جدید تمدنی ترقیون کا بنیادی پتھر تسلیم کیا جاتا ہے، اگر جدید یورپ کی تمدنی ترقیوں کا سراغ لگایا جائے، تو تمدن کے ہر شعبہ میں صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن کے بالواسطہ و بلاواسطہ اثرات موجود ملیں گے، یورپ کے عقائد، شرعی نظام، دستورِ حکومت، صنعت و حرفت، زراعت، تعمیر، تجارت، زبان، اور علوم و فنون، خصوصًا سائنس کے نئے علوم کی تخلیق اور ترقیون میں خود یورپین اور عیسائی اہلِ علم کے بیانوں کے مطابق کچھ نہ کچھ اثرات موجود ہین، موسیو لیبان لکھتے ہین:-

> عربون کا اثر مغرب زمین پر بھی اتنا ہی ہوا، جتنا مشرق میں ہوا، اور ان ہی کی بدولت یورپ نے تمدن حاصل کیا، ان کا اثر یورپ پر مشرق سے کم نہ ہوا،..... مغرب مین ..... علوم و ادب کا اثر بے انتہا ہوا،..... جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے، یورپ میں عربون کے علومِ جنگِ صلیبی کے ذریعہ نہیں پھیلے، بلکہ اندلس اور جزیرہ صقلیہ اور اطالیہ کے ذریعہ سے..... موسیو لی برتی لکھتے ہیں، کہ اگر عربوں کا نام تاریخ میں سے نکال دیا جاتا تو یورپ

کی علمی نشاۃ ثانیہ کئی صدی تک پیچھے ہٹ جاتی،......[۵۱]"

ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر لکھتا ہے:-

"اسلام کے ان جنگی کارناموں پر ان واقعات کا اضافہ کرنا غیر ضروری ہے، کہ کیونکر بحر روم میں اپنے فتحمند بیڑوں کو لیجا کر انھوں نے اول کریٹ (قبرس) کو فتح کیا، پھر سسلی کو مسخر کیا، اور اس کے بعد روما کو ذلیل و رسوا کیا، البتہ اس امر کا تذکرہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ جنوبی ایطالیہ اور سسلی میں ان کے موجود ہونے کی وجہ سے یورپ کی عقلی و دماغی ترقی کو ایک بہت بڑی تحریک پہنچی[۵۲]"

مسٹر اسکاٹ نارمنوں کے ذریعہ یورپ میں اسلامی تہذیب و تمدن کے پھیلنے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"قوم عرب کی روایات نارمنوں کو میراث میں ملیں اور ان سے جرمنوں میں پہنچکر اس قوم کو فائز المرام کر دیا، فریڈریک ثانی کے جوہر ذاتی کا اثر..... تمام ٹیوٹانک قوم پر پڑا، یہ امر فراموش نہ کرنا چاہیئے، کہ وہ مقام جہاں سب سے پہلے پوپ کے ظلم و ستم اور بد وضعی پر بغاوت ہوئی، وہ سکسنی تھا، جدید سلطنت جرمنی کی یورپ میں جو عظمت ہے، اور تہذیب میں اوس نے جو ترقی کی ہے، اس کے لئے اس سلطنت کو قرون وسطیٰ کے اس سب سے بڑے بادشاہ کی ذہانت، قوت اور غیر معمولی عقل کا شکر گذار ہونا چاہیئے، اور موخر الذکر کو عربوں کا[۵۳]"

صقلیہ کے مسلمانوں نے یورپ کی جدید تخلیق میں جو حصہ لیا، اور ان کے جو تمدنی اثرات ہوئے انھیں اجمالاً علحدہ علحدہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے،

یورپ کے اعتقاد پر اثر موسیو لیبان مشرق و مغرب پر اسلام کے اثرات کا فرق دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ

---

۵۱ تمدن عرب ص ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۲ معرکہ مذہب سائنس، ص ۱۴۱، ۵۳ اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۲۹،

ان کا اثر یورپ پر مشرق سے کم نہیں ہوا لیکن البتہ اس اثر کی نوعیت میں فرق ہے مشرق میں یہ اثر زیادہ تر مذہب اور زبان اور فنون و حرفت پر پڑا، برخلاف اس کے مغرب میں مذہبی اثر بالکل نہیں ہوا، اور فنون و حرفت کا اثر بہت کم لیکن علوم و ادب کا اثر بے انتہا ہوا"[۵۱]

لیکن اسے کلیتہً صحیح باور نہیں کیا جا سکتا، بلاشبہہ یورپ میں اسلامی سلطنت کے اقتدار کے زمانہ میں وہاں کے باشندوں نے مشرق کی بنسبت تھوڑی تعداد میں اسلامی عقیدہ قبول کر کے مذہب تبدیل کیا، لیکن اس کے باوجود صقلیہ کے اسلامی عہد حکومت میں صرف ایک شہر بارزمین بیس لاکھ مسلمان آباد تھے، یہ ظاہر ہے کہ اس قدر بڑی تعداد صرف باہر سے آنے والے مسلمانوں کی نہیں ہو سکتی، اس لئے کم سے کم صقلیہ و اندلس میں اسلامی تمدن کے اثر سے اسلام کا عقیدہ قبول کیا گیا، جلد اول کے آخری باب میں گذر چکا ہے، کہ نارمنوں کے دور میں بھی جب کہ اسلامی عقیدہ کے ماننے میں کوئی مادی کشش باقی نہیں رہ گئی تھی، لوگ صرف تمدنی اثرات سے متاثر ہو کر اس عقیدہ کو قبول کرتے، اور چھپ چھپ کر اسلام لاتے تھے،

تبدیلِ مذہب سے قطع نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو یورپ پر اسلامی عقیدہ کا اثر ایک دوسری حیثیت سے نہایت پائدار ثابت ہوا ہے یعنی اگرچہ یورپ کے باشندوں نے بڑی تعداد میں عیسوی مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول نہیں کیا، تاہم ان کے دینی عقائد میں اسلام نے عظیم الشان انقلاب پیدا کیا، یورپ میں مذہبی مسائل پر عقلی دلائل سے غور و فکر اور بحث و مناظرہ کی ابتدا، اسلامی علوم و فنون کی اشاعت کے بعد ہوئی ہے، پھر توبہ و انابت، نجات، اور دینی پیشواؤں کے مذہبی اقتدار وغیرہ کے مسائل اسلامی تمدن ہی کے اثرات سے یورپ میں پیدا ہوئے،

علاوہ ازیں اسلامی عقائد کا اصل اصول عقیدۂ توحید ہے، اسلام کے ظہور کے وقت یورپ کے

---

۵۱ تمدن عرب ص ۵۱۳،

باشندے یہود اور تھوڑے سے بت پرستوں کو چھوڑ کر عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث کے علمبردار تھے، صرف ایک نسطوری فرقہ، عام عیسائیوں سے کسی قدر اصطلاحی طور پر عقیدۃً علٰحدہ تھا، اس کے بعد یورپ میں توحید کا عقیدہ پہلی مرتبہ مسلمان لیکر داخل ہوئے، اندلس کی راہ سے اس عقیدہ نے وہاں جو راہ پائی، اس سے قطع نظر کیجئے، دیکھنا یہ ہے، کہ سسلی کے مسلمانوں کے عقیدۂ توحید نے یورپ کے عقاید میں کیا تبدیلیاں کیں،

یورپ میں اصلاح مذہب کی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں، کہ مذہب کی اصلاح کی پہلی آواز اٹلی سے بلند ہوئی، جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے، کہ یہاں یونیورسٹیوں کے قائم ہونے سے یہ مقام علم و فن کا مرکز بن گیا تھا، اور یہ معلوم ہے، کہ یونیورسٹیاں عربی اثر سے قائم ہوئی تھیں، اور ان میں مسلمان اساتذہ بھی تعلیم دیتے تھے[۱]، اور غالباً انہی وجوہ سے ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر نے دین اسلام کو مذہب عیسوی کی "جنوبی تحریک اصلاح" سے تعبیر کیا ہے[۲]، پھر انہی اثرات سے جرمنی میں علم و تحقیق کی تخلیق ہوئی، اور اس کے اثر سے پروٹسٹنٹ فرقہ کا بانی مارٹن لوتھر عالم وجود میں آیا، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں :-

"فریڈریک ثانی کے اثر و نفوذ سے جرمنی کے باشندوں میں تحقیقات کا اصلی مادہ صحیح علم، اور اس فلسفیانہ وسیع الخیالی کی بنیاد پڑی، جو صقلیہ کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں عموماً نظر آتی تھی، اس روشن خیالی کا آخری نتیجہ اگرچہ ابتدا میں معلوم نہیں ہوا، مگر صدیاں گذر جانے پر یہ ہوا کہ لوتھر جیسا صائب رائے شخص پیدا ہوا، جس نے یہ ثابت کرکے کہ اناجیل کا ترجمہ و تفسیر ہر شخص کر سکتا ہے، پاپائے روما کے تخت کی جڑیں ہلا دیں،[۳]"

---

[۱] ابن رشد مطبوعہ معارف ص ۲۰۰ بحوالہ ولیم انفیلڈ صفحہ ۵۱۹، [۲] معرکۂ مذہب و سائنس
[۳] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۵۰۲،

پوپ کا شرعی نظام

اسلام سے پہلے عیسائیت کا شرعی نظام، سلطنت سے بالکل جداگانہ سمجھا جاتا تھا، دینی و دنیاوی پیشوائیون کا کسی ذاتِ واحد میں جمع ہونا ممکن نہ تھا، پوپ اعظم کی ذات بڑے بڑے باجبروت عیسائی فرمانرواؤن سے برتر مانی جاتی تھی، لیکن یورپ نے مسلمان خلفاء میں دینی و دنیاوی پیشوائیان مجتمع دیکھ کر اس نظام کو ممکن العمل تصور کیا، اور سب سے پہلے فریڈریک دوم نے سسلی میں اپنے شہنشاہانہ تفوق کے ساتھ دینی پیشوائی کے امتیاز کو اپنی ذات میں مدغم کرنا چاہا، اور سسلی کی عیسائی رعایا مسلمانون کے اثرات سے اس قدر ذہنی ترقی کر چکی تھی، کہ اس نے فریڈریک کے اس ادعا کو جائز تصور کر کے اس کی ہمنوائی کی،

اگرچہ فریڈریک اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا لیکن عیسائی فرمانرواؤن کے درمیان یہ تخیل مستقل طور پر قائم ہو گیا، چودھوین صدی میں فلپ لی بیل شاہ فرانس نے اس کی پھر ایک کوشش کی، اور بالآخر سولھوین صدی میں ہنری ہشتم شاہ انگلستان نے اسے عملاً کر دکھایا، اور آج بھی شہنشاہ جارج پنجم سلطنت برطانیہ کا دینی و دنیاوی دونون پیشوا مانا جاتا ہے،

یوروپین عورتون کے حقوق و مراتب میں اسلامی تہذیب کے اثرات

مسلمانون کے تمدن کے اثر سے یورپ کی عورتون کے حقوق و مراتب میں ترقی ہوئی، اگرچہ عورتون کے متعلق حمورابی و فرانسیسی قوانین کی اصلاح موسوی شریعت نے بہت کچھ کر دی تھی، اور عورتون کو اپنی ملک میں تصرف کا اختیار بہرحال حاصل ہو گیا تھا[۱]، تاہم اسلامی شریعت مین عورتون کو جو حقوق و مراتب عطا کئے گئے تھے، ان کے لحاظ سے عیسائی عورتین مسلمان عورتون سے بہت پیچھے تھین، یورپ نے عورتون کے حقوق و مراتب مسلمانون ہی سے سیکھے، موسیو لیبان لکھتے ہین:-

"تمدنِ اسلام میں عورتون کو بالکل وہی مرتبہ دیا گیا تھا، جو انھیں بہت دنون بعد

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۷۵، ۷۶ مرکز المرأۃ

یورپ میں حاصل ہونے والا تھا،..... وہ مذہب عیسائی نہ تھا، جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے بلکہ اسلام تھا، جس نے عورتوں کو ان کی اس وقت کی گری ہوئی حالت سے ترقی دی... قبل اس کے کہ عربوں نے عیسائیوں کو عورتوں کا لحاظ سکھایا، ہمارے زمانہ قدیم کے امراء جنگجو ان سے بہت ہی بری طرح سے پیش آتے تھے،"[1]

یورپ میں عورتوں کے حقوق و مراتب کے قائم ہونے میں صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن کے گہرے اثرات ہیں یہیں پہلی مرتبہ نارمن اور جرمن فرمانرواؤں نے عورتوں کے وہ حقوق تسلیم کئے، جو صقلیہ کے مسلمان سلاطین و امراء کی حرمسراؤں میں مسلمان عورتوں کو حاصل تھے، یہاں تک کہ نارمنوں نے مسلمانوں کے قانون وراثت اور ترکہ کے اصول کو بھی دو صدیوں تک کسی قدر جزئی ترمیم کے ساتھ جاری رکھا،[2]

اسی طرح یورپ کی عورتوں کے لباس، زیورات، اور طرز زندگی پر مسلمان عورتوں کے اثرات پڑے، یہاں تک کہ یورپین عورتوں کے چہروں پر نقاب ڈالی گئی، اور شریف اور اونچے گھرانوں کی عورتین پردہ دار سواریوں میں سفر کرنے لگیں،[3]

آج اہل یورپ عورتوں کو آزادی دینے میں اپنی حد سے گذر گئے ہیں، وہ صحیح حدود میں اسی وقت تک رہے، جب تک اونھوں نے اسلامی تمدن کے قائم کردہ حدود کا لحاظ رکھا، مسٹر اسکاٹ اسلامی تہذیب کے اثر سے یورپ مین عورتون کے حقوق و مراتب کے بڑھنے کے متعلق لکھتے ہین:-

"انہی مسلمانوں کے طفیل میں..... فرقہ نسوان کی وہ عزت ہونے لگی، جو گو نہ پرستش کی حد تک جا پہنچی، اسی سے ننگ و ناموس کی عزت بڑھی، اسی سے خودداری پیدا ہوئی، اور اسی سے طرز تمدن مین لطافت پیدا ہوئی،"

[1] تمدن عرب ص ۲۰۷، [2] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۱۹۷، [3] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۳۳ اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۵۹

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:-

"دسویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی تک تمام مسیحی یورپ میں عورتوں کو تعلیم نہیں دیجاتی تھی، اور ان کے ساتھ وہ عزت و ملاطفت روانہ رکھی جاتی تھی، جو مسلمانوں کا خاصہ تھا، اس کلیہ سے وہ ممالک مستثنیٰ تھے، جن پر مسلمانوں کی تہذیب و اخلاق کا اثر پڑ چکا تھا، جنوبی فرانس (جہاں اندلس کا اثر پہنچا) اور اٹلی (جہاں صقلیہ کے اثرات پہنچے) میں عورتوں سے رواداری کا سلوک کیا جاتا تھا..... باقی تمام ممالک میں ان کی حالت اس سے بہت ہی مختلف تھی، ان پر ناقابل بیان سختیاں کی جاتی تھیں، وحشیوں کی صحبت اور وحشیانہ گردوپیش انکو ذلیل کئے ہوئے تھا، اگر وہ کسی بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، تو اپنے بزرگوں اور آقاؤں کا کھلونا ہوتی تھیں، اگر کمتر درجہ کی ہوتی تھیں، تو تحقیر، تذلیل اور ہر قسم کی تکلیف و رنج اٹھانے والی کنیزوں کی حالت میں تھیں اور یہ سب باتیں دیندار عیسائی دنیا کی عورتوں کی قسمت میں لکھی ہوئی تھیں، یہ اخلاقی ذلت اور طبعی دنائت مدتوں تک قائم رہی، اس کلیہ سے وہ مقامات مستثنیٰ تھے، جہاں عربوں کی تہذیب کے تعلقات نے دماغی و اخلاقی تبدیلی بالاستقلال پیدا کر دی تھی"[۱]

معاشرت و عادات پر اثرات، اسلامی تہذیب کے اثرات یورپ والوں کی معاشرت و عادات پر بھی ہوئے، آج یہ حیرت سے سنا جائے گا، کہ مکانوں کو صاف ستھرا رکھنا، ان میں پائین باغ لگانا، روزانہ نہانے کی عادت ڈالنا اور غسلخانوں کا رواج عام ہونا وغیرہ یورپ میں مسلمانان صقلیہ و اندلس کی تہذیب ہی کے برکات ہیں اسی طرح تفریحی سامانوں اور کھیلوں میں شطرنج اور نرد وغیرہ کا رواج ہوا، اور موسیقی کے قواعد میں یورپین ممالک میں سے اٹلی آج بھی شہرت رکھتا ہے، اٹلی

[۱] اخبار الاندلس جلد سوم ص ۱۰۵ و ۹۹ و ۹۴ و ۵۰۰، ۵۰۲ ص ۱۶، ۲۶، ۳۱، وغیرہ،

نے عربون سے موسیقی کے قواعد سیکھے تھے،[۱]

صقلیہ کے اسلامی نظامِ حکومت کے اثر سے یورپ کے دستورِ حکومت میں تبدیلیاں

صقلیہ میں اسلامی حکومت کے زوال کے بعد نارمن اور جرمن دونون دورون میں اسلامی نظامِ حکومت برقرار رکھا گیا، چنانچہ عیسائی مورخین تقریبًا بالاتفاق لکھتے ہیں، کہ صقلیہ کے یہ دونون دور گویا اسلامی حکومت ہی کے دور تھے، خصوصًا فریڈریک کے تعلقات دوسرے مسلمان سلاطین سے بھی قائم ہوئے، اور اس سے صقلیہ میں مزید ترقی یافتہ اسلامی نظامِ حکومت کے مطابق اپنے دستورِ حکومت کو نافذ کرنے کا موقع ملا، اور پھر یورپ کے مختلف ممالک نے فریڈریک کے قائم کردہ دستورِ حکومت کے طرز پر اپنے نظامِ حکومت قائم کئے، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین، :-

"وضعِ قوانین اور اقتصادی معاملات میں سلطنت صقلیہ اپنی ہمعصر سلطنتون سے بہت بڑھی ہوئی تھی، انگلستان کے تمام ملکی نظام خصوصًا ایوان عام کا تخیل صقلیہ ہی سے لیا گیا، اور پارلیمنٹ بھی صقلیہ ہی کی پارلیمنٹ کی نقل ہے، ان دونون باتوں میں انگلستان کو اس (فریڈریک) کی، سلطنت کا شکرگذار ہونا چاہیے،"[۲]

یورپ کی زراعت، صنعت، حرفت، تعمیر اور تجارت پر اثرات

مسلمانانِ صقلیہ کی زراعت، صنعت، حرفت، تعمیر، اور تجارت سے یورپ کو جو فوائد پہنچے، ان کا تذکرہ معیشت کے بیان میں اجمالاً گذر چکا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ اُس عہد تک اہلِ یورپ جہالت و جمود میں پڑے ہوئے تھے، اسلامی تہذیب و تمدن کے درخشان اثرات سے وہ بیدار ہوئے، اور ان کے سارے نظام میں حرکت پیدا ہوئی جس سے ان کی زندگی و عمل کا کوئی شعبہ کسی نہ کسی حد تک متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، جیسے کہ اس زمانہ میں یورپ کے جدید تمدن سے اپنے پچھلے تمدن پر ٹھہری ہوئی قومین امادی و غیرارادی طور پر متاثر ہو رہی ہیں، چنانچہ

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۱۶، ۲۰، ۲۱، وغیرہ، [۲] ایضًا ص ۴۲،

معیشت کے مختلف شعبوں میں بھی یورپ نے اسلامی تمدن سے فائدہ اٹھایا، مثلاً:-

زراعت کو مسلمانانِ صقلیہ نے یہاں کے قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھا کر غیر معمولی ترقی دی تھی، سینکڑوں نئے پھل پھول، سبزی اور جڑی بوٹیاں یہاں غیر ملکوں سے لا کر لگائیں، زراعت کے بہترین وسائل اور طریقے اختیار کئے، اور ان کے ذریعہ سے یہاں رواج پائے، اگرچہ یورپ کی زرعی ترقی میں اندلس کا نمایاں حصہ سمجھا جاتا ہے، لیکن یورپ مسلمانانِ صقلیہ کی زرعی کوششوں کے احسان سے بھی سبکدوش نہیں ہو سکتا، بلکہ صقلیہ کی زرعی ترقیوں سے اندلس نے بھی فائدہ اٹھایا، اور اندلس سے سارے یورپ کو فائدہ پہنچا، مسٹر اسکاٹ اندلس کی زرعی ترقیوں کے سلسلہ بیان میں لکھتے ہیں:-

"ابن العوام (اشبیلی) کی اس تصنیف سے معلوم ہوتا ہے، کہ انھوں نے اپنی اس کتاب کا مواد صقلیہ سے لیا تھا، کیونکہ وہاں زراعت اور اس کے متعلقات کو ویسی ہی ترقی ہو چکی تھی، جیسی کہ جزیرہ نمائے اندلس میں، اس سیر حاصل جزیرہ میں زعفران اور بہت سی بوٹیاں وہیں کی پیداوار تھیں، اور وہاں سے دوسری ترکاریوں اور پھلوں کے ساتھ اندلس پہنچیں"[1]

اسی طرح مسلمانانِ صقلیہ کی **صنعت و حرفت** اور تعمیر کی ترقیوں سے بھی یورپ نے فائدہ اٹھایا، مسلمانانِ صقلیہ پارچہ بافی میں اندلس سے بھی سبقت لے گئے تھے، اندلس نے اس فن کو صقلیہ سے حاصل کیا تھا، اور پھر ان دونوں اسلامی ملکوں نے فرانس و اٹلی کی راہ سے اسے سارے یورپ میں پہنچا دیا، مسٹر اسکاٹ مسلمانانِ اندلس کی پارچہ بافی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"کپڑا بننے میں مسلمانانِ اندلس کو وہ کمال حاصل تھا، کہ ان کی کوئی ہم عصر قوم ان کی ہمسری نہ کر سکتی تھی، یورپ کے تمام ملک میں ریشم کا استعمال صرف بادشاہ ہی کر سکتا تھا،...... اصل میں یہ حرفت صقلیہ سے اندلس میں آئی تھی،...... ان دونوں ملکوں میں گیارہویں صدی

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۶۶۹،

کے بعد عام طور پر لوگ ریشمی کپڑا پہنتے تھے، حالانکہ اس زمانہ تک یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہ بیش قیمت ہی سمجھا جاتا تھا،..... نارمن شاہان پلرمو کے محافظ تن سپاہیوں کی وردیاں بھی ریشم ہی کی ہوتی تھیں، یہ ریشمی کپڑے وزن میں ہلکے اور استعمال میں مضبوط ہوتے تھے،..... زمانہ حال کی سائنس باوجود اس قدر ترقی کے ایسا مضبوط، نازک، اور خوبصورت کپڑا نہیں بنا سکی،...... نہ معلوم وہ رنگ کیسے غیر معمولی تھے جن سے ان کپڑوں کے سوت رنگے جاتے تھے،..... انقلاب دہر نے جو چند نمونے اب تک باقی رہنے دیئے ہیں ان کے رنگوں کی شوخی میں اب تک بہت ہی تھوڑی کمی آئی ہے صنعت و حرفت کے اس شعبہ میں بھی ایشیائی اثر بزنطین اور صقلیہ کے راستہ سے (یورپ) پہنچا"[1]

اسی طرح صقلیہ کی تعمیری ترقیوں کے نشانات یورپین طرز تعمیر میں آج بھی موجود ہیں،

مسلمانان صقلیہ کے **تجارتی تعلقات** مختلف ممالک سے جس قدر وسیع تھے، اس کا اندازہ صفحات بالا سے ہوا ہوگا کہ "صقلیہ کے تجارتی جہاز یورپ کے بندروں پر نظر آتے تھے، اور صقلیہ کی منڈیاں ہر قسم کے قیمتی مال تجارت سے لبریز رہتی تھیں"[2]

یورپ کو ان تجارتی تعلقات سے بھی بیش بہا فوائد پہنچے، فرانسیسی مستشرق سیدیلاٹ کے بقول یورپ نے عربوں ہی سے بہت سے مالی معاملات کے اصول اور بحری تجارت کے قوانین سیکھے، اور اس کے ساتھ یورپ نے جہاز رانی اور بحری سفر کے لئے قطب نما کے استعمال کا طریقہ بھی مسلمانوں سے سیکھا"[3]

پھر طریقہ مبادلہ میں مسلمانوں کے زر، ناپ تول، اور لین دین کے طریقوں سے بھی یورپ نے فائدہ اوٹھایا، دنیا میں سکوں کا رواج زمانہ قدیم سے ہے لیکن جیسا کہ گذر چکا صقلیہ میں مسلمانوں

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۵۴۶، ۶۴۷، [2] ،، جلد ۳ ص ۶۹۵ [3] ،، ۶۹۶،

کے جانشین نارمنون نے اپنے سکے صقلیہ کے اسلامی سکون کے نمونہ پر ڈھالے، یہان تک کہ کلمات توحید و رسالت تک ان میں عربی حروف میں برقرار رکھے گئے، پھر نارمنون کے سکوں کو دیکھکر یورپ کے دوسرے ملکون کی بعض حکومتون نے بھی انہی نمونون پر اپنے سکّے ڈھالے، جن میں عربی حروف کندہ تھے[۱]، ابھی حال میں ہندوستان کے بعض مسلمان اکابر نے سیلون کے عجائب خانہ مین انگلستان کے کسی فرمانروا کا سکہ دیکھا ہے، جس میں ایک طرف اس فرمانروا کا نام اور دوسری طرف عربی حروف مین کلمۂ توحید منقوش ہے[۲]،

علوم و فنون کے اثرات، موسیو لیبان کا بیان اوپر گذر چکا ہے، کہ "مغرب میں عربون کے علوم و ادب کا اثر بے انتہا ہوا، اور یورپ کی نئی ترقیوں میں صقلیہ کے اسلامی علوم و فنون کا بھی حصہ ہے[۳]"،

سسلی کی راہ سے عربی ادب و فلسفہ یورپ میں خاص طور پر پھیلا، جس میں اٹلی کے ان مختلف دارالعلومون سے بڑی مدد ملی، جو فریڈریک دوم کی سرپرستی میں قائم تھے، فریڈریک نے اسلامی علوم و فلسفہ کو یورپ میں رائج کرنے کی بڑی خدمت انجام دی ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

"اس کا دربار جو پلرمو مین تھا، وہ یورپ کے شاندار ترین درباروں میں تھا، اور اس وقت کی تمام معلوم دنیا کے علما اس میں آتے تھے، اس کا کسی قدر "مشرکانہ" فلسفہ بعد کو جدید عقلیت (رشنلزم) کی ابتدا خیال کیا جانے لگا، اوس نے مدرسے اور یونیورسٹیان قائم کین اور خود بھی سسلین زبان میں شاعری کرتا تھا[۴]"،

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۳ ص۳۴۷، [۲] موصوف نے اس سکہ کی بنیاد پر انگلستان کے اس فرمانروا کے مسلمان ہونے کا نظریہ قائم کیا ہے اور اس پر اسلامی اخبارون میں تائیدی تحریرین نکلی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ محض اس سکہ پر عربی حروف میں کلمۂ طیبہ کا منقوش ہونا اس فرمانروا کے مسلمان ہونے کے ثبوت کیلئے کافی نہیں، اسے صرف یورپ میں اسلامی تمدن کی مقبولیت کے اثرات ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، [۳] تمدن عرب ص۱۳۵، ۱۴۱، ۱۴۵، [۴] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (نیلیس) جلد ۱۹ ص۱۴۳۔

مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:۔

"فریڈریک نے جو اصلاحین کی تھیں، وہ واقعی نہایت وسیع اور اہم تھیں، اس کے ہمہ گیر الطاف خسروانہ سے علم و سائنس بھی محروم نہ رہ سکا، آیندہ نسل انسانی پر اس کا یہ دوامی احسان ہے اور رہے گا، اور اس کے مسلمان اتالیقون نے جو اثر اس کے قلب پر ڈال دیا، اور جو مذاق اس میں پیدا کیا، وہ کبھی اس سے الگ نہیں ہوا، اس کے دربار میں عرب اور یہود علما اکثر حاضر رہتے تھے، نوجوانون کی تعلیم انہی دونون کے متعلق تھی،.....اس نے اپنے ملک میں مختلف زبانون کے سکھانے کا بہت شوق دلایا، علم کے تمام شائقین عربی، عبرانی اور یونانی زبانون میں بے تکلف گفتگو کر سکتے تھے، اس زمانہ میں نیپلس اور سلرنو علم کے نہایت مشہور مرکز تھے"[۱]

رابرٹ برنالٹ لکھتا ہے:۔

"تمدن اسلام کا اثر یورپ پر سب سے زیادہ فریڈریک دوم کے زمانہ میں پڑا، جو حقیقت میں ازمنۂ متوسط کا سب سے بڑا عیسائی حکمران تھا، اگر یورپ کے براعظم کو وحشت اور جہالت کی گہرائیون سے نکال کر شاہراہ ترقی و تمدن پر لانے کا سہرا کسی کے سر ہے، تو وہ فریڈریک ہے جس نے اسلامی تمدن کو اختیار کیا، اور پھر اسکو پھیلانے کی انتھک کوشش کی،

فریڈریک کے دربار میں مسلمان ماہرین علوم کا اجتماع رہتا تھا، وہ لوگ ریاضی اور علم نباتات کے متعلق ضروری معلومات پر بحث کرتے تھے، یہ دربار یورپ کے حکمرانون کے دربارون سے بالکل مختلف تھا، ان کے یہان جہالت اور توہمات کا دار دورہ تھا، فریڈریک نے نیپلز، مسینا، اور پیڈوا میں یونیورسٹیان قائم کین، اور سلرنو میں ایک طبی مدرسہ قائم کیا جس میں مسلمانون

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۴۳، ۴۴،

کے طریق علاج کی تعلیم دیجاتی تھی، اس نے یورپ میں ریاضی کے معلمین کی ہمت افزائی کی، یہود اور مسلمان علما، کو جمع کر کے ہر دستیاب ہونے والی عربی کتاب کا ترجمہ کرنے کا اہتمام کیا، اپنے ایک دوست میکائیل کو قرطبہ بھیج کر ابن رشد کی کتابیں مہیا کین، اور پھر ان کی نقلین کرا کرا نھیں اپنی سلطنت کے ہر مدرسہ میں درس و تدریس کیلئے بھیج دیا،

فریڈریک کے خلاف عیسائی قومون کی طرف سے بڑے بڑے خوفناک الزامات لگائے گئے ہیں، ان میں ایک بڑا الزام یہ تھا، کہ وہ روزانہ غسل کرتا ہے، حتی کہ اتوار کے روز بھی، اسلامی تمدن کو اختیار کر لینے کی بنا پر اس وسیع النظر بادشاہ کو بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا[1]"

اٹلی کے دارالعلوم اور علوم عقلیات | سسلی کے اسلامی علوم و فنون کے اثر سے اٹلی میں مختلف وقتون مین تعلیم کے متعدد اہم مرکز قائم کئے گئے، جن سے علوم عقلیات کی ترقی کے ساتھ یورپ میں آزادی خیال کی تحریک پیدا ہوئی، اور لوگ غور و فکر کے عادی بنے، اسلئے یورپ کے بیدار کرنے میں اٹلی کے ان دارالعلوموں کا بڑا حصہ ہے، وہ دارالعلوم اور ان کے مختصر خدمات حسب ذیل ہین،

سلرنو کا طبیہ کالج، | ان مین سے سلرنو (اٹلی) کے طبیہ کالج کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی، اس کی داغ بیل مسلمانون نے ڈالی تھی، یہ یورپ میں سب سے پہلا طبی مدرسہ تھا، جسے مسلمانون نے سلرنو میں قائم کیا، اور اس کے ذریعہ یورپ علم طب سے روشناس ہوا، اور طبی تحقیقاتون کا عظیم الشان دروازہ کھل گیا، جن کے مظاہر آج دنیا کے ہر حصہ میں نمایاں ہین، گبن کہتا ہے:۔

"فن طب میں عربون کی تعریف کی گئی ہے .... سلرنو کے مدرسہ نے جسے انھون نے قائم کیا تھا، اٹلی اور یورپ میں طب کے اصولون کو زندہ کیا[2]"

---

[1] تاریخ ارتقاء انسانی تلخیص در روزنامہ زمیندار مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۲۸ء [2] ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر جلد ۵ ص ۱۴۰ (ایوری مینس ایڈیشن)

ڈریپر لکھتا ہے ؛:-

"یورپ کا پہلا طبّی مدرسہ وہ تھا، جسے عربون نے اٹلی کے شہر سلرنو مین قائم کیا"[1]

یہ طبّی مدرسہ آٹھویں صدی عیسوی سے قائم تھا، فریڈریک دوم نے اس پر بڑی توجہ کی، مسلمان ماہرین فن اور مسلمانون کے دامن فیض کے تربیت یافتہ یہود اطبّا اس میں اساتذہ تھے، اس میں طب اور جراحی دونون کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی، نصابِ درس خالص اسلامی علم طب کی کتابون پر مشتمل تھا، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا میں ہے ؛:-

"اس کے نصاب تعلیم مین تمامتر وہی کتابین تھیں، جو مسلمانون نے یونانی زبان سے ترجمہ اور پھر تالیف کی تھین"[2]

اس مدرسہ میں تین زبانین عربی، عبرانی اور یونانی پڑھائی جاتی تھیں، نصاب کی بیشتر کتابین عربی زبان میں تھیں، اسلئے عربی زبان کو عیسوی عہد میں بھی تفوق حاصل رہا، اس زمانہ میں عربی زبان کی تحصیل اسی طرح ضروری تھی، جیسے موجودہ زمانہ مین جدید علم طب کے حاصل کرنے کیلئے کسی یورپین زبان کا جاننا ضروری ہے، مارگولیتھ لکھتا ہے ؛:-

"طبی حیثیت سے یورپ پر عربوں کا اثر سب سے زیادہ دنون تک قائم رہا اور اس علم کیلئے عربی زبان کی تحصیل سترہویں صدی تک نہایت اہم سمجھی جاتی تھی"[3]

مدرسہ میں بلا تفریق مذہب و ملت مختلف مذاہب کے ماننے والے طلبہ داخل تھے، مدرسہ کے اساتذہ طبی و علمی تحقیقاتون میں مصروف رہتے تھے، عیسائی مورخین کو اعتراف ہو کہ

"بہت سے اصول و نظریات ایسے ہین، جو اسی کالج کی تحقیقاتون سے عالم وجود مین آئے اور ابتک اسی طرح صحیح تسلیم کئے جاتے ہین"

چنانچہ مورخین نے طب میں ان کی اُن ایجادون اور اکتشافون کی فہرست درج کی ہے، جو

---

[1] معرکۂ مذہب و سائنس صفحہ ۱۶۰، [2] انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۰ ص ۹۴، [3] محمڈنزم ص ۲۴۳؛

جدید علم طب میں اس زمانہ میں بھی مقبول اور رائج ہیں، اسی طرح حفظ صحت، دواسازی، تشخیص امراض وغیرہ میں سلرنو کے اساتذہ کے مقرر کئے ہوئے اصول اس زمانہ میں بھی تسلیم کئے جاتے ہیں، موسیو لیبان لکھتے ہیں،

"سلرنو کے مدرسۂ طبیہ کے ملفوظات میں نہایت عمدہ اصول حفظ صحت بیان کئے گئے ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ اس مدرسہ کی شہرت جو یورپ میں اوّل سمجھا جاتا تھا، عربوں ہی کے سبب سے تھی، نویں صدی عیسوی کے وسط میں جسوقت نارمنون نے جزیرہ صقلیہ اور اطالیہ کے اس حصہ کو جو عربون کے قبضہ میں تھا لے لیا، تو انھون نے ان کے مدرسۂ طبیہ کی بھی ویسی ہی حمایت کی جیسی کل دوسرے اسلامی نظامات کی، ایک نہایت عالم عرب قرطاجنہ کا رہنے والا جس کا نام قسطنطین افریقی تھا، اس مدرسہ کا منتظم ہوا، اس نے عربی تصانیف طبیہ کا ترجمہ لاطینی میں کیا، اور اسی کی کتابون سے وہ ملفوظات لئے گئے، جن کی وجہ سے سلرنو کے مدرسہ کی اس قدر شہرت ہوئی،......[1]"

اس مدرسہ میں زمانہ تعلیم آٹھ سال تھا، ابتدائی تین سال ادب و فلسفہ کی تعلیم کے لئے، پھر طبی تعلیم کی میعاد پانچ سال مقرر تھی، پھر سال بھر تک کسی لائق طبیب کی نگرانی میں تجربہ سکھایا جاتا تھا، اسکے بعد فضیلت کی سند دیجاتی تھی، یورپ کے موجودہ علم طب کے نظام تعلیم کا ابتدائی خاکہ سلرنو کے مدرسہ طبیہ ہی سے حاصل کیا گیا،[2]

سلرنو یونیورسٹی اس کے بعد سلرنو کا یہی طبی مدرسہ یورپ کی سب سے پہلی یونیورسٹی کی شکل میں منتقل ہو گیا، انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں ہے:-

"اسی طبی مدرسہ نے ۱۱۵۰ء میں ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کی، جو سرزمین یورپ میں سب سے پہلی یونیورسٹی تھی"[3]

---

[1] تمدن عرب ص ۴۵۴ [2] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۴۹ تا ۵۰، [3] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۴ ص ۲۶۶،

فن طب میں ترقی — سلرنو کے مدرسہ طبیہ سے ان خدمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو مسلمانان صقلیہ کے ہاتھوں فن طب کی انجام پائی تھیں، مسلمانان صقلیہ و اندلس کے ذریعہ یورپ کے جدید علم طب میں جو اضافے ہوئے ہیں، مسٹر اسکاٹ نے انھیں ایک جگہ بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:-

"تمام یورپ مسلمانان اندلس و صقلیہ کا شکر گذار ہے کہ انھوں نے مفردات میں کچلہ، املتاس حب الملوک، املی، مر، صندل، کباب چینی، جو یدار، ریوند چینی اور کافور، اور مرکبات میں جلاب اکسیر، شربت اور معجون، خوشبودار مصالحوں میں قرنفل، جوزبوا، زنجبیل اور الائچی سے آشنا کیا، یہ چیزیں یورپ کے بازاروں میں اب بھی اپنے عربی ناموں ہی سے موسوم ملتی ہیں، ... صقلیہ کے قوانین اس معاملہ (دواخانوں کی دیکھ بھال اور دواسازی میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے) میں اور بھی سخت تھے، ہر دواساز کو اپنی دواسازی کی قابلیت کا سخت امتحان دینا پڑتا تھا، اطبا کے سامنے حاضر ہو کر اس کو قسمیں کھا کر یہ اقرار کرنا پڑتا تھا، اگر کوئی دوا فروش مقرر درجہ سے کمتر درجہ کی دوائیں فروخت کریگا، تو وہ اسکی اطلاع اطبا اور حکومت کو دیگا، بد دیانتی اور فریب کے روک تھام کے لئے تو یہ تدابیر اختیار کی جاتی تھیں، اور عوام کے فائدہ کے لئے دواؤں کا نرخنامہ ہر دوکان پر رکھا رہتا تھا کہ وہ دوکاندار زیادہ قیمت نہ لے سکیں ان قواعد کی جو کوئی خلاف ورزی کرتا تھا، اس کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں، انہی قواعد کو شہنشاہ فریڈریک دوم نے اپنے ملک میں نافذ رکھا، اور انہی (قوانین) کی وجہ سے سلرنو اور نیپلس کے مدارس طبیہ کو کامیابی ہوئی، اور صقلیہ نے تمام دنیا میں فن طب میں شہرت تامہ حاصل کی[1]"

اسی طرح موسیو لیبان لکھتے ہیں:-

"عربوں کی طبی ترقیاں زیادہ تر فن جراحی، علامات امراض، قرابادین اور ادویات میں ہیں

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۱۴۱۔

انھوں نے بہت سے طریقے علاج کے ایجاد کئے ہیں،..... قرابا دین میں انھوں نے بہت سی دوائیں بڑھائی ہیں،..... دواؤں کے استعمال کے وہ طریقے بھی انہی سے نکالے ہیں جواب اتنے زمانہ کے بعد نئی ایجادوں کے نام سے مشہور کئے جاتے ہیں،..... فن جراحی کی بھی ابتدائی ترقی عربوں ہی سے ہوئی، اور زمانہ حال تک ان ہی کی تصنیفات پر یورپ کے مدارس طلبہ کا دار و مدار رہا ہے[۱]"

یورپ میں مختلف علوم و فنون فلسفہ، سائنس، ریاضیات اور آدب کی ترقی میں اٹلی کے چند دوسرے دار العلوم نیپلس اور پیڈوا نے بھی نمایاں حصہ لیا، ان میں بھی اسلامی اثرات موجود تھے،

نیپلس یونیورسٹی۔ فریڈریک نے نیپلس میں علوم عقلیات کی تعلیم کے لئے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی، جس میں مختلف اسلامی ممالک کے ممتاز اہل علم اساتذہ مقرر کئے گئے تھے، اور ایک عظیم الشان کتب خانہ فراہم کیا گیا تھا، اس میں اسلامی مدارس کے طرز پر طلبہ کے لئے وظائف مقرر تھے، اور یورپ کے گوشہ گوشہ کے طلبہ یہاں تحصیل علم کیلئے آتے تھے، نیپلس یونیورسٹی نے یورپ کی جہالت کے دور کرنے کی غیر معمولی خدمت انجام دی[۲]"

پیڈوا یونیورسٹی۔ اسی طرح اس عہد میں شمالی اٹلی کا شہر پیڈوا علوم کا مرکز بنا، یہاں بھی مسلمان اساتذہ کی نگرانی میں ایک یونیورسٹی قائم کی گئی، جس میں مسلمان، یہود اور عیسائی اساتذہ تعلیم دیتے تھے، اس میں مختلف علوم و فنون، آدب، طب، فلسفہ، سائنس اور ریاضیات وغیرہ کی تعلیم دیجاتی تھی، اور مسلمان حکماء و فلاسفہ کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، خصوصاً ابن رشد کے فلسفہ کو اس یونیورسٹی میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اس کی کتابوں کے ترجمے نئے سرے سے کئے گئے، اور دوسرے فلسفوں کے مقابلہ میں اس کے فلسفہ کی پرزور حمایت کا فرض یہاں کے یورپین اساتذہ نے انجام دیا،[۳] اہل یورپ نے

---

[۱] تمدن عرب ص ۴۸۴، ۴۸۵، [۲] اخبار الاندلس جلد ۲ ص ۴۴، [۳] ابن رشد رینان ص ۱۰، و معرکۂ مذہب و سائنس ڈریپر

اس یونیورسٹی کی طرف خاص توجہ کی، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا میں ہے :۔

"پیڈوا اپنی یونیورسٹی کے لئے مدت سے مشہور چلا آتا ہے، جسے فریڈریک دوم نے ۱۲۲۳ء میں قائم کیا تھا، وینس کے زمانہ حکومت میں یونیورسٹی تین اکابر کی ایک مجلس کے زیر اقتدار تھی، وہ مجلس "دی ریفارمیڑی ڈیا اسٹوڈیو ڈی پیڈوا" کے نام سے مشہور تھی، اس کے اساتذہ وطلبہ کی فہرست طویل اور شاندار ہے"[1]

موسیو لیبان لکھتے ہیں :۔

"اطالیہ کے دارالعلوموں میں تصانیف عرب کی وقعت وہی تھی، جو نشأۃ ثانیہ کے بعد یونان و روم کی تصنیفات کی ہو گئی، پٹرارک کی پرجوش شکایتوں سے ہمیں علوم عرب کے تسلط کا اندازہ ہو سکتا ہے" وہ کہتا ہے :۔

"ڈیماس تھینز کے بعد سسرو فصیح نکلا، ہومر کے بعد ورجل ہوا، لیکن کہا جاتا ہے کہ عرب کا کوئی مقابلہ تحریر میں نہیں کر سکتا، ہم اکثر یونانیوں کے برابر رہے ہیں، اور بعض چیزوں میں ان سے بڑھ گئے ہیں یعنی ہم تمام اقوام عالم پر فوقیت لے گئے ہیں لیکن تم کہتے ہو کہ "باستثنائے عرب"، وائے ہماری حماقت، وائے ہمارا جنون، او فطرت ایطالیہ کیا تو سو گئی ہے کیا تو مر گئی ہے؟"[2]

نارمنڈ اور باری کے مدارس، اسی طرح خود سسلی، نارمنڈ اور باری وغیرہ میں اس عہد میں مشہور مدرسے قائم تھے، جہاں اسلامی فلسفہ و حکمت کی تعلیم دیجاتی تھی[3]

یورپ میں عربی کتابوں کے ترجمے، یورپ میں عربی کتابوں کے ترجمہ کا دور یہود کے تعلیم یافتہ خاندانوں کے اسپین سے ترک وطن کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے، جب وقت تک وہ اسپین میں رہے، ان کی ملکی و علمی زبان عربی رہی، لیکن فرانس اور مسیحی اسپین میں پہنچ کر انھیں ان علوم کو یورپ کی زبانوں میں

---

[1] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا (پیڈوا) جلد ۲ ص ۲۴۵، [2] تمدن عرب ص ۵۱۵ و ۵۱۶، [3] معرکہ مذہب و سائنس (ڈریپر)

منتقل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور اب ان کی تصنیف و تالیف کی زبان یورپین ہو گئی، اسلئے ان ملکون میں پہلے انھون نے عربی کتابون کے ترجمے سے اپنے علمی کامون کی ابتدا کی، اور عبرانی ولاطینی زبانون میں عربی کتابین منتقل کین،

دوسری طرف سسلی میں نارمنون اور فریڈریک دوم نے مختلف عربی علوم و فنون فلسفہ، منطق، سائنس، اور طب کی بہ کثرت کتابین لاطینی زبان میں ترجمہ کرائین، اور بعد میں وہ کتابین بھی اس کے عہد مین یورپ کی یونیورسٹیون میں پڑھائی جانے لگیں، پھر یہ دلچسپ اتفاق ہے کہ یورپ میں اندلس کے اسلامی علوم و فنون کی اشاعت بھی فریڈریک کے توسط سے سسلی و اٹلی ہی کی راہ سے بہت زیادہ ہوئی، اور اندلسی حکماء و فلاسفہ کی کتابیں یہان ترجمہ کیگئین، فلسفہ وطب کے علاوہ ریاضیات، ہیئت و مساحت اور الجبرا وغیرہ کی کتابین بھی لاطینی زبانون میں ترجمہ کی گئیں ان کتابون کی فہرست مع مصنفون اور مترجمون کے مرتب کی جائے، تو بہت طویل ہوگی، ترجمہ کی یہ خدمت زیادہ تر اٹلی کے انہی دارالعلومون میں انجام پائی، [۵]

اسلامی فلسفہ و سائنس یورپ میں، | اٹلی کے دارالعلومون اور عربی کتابون کے ترجمون سے یورپ میں ذہنی ترقی اور آزاد خیالی کی بنیاد پڑی، اور ایک زمانہ دراز تک یورپ میں اسلامی فلسفہ مقبول رہا، مسٹر الفرڈ ویبر تاریخ فلسفہ میں لکھتے ہین، :-

"راجر ثانی شاہ سسلی اور شہنشاہ فریڈریک ثانی دو علم دوست پادشاہون نے بہت سے عرب علماء اپنے گرد جمع کرلئے، اور ان کے زیر ہدایت ارسطو کے فلسفے اور اسکی شرحون کا لاطینی زبان میں ترجمہ کرایا، یہ ترجمے بولون، پیرس، اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیون میں پیش کئے گئے، اس سے پیشتر ارسطو کا مطالعہ محض بحیثیت ایک منطقی کے کیا گیا تھا، اور وہ بھی نہایت سطحی

[۵] ابن رشد و فلسفہ ص ۱۶ تا ۲۰، معرکہ مذہب و سائنس ڈریپر ص ۱۶۵ و اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۲۹۵ تمدن عرب وغیرہ

طریقے سے، مگر اس کے بعد اخلاقیات، طبعیات، اور الٰہیات کے ماہر کی حیثیت سے اس پر نظر ڈالی گئی۔"[1]

ڈاکٹر ٹی، جے، ڈی بوائر تاریخ فلسفۂ اسلام میں لکھتے ہیں:۔

"اسلامی اور عیسائی عالم جنوب میں دو نقطون پر ایک دوسرے سے مل گیا یعنی جنوبی اطالیہ اور ہسپانیہ میں پلرمو میں شہنشاہ فریڈریک دوم کے دربار میں عربی علوم بڑے شوق سے پھیلائے گئے، اور لاطینی قوم اس سے بہرہ مند ہوئی شہنشاہ موصوف اور اس کے بیٹے منفریڈ نے بولغنہ اور پیرس کی یونیورسٹیون میں فلسفیانہ تصانیف کے ترجمے عنایت کئے، ان میں بعض ترجمے عربی سے ہوئے تھے، اور بعض براہ راست یونانی اصل کتب سے"[2]

مسٹر اسکاٹ فریڈریک دوم کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اسی نے مسلمانون کے علم و فضل کو تمام یورپ میں پھیلا دیا، جو ممالک اس کے زیر نگین نہ تھے ان میں بھی تعلیمی تحریک پیدا ہو گئی، خوش عقیدہ لوگ اس کی آزاد خیالی سے بہت گھبراتے تھے،..... عرب فلسفی اور عرب سیاست دان پر جتنا فریڈریک کو اعتبار تھا، اور اس کے جتنے گہرے تعلقات ان لوگون سے تھے، اور کسی سے نہ تھے،..... مانٹ پیلیئے اور سلرنو کے مدارس ایک دوسرے کے معاصر تھے، ان ہی کی بدولت وہ یورپ جس پر ظلمت چھائی ہوئی تھی،..... وہ ابن رشد کے علم فلسفہ، ابن بیطار کے علم نباتات، ابوالقاسم کے علم جراحی، ابن العوام کے علم فلاحت، اور ابن الخطیب کے علم تاریخ سے دوچار ہوا،...... وہ اصول جو دربار ایبنڈا اور فریڈریک کے فلسفیون نے اختراع کئے تھے، وہی لالرڈ ہیو گونات اور پیورٹن مذاہب کے بیخ و بنیاد قرار پائے، دینی و دنیاوی آزادی کی وہ برکات جن سے آج

[1] تاریخ فلسفہ صفحہ ۲۰۶، [2] تاریخ فلسفۂ اسلام صفحہ ۱۷۳،

مہذّب اور روشن خیال دنیا کے باشندے مستفیض ہو رہے ہیں، وہ عجیب و غریب کلیں جو انسانی محنت و مشقت کو ہلکا، تکلیف کو کم، رسل و رسائل میں آسانی، تجارت میں تشویق، مصنوعات میں ترقی، بالجملہ نسلِ انسانی کی راحت کے تمام سامان مہیا کرتی ہیں، بالواسطہ نتیجہ ہیں ان فلسفیانہ تحقیقات اور سائنٹیفک ترقیوں کا جن کے محرک صقلیہ کے نارمن بادشاہ شاہ فریڈریک دوم اور والیان پروونیس ہوئے، حقیقت نفس الامریہ ہے کہ اگر یہ بادشاہ باشندگانِ عرب کی قابلیت اور تہذیب کو نہ دیکھتے، تو ان کے خواب و خیال میں بھی یہ باتیں پیدا نہ ہوتیں، اس لحاظ سے یہ تمام برکات جو دنیا و مافیہا میں نظر آتی ہیں، عربوں ہی کے طفیل میں ہیں[۱]"

ڈریپر لکھتا ہے:۔

"عربوں کے ادب کی طرح جس نے مسیحی دنیا پر جنوبی فرانس اور سسلی کی راہ سے پیش قدمی کی تھی، ان کا سائنس بھی انہی دونوں راستوں سے یورپ میں داخل ہوا،......

اسلامی سائنس کے قدم شمالی اٹلی میں مضبوطی سے جم گئے، فلسفہ مشائیہ نے اس خلعت سے آراستہ ہو کر جو ابنِ رشد نے اس کے لئے تیار کیا تھا، بہت سے خفیہ اور علانیہ پیرو پیدا کر لئے، ایسے لوگوں کی تعداد کم نہ تھی، جو اس فلسفہ کا خیر مقدم نہایت تپاک سے کرتے اور اس کے مسائل کو نظر استحسان سے دیکھنے کے لئے تیار رہتے تھے، لیونارڈ ڈاونسی کا شمار اسی جماعت میں ہے، وہ اس اصول موضوعہ کا بانی ہے کہ سائنس میں استدلال بجز تجربہ اور مشاہدہ کے معتبر اور مفید یقین نہیں ہو سکتا[۲]، حقائق قدرت پر صحیح روشنی صرف تجربہ ہی

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۵۰۹ و ۵۰۵ تا ۱۰۷، [۲] ڈاونسی کو اس اصول کا بانی کہنا صحیح نہیں، مسلمان فلاسفہ و حکماء کے یہاں کا یہ متداول اصول ہے،

ڈال سکتا ہے، اور قوانین قدرت کی دریافت کے لئے تجربہ کا ہونا لازمی ہے، ڈاونسی نے ثابت کیا کہ ایک نقطہ پر دو عمودی قوتون کا عمل کسی مستطیل کے خط الزاویہ کے عمل کے مشابہ ہوتا ہے جس کے اضلاع ان قوتون کو ظاہر کرتے ہین، اس اصول کے بعد غیر مستقیم قوتون کے مسئلہ کا حل ہونا بہت آسان ہوگیا، اس مسئلہ پر ایک صدی بعد اسٹیونیس نے از سر نو روشنی ڈالی، اور قوت جر ثقیل کی تشریح کے متعلق اس سے کام لیا..... رگڑ کے قوانین جن کا عملی ثبوت آگے چل کر اماٹنس نے دیا، اسی (ڈاونسی) کے دریافت کئے ہوئے ہین اصول خفیقت سرعت رفتار کی ماہیت سے وہ بخوبی واقف تھا سطوح مائل اور قوس ہائے مدور پر اجسام کے نزول کی شرائط پر اس نے مفصل بحث کی ہے، عکسی تصویر کھینچنے کا کیمرا اسی کی ایجاد ہے، علم ترکیب اجسام حیوانات و نباتات کے متعدد مسائل کی نسبت اس نے صحیح خیالات ظاہر کئے، طبقات الارض کے جدید علم کے بعض مہمات مسائل مثلاً آثار متحجرات کی نوعیت اور بر ہائے اعظم کے ارتفاع کی نسبت جو امور اس نے بیان کئے ہین، ان کے تجربہ نے آج تصدیق کر دی ہے، اس نے اس مسئلہ کی تشریح کی ہے، کہ چاند کی روشنی زمین کے نور کا عکس ہے[1]

یورپ مین اسلامی سائنس کے اثرات سے جو انقلاب ہوئے، مورخین نے انھین تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کا عقلی اثر سب سے پہلے یہ ظاہر ہوا کہ یورپ کی مطلق العنان ذہنی حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا، اس کے ساتھ ہر بات کے قبول کرنے کے لئے محض فرسودہ روایات ساقط اعتبار کر دئے گئے، صحت کا معیار روایت کے بجائے درایت پر رکھا گیا، کہ جو کچھ علم و تجربہ کے معیار پر صحیح اوترے اسے صحیح باور کیا جائے، اسکی وجہ سے یورپ مین نظریات اور ان کے دلائل قائم کرنے کا رواج ہوا، اور خصوصاً فن ریاضی پر توجہ مبذول ہوگئی، کہ اسکی بنیاد عقل و تجربہ پر ہے، ڈریپر لکھتا ہے:۔

---

[1] معرکہ مذہب و سائنس صفحہ ۱۴۰،

"اس طور پر فن ریاضی تحقیقات علمی کا بہت بڑا آلہ بن گیا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ فن علمی استدلال کا آلہ بن گیا، ایک اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس نے دماغ کے عمل کو حرکت اضطراری کی شکل میں بدل دیا، اس لئے کہ اس کی علامات اکثر و بیشتر فکر و غور کی قائم مقام ہو گئیں، تحکیم و تدقیق استدلال کی عادت جس نے اس کے فیض سے نشو و نما پایا، دوسرے علوم و فنون میں بھی داخل ہو گئی، جس کی وجہ سے دنیا میں ایک عقلی انقلاب پیدا ہو گیا[1]"

اسی طرح فن الجبرا کے یورپ[2] میں پہنچنے کی سرگذشت میں ڈریپر لکھتا ہے، ا۔

"مبادی فن الجبرا کی معلومات کے لئے ہم عربوں کے رہین منت ہیں، ریاضی کی اس شاخ کا نام تک انھیں کا رکھا ہوا ہے، دار العلوم اسکندریہ سے اس فن کے جو بچے کھچے اجزا ان تک پہنچے تھے، ان میں انھوں نے ان معلومات کا اضافہ کیا، جو ہندوستان سے حاصل کئے گئے تھے، اور تنقیح و ترتیب کے بعد اس اصلاح یافتہ مجموعہ کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے مدون کیا، عربوں سے یہ فن تیرھویں صدی کے شروع میں اٹلی پہنچا، لیکن اس پر اسقدر کم توجہ کی گئی، کہ تین سو سال تک یورپ میں کوئی کتاب اس فن پر نہ لکھی گئی، ۱۴۹۴ء میں پشیولی نے پہلی مرتبہ ایک کتاب بنام "فن الجبرا" شائع کی ۱۵۴۵ء میں کارڈن ساکن میلان (اٹلی) نے مساوات مکعبہ یعنی تیسرے درجہ کی مساوات کے حل کرنے کا طریقہ دریافت کیا ۱۵۹۰ء میں سیپو فیریو اور اس کے بعد ٹارٹیلیا اور وٹیا نے مزید اضافے کئے، اب علماء جرمنی نے اس فن پر اپنی توجہ مبذول کرنی شروع کی ہے.....[3]"

اسلامی اثر سے علمی مجلسوں کا قیام، سسلی کی راہ سے اٹلی میں اسلامی سائنس کے قدم مضبوطی سے جمنے کا

---

[1] معرکۂ مذہب و سائنس ص ۲۱۴، [2] یعنی گویا الجبرا کی اسلامی کتابیں جو کچھ یورپ کی زبانوں میں منتقل ہوئی تھیں یورپ میں تین سو برس تک صرف انہی پر مدار رہا، [3] معرکۂ مذہب و سائنس ص ۲۱۳،

نمایاں اثر یہ ہوا کہ یورپ میں اس فن کی ترقی کے لئے علمی ادارے قائم ہونے لگے، جن سے یورپ کی موجودہ سائنٹفک ترقیاں عالم وجود میں آئین، ڈریپر لکھتا ہے:۔

"شمالی اٹلی میں جب ایک دفعہ سائنس کے قدم مضبوطی سے جم گئے، تو بہت جلد کل جزیرہ نما میں اس کا اثر پھیل گیا، اس کے پرستش کرنے والوں کی روز افزوں تعداد کا پتہ ان علمی مجلسوں سے چلتا ہے، جو بہ کثرت قائم ہوتی جاتی ہیں، اور جلد جلد ترقی کر رہی ہیں، یہ مجلسیں ان اسلامی مجالس کا چربہ تھیں، جو زمانہ سابق میں غرناطہ و قرطبہ میں موجود رہ چکی تھیں اسلامی تمدن نے جس راستہ پر اپنے نقش قدم چھوڑے تھے، اس پر گویا مسافر کی یادگار قائم کرنے کی غرض سے ۱۳۴۵ء میں ٹولوز کی اکاڈمی کی بنا ڈالی گئی، جو آج کے دن تک قائم ہے ..... علم طبعیات کو ترقی دینے کی غرض سے پہلی علمی مجلس کی بنا نیپلز میں بپٹیسٹا پورٹا نے ڈالی، ترابوشی کا بیان ہے، کہ حکام کلیسا نے اس مجلس کو بند کر دیا، اس کے بعد پرنس فریڈرک سیسی نے روما میں ایک مجلس بنام "لنسئی" قائم کی، ..... فلارنس کی اکاڈمی ۱۶۵۷ء میں قائم ہوئی، ....."[1]

ان علمی مجالس اور ان کے ارکان اور ان مجلسوں کی قائم مقام مجلسوں نے سائنس کی نئی ترقیوں، ایجادوں اور اکتشافوں سے دنیا بدل دی،

عربی ادب کے اثرات، عربی ادب و شعر بھی جنوبی فرانس اور سسلی ہی کی راہ سے مسیحی دنیا میں پہنچا، اور وہاں اپنے نمایاں اثرات قائم کئے، صقلیہ کے نارمنی اور جرمن دوروں میں عربی زبان، ادب اور شعر و شاعری کو جو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی، اس کا تذکرہ پچھلے صفحوں میں گذر چکا ہے، ان عیسائی فرمانرواؤں کی توجہ سے عربی زبان نہ صرف یورپ کی تعلیمی و علمی زبان کی حیثیت سے تسلیم کی گئی، بلکہ عربی ادب و شعر سے وہاں کی معاشرتی زندگی میں بھی خوشگواری پیدا کی گئی، یہاں تک کہ عربی قصیدوں اور نظموں کے طرز پر

[1] معرکہ مذہب و سائنس ص ۴۰۰، ۴۰۴ مطبوعہ ۱۹۱۰ء۔

اٹلی اور جرمنی کے شعرا اپنی نظمیں کہنے لگے، جن میں، ردیف و قوافی کی بھی رعایت ہوتی تھی، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:۔

"ایک صدی کامل دربار پلرمو ان لوگوں کی ادبی قابلیت کی وجہ سے بہت ہی مشہور رہا ہے، جو وہاں کی شہرت اور وہاں کے لطف صحبت کی وجہ سے کھچے چلے آئے اور وہیں کے ہو رہے ...... عرب جاہلیت کے قصائد اور نظمیں نہ صرف پلرمو بلکہ ہمسایہ شہر روم میں اسی قدیم شان ولب ولہجہ میں پڑھی جاتی تھیں، اور مسلمان اور غیر مسلمان دونوں تحسین و آفرین کرتے، اور داد دیتے تھے۔"[1]

پھر ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:۔

"جو شان کہ مسلمان بادشاہان صقلیہ نے قائم کی تھی، اسی کو دیکھ کر اٹلی کے ان لوگوں میں دماغی ترقی کا خیال پیدا ہوا، جنھوں نے اس ملک میں قرون وسطیٰ کے علم ادب کی بنیاد رکھی، مسلمان سلاطین جو اس زرخیز جزیرہ پر حکمران تھے، سب کے سب علم کے نہایت باذل قدردان تھے، نارمنوں نے ...... اہل عرب کے تبحر و محنت علمی پر خاص طور سے توجہ اور تشویق کی نظر ڈالی ...... یورپ میں مطرب سو تی مارے مارے پھرتے ہیں، ان گیتوں کی عربی گیتوں سے مماثلت یہ پتہ دیتی ہے، کہ ان کا ذریعہ القا کیا ہے، اور صورتیں جو قومی رواج پر مبنی ہیں، اس کی تائید کرتی ہیں، کہ **یورپ کے علم ادب کا سرچشمہ عربی ہے** ...... اٹلی کے سب سے بڑے علمائے ادب نے بے خیالی میں عرب شعراء کا اس طرح اعتراف کیا ہے، کہ انہوں نے یورپ کے مطربان سوتی کی نظموں کے اوزان و بحور اور اسلوب کی تقلید کی ہے، ڈانٹی نے بھی جو اپنے زمانہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا، انکے تتبع میں تامل نہیں کیا، بلکہ ان کی حمایت

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ ص۵۳،

کی ہے، پیڑارک کی کینزونی میں بے شمار ایسی باتیں ملتی ہیں، جن کو مسلمانانِ صقلیہ کے طرزِ عمل سے بہت مماثلت ہے۔۔۔۔۔ شاہ فریڈریک ثانی کے قدر دانی کی اتباع سے علم کا چرچا کوہ الپس تک پہنچا، اور اسی کے ساتھ مسلمانانِ صقلیہ کی تہذیب، علم ادب کے اس نقل مکانی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کے "غزل سرا" شعرا کا ایک جدا فرقہ پیدا ہو گیا۔۔۔ سو برس سے زیادہ جرمن سوسائٹی میں یہ کتابیں متداول رہیں، اور اگر گیٹے اور شلر پیدا نہ ہو جاتے تو وہ کتابیں اب تک بے مثال ہی رہتیں[۱]"

عربی زبان کے اثرات، یورپ میں عربی علوم و فنون کے داخل ہونے سے عربی زبان کو بھی قدرۃً مقبولیت حاصل ہوئی، وہ مدتوں ان میں سے بعض ملکوں میں اس حیثیت سے سمجھی اور بولی جاتی رہی، کہ گویا وہ وہاں کی ملکی زبان تھی، اور ابتداً یورپ میں عربی زبان کے بغیر کسی علم و فن کا پڑھنا پڑھانا بعید سمجھا جاتا تھا خصوصاً کالجوں میں تعلیم پانے کے لئے ہر طالب علم کا عربی زبان کا پڑھنا اسی طرح ضروری تھا، جیسے موجودہ زمانہ میں ہندوستان میں کالجوں میں تعلیم پانے کے لئے انگریزی زبان کا جاننا ضروری ہے، یورپ میں تحصیل علم کے لئے عربی زبان کی اہمیت مارگولیتھ کے بقول سترہویں صدی عیسوی تک قائم رہی[۲]

عربی زبان کو جزیرہ صقلیہ سے اگر جان بوجھ کر مٹایا نہ جاتا تو شاید آج بھی اس کے گہرے اثرات اسی طرح وہاں موجود ہوتے، جیسے مالٹا کی موجودہ مالٹی زبان میں ہیں، اور جن کا تذکرہ صفحاتِ بالا میں گذر چکا ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا میں یہ تصریح اعتراف کیا گیا ہے، کہ صقلیہ میں عربی زبان نے مسلمانوں کے بعد نارمنوں کے زمانہ میں بھی ترقی کی، مگر اس کے اثرات

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۳ ص۴۹۹ تا ۵۰۲، گیٹے کے کلام میں عربی تہذیب کے جو لازوال اثرات ہیں وہ بھی اس موقع پر فراموش نہیں کئے جا سکتے، [۲] محمد ازم ص۲۳۲،

مٹانے کے لئے فرانسیسی اور اطالوی زبانوں کو وہاں رائج کیا گیا، اور قریب تھا کہ جزیرہ سے اس زبان کا نام و نشان مٹ جائے، لیکن فریڈریک دوم نے تخت نشین ہو کر پھر اس زبان کی سرپرستی قبول کر لی، اور اس میں ایسی نئی جان ڈال دی، کہ اوس کے آثار یورپ سے مدتوں محو نہ ہو سکے،[۱]

عربی زبان کے اثرات یورپ کی مختلف زبانوں تک پہنچے، اور اس کی مدد سے اون زبانوں کی تکوین میں بڑی مدد پہنچی، چنانچہ آج بھی یورپ کی مختلف زبانوں میں عربی خیالات، طرز ادا، اور عربی قواعد صرف و نحو کے علاوہ عربی الفاظ کا بڑا ذخیرہ یادگار کے طور پر باقی رہ گیا ہے، موسیو لیبان لکھتے ہیں:-

یورپ کی لاطینی اقوام کی البتہ ایک مثال ہے، جہاں عربی زبان ان کی قدیم السنہ کی جگہ نہیں لے سکی، لیکن یہاں بھی اس نے اپنے تسلط کے بین آثار چھوڑے ہیں،..... فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا، موسیو سدیو نہایت درست لکھتے ہیں کہ..... یہ امر نہایت قرین قیاس ہے کہ عربوں ہی کی زبان سے جو آٹھویں صدی عیسوی سے بحر روم پر قابض تھے فرانسیسی اور اطالی زبانوں میں اکثر وہ الفاظ اخذ کئے گیے، جو جہاز رانی اور بحری انتظام سے متعلق ہیں،..... یہ بھی قرین قیاس ہے، کہ جس وقت باقاعدہ اور مستقل فوجیں یورپ میں قائم ہونے لگیں، تو افسروں کے نام اور لڑائی میں نعرے کے الفاظ بھی عربوں ہی سے گئے، اور انتظام مملکت کے متعلق اصطلاحیں بھی بغداد و قرطبہ سے اخذ کی گئیں، فرانس کے طبقہ ثالث کے سلاطین پوری طرح عربوں کے مقلد تھے، اور اسی وجہ سے شکار کے متعلق اکثر الفاظ عربی الاصل ہیں..... ہمارا علم ہیئت ان اصطلاحوں سے معمور ہے، اکثر ستاروں کے نام بھی عربی ہیں، اور ریاضی کی اصطلاحات، کیمیا کی اصطلاحات، اور علم حیوانات اور علم طب

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، جلد ۲۵ ص ۲۲ و ۲۴،

کی بہت سی اصطلاحات اور ادویہ کے نام عربی سے اخذ کئے گئے ہیں"[1]

یورپین زبانوں میں سے جو زبانیں براہ راست صقلیہ کے اثر سے متاثر ہوئیں، وہ ایطالوی جرمن اور پھر بالواسطہ فرانسیسی اور انگریزی زبانیں ہیں، ایطالوی زبان پر براہ راست خود عربوں نے اثر ڈالا، جرمن زبان فریڈریک کی علمی تحریک سے متاثر ہوئی، اور فرانسیسی اور انگریزی زبانوں کو اولاً نارمنوں اور پھر عربی زبان کا اثر قبول کی ہوئی ایطالوی اور جرمن زبانوں نے متاثر کیا،

ان میں سے خصوصاً اٹلی کی زبان پر براہ راست اثر پہنچنے کے بعد جب فریڈریک کی علمی تحریک سے اس پر عربی کے نئے اثرات پہنچے تو ایک ایسی نئی زبان کی تکوین ہوئی، جو عربی اور لاطینی زبانوں سے اسی طرح مل کر بنی ہے، جیسے ہندوستان میں قدیم سنسکرت اور عربی و فارسی زبانوں کے میل جول سے نئی ہندوستانی زبان اردو عالم وجود میں آئی، یہ زبان فریڈریک دوم کے دربار میں پیدا ہوئی، اور نئی ایطالوی زبان کے نام سے موسوم کی گئی،

مسٹر اسکاٹ یورپ میں عربی زبان کے اثرات دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ زبان اب بھی دریائے سائین اور دریائے ڈینیوب کے کناروں پر کہیں کہیں بولی جارہی ہے، اس میں عربی اشتقاق اور عربی الفاظ اب بھی موجود ہیں، دور کیوں جائیے، خود انگریزی زبان اور اس کے ذریعہ سے دنیا کا وہ سب سے بڑا حصہ جہاں انگریزی بولی جاتی ہے، عربی زبان کا شرمندۂ احسان ہے، بہ نسبت اور ممالک کے اٹلی میں اس زبان نے دفعتہً شمال کی طرف سے فرانس سے اور جنوب کی طرف سے صقلیہ سے حملہ کیا، اور جزیرہ نمائے لاطینی کی انگھڑ بولی پر تفوق حاصل کرکے اس کو نکال باہر کیا، اس کی دارو گیر یہیں ختم نہیں ہوئی

[1] تمدن عرب ص ۴۰۳، ۴۰۴،

بلکہ شاہان فرارا اور مانٹ فیراٹ کو اپنے قبضہ میں لاکر وہ یونانی ریاست تھیسالونیکا تک

جا پہونچی،،

پھر ایک دوسرے موقع پر کہتے ہیں :۔

"اس زبان نے یورپ کے محاورات بلکہ تمام ادب پر گہرا اور مستقل اثر ڈالا ہے، انگریزی زبان کے سب سے زیادہ روزمرہ کے محاورات بغیر تبدیلی کے اسی زبان سے لئے ہوئے اب تک ہماری زبان میں موجود ہیں، فرنچ زبان کے اکثر الفاظ و محاورات زبان عربی سے ماخوذ ہیں، اسپینی زبان کو تو بگڑی ہوئی عربی کہا جاتا ہے، .... زبان ایطالیہ پر جو اثر صقلیہ کے مسلمانوں نے ڈالا ہے، وہ صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے قصص و حکایات بیشتر عربی یا عبرانی میں لکھے جاتے تھے[1]"



[1] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۶۷، ۸۰، و جلد ۲ ص ۱۰۴ و ۹۰۴،

خاتمہ

یورپ سے اسلامی تہذیب و تمدن کے آثار کا استیصال

یورپ میں عربی زبان اور صقلیہ کا پھیلایا ہوا اسلامی تمدن، عرب و اسلام کے انتساب کے ساتھ تقریباً پندرہوین صدی عیسوی تک باقی رہا، اس اثنار میں ایک طرف تو یورپ میں بیداری پیدا ہوئی دوسری طرف صلیبی لڑائیون سے وہان کے باشندون کے دلوں میں اسلام اور مسلمانون کے خلاف بغض، عناد، اور تعصب کے جذبات پہلے سے زیادہ ابھر گئے، اور یورپ کے مذہبی پیشواؤن اور سیاسی مدبرون نے نہ صرف اسلامی تہذیب و تمدن کے نشانات مٹانے چاہے، بلکہ مسلمانون کی شاندار علمی اور ادبی ترقیون کو سرے سے فراموش کردینا چاہا،

گاڈفری ہگنس کہتا ہے:-

"مین بخوبی جانتا ہون کہ عیسائی، مسلمانون، ان کے مذہب اور ہر اس چیز کو جو ان سے تعلق رکھتی ہے سخت حقارت و نفرت سے دیکھتے ہیں، مگر تحقیق کرنے سے ان کو معلوم ہوجائے گا کہ یہی مسلمان اپنے مذہب کی بنیاد پڑتے ہی روے زمین پر ایسی فیاض اور روشن ضمیر قوم بن گئے تھے کہ ہم بہ نسبت قدمار کے مفید علوم کی اشاعت کیلئے ان کے بہت ممنون ہین،"

امریکن مصنف ڈریپر یورپ کی احسان فراموشی کے متعلق لکھتا ہے:-

"یورپ کے عیسائی مصنفین نے ہر عنوان پر قلم اٹھاتے وقت خواہ اس کا موضوع تاریخ ہو

یا مذہب، یا سائنس، جب اپنے فتحمند مخالفین (مسلمانون) کا ذکر کیا ہے، تو اسی طرح زہر اگلا ہے، ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے، کہ جس چیز مین وہ کوئی ذم کا پہلو نکال سکین، اسے چھپا دین، اور جس چیز کو چھپا نہ سکیں اسکی تنقیص کرین،

جس طریقہ سے یورپ کے لٹریچر نے مسلمانون کے سائنٹفک علمی وادبی احسانات کو پس پشت ڈال دینے کی کوشش کی ہے، اس پر مجھے سخت افسوس ہوتا ہے، مگر یقیناً وہ بہت دیر تک چھپ نہین سکتا، وہ ناانصافی جو مذہبی بغض وعناد اور قومی افتخار پر مبنی ہو اُسے ثبات حاصل نہیں ہوتا"[۵۱]

یورپین یونیورسٹیوں سے اسلامی علوم وفنون کا اخراج

انہی کوششون کا یہ نتیجہ ہوا کہ سسلی سے عربی زبان جو وہان کی تقریباً مادری زبان بن چکی تھی، چودھوین صدی میں ناپید ہوگئی[۵۲]، صرف اہل علم کے ایک مختصر حلقہ مین علمی زبان کی حیثیت سے کچھ دنون کے لئے باقی رہی، اسی طرح اٹلی کی وہ یونیورسٹیان جو مسلمانون اور ان کے علوم وفنون کے ذریعہ عالم وجود میں آئی تھیں، پٹرارک متوفی ۱۳۷۴ء جیسے متعصب عیسائی فلاسفہ کے ہاتھون میں آگئین جنھون نے ان یونیورسٹیوں سے عربی زبان واسلامی علوم وفنون کے خارج کرنے کی پرزور تحریک اوٹھائی، اور ان کے بجائے یونانی زبان اور اس کے علوم وفنون کو داخل کرنا چاہا، یورپ کے اہل علم نے اس تحریک کا خیر مقدم کیا، اور یونانی ولاطینی زبانون کے احیا کی کوششیں شروع ہوئیں اور پھر یورپین یونیورسٹیون سے عربی لٹریچر رفتہ رفتہ خارج کیا جانے لگا، اور اس کی جگہ یونانی زبان اور لٹریچر کو ملنے لگی، یہان تک کہ ۱۴ر نومبر ۱۴۹۷ء کو نیوبیس نے یورپ کی مشہورترین یونیورسٹی پیڈوا میں اصل یونانی زبان میں ارسطو کے فلسفہ پر لکچر دیا، اور اس موقع پر یونیورسٹی کی طرف سے جشن مسرت کی عظیم الشان تقریب منائی گئی جس میں شعرائے یورپ نے مسرت آمیز نظمیں سنائین[۵۳]

۵۱ معارف جلد ۱، نمبر ۵ بحوالہ اپالوجی فار دی لائف اینڈ کیرکٹر آف محمد ص ۵۵ لندن ۱۹۲۹ء دکانفلکٹ (معرکۂ مذہب و سائنس ڈریپر) ص ۹۲، ۵۲ انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا جلد ۲۵ ص ۳۵ (سسلی) ۵۳ ابن رشد ص ۲۰۲، ۲۰۳ بحوالہ ولیم انفیلڈ ص ۲۲۴ ودنیا ص ۱۹۴، ۲۲۴

اس دن گویا یورپ سے اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان کے اخراج پر مہر ثبت کر دی گئی،

صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن کے آثار کی بربادی، اس کے بعد یورپ میں صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن کے جو کچھ تھوڑے بہت آثار باقی رہ گئے تھے، رفتہ رفتہ وہ بھی محو کر دیے گئے مسٹر اسکاٹ صقلیہ کے اسلامی تہذیب و تمدن کے آثار کے برباد کئے جانے کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"دنیا بھر کی کسی قوم کے آثار ایسے کامل طور پر اور ایسے باقاعدہ طریقہ سے کہیں نہیں مٹائے گئے، جیسے کہ مسلمانانِ صقلیہ کے آثار برباد کئے گئے۔"[1]

اس کے بعد ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:۔

"صقلیہ کی جائے وقوع غیر محفوظ ہے، جس کی وجہ سے یہ سرزمین ہر غارت گر کی تختۂ مشق رہ چکی ہے، روم کے پوپ مسلمانوں کی ہر چیز کے جانی دشمن رہے ہیں، اس لئے وہ عمارات بالکل غارت ہو گئیں، جن کا ذکر تاریخوں میں ہے، کہ مسلمانوں کے زمانہ میں بہ کثرت موجود تھیں، یہی انجام ان صنعتی اور حرفتی چیزوں کا ہوا جن کو کوئی خاص اہمیت تھی، یا فی الحقیقت وہ مستند طور پر مسلمانوں کے زمانہ کی ہیں، ان میں سے کوئی چیز کسی قومی عجائب خانہ یا ذاتی جمع کردہ چیزوں میں موجود نہیں ہے، غرض مسلمانانِ صقلیہ کی تہذیب کی کوئی یادگار جس کا تذکرہ وہاں کے مورخین نے کیا ہے، اسوقت صفحۂ ہستی پر باقی نہیں ہے جب یہ خیال کیا جائے کہ قرونِ وسطیٰ میں صقلیہ کی صنعت و حرفت و تجارت بہت بڑے پیمانہ پر تھی، اور ہمسایہ سلطنتوں سے ان کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے، تو ان کے آثار تعمیر و اشیائے صنعتی و حرفتی کا دنیا سے بالکل ناپید ہو جانا سخت تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے۔"[2]

غیر فانی نقوش بلاشبہہ صقلیہ کے مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کی مادی یادگاریں صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۶۲ [2] ، جلد ۳ صفحہ ۶۰،

لیکن امریکن مصنف کی پیشینگوئی کے مطابق جب مذہبی بغض و عناد اور تعصب کا پردہ چاک ہوا تو غیر متعصب عیسائی مورخین نے اعتراف کیا کہ

"جن ممالک پر مسلمانون کے علوم کا اثر پڑا تھا، اور جنھون نے مسلمانون کی تہذیب کی تقلید کی تھی، انہی میں احیاے علوم ہوا، باقی تمام مسیحی دنیا جہالت کی سخت ترین و بدترین ظلمت میں گرفتار رہی، یہ اہم واقعات ہین، اور ان سے ان اسباب کا پتہ لگتا ہے، جو یورپ کی دماغی ترقی کے مسبب ہوئے ہین، اور جن کا نتیجہ آج کل کے سائنس کا اوج کمال ہے....."

یہ تھی وہ تہذیب جس کو مسلمانان صقلیہ و اندلس نے یورپ کے واسطے بطور توریث چھوڑا، ان کے فتوحات و اثرات، ان کی وہ ترقیان جو زمانہ امن و امان میں ہوا کرتی ہین، ان کی وہ صنعتی، حرفتی اختراعات، ان کے اقتصادی ایجادات، ان کا تہذیب و تمدن پر دوامی اثر، یہ وہ باتین ہین، کہ جن کا اگر اعتبار نہ آئے، تو محل تعجب نہیں، وہ جو کچھ کر گئے، اس کی مثال دنیا کی کوئی قوم نہیں دکھا سکتی [1]"

ابو العرب مصعب صقلی اپنے وطن کی یاد میں آنسو بہاتے ہوئے یہ سچ کہتا ہے :-

ویا وطنی ان بت عنی فاننی ، ساوطن اکوار العتاق النجائب

اے وطن (صقلیہ) اگر تو میرے موافق نہیں ہے، تو میں عمدہ اونٹنیوں کے کجاوے کو اپنا وطن بناؤنگا '

اذا کان اصلی من تراب فکلھا بلادی وکل العالمین اقارب

جب کہ میری اصل خاک ہے، تو میری زمین میرا ملک اور تمام دنیا میری اقربا ہے'

کہ دراصل اسلامی تہذیب و تمدن یورپ کی ترقیوں کے خمیر میں داخل ہے اسلئے جبتک دنیا مین تہذیب و تمدن کا وجود باقی ہے، اسکے خمیر میں صقلیہ کے اسلامی تمدن کے نام و نشان کو بھی ثبات و دوام حاصل ہے،

[1] اخبار الاندلس جلد ۳ ص ۵۰۲، ۴۴، ۷ ،

مراثی

صقلیہ کی یاد میں بعض صقلی مسلمانوں نے چند قطراتِ اشک گرائے ہیں جن کے داغ صفحۂ قرطاس پر آجتک باقی ہیں :-

عبدالحلیم بن عبدالواحد صقلی :-

عشقت صقلیة یافعا، وکانت کبعض جنان الخلود

میں شباب ہی میں صقلیہ کا جو جنتِ خلد کے مثل تھا، عاشق ہوا،

فما قدر الوصل حتی اکتھلت وصارت جہنم ذات الوقود[1]

وصل میسر نہ آسکا، یہانتک کہ میں ادھیڑ ہو گیا، اور اب صقلیہ جہنم ہو گیا، جس میں آگ بھڑک رہی ہے

ابوالحسن علی بن عبدالجبار ابن ودانی صقلی :-

صقلیہ کانت وکنا بھا فی ظلِ عیش ناعم رطب

صقلیہ اور صقلیہ کے انشا پرداز تر و تازہ عیش کے سایہ میں تھے،

مدّ علیھا الامن استارہ فسار ذکرھا مع الرکب[2]

امن نے اس پر اپنے پردے پھیلا دیئے، اور مسافروں کے ذریعہ سے اسکا عام چرچا ہوا،

لم یشکروا نعمۃ ما خوّلوا فبدّلوا الملح من العذب

جب تک انھیں نعمتیں عطا کی گئیں اونھوں نے انکا شکر ادا نہیں کیا، اور شہد کو نمک سے بدل لیا،

ابوحفص عمر بن رشیق صقلی :-

نفسی تحنّ الی اھلی واوطانی وھل رایتم محبا غیر حنّان

میرا دل اہل و عیال اور وطن کا مشتاق ہے، کیا تم نے کوئی ایسا عاشق بھی دیکھا ہے جو

[1] خریدة القصر، اماری ص ۵۰۱، [2] مدارک یادگاری جلد ا ص ۲۶۲،

کانوا بقلبی احیاءً و فی کبدی نار تاجج من شجوی و احزانی

میرے دل میں انکی یاد تازہ ہے اور میرے سینے میں میرے رنج و غم کی آگ بھڑک رہی ہے،

کان منادی البعث قام منادیا لحشر فهبّ الخلق طرّاً کما کانوا

کوچ کے منادی نے عام اجتماع کے لئے منادی کی، اور لوگ جس حالت میں تھے اسی حالت میں طیار ہو گئے

وقد ضاق رحب الارض بالخلق والتقت جموعهم مرجا رجال و نسوان

زمین کی فضا لوگوں کی بھیڑ سے تنگ ہو گئی اور مرد اور عورت جمع ہو کر گڈمڈ ہو گئے،

وشقت قلوب لاجیوب ورجعت بلابل ورجت نفوس و اذهان

دل پھٹے نہ کہ گریبان اور اضطراب قلب کی دھڑکن کی صدا بار بار آئی اور روح و جان دہل گئے،

و کانوا بلبس اللهو بیضا حمائما فعادوا وهم فی ملبس الحزن غربان

خوشی کے لباس میں وہ لوگ سفید کبوتر تھے، اور اب غم کے لباس میں کوے ہو گئے،

دعاء

دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ مسلمانانِ صقلیہ کو اپنی رحمت کے سایہ میں لیلے، کہ انھوں نے اوسی کی مدد سے اور اوسی کے لئے اس کو فتح کیا تھا، اسد کا پہلا قدم اوسی کے نام او ٹھا تھا، اور شاید اسی لئے انکے کاموں کو برکت نصیب ہوئی، اور انھوں نے چند دنوں میں بنی نوع انسان کی وہ خدمت انجام دی، جو دوسری قوموں سے صدیوں میں بھی انجام نہ پا سکی لیکن افسوس کہ آج ان کی تربتیں بھی معلوم نہیں کہ عقیدت کے دو پھول ان پر چڑھائے جاسکیں، رحمهم الله جمیعاً رحمةً واسعة و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین،

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ ہجری

۱۹ دسمبر ۱۹۳۵ء

سید ریاست علی ندوی

دار المصنفین اعظم گڈھ

۱؎ خریدۃ القصر در اماری ص ۱۹۰۱

تصحیح و استدراک

کتاب کے طبع ہونے کے بعد ذیل کی چند چیزین لائق تصحیح و استدراک نظر آئین:-

ابن ظفر صقلی کی جاے پیدایش اور مقام نشو و نما مین مورخین کے جو مختلف بیانات صفحہ ۲۰۱ مین درج کئے گئے ہین، اور پھر ۲۰۲ مین جو نتیجہ نکالا گیا ہے صلاح الدین صفدی کی الوافی بالوفیات سے اسکی پوری تصدیق ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے:-

"ابن ظفر صقلیہ مین پیدا ہوا، مکہ مین نشو و نما پائی، حماۃ کو وطن بنایا، اور وہین ۵۶۵ھ مین وفات پائی"

ابن ظفر کی جو کتابیں علوم قرآن مین ہین، اور جن کا ذکر صفحہ ۲۰۴ مین کیا گیا ہے، ان مین کتاب التفسیر الکبیر اور کتاب ینبوع الحیاۃ کے متعلق یہ شبہہ ظاہر کیا گیا ہے کہ شاید دونوں ایک ہی کتاب ہون لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ دونون علحدہ علحدہ کتابین ہیں، صفدی نے تفسیر کبیر کا ذکر کتاب تفسیر القرآن کے نام سے کیا ہے، اور اُسے ۱۲ جلدون مین بتایا ہے، اور ینبوع الحیاۃ دو یا تین جلدون مین ہے،

علم کلام میں ابن ظفر کی ایک کتاب التسخیر کا ذکر آیا ہے جو المقفی میں التسخیر کے نام سے ہے، وہی رسالہ الوافی میں التسخین فی اصول الدین کے نام سے ملا، اور صفدی نے دوسرے رسالہ الجنۃ فی اعتقاد اہل السنۃ کا نام الجنۃ من فرق اہل السنۃ لکھا ہے، علم کلام میں ابن ظفر کے دو اور رسالے بڑھائے جا سکتے ہین، (۱) کتاب کشف الکسف، (۲) الانباء عن الکتاب المسمّٰی بالاحیاء،

نیز ان کا ایک رسالہ علم فقہ میں نظر انداز ہو گیا ہے، وہ ارجوزۃ فی الفرائض والولاء ہے، ان رسالون کا تذکرہ سلوان اور مقفی میں بھی آیا ہے،[۱]

ابو الحسن طاہر بن احمد مصری جوہری نحوی متوفی ۴۶۹ھ کا عرف ایک جگہ "ابن ماسا" چھپ گیا ہے، وہ "ابن بابشاذ" ہے[۲]

---

۱ جلد اص ۱۸۱ مطبوعہ ۱۹۳۱ء، ۲ حسن المحاضرہ جلد اص ۲۲۰،

صفحہ ۴۰۸ کی پہلی سطر پر کیمیا سازی کا بیان ختم ہو جاتا ہے، دوسری سطر سے ایک نئی فصل "فلسفہ و منطق" شروع ہوتی ہے جسکی سرخی چھپنے میں رہ گئی ہے،

ابن القطاع صقلی نے ۸۰ سال سے زیادہ عمر پائی[1]

صفحہ ۴۳۱ میں کتاب صقلیہ کی فہرست میں ابو الصواب الیانی کا نام نظر انداز ہو گیا ہے، وہ "یانی" سے قصریانہ کی طرف منسوب ہیں[2]

علمائے صقلیہ میں سے چند مزید اسمار دستیاب ہوئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :-

ابو الحسن احمد بن عمر بن عطیہ صقلی ۴۳۳ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم و تربیت پائی، علم قرآن میں دستگاہ رکھتے تھے لیکن فن حدیث میں پایہ بلند نہ تھا، دمشق کی مسجد رحبۃ البصل میں ان کا حلقۂ درس قائم تھا، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور مقری و مؤدب کا لقب دیا ہے، وہ ان سے دمشق میں ملا تھا اور ان سے حدیث کی روایت کی اجازت حاصل کی تھی اور انکے سلسلۂ سند سے ایک حدیث بھی اپنی تاریخ میں درج کی ہے، انھوں نے ۵۰۵ھ میں وفات پائی، اور مقبرہ باب الصغیر میں دفن کئے گئے[3]

ابو احمد عبد المنعم بن حسین جرشی عبقی صقلی، کو ابن ابار نے جلیل القدر مالکی فقہا میں شمار کیا ہے، ابو مروان طبنی اندلسی ان سے صقلیہ میں ملا تھا، اور ان کے علم و فضل کی تعریف کی ہے، آخر عمر میں صقلیہ سے اندلس چلے گئے تھے، ان کے لڑکے ابو موسیٰ عیسیٰ بن عبد المنعم کا ذکر کتاب میں ص ۳۲۶ میں آیا ہے،

ابو زکریا عبد الرحیم بن احمد بخاری بھی ممتاز علمائے صقلیہ میں تھے، ابو مروان ان سے بھی صقلیہ میں ملا تھا اور ان کے علم و فضل کی بھی تعریف کی ہے، یہ بھی صقلیہ سے اندلس چلے گئے تھے[4]

صقلیہ کی عیدین کے تہوار عالم اسلامی میں مشہور تھے، مقدسی لکھتا ہے :-

واضح ہو کہ اسلام کی پانچ چیزیں پانچ مقامات پر ہیں، رمضان کی خوبصورتی مکہ میں ختم قرآن کی رات مسجد اقصیٰ میں، عیدین کے تہوار صقلیہ میں، عرفہ کا دن شیراز میں، اور جمعہ کا روز بغداد میں[5]

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ا ص ۲۲۸،
[2] تاج العروس جلد ۹ ص ۲۱۳،
[3] تاریخ ابن عساکر جلد ا ص ۴۱۹،
[4] التکملہ ابن ابار جلد ۲ (مخطوطہ نقی) ص ۵۶، مطبوعہ میڈرڈ سنہ ۱۹۱۵ء،
[5] احسن التقاسیم مقدسی ص ۱۸۳،

ضمیمہ

فہرست مآخذ

یعنی

ان کتابوں کی فہرست جن سے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی گئی

کتب عربی

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
		(الف)	
۱	ابن رشد وفلسفتہ	فرح انطون،	ادارۂ جامعۂ اسکندریہ سنہ ۱۹۰۳ء
۲	آثار البلاد واخبار العباد،	زکریا بن محمد بن محمود قزوینی، (سنہ ۶۷۴ھ)	مطبوعہ سنہ ۱۸۴۸ء،
۳	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم،	شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بشاری مقدسی، (سنہ ۳۷۵ھ)	بریل لیڈن سنہ ۱۹۰۶ء،
۴	اخبار الدول المنقطعۃ،	علی بن ظافر ازدی متوفی سنہ ۶۲۳ھ،	مقتبس دریادگاری مضامین از نسخہ قلمی برٹش میوزیم پیرس،
۵	الاخبار السنیۃ فی الحروب الصلیبیہ	سید علی حریری،	مطبع عمومیہ مصر سنہ ۱۳۱۷ھ
۶	اخبار الطوال،	ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی سنہ ۲۸۲ھ	مطبع بریل لیڈن سنہ ۱۸۸۸ء
۷	اخبار العلماء باخبار الحکماء	وزیر جمال الدین ابو الحسن علی بن قاضی اشرف یوسف قفطی متوفی سنہ ۶۴۶ھ،	مطبع سعادہ مصر سنہ ۱۳۲۶ھ
۸	اخبار مصر،	محمد بن علی بن یوسف بن جلب معروف بابن میسر	مطبع معہد علمی قاہرہ سنہ ۱۹۱۹ء

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
۹	اخبار الملوک ونزهة الممالک والمملوک فی طبقات الشعراء،	المنصور محمد بن عمر شاہ حماۃ متوفی سنہ ۶۱۷ھ	مقتبس در اماری از نسخہ مطبوعہ لیڈن،
۱۰	آداب اللغة العربیة (دیکھو تاریخ آداب اللغة العربیة)	.	.
۱۱	ارشاد الاریب الی معرفة الادیب (معروف بہ معجم الادباء)	شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی متوفی سنہ ۶۲۶ھ،	مطبع ہندیہ مصر، سنہ ۱۹۰۷ء
۱۲	ازهار الریاض فی اخبار عیاض	شہاب الدین احمد بن محمد مقری صاحب نفح الطیب متوفی سنہ ۱۰۴۱ھ	در یادگاری از نسخہ قلمی پیرس
۱۳	اسد الغابہ فی معرفة الصحابة	ابو الحسن علی بن محمد معروف بہ ابن اثیر جزری متوفی سنہ ۶۳۰ھ	مطبع وہبیہ مصر سنہ ۱۲۸۰ھ،
۱۴	الاشارات فی معرفة الزیارات	علی بن ابوبکر ہراوی، متوفی سنہ ۶۳۰ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس
۱۵	اعمال الاعلام فیمن بویع قبل الاحتلام من ملوک الاسلام	لسان الدین محمد بن خطیب وزیر اندلسی متوفی سنہ ۷۷۶ھ،	مقتبس در یادگاری مضامین
۱۶	کتاب الاقالیم	ابو اسحاق علی الفارسی معروف بہ اصطخری،	مقتبس در اماری از نسخہ مطبوعہ گوتھا جرمنی،
۱۷	اکتفاء القنوع بما هو المطبوع	اڈورڈ فنڈیک،	مطبع الهلال مصر سنہ ۱۳۱۳ھ
۱۸	الالحان المسلسلة فی حلی جزیرة صقلیة	ابن سعید صاحب کتاب المغرب متوفی سنہ ۶۷۳ھ	یہ کتاب المغرب ہی کا ٹکڑا ہے جو ابن القطاع کی الدرة الخطیرہ سے ماخوذ ہے مقتبس در یادگاری مضامین،
۱۹	الامامة والسیاسة،	ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی سنہ ۲۷۰ھ	مطبع فتوح ادبیہ مصر عکسی سنہ ۱۹۱۳ء
۲۰	کتاب الانساب،	قاضی ابو سعید عبد الکریم بن ابوبکر محمد تمیمی سمعانی، متوفی سنہ ۵۶۲ھ	
		(ب)	
۲۱	البدای (دیکھو کتاب البدی)		
۲۲	بغیة الوعاة فی طبقات اللغویین والنحاة	جلال الدین عبد الرحمن سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ	مطبع سعادہ مصر سنہ ۱۳۲۶ھ

تفصیل نسخہ	مصنف	نام کتاب	شمار
مقتبس دراماری وترجمہ ہندوستانی موسوم بہ تاریخ مغرب مترجمہ مولوی جمیل الرحمٰن	ابو العباس ابن عذاری مراکشی،	البیان المغرب فی اخبار ملوک الاندلس المغرب	۲۳
	(ت)		
مطبع الہلال مصر سنہ ۱۹۱۱ء	جرجی زیدان،	تاریخ آداب اللغۃ العربیہ	۲۴
•	•	تاریخ ابن اثیر، (دیکھو الکامل فی التاریخ)	۲۵
•	•	تاریخ ابن خلدون، (دیکھو العبر و دیوان المبتداء والخبر)	۲۶
•	•	تاریخ ابن خلکان، (دیکھو وفیات الاعیان)	۲۷
•	•	تاریخ ابن عساکر، (دیکھو التاریخ الکبیر)	۲۸
•	•	تاریخ ابو الفداء (دیکھو المختصر فی اخبار البشر)	۲۹
مطبع بریل لیڈن سنہ ۱۹۰۸ء	ابو یعلیٰ حمزہ بن اسد معروف بہ ابن قلانسی متوفی سنہ ۵۵۵	تاریخ ابو یعلیٰ ابن قلانسی،	۳۰
مطبع الدولۃ التونسیہ سنہ ۱۲۸۹ مقتبس دراماری از نسخہ قلمی پیرس	ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم اللولوی الزرکشی سنہ ۹۳۲،	تاریخ اولیۃ لبعض الدولۃ الموحدیۃ ونبوع الدولۃ الحفصیۃ (وموسوم بہ تاریخ الدولتین الموحدیۃ والحفصیۃ)	۳۱
مطبع سعادہ مصر سنہ ۱۳۴۹ھ	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی سنہ ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد،	۳۲
مطبع الہلال مصر سنہ ۱۹۰۴ء	جرجی زیدان،	تاریخ التمدن الاسلامی	۳۳
مقتبس دراماری از نسخہ قلمی بوڈلین آکسفورڈ	حسین بن محمد بن داوران،	تاریخ تونس،	۳۴
مقتبس دراماری از نسخہ قلمی پیرس	محمد بن علی بن محمد زوزنی،	تاریخ الحکماء،	۳۵

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
۳۶	تاریخ دول الاسلام	شمس الدین ابو عبد اللہ ذہبی متوفی سنہ ۷۴۶ھ	دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۳۷ھ
۳۷	تاریخ الدولتین الموحدیہ والحفصیہ	ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم زرکشی متوفی سنہ ۸۶۳ھ	مطبع الدولۃ التونسیہ سنہ ۱۲۸۹ھ
۳۸	تاریخ الرسل والملوک،	ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی سنہ ۳۱۰ھ	مطبع بریل لیڈن سنہ ۱۸۷۹-۱۹۰۱ء
۳۹	تاریخ جزیرۃ صقلیۃ من حین دخلها المسلمون و اخبار ما جری فیها من الحرو وتبدیل الامراء وغیر ذلک،		ایک کتاب لاطینی زبان میں سنہ ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی ہے اسی نام کا رسالہ ضمیمہ کے طور پر منسلک ہے اور اس سے اماری نے نقل کیا ہے ایک تاریخ صقلیہ ابو زید غمری کی طرف منسوب ہے،
۴۰	تاریخ طبری، (دیکھو تاریخ الرسل)		
۴۱	تاریخ قضاعی،	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ابو بکر قضاعی معروف بہ ابن آبار، متوفی سنہ ۶۵۸ھ	مقتبس در اماری،
۴۲	تاریخ الاسلام،	شمس الدین ابو عبد اللہ ذہبی، متوفی سنہ ۷۴۶ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس
۴۳	التاریخ الکبیر،	ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین بن عساکر متوفی سنہ ۵۷۱ھ	مطبع روضۃ الشام، سنہ ۱۳۲۹ھ
۴۴	تحفۃ الالباب ونخبۃ الاعجاب،	ابو حامد وابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحیم بن ربیع غرناطی متوفی بعد سنہ ۵۶۰ھ،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس،
۴۵	تذکرۃ الحفاظ،	شمس الدین ابو عبد اللہ ذہبی متوفی سنہ ۷۴۶ھ	مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،
۴۶	ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک	قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ متوفی سنہ ۵۴۴ھ	مقتبس در یادگاری [illegible] از نسخہ قلمی مملوکہ محمد بن ابی [illegible]
۴۷	تزیین الممالک بمناقب سیدنا الامام مالک،	جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ	مطبع خیریہ مصر سنہ ۱۳۲۵ھ
۴۸	التعلیق الممجد علی موطا محمد	مولانا عبد الحیٰ فرنگی محلی،	مطبوعہ مع موطا امام محمد مطبع مصطفائی لکھنؤ، سنہ ۱۲۹۷ھ

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
۴۹	تقویم البلدان،	عماد الدین اسمٰعیل بن ملک افضل نور الدین معروف بہ ابو الفداء صاحب حماۃ متوفی سنہ ۷۳۲ھ	دار الطباعہ سلطانیہ پیرس سنہ ۱۸۴۰ء
۵۰	التکملة لکتاب الصلہ،	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ابوبکر قضاعی معروف بابن آبار متوفی سنہ ۶۵۸ھ	مطبع روخس مجریط سنہ ۱۸۸۶ء
۵۱	التنبیہ والاشراف،	ابو الحسن علی بن حسین بن علی مسعودی متوفی سنہ ۳۴۶ھ	مطبع بریل لیڈن سنہ ۱۸۹۴ء
۵۲	تہذیب الاسماء واللغات،	ابو زکریا محی الدین بن شرف نووی متوفی سنہ ۶۷۶ھ	ادارۃ الطباعة المنیریہ مصر
۵۳	تہذیب التہذیب،	ابو الفضل احمد بن علی بن محمد معروف بہ ابن حجر عسقلانی متوفی سنہ ۸۵۲ھ،	دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۵ھ
۵۴	تاج العروس من جواہر القاموس	محب الدین ابو الفیض سید محمد مرتضیٰ زبیدی حسینی متوفی سنہ ۱۲۰۵ھ	مطبع خیریہ مصر سنہ ۱۳۰۶ھ
		(ج)	
۵۵	جامع التواریخ،	منسوب بہ حسین یافعی	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس
۵۶	جذوة المقتبس فی ذکر ولاة	ابو عبد اللہ محمد بن ابو نصر حمیدی متوفی سنہ ۴۸۸ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی بوڈلین،
۵۷	الاندلس فی اسماء رواة الحدیث جغرافیہ زہری، (دیکھو کتاب الجغرافیہ،)		
۵۸	الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ،	محی الدین ابو محمد عبد القادر بن ابو الوفا محمد قرشی حنفی متوفی سنہ ۷۷۵ھ،	دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۳۲ھ
		(ح)	
۵۹	حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ	جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ	مطبع شرفیہ مصر سنہ ۱۳۲۷ھ
۶۰	الحلة السیراء	ابوبکر بن الآبار قضاعی بلنسی متوفی سنہ ۶۵۸ھ	مقتبس در اماری از نسخہ پیرس منقولہ نسخہ قلمی اسکوریال

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
		(خ)	
۶۱	خریدۃ العجائب و فریدۃ الغرائب	زین الدین ابوحفص عمر بن مظفر بن الوردی متوفی ۷۴۹ھ	مقتبس در اماری از نسخہ مطبوعہ اوپسالا سوئڈن ۱۸۳۵ء
۶۲	خریدۃ القصر و جریدۃ اہل العصر	عماد الدین ابوعبداللہ محمد بن حامد الکاتب اصفہانی متوفی ۵۹۷ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس و برٹش میوزیم،
۶۳	خطط الشام،	سید کرد علی،	مطبع الحدیثیہ دمشق ۱۳۴۳ھ
۶۴	خطط مصر،	تقی الدین احمد بن علی بن عبد القادر بن محمد معروف بہ مقریزی متوفی ۸۴۵ھ	مطبع نیل مصر ۱۳۲۴ھ
		(د)	
۶۵	دائرۃ المعارف،	سلیمان بستانی	مصر
۶۶	دیوان صلۃ السمط،	قاضی ابوعبداللہ محمد بن ابوالحسن علی مصری معروف بہ ابن شباط،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی موسیو الفانس و سوگرز نیو نس
۶۷	دیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب،	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی بن محمد بن فرحون یعمری مدنی مالکی متوفی ۷۹۹ھ	مطبع سعادہ مصر ۱۳۲۹ھ
		(ذ)	
۶۸	الذخیرہ فی محاسن اہل الجزیرہ،	ابوالحسن علی معروف بہ ابن بسام سنتری متوفی ۵۴۲ھ،	مقتبس در مجموعہ انتخاب تاریخ بنو عباد ڈوزی مطبوعہ بریل لیڈن ۱۸۴۶ء
۶۹	ذیل تاریخ دمشق، (دیکھو تاریخ ابویعلی بن قلانسی،)		

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
		(ر)	
۷۰	رحلۃ ابن جبیر،	محمد بن احمد بن جبیر کنانی متوفی ۶۱۴ھ	مطبوعہ بریل لیڈن ۱۹۰۷ء
۷۱	رحلۃ التیجانی،	ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم تیجانی،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس و نسخہ مملوکہ موسیو الفانس روسو گورنر ٹیونس،
۷۲	رفع الاصر عن قضاۃ مصر،	شہاب الدین احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ۔	مقتبس در یادگاری مقیان
۷۳	الرواد، (کتاب اعلام المقتطف)		ادارہ المقتطف مصر ۱۹۲۶ء
۷۴	الروضتین فی اخبار الدولتین النوریہ والحفصیہ،	شہاب الدین ابو محمد عبد الرحمن بن اسمعیل بن ابراہیم مقدسی،	مطبوعہ وادی نیل مصر ۱۲۸۷ھ
۷۵	ریاض النفوس فی طبقات علماء قیروان وافریقیہ و مایلیھما من بلدانھا ومراسیھا وحصونھا وسواحلھا زھادھم وعبادھم ونساکھم وشییٔ من اخبارھم وفضائلھم وتاریخ وفیاتھم،	ابو بکر عبد اللہ بن ابو عبد محمد معروف بالمالکی،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس،
		(ز)	
۷۶	مجلہ الزراع،		مصر
		(س)	
۷۷	السلوک لمعرفۃ دول الملوک	تقی الدین احمد بن علی مقریزی متوفی ۸۴۶ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
		(ش)	
۷۸	شرح المختار من شعر بشار اختيار الخالدين،	ابو طاہر اسمعیل بن احمد بن زیادۃ اللہ تجیبی (بعد ۴۲۱ھ)	مصححہ مولوی بدر الدین علوی مطبوعہ مطبع اعتماد مصر ۱۹۳۴ء
۷۹	شرح مواقف لعضد الدین عبد الرحمن بن احمد ایجی	سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ و مولی حسن چلپی بن محمد شاہ فناری متوفی ۸۸۶ھ و عبد الحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷ھ)	مطبوعہ مطبع سعادہ مصر ۱۳۲۵ھ
		(ص)	
۸۰	کتاب الصلۃ فی تاریخ ائمۃ الاندلس،	ابو القاسم خلف بن عبد الملک بن مسعود بن بشکوال قرطبی متوفی ۵۷۸ھ،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی اسکوریال منقولہ در کتبخانہ پیرس
		(ط)	
۸۱	طبقات الامم،	قاضی ابو القاسم صاعد بن احمد اندلسی متوفی ۴۶۲ھ	مطبع کاتولیکیہ بیروت ۱۹۱۲ء
۸۲	طبقات ابی العرب،	ابو العرب محمد بن قادم	مقتبس در یادگاری مضامین از نسخہ قلمی موکہ موسیو فشنب
۸۳	طبقات الحنفیہ (موسوم تاج التراجم)	قاسم بن قطلوبغا حنفی (۸۷۹ھ)	مطبع لیپزگ ۱۸۶۲ء،
۸۴	طبقات الشافعیۃ الکبری،	تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن تقی الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ	مطبع حسینیہ مصر
۸۵	الطبقات الکبیر،	محمد بن سعد کاتب واقدی متوفی ۲۳۰ھ	مطبع بریل لیڈن ۱۳۲۲ھ
		(ع)	
۸۶	العبر و دیوان المبتدا والخبر	ولی الدین ابو زید عبد الرحمن بن محمد بن	دار الطباعۃ عامرہ

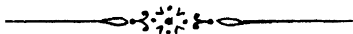
شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
	فی ایام العرب والعجم و بربر و من عاصرهم من ذوی السلطان الاکبر معروف به تاریخ ابن خلدون،	خلدون حضرمی مغربی متوفی ۸۰۸ھ	مصر ۱۲۸۴ھ
۸۷	العبر فی خبر من عبر،	شمس الدین ابوعبداللہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ	مقتبس درامارى از نسخہ قلمی پیرس
۸۸	عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات،	زکریا بن محمد بن محمود قزوینی متوفی ۶۸۲ھ	مطبع التقدم مصر
۸۹	العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین،	تقی الدین محمد بن احمد حسینی فاسی مکی، متوفی ۸۳۲ھ	مقتبس درامارى
۹۰	عقد الجمان فی تاریخ اهل الزمان،	بدر الدین محمود بن احمد متوفی ۸۵۵ھ،	مقتبس دریادگاری مفیدین
۹۱	عنوان الدرایه فیمن عرف من العلماء فی المائة السابعه ببجایه	ابوالعباس احمد بن احمد بن عبداللہ غبرینی متوفی ۷۱۴ھ،	مطبع ثعالبیہ مصر ۱۳۲۸ھ
۹۲	عیون الانباء فی طبقات الاطباء،	موفق الدین ابوالعباس احمد بن قاسم معروف بہ ابن ابی اصیبعہ متوفی ۶۶۸ھ	مطبع وہبیہ قاہرہ ۱۲۹۹ھ
		(ف)	
۹۳	کتاب الفارسیة فی مبادی الدولة الحفصیه،	ابوالعباس احمد بن حسن بن علی بن خطیب بن قنفقود۔	مقتبس درامارى از نسخہ مطبوعہ درجنرل ایشیاٹک جلد ۱۳
۹۴	الفتح القسی فی الفتح القدسی	ابوعبداللہ محمد بن محمد معروف بہ عماد الدین کاتب اصفہانی متوفی ۵۹۷ھ،	بریل لیڈن ۱۳۰۵ھ،
۹۵	فتوح البلدان،	ابوالعباس احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری متوفی ۲۷۹ھ	مطبع بریل لیڈن ۱۸۶۶ء
۹۶	فتوح الشام و مصر،	(منسوب بہ) ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی، متوفی ۲۰۷ھ	مقتبس درامارى از نسخہ قلمی پیرس

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
۹۷	فتوح مصر و اخبارہا،	ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عبد الحکم بن اعین قرشی متوفی سنہ ۲۵۷ھ،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس،
۹۸	کتاب الفلاحۃ،	ابو زکریا محمد بن محمد بن احمد بن العوام، اشبیلی،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی بوڈلین و ترجمہ ہندوستانی موسوم بہ کتاب الفلاحت مترجمہ مولوی سید ہاشم ندوی،
	(ک)		
۹۹	الکامل فی التاریخ،	عز الدین ابو الحسین علی بن ابو الکریم محمد شیبانی معروف بہ ابن اثیر متوفی سنہ ۶۳۰ھ	مطبع بریل لیڈن سنہ ۱۸۶۶ء
۱۰۰	کتاب البدیع،	نور الدین علی بن موسی بن سعید مغربی غرناطی متوفی سنہ ۶۷۳ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی بوڈلین آکسفورڈ، لندن سنہ ۱۸۸۳ء
۱۰۱	کتاب فی تحقیق ما للہند معروف بہ کتاب الہند بیرونی،	ابو الریحان محمد بن محمد خوارزمی بیرونی متوفی سنہ ۴۴۰ھ	
۱۰۲	کتاب الجغرافیہ،	ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر زہری متوفی سنہ ۵۳۲ھ،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس،
۱۰۳	کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون،	مصطفے ابن عبد اللہ ملا کاتب چلپی معروف بہ حاجی خلیفہ متوفی سنہ ۱۰۶۸ھ	مطبع عالم سنہ ۱۳۱۰ھ
۱۰۴	کتب الکنیٰ والاسماء	ابو البشر محمد بن احمد بن حماد دولابی متوفی سنہ ۳۱۰ھ	مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سنہ ۱۸۸۳ء
۱۰۵	کتاب مختصر جغرافیہ	نور الدین علی بن موسی بن سعید غرناطی سنہ ۶۷۳ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس و بوڈلین،
۱۰۶	لمحۃ البہجۃ العلمیۃ فی بعض النسبۃ الصقلیۃ،	محمد بن طیب قادری حسنی،	در یادگاری مضامین بکوللا مقالہ ہا دوم،
۱۰۷	مجلۃ المجمع العلمی العربی	٠	دمشق

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
۱۰۸	المختصر فی اخبار البشر،	عماد الدین اسمٰعیل ابو الفداء صاحب حماۃ متوفی ۷۳۲ھ	مطبع حسینیہ مصر،
۱۰۹	مختصر کتاب ابناء الرواۃ علی ابناء الرواۃ، للقفطی	شمس الدین ابو عبد اللہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی لیڈن،
۱۱۰	مراٰۃ الجنان وعبرۃ الیقظان	ابو محمد عبد اللہ بن اسعد یافعی متوفی ۷۶۸ھ	مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۷ھ
۱۱۱	مراٰۃ الزمان،	شمس الدین ابو المظفر یوسف سبط ابن جوزی متوفی ۶۵۴ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس
۱۱۲	مروج الذہب ومعادن الجوہر،	ابو الحسن علی بن حسین بن علی مسعودی متوفی ۳۴۶ھ	امپریل پریس پیرس،
۱۱۳	مسالک الابصار فی ممالک الامصار،	شہاب الدین ابو العباس احمد بن یحیی کرمانی عمرانی معروف بابن فضل اللہ کاتب دمشقی متوفی ۷۴۹ھ	مقتبس در اماری از نسخہ پیرس، بوڈلین واکسفورڈ
۱۱۴	المسالک والممالک،	ابو القاسم محمد بن حوقل، (۳۶۷ھ)	طبع آخر ومقتبس در اماری از نسخہ مطبوعہ اکسفورڈ،
۱۱۵	مسالک الممالک،	ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد فارسی اصطخری کرخی	مطبع بریل لیڈن ۱۹۲۷ء
۱۱۶	المسالک والممالک،	ابو عبید عبد اللہ بن عبد العزیز بکری اندلسی متوفی ۴۸۷ھ،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس
۱۱۷	مسند ابن حنبل،	امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۳ھ
۱۱۸	کتاب المشترک وضعا والمفترق صقعا،	شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ	مقتبس در اماری از نسخہ مطبوعہ گوٹنگن جرمنی،
۱۱۹	معالم الایمان فی معرفۃ اہل القیروان،	عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد اللہ انصاری معروف دباغ متوفی ۶۹۶ھ وقاسم بن عیسی بن ناجی تنوخی متوفی ۸۳۷ھ	مطبع عربیہ تونسیہ ۱۳۲۰ھ
۱۲۰	المعجب فی تلخیص اخبار مغرب	محی الدین ابو محمد عبد الواحد بن علی تمیمی مراکشی ۶۲۱ھ	مطبع لیڈن ۱۸۸۱ء

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
۱۲۱	معجم الادباء یاقوت، (دیکھو ارشاد الاریب)		
۱۲۲	معجم البلدان،	شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی متوفی ۶۲۶ھ،	مطبع سعادہ مصر ۱۳۲۳ھ
۱۲۳	المغرب فی حلی المغرب،	ابو الحسن نور الدین علی بن موسیٰ بن سعید غرناطی متوفی ۶۲۳ھ،	مطبع بریل لیڈن ۱۸۹۹ء
۱۲۴	المغرب فی ذکر بلاد افریقیہ والمغرب،	ابو عبید اللہ عبد اللہ بن عبد العزیز بکری متوفی ۴۸۷ھ،	الجزائر ۱۹۱۱ء
۱۲۵	کتاب المقفیٰ،	مقریزی متوفی ۸۴۵ھ	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس بخط مصنف،
۱۲۶	المونس فی اخبار افریقیہ وتونس،	ابو عبد اللہ محمد بن ابو القاسم رعینی قیروانی معروف بابن ابی دینار متوفی ۱۱۱۰ھ	مطبع دولۃ تونسیہ ۱۲۸۶ھ
		(ن)	
۱۲۷	الناسخ والمنسوخ،	ابو جعفر نحاس متوفی ۳۳۸ھ	مطبع السعادہ مصر ۱۳۲۳ھ
۱۲۸	نبذۃ المحتاجہ فی اخبار ملوک صنہاجہ،	قاضی ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حماد	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی مملوکہ موسیو شربونو،
۱۲۹	النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ،	جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن تغری بردی ظاہری متوفی ۸۷۴ھ،	مقتبس در اماری، مضامین،
۱۳۰	نخبۃ الدہر وعجائب البر والبحر،	شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابو طالب انصاری صوفی دمشقی متوفی ۷۲۷ھ،	مقتبس در اماری از نسخہ قلمی پیرس،
۱۳۱	نزہۃ الالبا فی طبقات الادبا،	ابو البرکات عبد الرحمن بن محمد انباری متوفی ۵۷۷ھ	مصر ۱۲۹۰ھ
۱۳۲	نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق،	ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد اللہ ادریسی متوفی ۵۶۰ھ	رومہ ۱۸۷۸ء

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
۱۳۳	نشق الازھار فی عجائب الاقطار	ابوالبرکات محمد بن احمد بن ایاس متوفی ۹۳۰ھ	مقتبس درامارئ از نسخہ قلمی پیرس،
۱۳۴	نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب،	ابو العباس احمد بن محمد مقری اندلسی متوفی ۱۰۴۱ھ	مطبع ازہریہ مصر ۱۳۰۲ھ
۱۳۵	نہایۃ الارب فی فنون الادب	شہاب الدین ابو عبداللہ احمد بن عبدالوہاب بکری نویری متوفی ۷۳۳ھ،	مقتبس درامارئ از نسخہ قلمی لیڈن،
۱۳۶	نیل الابتہاج بتطریز الدیباج	ابو العباس احمد بن احمد بن احمد بن عمر بن محمد اقیت معروف بہ بابا تنبکی متوفی ۱۰۳۶ھ	بہامش دیباج المذہب مطبوعہ ۱۳۲۹ھ،
		(و)	
۱۳۷	الوافی بالوفیات،	صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی متوفی ۷۶۴ھ	مطبع دولت استانبول ۱۹۳۱ء و مقتبس درامارئ از نسخہ قلمی پیرس
۱۳۸	وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان،	قاضی احمد معروف بہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ	مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ
		(ھ)	
۱۳۹	مجلۃ الھلال،	.	قاہرہ مصر،
۱۴۰	کتاب الھند بیرونی، (دیکھو کتاب فی تحقیق ماللھند)	.	
۱۴۱	کتاب ھیئۃ اشکال الارض و مقادرھا فی الطول والعرض معروف بہ جغرافیہ،	.	مقتبس درامارئ از نسخہ قلمی پیرس،



کتب بزبان انگریزی و ہندوستانی وغیرہ

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
		(الف)	
۱	ابن رشد،	مولوی محمد یونس انصاری،	مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ سنہ ۱۳۴۲ھ
۲	اخبار الاندلس،	اس پی اسکاٹ،	ترجمہ ہسٹری آف دی مورش امپائر ان یورپ مترجمہ جناب منشی محمد خلیل الرحمن صاحب مطبوعہ سنہ ۱۹۲۴ء
۳	ارض القرآن	مولانا سید سلیمان ندوی،	مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ،
۴	اسٹوری آف دی نیشنس سیریز، (دیکھو سسلی، بیزنطائن امپائر، پیپل مانرکی اسٹوری آف دی نارمن)		
۵	اسٹوری آف دی نارمن (اسٹوری آف دی نیشنس سیریز جلد ۲۹)	سارا اورون جیوٹ،	فشر انیون، لندن،
۶	اماری (دیکھو ببلوتھیکا)،		
۷	انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا،		طبع یازدہم کیمبرج یونیورسٹی پریس سنہ ۱۹۱۱ء
۸	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام،		طبع اول لندن سنہ ۱۹۱۳ء،
۹	مجلہ اورنیٹل کالج میگزین،		لاہور ترجمہ مقالہ مشرق کا اثر مغرب پر از حاجی حقیقت
		(ب)	
۱۰	ببلوتھیکا اربو سکیولا (مجموعہ اماری)	میکائیل اماری،	مطبوعہ لیپزگ سنہ ۱۸۵۵ء تا سنہ ۱۸۸۷ء اس مجموعہ کا ذکر جلد اول کے دیباچہ میں آیا ہے قلمی کتابوں کے اقتباسات اسی میں شائع ہوئے ہیں،
۱۱	بیزنطائن امپائر، (اسٹوری آف دی نیشنس سیریز جلد ۳)	سی ڈبلو، سی اومن،	فشر انیون لندن،

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
		(پ)	
۱۲	پیپل مانر کی (ہسٹوری آف دی نیشنس سیریز جلد ۵۰)	ولیم باری،	فشر انیون لندن ۱۹۰۲ء،
		(ت)	
۱۳	تاریخ ارتقائے انسانی،	رابرٹ برفالٹ،	ترجمہ دی میکنگ آف ہیومینٹی ملخص حصہ اسلامی تہذیب در روزنامہ زمیندار لاہور مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۰ء و مجلہ اورنٹیل کالج میگزین، جلد ۶، ۱۹۳۰ء
۱۴	تاریخ اہل انگلستان،	جان رچرڈ گرین،	ترجمہ اے شارٹ ہسٹری آف دی انگلش پیپل، مترجمہ قاضی تلمذ حسین ایم اے، دارالطبع عثمانیہ ۱۹۲۱ء،
۱۵	تاریخ تمدن عرب (دیکھو تمدن عرب)	.	.
۱۶	تاریخ جمہوریت روما،	ڈبلیو ای ہیٹ لینڈ ایم اے	مترجمہ جناب حمید احمد انصاری دارالطبع عثمانیہ ۱۹۲۶ء،
۱۷	تاریخ روما،	ایچ ایف پلہیم ایم اے،	مترجمہ جناب حمید احمد انصاری دارالطبع عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۲۲ء،
۱۸	تاریخ عرب،	موسیو سدیو	مترجمہ مولوی عبدالغفور و مولوی محمد حلیم انصاری مطبوعہ الناظر لکھنؤ،
۱۹	تاریخ فلسفہ۔	الفرڈ ویبر،	مترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم اے، دارالطبع عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۲۵ء
۲۰	تاریخ فلسفۂ اسلام،	ڈاکٹر ٹی جے دی بوائر،	مترجمہ مولوی مرزا محمد ہادی صاحب بی اے، دارالترجمہ حیدرآباد مطبوعہ ۱۹۲۹ء
۲۱	تاریخ گبن (دیکھو ہسٹری آف دی ڈیکلائن اینڈ فال)		

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
۲۲	تاریخ مغرب،	ابن عذاری مراکشی،	ترجمہ البیان المغرب (جلد اول) مترجمہ پروفیسر محمد جمیل الرحمٰن ایم اے، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۱۲ء
۲۳	تاریخ یورپ	الیور تھیچر، پی ایچ، ڈی، اور فرڈیننڈ شیول، پی ایچ ڈی،	مترجمہ مولانا عبدالماجد، دریابادی بی اے، نواب حیدر یار جنگ و قاضی تلمذ حسین صاحب دائرۃ الطبع عثمانیہ سنہ ۱۹۲۲ء
۲۴	تاریخ یونان،	پروفیسر بیوری،	ترجمہ ہسٹری آف گریس مترجمہ مولوی سید ہاشمی فریدآبادی، دارالطبع عثمانیہ سنہ ۱۹۱۹ء
۲۵	تاریخ یونانِ قدیم،	پروفیسر اڈولف ہولم،	مترجمہ پروفیسر محمد ہارون خان شروانی ایم اے، دارالطبع عثمانیہ سنہ ۱۹۲۷ء
۲۶	تمدنِ عرب،	ڈاکٹر گستاولی بان،	مترجمہ شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی بی اے، طبع اول مطبوعہ مفید عام آگرہ سنہ ۱۸۹۸ء
		(ڈ)	
۲۷	ڈکشنری آف جغرافیہ،	جارج ار، ایپرس	طبع یورپ،
		(س)	
۲۸	سسلی (اسٹوری آف دی نیشنز سیریز، جلد ۳۱)	ایڈورڈ فریمین،	فشر اینون لندن،
۲۹	سفرنامہ برنارڈ،		مقتبس در "صقلیہ میں اسلام" مولفہ مولینا عبدالحلیم شرر، مطبوعہ دلگداز پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۵ء
۳۰	سینٹنا ریو دی میشیل اماری، (مجموعہ مضامین بہ یادگار صد سالہ میکائل اماری)		مطبوعہ پلرموسنہ ۱۹۱۰ء اس مجموعہ مضامین کا ذکر جلد اول کے دیباچہ میں کیا گیا ہے، اس میں مختلف مستشرقین نے انگریزی، فرنچ، جرمن، اسپینی، لاطینی اور اطالین زبانوں میں مضامین لکھے ہیں اور عربی زبان کی قلمی کتابوں کے اقتباسات دئے ہیں،

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ،
		(ف)	
۳۱	کتاب الفلاحت،	ابوزکریا یحیی بن محمد بن العوام اشبیلی	مترجمہ مولوی سید ہاشم ندوی مطبوعہ معارف پریس دارالمصنفین ۱۹۲۶ء
۳۲	فہرست کتبخانہ بانکی پور، جلد ۱۸	مولوی حاجی معین الدین ندوی، پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ،	مطبوعہ پٹنہ ۱۹۳۲ء،
۳۳	ر ر خدیویہ مصر،	ڈاکٹر کارل فولرس و سید محمد ببلاوی،	مطبوعہ ۱۳۰۸ھ،
۳۴	ر ر رام پور،		مطبوعہ رام پور ۱۹۰۲ھ،
		(ق)	
۳۵	قضار الارب من ذکر علمار النحو والادب،	احمد بن علی معروف بہ ذوالفقار علی نقوی بھوپالی،	مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۱۶ھ،
		(م)	
۳۶	محمڈنزم،	ڈی، اس، مارگولیتھ	ہوم یونیورسٹی لائبریری اڈیشن لندن،
۳۷	مجلہ معارف (جلد ۱۷، ۲۱، ۲۳، ۲۴)		دارالمصنفین اعظم گڈہ، مقالات "حجاز کے کتبخانے، اسلام کا اثر یورپ پر، ابن رشیق صقلیہ میں، جزیرہ مالٹا کی موجودہ زبان، اور زبان عربی،
۳۸	معرکۂ مذہب وسائنس	ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر ایم اے	ترجمہ کا نفلکٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس، مترجمہ مولوی ظفر علی خان بی اے (علیگ) لاہور مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۰ء
۳۹	مفتاح الکنوز الخفیہ،	مولوی عبدالحمید کیٹلاگر خدابخش خان لائبریری پٹنہ،	مطبوعہ پٹنہ ۱۹۲۲ء،

شمار	نام کتاب	مصنف	تفصیل نسخہ
		(ن)	
۴۰	نزہتہ المشتاق	ادریسی،	ترجمہ ایطالوی، مترجمہ ایم اماری وسی سیپاریلی، مطبوعہ روم ۱۸۸۳ء
		(ھ)	
۴۱	ہسٹاریکل جیوگرفی آف ایشیا،	۔	اسپوٹس وڈلس، لندن،
۴۲	ہسٹری آف دی ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر	ایڈورڈ گبن	ایوری مینس اڈیشن لندن،
۴۳	ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ،	۔	لنڈن ٹائمس پیرس ۱۹۰۸ء
		(ی)	
۴۴	یادگاری مضامین، (دیکھو سینٹے ناریو)	۔	۔